

الْاٰمَانَ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ الْاَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا اَهِمٌّ لِّمَنْ يُّؤْمِنُ ﴿٢٥﴾



سَدِّتْ حُصُوْرًا مَّفِيْرًا سَلَامًا



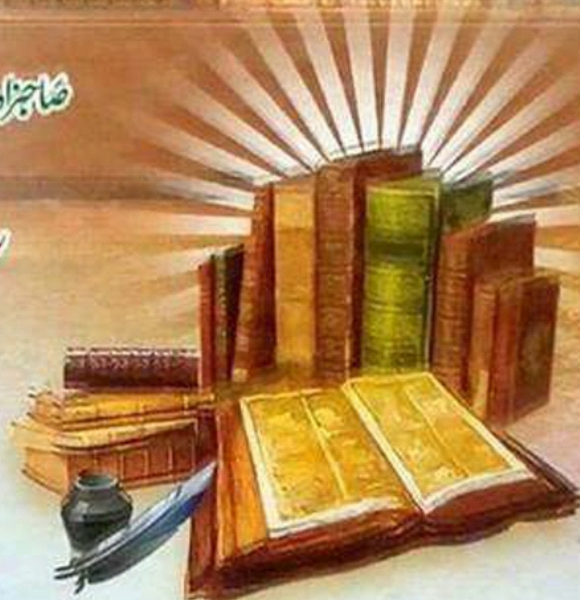
# قبلہ عالم محمد حسین کا آئی آر علیہ پروفیسر

حسب الراشاد

صاحبزادہ پیر محمد عطاء الحق نقشبندی

از قلم

سید محمد عامر آسیوی



ادارہ الحقیقہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ

### جملہ حقوق بحق ناشران محفوظ ہیں

سیرت حضور مفکر اسلام قدس سرہ العزیز	:	نام کتاب
سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی	:	نام مصنف
محمد اکرام مجددی	:	ایڈیٹنگ
لاٹانی یک اینڈ کمپوزنگ سنٹر۔ شکر گڑھ	:	کمپوزنگ
جمادی الاوّل ۱۴۳۶ھ / مارچ ۲۰۱۵ء	:	اشاعت اوّل
فتر شیران اسلام، آستانہ عالیہ حضور مفکر اسلام	:	مرکز تقسیم
نقش لاٹانی نگر۔ شکر گڑھ۔ ضلع نارووال	:	

## نظرِ انتصاب

اس فقیر پر تفصیر کی زندگی کا قیمتی ترین اثاثہ یہی چند اوراق ہیں، جنہیں نذر کیا جا رہا ہے اس کریم کی بارگاہِ عظمت پناہ میں

جس کے حسنِ تصرف نے لا تعداد کو خدائے وحدہ لا شریک لہ کے حضور جھکایا..... جس کے فیضِ نظر نے ایک زمانے کو عشق و غیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولتِ لازوال سے مالا مال کیا..... جس کے در کی گدائی سرمایہ پرستوں، جاگیر داروں اور کرسی نشینوں کی آستاں بوسی اور کاسہ لیبسی سے بے نیازی کی ضامن تھی..... جس کا دامن تو نسل دنیا داروں کی تیغِ ستم کا شکار افراد کے لیے بہترین پناہ گاہ تھی..... جس کا اشارہ ابرو نہ جانے کتنے لوگوں کے مقدر کا صورتگر تھا..... جس کی عجب و سنگت اسرار کی کشف، جس کی ذاتِ ستودہ صفاتِ انوارِ کتاب و سنت کی آئینہ دار، جس کی تجلیاتِ صورت ہی نہیں حسنِ سیرت بھی بے مثال و بے نظیر اور جو مجھ ایسے ہزاروں بیکسوں کا قبلاً مراد تھا..... اور جس کی نگاہِ کیمیا اثر نے میرے قبلہ و کعبہ، میرے محسن و مرتبی، میرے ولی نعمت، خمس العرفاء، بدر الاولیاء حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ النورانی جیسا شریعت و طریقت کا امام تیار کر کے زمانے کو دیا۔

یعنی

حیکمِ رشد و ہدایت، منبعِ فیضِ کرامت، سلطانِ الواصلین، برہانِ اکاملین

مخزنِ اسرارِ حقانی، مطلعِ انوارِ رحمانی، قیومِ زمانی، غوثِ صدیقی

علیٰ حضرت پیرِ سیدِ علی حسین شاہ صاحبِ نقشِ لائانی

فردی سرۃ العزیز

ہاں ہاں! اسی بزرگِ باکمال کے حضور یہ اوراق

بطور نذرِ غلامانہ پیش کرتا ہوں:

ہ برگِ سبز است تحفہ درویش

چہ کند بینوا ہمیں دارد

فقیرِ بارگاہِ حضورِ مفلکِ اسلام

سعیدِ آسوی

## غرضِ تہذیب

دینِ اسلام میں طبقہٴ اولیاء کو ایک خاص مقام اور شان و عظمت حاصل ہے۔ چنانچہ ان کی صحبت و سنگت اختیار کرنا، ان سے محبت کرنا، ان کی سیرت کا اتباع سب نفع بخش امور ہیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ بد عملی کے سبب ناامید ہو جائے گا۔ حق سبحانہ فرمائے گا: اے میرے بندے! کیا تو فلاں عارف کو پہچانتا تھا؟ وہ جواب دے گا: ہاں میں پہچانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا میں نے تجھے اس کے طفیل سے بخش دیا۔ مقامِ غور ہے کہ جب محض شہادتِ ولی، وسیلہٴ نجات ہے تو اولیاء اللہ کی سنگت و محبت اور ان کی سیرت کا اتباع بطریقِ اولیٰ وجہ نجات و بخشش ہوگا۔ اسی طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ (صلی اللہ علیک وسلم) اس شخص کی نسبت کیا فرماتے ہیں، جس نے ایک قوم (مثلاً گروہِ اولیاء) کو دوست رکھا مگر ان کی ملاقات سے مشرف نہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ یعنی قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا تھا۔

ان ہی کے قدموں کی برکت سے آسمان سے مینہ برستا ہے (بِهِمْ تُمْطَرُونَ۔ ی)، زمین سے نباتات اُگتی ہیں، بلائیں دور ہوتی ہیں (وَيُنْبِتُ وَيُلْقِعُ الْبَلَاءَ۔ ی)۔

فریادیں سنی جاتی ہیں (بِهِمْ تُفَاوُونَ - ۱۱) اور انہی کی برکت سے مدد کی جاتی ہے (وَبِهِمْ تَنْصُرُونَ - ۱۲)۔

پھر اولیائے کرام وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ جہاں ان کا ذکر ہوتا ہے وہاں جھوٹے تنزیلِ الرَّحْمَةِ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ رحمتِ الہی نازل ہوتی ہے۔

انہی امور کے سبب ان صالحین امت کے تذکرے کفارۃ سینات ٹھہرائے گئے ہیں (ذِكْرُ الصَّالِحِينَ كَفَّارَةٌ - ۱۳)۔ سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ تذکرہ مشائخ سے مریدین کو کیا نفع حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

الْحِكَايَاتُ جُنْدٌ مِّنْ جُنُودِ اللَّهِ يَقْوَىٰ بِهَا قُلُوبُ الْمُرِيدِينَ -  
ترجمہ: حکایاتِ مشائخ خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مریدین کے دل قوی ہو جاتے ہیں۔

اس پر سوال کیا گیا کہ کیا آپ کے اس قول کی صداقت پر کوئی دلیل ہے؟ فرمایا کہ ہاں اور وہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

وَكَأَلَّا نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْبُتُ بِهِ فُؤَادَكَ - ۱۴

ترجمہ: اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس

سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔ (کنز الایمان)

۱۲- ابن حبان فی تاریخہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

۱۱- معانی الاس - ص ۲۱

۱۳- ابو نعیم فی الحلیہ و ابن عساکر عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۱۴- ابن حبان فی تاریخہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

۵۔ الطبرانی فی الاوسط عن انس بن سعد حسن

۶۔ فتح الکبیر۔ ج ۲۔ ص ۲۸

۷۔ رسالہ تشریح باب الارادة

۸۔ سورۃ حود آیت ۱۲۰۔ ج ۱۰

اس آیت میں رب کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ہم رسولوں کے قصے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے تو غور کریں کہ ایسی تکالیف میں ان نبیوں نے صبر و توکل سے کام لیا ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ثبات و قوت و عزم پیدا ہو جاتا ہے۔

مولینا جامی علیہ الرحمہ نے سید الطائفہ کے مذکورہ ارشاد کو بہارستان میں یوں منظوم کیا ہے:

ہجوم نفس و ہوا کز سپاہ شیطانند  
چو زور بردل مرد خدا پرست آرد  
بجز جنود حکایات رهنما یاں را  
چہ تاب آنکہ براں رهنماں شکست آرد

اولیاء کرام کے تذکار کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب مطالعہ کرنے والا دیکھتا ہے کہ میرے افعال و احوال ان بزرگوں جیسے نہیں تو وہ بہتری کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔ اور غرور و تکبر، ریا و خود پسندی اور اس جیسے دیگر کمروہات سے بچ جاتا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ محبت میں جذبہ اطاعت کو قوی کرنے کا عنصر پایا جاتا ہے، چنانچہ جب اولیاء اللہ جو اعلیٰ و بلند ترین سیرت کے مالک ہوتے ہیں، کے حالات ایک قاری پڑھتا ہے تو لامحالہ ان کی محبت میں گرفتار ہو کر راہ اطاعت پر گامزن ہو جاتا ہے جو بالآخر

رضائے الہی پر منتج ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ محبوبانِ خدا کے تذکرے جو ان کے وصال کے بعد شائع ہوتے ہیں فَادُّكُوْنِيْ اَذْكُوْكُمْ (پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر چا کروں گا) کے قرآنی وعدے ہی کی گویا تفسیر ہوتے ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ زریں کی ایک کڑی ہے۔ اس میں مہر سپہرِ ولایت، ماہِ سمائے حقیقت سیدی و سندی حضور مقلدِ اسلام علیہ السلام پر و فیہر محمد حسین آسی صاحبِ قدس سرہ النورانی کا ذکر جمیل ہے۔ میرے پیارے بابا حضور نے اس دہرِ ناپائیدار میں زندگی کے دن جس حزم و احتیاط، بصیرت و فراست اور راستی و پاکبازی سے گزارے، کم از کم دورِ آخر میں اس کی مثال کمیاب ہے۔ سیرتِ مقدسہ کا ہر ہر ورق زریں اور ایک ایک نقشِ اجلا ہے۔ لڑکپن میں والدِ گرامی علیہ الرحمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو شیخِ کریم، پیکرِ رشد و ہدایت، منبعِ فیضِ کرامت، قیومِ زمانی، غوثِ صدائی علیہ السلام پر سید علی حسین شاہ صاحبِ قدس سرہ العزیز نے براہِ راست اپنی تربیت و کفالت میں لے لیا۔ مثالی علوئے استعداد، انتھک جذبہٴ خدمت اور شیخِ کامل کی نظرِ کیسیا اثر نے اس اوجِ مقام پر فائز کر دیا کہ خود ”نقشِ لائانی“ تھے تو آپ ”جلوۃٴ نقشِ لائانی“ ٹھہرائے گئے۔ پھر شیخِ کریم نے حُبِ خدا و رسول (جل و علاٴ فصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتباعِ شریعت و سنت، خدمتِ دینِ متین ہر کوئی فتنِ دورِ حاضر، تحفظِ ناموسِ رسالت و ولایت اور جذبہٴ سر بلندیِ اسلام جیسے محاسن و محامد سے کچھ اس طرح متصف کیا کہ ”شمسِ عرفاء“، ”بدرِ الاولیاء“ اور ”مقلدِ اسلام“ جیسے القاب سے ملقب ہوئے۔ آپ شریعت و طریقت کے مجمعِ البحرین، دورِ حاضر میں اسلام کے مبلغِ اعظم، کتاب و سنت کے خوشنما پیکر، صدق و صفا اور بذل و



عطا کے نورانی مجسمہ تھے۔ تحفظِ حتم نبوت کا شعبہ ہو، (۱۹۷۰ء میں) سوشلزم کا فتنہ ہو، باطل فرقوں کی بیخ کنی کا میدان ہو، نئے نئے فتنوں کی کوشالی کا معاملہ ہو، اہل اسلام کی دینی و ملی غیرت کو جگانے کا پروگرام ہو، پاکستان مخالف اذہان کی تیرگی کو ختم کرنا مقصود ہو، ارباب سیاست اور مقتدر حلقے کی اصلاح مطلوب ہو، اصلاح معاشرہ کا مسئلہ درپیش ہو، غرضیکہ ان تمام شعبہ جات میں آپ کے کارہائے نمایاں از حد لائق ستائش اور کردار مجاہدانہ ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ کی حیاتِ مقدسہ ”جہد مسلسل“ سے عبارت ہے، جہاں تھکاوٹ، غفلت یا سستی کا نام و نشان بھی نہیں۔ آپ کی حیاتِ مقدسہ کا نمایاں ترین ماٹو تھا:

رسول اللہ ﷺ توں صدقے جان میری

ایہہ فانی زندگی قربان میری

آپ اوائل عمری ہی میں اپنی زندگی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ ذیل چلے تھے۔ پھر تا حیات خدا و رسول (جل و علا فیصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے لگو لگائے رکھی، دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے کوئی علاقہ نہ تھا، آپ کی پاک و طیب زندگی میں فضولیات کا ہلکا سا تھوڑا بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ رب کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اور شیخ کریم کی دعا سے آپ کی حیاتِ طیبہ کو خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی عظیم ہستیاں کہیں صدیوں کے بعد حصہ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔

قرنہا باید کہ تاینک مردِ صاحبِ دل شود

بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

ان کی آمد سے پہلے روحِ فطرت ان کی منتظر رہتی ہے اور ان کے وصال کے بعد زمانہ ان کے گیت گاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اولیاءِ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان دنیائے ششجہت سے انتقال فرما کر خود دوسروں کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر یہ دوسرے ان سے اوجھل نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنے مزار کی تنہائی میں رہ کر بھی دلوں میں جلوے بکھیرتے ہیں۔ چنانچہ میرے بابا حضور کل بھی مرکز نور تھے اور آج بھی زمانے کی شب تاریک اس مہر منیر کی تابش کردار سے نور کی بھیک مانگتی ہے۔ آج بھی آپ کی عنایات کو محسوس کرنے والے کر رہے ہیں۔ آج بھی آپ کے تعصّفات شکستہ دلوں کا مقدر بنا رہے ہیں۔ غرض آپ اپنی خدا داد انانیوں سے آج بھی زندہ بلکہ زندہ تر ہیں اور اس پر آپ کے دربار کی رونقیں بھی شاہد ہیں۔

’ نام فقیر تنہا ندا باہو قبر جہاں دی جیوے ہو ‘

اولیاءِ کرام کی حیات بعد از وصال مسلمہ ہے، تاہم دیدار عام کا سلسلہ منقطع ہونے کے سبب ہر آدمی وہ فیض حاصل نہیں کر سکتا، جو زیارت سے مختص ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے فکری و نظری فیضان کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لیے ان کے تذکروں کو کتابی شکل دینے کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی ہے۔ اس کی چند وجوہات قیوم زمانی، قطب ربانی، عتدیل نورانی حضور نقشب لائانی قدس سرہ کی زبان حق ترجمان سے سنیں:

”ایک تو اس لیے کہ ان قدسی نفوس کی یہ داستانیں صبر و رضا، ہمت و استقامت، عشق خدا و رسول (بمل و علا فصلی اللہ علیہ والہ وسلم)، خلاق و مروت غرض

بہترین علمی و عملی اسباق سے لبریز ہوتی ہیں اور پڑھنے والے عموماً ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اس لیے بھی کہ یہ (مذکرے) خلقِ خدا کے لیے معیارِ حق بن جاتے ہیں، حرص و ہوا کے بندے جو جبہ و دستار کے بل بوتے پر پیری و مریدی کے حسین نام سے عوام کو دھوکا دیتے رہتے ہیں، ان داستانوں کے آئینوں میں ان کی پہچان بھی ہو جاتی ہے۔ تیسرے اس لیے بھی کہ بزرگانِ دین کے دشمن اور دن رات ان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے، ان تذکروں کے اُجالے میں 'نقشب زنی' بھی نہیں کر سکتے۔“

مجھہ تعالیٰ اور بکرمدہ المصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کوشش کی گئی ہے کہ زیرِ نظر کتاب ان تمام مقاصد کی تکمیل کرے۔ اس میں عصرِ حاضر کے عظیم ترین مردِ کامل حضور مقلِّدِ اسلامِ قدس سرہ العزیز کی عادات و خصائل، اخلاق و اطوار، معمولات و ارشادات، کرامات و تصرفات غرض آپ کی سیرتِ مقدسہ کے جمعہ دیپلوؤں پر ذاتی مشاہدے اور دستیابِ معلومات کی بنیاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور پُر خلوص کوشش کی گئی ہے کہ مصدقہ اور قابلِ اعتماد روایات و حقائق ہی کو بیان کیا جائے۔

مجھے کھلے دل سے اعتراف ہے کہ ایک 'مردِ کامل' خصوصاً حضور مقلِّدِ اسلام، قدس سرہ العزیز کی سیرتِ مقدسہ پر قلم اٹھانے کے لیے جن ظاہری و باطنی اوصاف و خصوصیات کی ضرورت ہے، میں ان سے عاری ہوں۔ میری علمی بے بضاعتی اور عملی تہی و امنی اس کارِ عظیم کی انجام دہی کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ یعنی حضور مقلِّدِ اسلام جیسی عظمت و استقامت کی پہاڑِ شخصیت کی سوانح نگاری ایک نہایت مشکل کام تھا۔ اس کے لیے علم و فضل کی وسعت ہی نہیں، عظمتِ کردار بھی درکار تھی۔ المختصر! مجھ ایسے 'ناقص' کے لیے یہ سب اتنا آسان نہیں تھا، نہ میں اس لائق۔ ہاں وہ خود ایک 'محرور' کو سعادت مند

بنانا چاہیں تو

ۛ بر کریمان کارھا ڈشوار نیست

وہ ایک لمحہ میں تقییر بنوا، کو صاحبِ تخت و تاج بنانا جانتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ قلم اٹھانا ان کی بلکہ ان کے اسلاف کی توجہ اور مرضی کے بغیر محال ہے۔ تو جب توجہ اور مرضی شامل حال ہے تو تحریر کے تقاضے بھی انہوں نے پورے کر لیے ہوں گے۔

میں اپنے فکر و عمل کا جائزہ لیتا ہوں تو تاریکی و ظلمت کے بادل دکھائی دیتے ہیں۔ دل میں جھانکتا ہوں تو سوز، نظر آتا ہے نہ ساز، نہ ہی نورِ عقل میسر، زندگی یوں جیسے ایک راہ گم کردہ مسافر، جو منزل سے نا آشنا اندھیری رات میں ناک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ اسی حال میں رحمتِ الہی کا ابر نیساں برستاء، دل میں یہ خیال جاگزیں ہوتا ہے کہ اگر خدا ویدِ کریم اور اس کے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم شامل حال نہ ہوتا تو حضور جیسی شخصیت کا آستانہ کیونکر ملتا۔ بس اس خیال کی آمد ہوتی ہے تو آنا فانا یوں محسوس ہوتا ہے جیسے غم کے بادل چھٹ گئے ہیں، ظلمتیں کافور ہو گئی ہیں۔ دل ڈھارس بندھاتا ہے کہ اگرچہ میرے گناہ بے شمار ہیں مگر میرے سوہنے رب کی رحمت ان سے بھی بے حد و بے عدد زیادہ ہے، بلکہ اس کے فضل سے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا سمندر بھی میرے گناہوں سے بہت بڑا ہے، بلکہ میرے شیخِ کریم کی رحمت و کرم بھی خدا و مصطفیٰ (صلی و علیٰ وسلم) کے فضل سے میرے گناہوں سے از حد زیادہ ہے۔

متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ یہ سب بارگاہِ اپنِ محسن و مرئی، اپنے ولی نعمت، اپنے خطا پوش، اپنے عطا پاش، ہر اپنا خیر و برکت باہا حضور کے مزار پر انوار پر حاضر ہوا ہی تھا

کہ دل نے در بھری التجا کی، حضور! میرے جیسا ناقص، آپ جیسے کامل کے لائق قطعاً نہیں۔ کچھ دیر یہ کیفیت رہی، پھر اچانک خیالات کے ایک نئے ہجوم نے دستک دی، جس کی آمد نے خوب رُلا یا کہ ”نہیں حضور! میں نے غلط کہا، آپ ہی کے تو لائق ہوں، اور کون ہے جو مجھ ایسے ”شقی“ کو ”سعید“ کرے، مجھے نفس کے وار سے بچائے، پناہ دے۔ میرا درد، میرا غم اس قابل کہاں کہ کوئی اور سُن سکے، ہاں! آپ ہی سُن سکتے ہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذورِ حاضر میں سب سے بڑے سائب اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتوں کے بہترین نمائندے آپ ہی تو ہیں۔“

رحمتِ و کرم کی اسی صورت حال پر شکرگزاری کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش یہ تحریر ہے۔ ہاں ہاں! یہی کہہ سکتا ہوں:

ۛ کریمان کہ در لطف بالا ترند

سگان پرورند و چنیں پرورند

تصنیفِ کتاب کا ایک مقصد وہی ہے جو خواجہ خواجگان حضرت خواجہ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ نے ”تذکرۃ الاولیاء“ کے مقدمہ میں بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

”چودھویں وجہ یہ کہ شاید میری تصنیف کے صلے میں یہ اولیاء کرام قیامت

میں میرے سفارشی بن سکیں اور جس طرح اصحابِ کہف نے اپنے گُتے کی رعایت کو ملحوظ

رکھا، اسی طرح یہ اولیاء کرام میری رعایت کو بھی ملحوظ رکھیں، گو میرا وجہ اس سے بھی کم

ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت جمالِ موصلی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اسی تمنّا میں

خونِ دل پیتے اور دولت صرف کرتے گزر گئی کہ کسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے روضہ اقدس کے قریب قبر کی جگہ مل جائے اور جب جگہ مل گئی تو انتقال کے وقت

یہ وصیت فرمائی کہ قبر پر یہ کتبہ لگا دینا کہ آپ کا مٹنا آپ ہی کے ذر پر پڑا ہے۔ اس روایت کے مطابق میری بھی یہی دعا ہے کہ یا اللہ! اصحاب کھف کا مٹنا چند ہی قدم ان کے ساتھ چلا تھا کہ تو نے اس کو بھی اصحاب کھف میں شامل کر دیا۔ اس طرح میں بھی تیرے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں اس لیے مجھے بھی روز محشر ان لوگوں کے سامنے شرمندگی سے بچالینا اور تیری وہ مخصوص توجہ جو اولیاء کرام کے ساتھ وابستہ ہے، اس سے مجھے بھی محروم نہ رکھنا اور میری اس تصنیف کو اپنے سے دُور کرنے کی بجائے اپنے قُرب کا ذریعہ بنا دینا اور بلا غیبہ تو دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔ آمین“ (اُرود ترجمہ تذکرۃ الاولیاء) یہ عاجز اس مردِ کامل کی دعا پر اپنے حق میں بھی آمین کہتا ہے۔ کاش میرے شیخ کریم، میرے آقا و مولاء، مجا و ماویٰ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ القوی بھی آمین فرمادیں۔

آخر میں میں شکر گزار ہوں اپنے بابا حضور کے وارث و جانشین جناب صاحبزادہ محمد عطاء الحق صاحب نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ کا جنہوں نے اس کارِ عظیم میں مکمل سرپرستی فرمائی اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ کریم وارث حضور مقلدِ اسلام کو دو جہاں کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں درود ایش اہلسنت جناب حافظ محمد نعیم صاحب اور سرایا اخلاص جناب حاجی شوکت علی صاحب کی خدمات نہایت مستحسن ہیں۔ اوّل لڈ کر لڑکپن ہی میں حضور کے در دولت سے وابستہ ہوئے اور ایسے ہوئے کہ پھر کہیں نہ گئے۔ اپنی جوانی دین متین کی خدمت اور اپنے شیخ کے دینی منصوبہ جات کی تکمیل کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ جبکہ مؤخر لڈ کر کا شمار بھی حضور کے مخلص ترین خدام میں ہوتا ہے۔ اس تصنیف لطیف کی کمپوزنگ میں انہوں نے خاصی محبت و محنت سے کام لیا ہے۔ کئی اُمور میں حافظ محمد اظہر نعیم صاحب

اور جناب محمد آفتاب صاحب کا تعاون بھی میسر رہا اللہ کریم ان سب کو بلکہ ہر اس شخص کو  
بہترین جزا عطا فرمائے جس نے ایک مردِ کامل کی سوانح حیات کی اشاعت کے لیے  
خلوص کے ساتھ کام کیا۔ آمین بجاہ القسی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

گدائے حضور مقلدِ اسلام

سعید آسی

(۲۵ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ بروز سہ شنبہ برطانیق ۲۲ جون ۲۰۱۲ء بروز منگل)

## مقدمہ

مایا نازا سکار، مصنف، محقق یا دگار اسلاف، علامہ رضاء الدین صدیقی صاحب  
(ادارہ زاویہ - لاہور)

حضرت قبلہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کی ایک نادر روزگار  
شخصیت ہیں، ان کی ذات والاصفات کونہ کونہ کمالات سے مشرف اور مزین  
تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی اپنے قبلہ مقصود کے گرد و نواح میں گزاری، اس کا تعلق ان  
کے ذوقِ محبت اور اپنے شیخ سے غیر مشروط وابستگی سے تھا۔ وہ سیالکوٹ اور شکر گڑھ کے  
تعلیمی اداروں سے وابستہ رہے اور ہمیشہ علی پور شریف کی حاضری ان کے التزام میں  
رہی۔ کوچہ جاناں کے اس مستقل طوف نے انہیں عمر بھر سہارا رکھا اور بلاشبہ وہ روحانی  
کیف سے معمور رہے اور ان کا پروردگار ہی جانے کہ وہ معرفت کی کن بلند منزلوں سے  
آشنا ہوئے۔ میرے جیسا ظاہر بین شخص تو اس حوالے سے سوچتا ہے کہ اگر ان جیسی بھر  
پورا اور جامع الکمال شخصیت لاہور یا اسلام آباد جیسے کسی مرکزی شہر اور کسی مرکزی  
ادارے میں ہوتی تو زمانہ ان سے اور بھی اچھی طرح مطلع ہوتا اور ان سے استفادہ کا  
دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا، اور ان کے علم و عرفان کا دائرہ اکناف عالم میں پھیل  
جاتا۔

مضافات کے علاقوں میں زندگی گزار کرنے کے باوجود انہوں نے اپنی حیات  
مستعار کے قیمتی اوقات کو بہر حال ضائع نہیں ہونے دیا۔ خاکسار کو ان سے بہت سی



ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا اور اُن سے حاصل ہونے والا فہم اور شعور میری زندگی کا ایک اہم اثاثہ ہے۔ میں نے 1981ء میں انجمن طلبہ اسلام میں شمولیت اختیار کی، اس وقت میں درالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کا طالب علم تھا۔ انجمن کے مختلف اجلاسوں میں سیالکوٹ کے بہت سے دوستوں سے ملاقات ہوئی اُن تمام سے پروفیسر صاحب کا تذکرہ سنا جس نے بھی ان کا ذکر کیا بڑے ہی احترام اور محبت کے ساتھ کیا اور وہ نوجوان جو اُن کے حلقے میں حاضری دینے والے تھے انھیں وابستگی دین، احترام رسالت اور تنظیمی فکر کے اعتبار سے دوسروں سے بہت مختلف پایا۔ اُن سے ملاقات اور زیارت کا ایک کونہ اشتیاق سادل میں پیدا ہو گیا۔ میں ایک دن بہت حیرت زدہ ہوا جب علاقہ بجات کے رہنے والے ایک دوست محترم محمد رفیق نے مجھے کہا کہ آپ کو سیالکوٹ میں پروفیسر محمد حسین آسی صاحب یا فرما رہے ہیں اور ان کی طرف سے دعوت ہے کہ فلاں تاریخ محفل میلاد کی ایک نشست تقریر کے لیے آؤ۔ محمد رفیق صاحب نے مجھے بتایا کہ میں بھی اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں پروفیسر صاحب کے پاس زیرِ تعلیم رہا ہوں، میرا معمول ہے کہ جب بھی تعطیلات پر گھر جاتا ہوں تو پروفیسر صاحب کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا ہوں۔ اس بار میں نے اُن سے تمہارا ذکر کیا کہ ہمارا ایک دوست بھی تقریر کر لیتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ اسے ہماری محفل میں شرکت کی دعوت دو۔ خبر ملی کہ پروفیسر صاحب نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے خوگر ہیں اور کسی بھی نوجوان میں دین و ملت کے حوالے سے صلاحیت دیکھتے ہیں تو اُس کی کمال حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ اُسے اپنی سرپرستی میں لے لیتے ہیں اور ممکنہ حد تک اُس کی اس صلاحیت کی آبیاری فرماتے ہیں۔ میں نے اس نظر کرم کو اپنے لیے بڑی سعادت کا سامان جانا۔ اُن کی

خدمت میں حاضری ہوئی، انہوں نے جس انداز سے پذیرائی فرمائی اس کی یاد کسی طور بھی بھلائی نہیں جاسکتی۔

1988ء اور 1989ء میں مجھے سیالکوٹ میں حاضر ہونے کا موقع میسر

آیا، ان دو سالوں میں ان سے بہت نیاز حاصل رہا اور میں نے ان کے بہت سے اوصاف کا بہت قریب سے مطالعہ کیا، ان کا ذوق کتاب بہت ہی عمدہ اور بہت ہی وسیع تھا میں نے اپنی زندگی میں ان جیسے وسیع مطالعہ افراد کم ہی دیکھے ہیں۔ قدرت نے انہیں حافظہ اور استخلا علمی کی دولت سے بھی بڑی فیاضی سے نوازا تھا۔ ان سے گفتگو کے دوران یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا ایک دریا رواں ہے۔ ایک ایسا دریا جس میں پیش بہا نادر و نایاب موتی ہیں اور اس پر کمال یہ ہے کہ ہر شخص کی فہم و فراست اور چینی سطح کے مطابق اس سے محو کلام ہوتے۔ فضیلت علمی کے اوج کمال پر فائز ہونے کے باوجود ان کا لباس، ان کی شخصیت، ان کا رہن سہن بے انتہاء سادہ تھا۔ مزاج میں کسی تکبر اور رعونت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ مجھ جیسے کم علم انسان کی بھی اس خلوص سے پذیرائی کرتے کہ دیکھنے والے کو یہ احساس ہوتا کہ شاید یہ کوئی بہت ہی بڑی شخصیت ہے۔

بہت زیادہ مطالعہ کرنے والے لوگ عام طور پر کیف محبت سے خالی ہو جاتے

ہیں، خشک طبیعت ہو جاتے ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب کو اللہ نے بڑی ہی گداز طبیعت عطا فرمائی تھی۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ سے والہانہ لگاؤ، ان کا نشان امتیاز تھا میں نے ایک صاحب دل سے یہ سنا کہ ”کامل پیر تو بہت سے دیکھے ہیں لیکن کامل مرید صرف پروفیسر محمد حسین آسی کو دیکھا ہے“۔ ان کی نعتیہ شاعری، ان کی نثر کی ایک سطر اس سرشاری اور وابستگی کی روشن دلیل ہے۔ کئی ایک مرتبہ مجھے ان کے آستانہ عالیہ پر

رات ٹھہرنے کا موقع ملا۔ بسا اوقات سونے میں بہت تاخیر بھی ہو جاتی لیکن میں نے ہمیشہ دیکھا کہ وہ کچھ ہی دیر کمر سیدھی کرنے کے بعد چپکے سے اٹھتے لائٹ جلائے بغیر آہستہ سے نکلتے وضو تازہ کرتے اور اپنے پاک پروردگار کی بارگاہ میں سر بسجود ہو جاتے۔ یہ معمولات نماز فجر تک جاری رہتے اور وہ اپنے سلسلے کی سارے اوراد و وظائف کا التزام بھی فرماتے۔ میں نے انھیں نعت، میلا داور سیرت کی محافل میں ہمیشہ دوزانو بیٹھے ہوئے دیکھا، نشست کی طوالت پیرانہ سالی اور بسا اوقات شدت کی بیماری کے باوجود بھی وہ ادب کے اس زاویہ کو کبھی بھی ترک نہ فرماتے۔

علم، ادب، عاجزی، شاعری، معمولات تصوف کے ساتھ ساتھ ان میں دین اور وطن کے حوالے سے غیرت اور حمیت اس درجہ پر تھی کہ باید و شاید، میں نے جن اوصاف کی طرف مختصر اشارہ اپنے مشاہدات کی روشنی میں کیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں ان کی بہت سی مثالیں آپکے مطالعہ سے گزریں گی۔ ہمارے دوست بڑی تحسین کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک عبقری اور محترم شخصیت کی مبارک زندگی کے بہت سے گوشوں کو آشکار کیا اور نسل نو کو اپنے ایک محسن سے روشناس کروانے کی سعیء بلوغ فرمائی۔ اللہ رب العزت انہیں دارین میں خوش و خرم رکھے۔

زاویہ نشیمن

رضاء الدین صدیقی

## تقریظ

حضرت العلام، شیخ الاسلام صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ رضوی صاحب  
(سجادہ نشین آستانہ عالیہ محدث ابد الوی علیہ الرحمہ خانقاہ ڈوگرہا ضلع شیخوپورہ)

عزیز القدر جناب سعید محمد عامر آسوی زید مجتہد قابلِ صدمبارکباد اور لائق تحسین  
ہیں کہ انہوں نے عظیم محقق و دانشور، بلند پایہ مصنف، مجتہد عالم دین، عظیم ترین مقلد و  
مصلح، نعت گو شاعر، فانی الشیخ اور سچے عاشق رسول حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی  
قدس سرہ العزیز کے حالاتِ زندگی ”سیرتِ حضور مقلدِ اسلام“ کے عنوان سے مرتب کرنے  
کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے اس کتاب میں حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ انورانی کی زندگی  
کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اندازِ تحریر عام فہم، دلکش اور دلنشین ہے۔ کتاب کا  
مطالعہ کرتے ہوئے اس رجلِ عظیم کا سراپا آنکھوں میں گھومنے لگتا ہے جس نے علم کے  
چراغ جلا کر ہزاروں سینوں کو علم کے نور سے روشن کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز اپنے دور کی وہ قد آور  
علمی، دینی، ادبی اور روحانی شخصیت ہیں جنہوں نے اسلام کی صداقت، مسلکِ اہل  
سنت و جماعت کی حقانیت و حفاظت اور دلائل و براہین سے شاندار اور بھرپور ترجمانی  
فرمائی۔ آپ کی علم دوستی، معارف پروری، خلوص و محبت، زہد و تقویٰ اور حکیمانہ طرزِ گفتگو  
نے ایک عالم کو متاثر کیا۔

آپ کے اندازِ تربیت اور فیضانِ صحبت نے ہزاروں نوجوانوں کو بے مقصد

زندگی سے نکالا اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ اور اصلاحِ اُمت کے لیے جدوجہد کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ آپ کی تحریروں میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک ہے۔ آپ کی جگمگاتی تحریروں نے دورِ جدید کی محققین اور تاریک فضاؤں میں حُبِ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار اس فیاضی سے بکھیرے کہ ہر طرح تاریکیاں اجالوں میں بدل گئیں۔

حضور مقلدِ اسلامِ قدس سرہ العزیز کی علمی اور روحانی تربیت سے فیض یافتہ اور آپ کے منظرِ نظرِ عزیزِ گرامی جناب سعید محمد عامر آسوی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے زیرِ نظر کتاب کو مرتب کر کے اہم فریضہ سرانجام دیا ہے۔ میرے لیے یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ زیرِ نظر کتاب ”سیرتِ حضور مقلدِ اسلام“ کے مرتب کے بارے میں حضرت آسی علیہ الرحمہ نے کمالِ شفقت فرماتے ہوئے بڑے ہی پیار سے تاثرات تحریر فرمائے جو آپ کے ایامِ علالت میں ”ماہنامہ الحقیقہ“ میں شائع ہوئے تھے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”اہل سنت علماء محققین میں نوجوان اور نہایت محنتی ہیں۔ افتخار احمد ممنون کے بعد تحقیق و تدقیق میں میرے معاونِ اول یہی ہیں۔ علمی دنیا میں ان کی تحریر و تقریر کو شرفِ پذیرائی حاصل ہے۔ ویسے کئی سال کے سبب جوں کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس ماحول میں ان جیسے مودب، اطاعتِ شعراء، وفا سرشت، صاحبِ درد، شاگردِ نواز، مصلحِ احوال اور کم کو بہت ہی کم علماء ہیں۔ سالہا سال کے عرصے میں ایک بھی ایسا واقعہ

پیش نہیں آیا کہ میں نے کوئی مہم ان کے ذمہ لگائی ہو اور انہوں  
نے سر نہ کی ہو۔

میری دعا ہے کہ میرے پیر و سنگیر کے فیض سے میرا خدا  
اور میرا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میرے بچے پر میرے تصورات  
سے زیادہ مہربان رہیں۔ آمین“ (الحقیقہ: مئی ۲۰۰۲ء - صفحہ ۸۵)

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے پیارے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل زیر نظر  
کتاب کو قبول عام کا شرف بخشے اور مرتب کو جزائے جمیل سے نوازے۔ آمین بجاہ التمس  
الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

محمد نور المصطفیٰ رضوی

خانقاہ ڈوگراں - ضلع شیخوپورہ

پنجاب پاکستان

۲۵ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

برطانیق

۱۸ دسمبر ۲۰۱۲ء - جمعرات

## تقریظ

ممتاز علمی، ادبی، روحانی شخصیت عالم باعمل پیرسید صابر حسین شاہ بخاری صاحب  
(برہان شریف لائیک)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

رحمت حق بہانہ می جوید فقیر کے ابتدائی استاذ مولانا شوکت حیات صاحب نے بچپن میں مجھے حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب ”تذکرۃ الاولیاء“ عنایت فرمائی۔ راقم نے اس کتاب کو حرز جاں بنا لیا تھا، جہاں جاتا یہ کتاب میرے ہمراہ ہوتی حتیٰ کہ زمانہ طالب علمی میں نصاب کی کتابوں کے ساتھ ”تذکرۃ الاولیاء“ بھی ساتھ رکھی ہوتی تھی۔ گھر میں اکثر رات کو سونے سے قبل میرے والدین اور بہن بھائی مجھ سے اس کتاب کا ایک باب ضرور سماعت کرتے تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ نے مجھے اولیاء اللہ کا گردیدہ بنا دیا اور میں اولیاء اللہ کے تذکرے تلاش کر کے پڑھتا اور ایمان تازہ کرتا تھا۔

فقیر کا زمانہ طالب علمی تھا کہ فوجی کاشن ملازم موجودہ ٹیکسلا کاشن ملازم حسن ابدال میں سیالکوٹ کے محمد یوسف صاحب ملازمت کرتے تھے اور وہ میرے والد گرامی کے دوست تھے۔ ایک دن وہ ایک کتاب کے مطالعہ میں منہمک تھے، فقیر نے دیکھا تو وہ ”انوار لائانی“ تھی۔ اس کے مصنف ”عمدۃ المکتبین“ پر وفیسر محمد حسین آسی علیہ الرحمہ

ہیں۔ کتاب کی ورق گردانی کی تو از حد پسند آئی فقیر نے ان سے یہ کتاب اپنی لاہری کے لیے عاریتاً لے لی۔ اس کو پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا چلا گیا۔ یہ راقم کا حضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلا غائبانہ تعارف تھا۔ ان کی محبت کا نقش دل میں جاگزیں ہو کر رہ گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد مطالعاتی دورے پر لاہور گیا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور میں علماء کرام سے ملاقاتیں کیں۔ بالخصوص مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد منشا تابش قصوری اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ دیواروں پر دارالعلوم حزب الاحناف میں ایک تقریب سعید کے اشتہار چسپاں تھے جس کے مقررین میں عمدۃ المحققین پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نمایاں تھا۔ حضرت شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اشتہار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے راقم سے فرمایا کہ ان ”آسی صاحب“ کو جانتے ہو؟ فقیر نے عرض کیا کہ بچپن سے غائبانہ تعارف ہے، ان کی کتاب ”انوار لاٹانی“ پڑھ چکا ہوں۔ فرمانے لگے کہ ان سے آج ضرور ملاقات کرو، یہ تحریک فروغ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر ہیں۔ چنانچہ رات کو حضرت سے ملاقات کی اور ان کی تقریر منیر بھی سنی۔

یہ حضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ سے بالمشافہ پہلی ملاقات تھی۔ یہ غالباً ۱۹۸۵ء اور ۱۹۹۰ء کے درمیان کسی سال کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد نہ جانے حضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ سے کہاں کہاں اور کتنی ملاقاتیں ہوئیں اور ٹیلی فون پر بھی گفت و شنید ہوتی رہی۔ راولپنڈی میں محمد اسلام باجوہ مرحوم کے ہاں بھی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ۲۰۰۵ء میں جب فقیر کے والد گرامی سید مسکین شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات



حسرت آیات ہوئی تو آپ علالت کے باوجود مہربان شریف تشریف لائے، تعزیت کی، فاتحہ پڑھی اور فقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ راقم کی قلمی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بالخصوص بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے عقیدہ و مسلک کے بارے میں لکھی گئی کتاب کو بہت سراہتے تھے۔ آپ بندہ کے مہربان اور قدردان تھے۔ اپنی وفات سے ایک دن قبل جب راولپنڈی میں چیک اپ کے لیے تشریف لائے تو بندہ کو ملاقات کے لیے بلایا اور دلہانہ انداز میں ملاقات کی اور اہل سنت کی زبوں حالی پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ یقیناً عمدۃ المحققین حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ تحریک فروغ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سفیر تھے۔ آپ جہاں گئے نو جوانوں کو بیدار کیا، اس پر آپ کے مشاہیر تلامذہ شاہد عادل و ناطق ہیں۔

میں نے اپنی زندگی میں مختلف ارباب علم و دانش کی زیارت کی ہے لیکن جن شخصیات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ان میں حضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہایت نمایاں ہے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی درویشانہ انداز میں گزاری، جب بھی پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس پر کسی بد بخت نے حملہ کرنے کی ناپاک کوشش کی تو آپ کا قلم تنجر خونخوار کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ کالجوں میں رہ کر آپ نے ایک انقلاب برپا کیا۔ نو جوانوں کے فکر و اعتقاد کی اصلاح میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، کالجوں کے میگزینوں کے اہم نمبر ترتیب دیئے جن میں ”سیرت نمبر“، ”قرآن نمبر“ اور

”اسلام نمبر“ کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ تنظیم ”شیران اسلام“ بنائی جس نے اسلام مخالف قوتوں کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا ہے۔ مجلہ ”الھقیقہ“ ایک حقیقت بن کر

سامنے آیا، جس کا ایک عظیم و عظیم نمبر زبردت دین ہے۔ ہنوز تحفظِ حتم نبوت نمبر کی جلد اول سامنے آئی ہے۔ آپ جہاد بالقلم کے بھی ایک زبردست سپاہی تھے، جس پر آپ کی درجنوں کتابیں گواہ ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر تھے لیکن اپنی ساری شاعری کو صرف ”نعت کوئی“ کے لیے محدود کر دیا تھا۔

ضرورت تھی کہ کوئی مرید میدان بنے اور اس عظیم علمی و ادبی تحقیقی شخصیت کے احوال و آثار پر قلم اٹھائے اور دنیا کے سامنے لائے۔ الحمد للہ اس کا خیر کے لیے عزیزم علامہ سعید محمد عامر آسوی حسینی کے نام کا قرعہ نکلا، آپ نہایت محبت اور لگن سے اپنے شیخ طریقت مقلد اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کی ”حیات جاوداں“ کو صفحہ قرطاس پر لا کر منصفہ شہود پر لائے ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ طریقت کی ہدایت اور رہنمائی کی روشنی میں یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس میں حضرت علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے رنگ تحریر کی جھلکیاں نمایاں طور پر ملتی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

یہ عظیم کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب الگ الگ تبصرہ کا متقاضی ہے۔ لیکن یہاں اس پر صرف ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

آغاز میں حمد و نعت اور انتساب ہے اور پہلا باب ”نبوت و ولایت“ ہے۔ دوسرا باب آپ کے ”ابتدائی حالات و واقعات“ پر مشتمل ہے، جس میں ولادت با سعادت، والدین، خاندان، عہد طفولیت، شباب، حلیہ اور نکاح جیسے عنوانات شامل ہیں۔

تیسرا باب ”درس و تدریس“ ہے جس میں آپ کی دینی و دنیاوی تعلیم اور درس و تدریس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

چوتھا باب ”بیعت و خلافت“ ہے جس میں مقلدِ اسلام کو بحیثیت ایک شیخِ کامل پیش کیا گیا ہے پانچواں باب ”حج و زیارت“ ہے جس میں آپ کے حج و زیارت کے ایمان افروز اسفار کو تحریری شکل دی گئی ہے۔

چھٹا باب ”شیرانِ اسلام اور مجلۃ الحقیقہ“ ہے جس میں شیرانِ اسلام اور مجلۃ الحقیقہ کے اغراض و مقاصد سے پر وہ اٹھایا گیا ہے۔ نیز تقشیر لائٹانی اسلامک یونیورسٹی شکر گڑھ کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

ساتواں باب ”اوصافِ حسنہ“ ہے جس میں آپ کی زندگی کے روشن اور تابناک پہلو دکھائے گئے ہیں اور آپ کو ایک عظیم عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

آٹھواں باب ”حضور مقلدِ اسلام اور جذبہٴ حُبِ الوطنی“ ہے جس میں مملکتِ خداداد پاکستان، بانی پاکستان، مصوٰرِ پاکستان سے آپ کی بے پناہ محبت اور دشمنانِ پاکستان سے آپ کی نفرت کی چند جھلکیاں نمایاں طور پر دکھائی گئی ہیں۔

نواں باب ”اخلاقی حضور مقلدِ اسلام“ ہے جس میں آپ کے اخلاق کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ آپ کا زہد و تقویٰ، خودنمائی سے پرہیز، جود و سخا اور فقر و استغناء کو نمایاں طور پر لیا گیا ہے۔

دسواں باب ”مذہبی تعامل“ ہے جس میں مختلف اخلاقی مسائل پر آپ کا نقطہٴ نظر پیش کیا گیا ہے۔

گیارہواں باب ”معمولاتِ مبارکہ“ ہے جس میں آپ کے شب و روز کے معمولات، وظائف کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

بارہواں باب ”کرامات و تصرفات“ ہے جس میں کرامت کی تعریف، اولیاء کی کرامات کے بارے میں اولیاء کرام کے فیصلے اور پھر آپ کی چند کرامات و تصرفات کو پیش کیا گیا ہے۔

تیرہواں باب ”وصال اور مابعد وصال“ ہے جس میں مفکر اسلام کے سفرِ آخرت کی منظر کشی کی گئی ہے، اور مختلف شعراء کرام کا خراج عقیدت بھی شامل ہے۔ جن میں غلام مصطفیٰ مجددی، طارق سلطان پوری، سید عارف مجبور رضوی، اور فیض الامین فاروقی کا منظوم کلام خراج عقیدت نمایاں ہے۔

چودھواں باب ”ملفوظات و ارشادات“ ہے جس میں توحید، رسالت، صحابہ اہل بیت، ذکر خدا، مراقبہ، درود شریف، اتباع شریعت اور آداب طریقت کے بارے میں آپ کے ملفوظات و ارشادات پیش کیے گئے ہیں۔

پندرہواں باب ”شیوخ و سلاسل“ ہے جس میں نسبت کی برکات، شجرہ شریف نقشبندیہ قادریہ کو منظوم صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور پھر مشائخ نقشبندیہ کے مختصر حالات پیش کیے گئے ہیں۔ گویا یہ شجرہ نقشبندیہ کی مختصر شرح ہے۔

سولہواں باب ”علمی و ادبی کارنامے“ ہے جس میں مفکر اسلام کی ۳۱ مطبوعہ اور ۲۰ غیر مطبوعہ تصانیف و تالیفات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ گویا آپ کی تصنیف و تالیف کی کل تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ کی تمام تصانیف کو از سر نوئی آپ دناب کے ساتھ شائع کر کے فائدہ عام کے لیے پیش کیا جائے۔

الحمد للہ! عزیزم علامہ سعید محمد عامر آسوی حسینی نے میرے مدد و حاضرت مفکر اسلام علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات کو احسن انداز میں کتابی صورت دے کر ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ آپ کی علمی، ادبی، ملی اور تحقیقی

خدمات کو نہایت کاوش سے سولہ ابواب میں ایک سلک مردارید کی طرح یکجا کر دیا ہے۔ یقیناً دنیائے علم و ادب میں آپ کی اس کاوش کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ فقیر ان کو اس کارنامہ پر ہمدیہ تبریک پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کو اورنا شرین کو آخرت میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے اور ہم سب کی بھی بخشش فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

دعا کو ودعا جو..... گدائے کوئے مدینہ شریف

سید صابر حسین شاہ بخاری

ادارہ فروغ افکار رضا۔ برہان شریف ضلع انکھ پتھاب

(۷ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار)

## تقریظ

از قلم: عالم نیل، فاضلِ جلیل صاحبِ تصانیف کثیرہ

علامہ غلام مصطفیٰ مجددی صاحب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس نعمت پر جتنا ہنسا اور کیا جائے کم ہے کہ راقم عاجز جیسے بے بضاعت انسان کو ایک عظیم مفکر، عظیم شاعر، عظیم مہیکر روحانیت اور عظیم مردِ برحق کی تقریباً سولہ سال مسلسل زیارت اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ اُس عظمت مآب شخصیت کا اسمِ گرامی ہے، جناب محمد حسین آسی نقشبندی۔ آپ کا وصال میرے جیسے بے شمار لوگوں کے لیے سانحہ جاں گداز تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کی شخصیت پر کوئی مبسوط مقالہ رقم کروں۔ آپ کی فکر، آپ کے شعر، آپ کے کردار پر کوئی جائدا تحریر لکھوں، ”محضور مفکرِ اسلام“ کے عنوان سے ایک مختصر مقالہ لکھنے کی ناتمام کوشش بھی کی جسے احباب نے اچھے انداز سے چھپوایا۔ وہ واقعی ایک ناتمام کوشش تھی لیکن بعد میں لکھنے والوں کے لیے ایک مہمیز کا کام دے رہی تھی۔ ایک ڈزہ ماہ کی کیا تعریف لکھتا، ایک قطرہ دریا کی کیا شان بیان کرتا، پھر وقت کے تقاضے رکاوٹ بنتے رہے۔ دو سال کی بیماری بھی سداً راہ ثابت ہوئی۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دو جلدیں ”محضورِ بنی عمر نور سالی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ کے عنوان سے بھی ہر چیز پر مقدم تھیں۔ ادھر ”سیرتِ حضورِ مجید و اعظمِ مجدّد والّف ثانی“ پر بھی کام جاری تھا۔ یہ اسباب تھے جن کی بنا پر میں اپنے استادِ گرامی کا حق ادا نہ کر سکا۔ خدا تعالیٰ مجھے معاف

فرمائے۔ اسی دوران میرے استاد گرامی کے ایک اور پروردہ نگاہ، عالی جناب سعید محمد عامر آسوی صاحب امام فہوض میدانِ عمل میں اترے اور ”سیرتِ حضور مقلدِ اسلام“ کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب بہت مختصر عرصے میں لکھ دی۔ میں نے اس کتاب کا مسودہ بہت سے مقامات سے پڑھا ہے، الحمد للہ ساری کتاب عقیدت اور ارادت میں ڈوب کر رقم کی ہے اور ساتھ علمی مواد بھی فراہم کیا ہے۔ یہ کتاب حضور مقلدِ اسلام کے چاہنے والوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوگی، مولا کریم ہمارے مدوحِ کریم کے درجات بلند فرمائے اور مؤلفِ فاضل کے قلم میں، فکر میں اور عمل میں مزید تابندگی پیدا فرمائے۔ شائع کرنے والوں اور مطالعہ کرنے والوں کو اس سے راہنمائی لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم والصلوة والسلام علی سید الاولین والآخرین و علی آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم القیام والدین۔

غلام مصطفیٰ مجذوی

خادم درگاہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ دربار

حضرت مولانا نور الدین سرکار نقشبندی

نورانی روڈ۔ شکر گڑھ شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### حمد و نعت

ایک ذرّہ کا چیز، ایک بے نوا فقیر بھد عجز و نیاز حمد و ستائش اور مدح و ثناء کے گل ہائے خوشبودار اس بارگاہ بے کس پناہ میں پیش کرتا ہے، جس نے محض ممکن، کہہ کر کائناتِ ارض و سما کو تخلیق فرمایا۔ (اِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝۱۰ سورہ یسین: ۸۲)

☆..... جس نے اصل ممکنات، حاصل کائنات، فخر موجودات، شاہد ذات و صفات، سید کمال، ختم الرسل حضور پر نور شافع المنور حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ سلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لَوْلَاكَ لَمَّا كَانَتْ جَانِحٌ بِهَا كَرْدُنِيَا فِي بَيْحَا۔ (لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتَ الدُّنْيَا۔ مواہب اللدنیہ) ☆..... جس احسن الخالقین نے علم و حکمت سے مخلوق کو پیدا فرمایا اور انسان کو شرفِ خلافت سے نوازا۔ (اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً ۝۳۰ البقرہ: ۳۰) ☆..... جس خالقِ فہم و ذکا کی گنہ سے عقل گل بھی عاجز ہے:

تیری گنہ کو کوئی پائے کیا تیری شان جل جلالہ

تو محیطِ فکر تار سا تیری شان جل جلالہ

☆..... جس ربِّ واحد کی ذات و صفات میں بلکہ اوامر و افعال میں بھی شریک کا مکان نہیں۔

۱۔ ترجمہ: اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جاؤ، فوراً ہو جاتی ہے۔  
۲۔ ترجمہ: اے محبوب سلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو ہم اس دنیا کو پیدا نہ کرتے۔



سے ترجمہ میں زمان میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

☆..... جس معبود و مسجود بحق کے حضور ہر شے کی حقیقت سجدہ ریز ہے۔

☆..... درود و سلام ہو!! اس جامع الکملات، مستجمع الصفات، سرور کائنات افضل  
اصلوٰات و اکمل التحیات پر جس کے اوصاف کمالیہ اور کمالات عالیہ کے بیان کے لئے  
قلم قدرت کے علاوہ کوئی قلم نہیں اور کلام فطرت کے سوا کوئی کلام نہیں۔

☆..... درود و سلام ہو!! اس شہباز لاہوتی، مستنشین لامکاں سلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جس  
نے تخلیق کائنات سے ہزار ہا سال پیشتر عالم قدس کی بے جہت فضائے لامکانی کو محور  
کیا۔

☆..... درود و سلام ہو!! اس مرجع ششجہات، مطلع تجلیات پر جس کی نور پیزیوں نے  
عدم کی تاریکیوں کو حیات کی روشنی بخشی اور جس کے نور کی ضیا پاشیوں سے یہ عظیم عرش،  
یہ وسیع کرسی، یہ تابندہ قلم، یہ بسیط لوح و قلم، یہ زرنگار فلک، یہ چمکتا آفتاب، یہ و مکتا  
ماہتاب، یہ مسکراتے ستارے، یہ برق پاش کہکشاں، یہ گرجتا بادل، یہ لطافت ریز باد  
نسیم، یہ نغمہ انگیز مرغانِ سحر، یہ سر بفلک کو ہسار، یہ نشاط انگیز آبشار، لب نازک سے  
لطیف پتکھڑیاں، یہ نورانی فرشتے، یہ رعنا حوریں، یہ با کمال انسان غرضیکہ عالم رنگ و بو  
کا ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ وجود میں آیا اور جس کے طفیل کائنات کی ہر چیز کو حیات  
جاوداں نصیب ہوئی:

روشن ہوئی ہیں تم سے دو عالم کی دستیں

صبح ازل کے مہر درخشاں تمہیں تو ہو

☆..... درود و سلام ہو!! اس حامل قرآن، روح ایمان، جان دین سلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر

جو ایسی کتاب لایا کہ زبان آدرشاعروں، آتش بیان خطیبوں، دقیقہ رس فقہیوں، بلند پایہ عالموں اور مایہ ناز ادیبوں کی حقیقت شناس زبانیں دھتکا چچ انھیں کہ:

خالق ارض و سما کی قسم! ہم نے کائنات کی لطیف باتیں، جادو گروں کے موثر منتر، شاعروں کے الہامی قصیدے، آتش بیان ادیبوں کی سحر آگین عبارتیں سنیں اور دیکھیں، مگر اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)! جو بے نظیر اور وجد آفریں کلام آپ سناتے ہیں اس کا تو جواب نہیں۔

☆ --- درود و سلام ہو! اس مرہم ناسور جگر، آرام دلہائے مضطر، عظمت نوع بشر اور مقصود فکر و نظر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جس نے سوتوں کو جگایا، گرتوں کو سنبھال لیا، بزدلوں کو شجاعت کا آب حیات پلایا، فکر و عمل کے جمود کو توڑا اور جس کی بے مثال عملی زندگی سے قیامت تک نوع انسانی نئی ہدایت اور روح عمل حاصل کرتی رہے گی:

تو حسن فطرت کا آئینہ ہے، جمال تیرا خدا نما ہے

عمل تیرا مشعل ہدایت، کلام حق ہے کلام تیرا

☆ --- درود و سلام ہو!! اس آفتاب نبوت، مقابح خزانہ رحمت، مصباح محافل عظمت اور مہبط وحی آسمانی، امین اسرار رحمانی، عالم علوم عرفانی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جس نے بحسد ٹھہری بیداری میں فرش زمیں سے عرش بریں تک اور پھر عرش بریں سے قاب قوسین اودائی کی جلوہ گاہ ناز تک سیر کی اور ظاہری آنکھوں سے ذات الہی کا ازلی وابدی جلوہ بے حجابانہ مشاہدہ کیا۔

☆ --- اور بے حد و بے حساب درود و سلام ہو! اس ذات حق نما پر جس کا روئے

انور جمال اللہ، دست اقدس ید اللہ، جس کی رضا رضائے خدا اور بیعت بیعت خدا ہے۔

☆..... اور آپ سلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر

☆..... اور آپ سلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر

☆..... اور آپ سلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اصحاب و احباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر

☆..... اور آپ سلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت کے کاملین پر

☆..... بلکہ تمام افراد امت پر

## باب اول

نبوت و ولایت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ کائنات کیا ہے؟ اس میں انسان کا کیا مقام ہے؟

زندگی کیا ہے؟ اور مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ اس کی ابتداء و انتہا کیا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جنہیں ہر شخص سوچتا ہے لیکن صرف اپنی 'سوچ' کسی تسلی بخش جواب تک نہیں پہنچاتی۔ کبھی وہ فلسفہ کا سہارا لیتا ہے تو کبھی سائنس کا، لیکن یہ دونوں بھی اسے کسی منزل پر نہیں پہنچاتے۔ اس لئے کہ یہ تمام راز انسان کے اپنے دائرہ تحقیق سے باہر ہیں۔ انہیں وہی جانتا ہے جو ان سب کا خالق ہے (وَهُوَ  
الْخَالِقُ الْعَلِیْمُ ۝ یٰسین)

جی ہاں! اس کائنات کی ابتداء و انتہا کا علم رکھنے والی ذات وہی ہو سکتی ہے جو اس کی

---

لے کر جہاں اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا، سب کچھ جانتا

ابتداء و انتہا کے وقت وہاں موجود ہوا اور کوئی بھی شے اس کے علم سے باہر نہ ہو۔ مخلوق اپنا مقصد تخلیق کیوں کر متعین کر سکتی، اس کی اہل تو وہی ذاتِ اقدس ہے جس نے ظلماتِ عدم سے وجود کی روشنی اسے بخشی۔ **المختصر! اگر ہم 'زندگی اور انسانیت' کے سربستہ راز جاننا چاہتے ہیں تو ہم**

'ربانی ہدایت' کے محتاج ہیں۔ یہی ربانی ہدایت دوسرے لفظوں میں 'مذہب' کہلاتی ہے۔ پھر اس 'ربانی ہدایت یا مذہب' کے حصول کے لئے انسان ویسے کا محتاج تھا۔ یہ وسیلہ رب نے انبیاء کو ٹھہرایا اور یوں سلسلہ نبوت کا آغاز ہوا۔ دنیا کے اندر سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ گویا سلسلہ انسانی کے آغاز ہی سے اس کی رہنمائی کا انتظام بھی پہلے ہی دن سے کر دیا۔ یعنی آفرینش و مذہب کو آغاز ہی سے ساتھ ساتھ رکھا۔ جناب آدم علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام اور رسولانِ عظام (علیہم السلام) مختلف ملکوں اور قوموں میں بھولی بھٹکی مخلوق کو راہ حق دکھانے کے لئے مختلف ادوار میں تشریف لاتے رہے اور یوں دنیا صفوتِ آدم، مولدِ شیت، شجاعتِ نوح، حلمِ ابراہیم، لسانِ اسمعیل، رضائے الخلق، فصاحتِ صالح، رفعتِ ادریس، حکمتِ لقمان، بشارتِ یعقوب، جمالِ یوسف، صبرِ ایوب، حُمتِ دانیال، وقارِ الیاس، عصمتِ عیسیٰ، قبولِ زکریا، زہدِ عیسیٰ اور علمِ خضر (علیہم السلام) کا نظارہ کرتی رہی، یہاں تک کہ سب سے آخر میں، خدا کے سب سے بڑے محبوب، کائنات کے سب سے بڑے معلم و متقن، انسانیت کے سب سے بڑے نجات دہندہ حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ السلام و آلائہ و رحمۃ اللعالمین بن کر، ختم نبوت کا تاج پہن کر جلوہ طراز گیتی ہوئے:

تعالیٰ اللہ محبوبِ خدا ﷺ تشریف لے آئے  
امام المرسلین ﷺ شاہِ ہدیٰ تشریف لے آئے  
وہ مقصودِ خلاقِ اصلِ عالمِ محورِ ہستی  
سراپا نور، سر تا پا عطا تشریف لے آئے

آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے انسانیت و اخلاق اور روحانیت و سعادت کے گلشن میں روح پرور بہاریں آگئیں۔۔۔ ضلالت و سفاہت اور جہالت و بے ہمتی کا شیرازہ بکھر گیا۔۔۔ ریاضِ کونین میں خلوص و محبت اور علم و دانش کے غنچے مسکرانے لگے۔۔۔ گلِ کدہِ رحمت کا وہ گلِ رنگین کھلا جس کی روح افزا نکبت سے نیکی اور حق پرستی کی ساری فضا مہک اٹھی۔۔۔ آتشکدہ کفر و شرک کے کھولتے دوزخ سرد ہو کر رہ گئے۔۔۔ صنم خانے لرزاٹھے۔۔۔ شر و فساد کے دفتر الٹ گئے۔۔۔ شکوہ عجم، صوابیتِ روم اور سطوتِ ایران خاک میں مل گئی۔ مظلوم اور دکھی دنیا کے مردہ جسموں میں جان آ گئی۔۔۔ فردوسی ماہِ دشوں نے پیغامِ مسرت و شادمانی سنایا کہ اے اہلِ عالم! حق و صداقت کے علمبردارِ معظم، علم و عرفان کے معتمدِ اعظم، افتخار و اتحاد کے بیکرِ مجتہد اور عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کے قائدِ مکترم، نبیِ محترم و محترم سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔

کارکنانِ قضا و قدر کو بارگاہِ ربِّ العزت سے فرمانِ والا شان ہوا:  
ندا آئی در پیچے کھول دو ایوانِ قدرت کے  
نظارے خود کرے گی آج قدرتِ شانِ قدرت کے

صدا ہاتھ نے دی اے سا کتانِ نِظْمِ ہستی  
ہوئی جاتی ہے پھر آباد یہ اجڑی ہوئی ہستی  
مبارکبادیوں کی حسرت زانگا ہوں کو  
اثر بخشا گیا نالوں کو، فریادوں کو آہوں کو  
ضعیفوں بیکسوں، آذت نصیبوں کو مبارک ہو  
تیموں کو، غلاموں کو، غریبوں کو مبارک ہو  
مبارک ہو کہ دورِ راحت و آرام آ پہنچا  
نجاتِ دائمی کی شکل میں اسلام آ پہنچا  
مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لے آئے  
جنابِ رحمۃ اللعلمین تشریف لے آئے  
بے حد و بے عدد درود و سلام ہوں اسُ جانِ رحمت پر جو نور بن کر آئے اور  
کتابِ مبین لائے:

وہ آئے اور آئے بھی قرآن لئے ہوئے  
ترجمین کائنات کا ساماں لئے ہوئے  
وہ کتاب جو لازوال صداقت، ابدی شریعت اور ربانی دستور کی حامل ہے:  
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم  
حکمتِ اولیٰ زوال است و قدیم (اقبال)  
گدایانِ رسول کی قسمت کا کیا کہنا:  
ان کا خدا زندہ (تھو انھی انقیوم - البقرہ پ ۳)



ان کا نبی زندہ (یعنی اللہ تعالیٰ نے رزقِ پاکیزہ شریف)

ان کی کتاب زندہ (بلکہ زندگی بخش: لہما تحسبواکم - انفال - پ ۹)

اور اس کتاب کی تفسیر یعنی سُنَّتِ رسولِ زندہ

اور جب کتاب و سُنَّتِ زندہ تو وہ 'انقلاب' بھی زندہ

جس نے کفر و ضلالت کے بت پاش پاش کر دیے تھے۔۔۔ جس نے عرب

کے خاکستر نشینوں کو رہکِ ماہ و پرویس کر دیا تھا۔۔۔ اور خانہ بدوشوں کو تہذیب و تمدن کا

امام بنا دیا تھا۔

جس نے نظارہ گاہِ عالم میں صدیوں سے ذاتِ پات کی صلیب پر لٹکے ہوئے

انسان کو اتارا اور اس کے سر پر وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (اور ہم نے اولادِ آدم کو قابلِ

تکرمیم بنایا) کا تاج پہنا دیا۔

جس نے ادہام میں کھوئے ہوئے انسان پر تسخیرِ کائنات کے اسرار کھولے اور

عالمِ شہادت سے ماورائے غیب کے لامحدود خزانوں کا راستہ دکھایا۔

جس نے عقل کو سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل کا راز سمجھایا اور عشق کو کیفِ وصال سے

بہرہ ور کیا۔

ہاں ہاں، انسان کو انسانِ کامل بنانے والی نبوت کی یہ انقلابی تعلیم آج بھی

زندہ ہے اور بندے کو حریمِ کبریا تک پہنچانے والا کتاب و سیرت کا یہ فیضان آج بھی

جاری و ساری ہے۔ تاریخ پر نظر دوڑائیے، ایسے انسان ہر دور میں اور دنیائے اسلام کے

ہر گوشے میں نظر آئیں گے۔ جن پر انسانیت کو بجا طور پر ناز ہے۔ کہیں حضورِ غوثِ اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فیضِ رسانی و دادِ رسی کی داستان ہوگی تو کہیں داتا علیٰ ہجویری رضی اللہ عنہ کی

سچ بخشی کے تذکرے ہوں گے۔۔۔ کہیں خواجہ نقشبند کی عظمت کا نقش چمکتا ہوگا تو کہیں سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ کی اللہ ہو کی ضربیں قلوب و اذہان کو متور کرتی ہوں گی۔۔۔ کہیں خواجہ امیری رحمۃ اللہ علیہ کی غریب نوازی کے چہ چہ ہوں گے تو کہیں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی استقامت کا شہرہ ہوگا۔ یہ فیضان نبوت نہیں تو اور کیا ہے، جس نے ابو حنیفہ و شافعی جیسے مجتہد۔۔۔ رومی و جامی جیسے عاشق۔۔۔ اقبال و خزالی جیسے فلسفی۔۔۔ یونہی و خزنوی جیسے مجاہد و بیت شکن۔۔۔ طارق و محمد بن قاسم جیسے فاتح و شجاع۔۔۔ بابا فرید و بختیار کاکی جیسے عابد و زاہد۔۔۔ شاہ لاٹانی و نقشب لائانی جیسے روشن ضمیر صوفی۔۔۔ اور فاضل بریلوی جیسے بلند نظر مفتی پیدا کئے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمو

فخرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

ولی کون ہے؟ نبی کا وارث، جو نبی کی اتباع سے قرب خداوندی حاصل کر لیتا ہے۔ نبی کی وراثت مال و دولت سے نہیں بلکہ علم و عرفان سے متعلق ہوتی ہے (الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ)۔ ولی پہلے خود اس پشمہ علم و عرفان سے فیضیاب و سیراب ہوتا ہے پھر اوروں کو ساقی بن کر جام بھر بھر کر پلاتا ہے۔ پابندی احکام رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اسے رب کا محبوب اور مردِ کامل بنا دیتی ہے۔ ایسا محبوب کہ ادھر نظر اٹھے، ادھر تقدیر بنے، ادھر زبان حرکت میں آئے، ادھر بگڑے کام سنوریں۔ اور ایسا کامل کہ اس کی سمع و بصر دور و نزدیک کی ہر شے کو محیط ہو۔ اور اس کی پرواز روحانی کے سامنے زمان و مکان کی

لَمْ نَكُنْ مَعَشَرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نَبِيٌّ وَلَا نُوْدٌ. (اللہ ۷۷)

حدیسی ہیچ نظر آتی ہیں۔ بقول ذوق:

اس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا ہم کو

آسماں تل کے برابر نظر آیا ہم کو

تھی کریم رؤفؑ، زحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی اسے دنیا و ما فیہا سے بلند تر کر

دیتی ہے۔ بقول حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ:

”وہ ستاروں پہ کمندیں ڈالتا ہے، مہر و ماہ کو شکار کرتا ہے،

گردشِ ایام اس کا مرکب بن جاتی ہے اور فطرت کے مظاہر اس کے

تابعِ فرمان ہو جاتے ہیں۔ انسانِ کامل ہونے کی حیثیت سے

خلافتِ ارضی کا اہل، قدرت کے ارادوں کا مظہر اور نظامِ کائنات کا

محور بن جاتا ہے۔ سوئے تو زمانے کے نقشے بناتا ہے، جاگے تو ان

میں رنگ بھرتا ہے۔ حضور غوثِ اعظم کا قصیدہ نغوثیہ اور مجددِ پاک کا

نظریہ قیومیت اس پر دلیلِ روشن ہے۔ احادیثِ شریفہ میں باریش

اور رزق کو انہی کی برکات کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔“

مگر ولی کے ان کمالات و تصرفات کا تعلق دنیائے رنگ و بو سے ہے، اس کا اصل

کارنامہ تو دلوں کے رنگ دور کرتا ہے، قلب و نفس کا تزکیہ ہے۔

---

۱۔ الخرمذی ۲۲۸۳۔ صحیح الجامع ۳۲۵۔ عن انس رضی اللہ عنہ۔

جامع الاحادیث والامثال: ۹۶۵۶۔ الطبرانی فی الکبیر عن عبادہ رضی اللہ عنہ۔ مسند صحیح۔

الخرمذی ۴۰۳۔ ابو داؤد ۲۵۹۵۔ بخاری ۳۸۲۹۔ باب من استعان من الضعفاء۔ حمزہ ۸۹۸۔ عن علی رضی اللہ عنہ۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہدایتِ فصیحہ خدادہی سے ملتی ہے اور اس فصیحہ خدادہی کے حصول کے لئے ہم نبوت و ولایت کے وسیلے کے محتاج ہیں۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق

گر ملکِ باشدیہ ہستش ورق (رومی)

قرآن کریم نے **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** کا حکم اسی لئے دیا ہے اور **مُكُونُوا مَعَ الصَّالِحِينَ** میں انہی کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

قرآن حکیم فرقانِ حمید میں ایمان، مومن، توحید، موحّد، کُتِبَ خُدا و رسول، اطاعت و اتباعِ رسول، صبر، صابریں، تقویٰ، متحین، توکل، متوکلین، احسان، محسنین، **صوت (فرمانبرواری)**، قائمین (فرمانبردار)، ذکر اور ذاکرین کے جس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں، درحقیقت ان میں اولیاء اللہ کے مختلف پہلوؤں کا ذکر مقصود ہے۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ ان اوصاف و کمالات کی ضرورت ہے تو ان کا مخزن و منبع یہی ذواتِ قدسی صفت ہیں۔ خدا ان کے ساتھ ہے، یہ خدا کے پیارے ہیں تو پھر اس کے قرب کے راستے بھی یہی بتا سکتے ہیں۔

أَوْلَىٰ قَرِيبٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ قَرِيبٌ مِّنْهُ

ولی وہ ہے جو اللہ سے قریب ہے اور اللہ اس سے قریب ہے۔

ایک حدیثِ قدسی ہے:

لَا يَسْعَىٰ أَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلَكِنْ يَسْعَىٰ قَلْبُ عَبْدٍ

الْمُؤْمِنِ..... (نصوح الحکم: ۲۰۳)

ترجمہ: میں زمین و آسماں میں نہیں سماتا لیکن بندہ مومن کے دل میں  
سما جاتا ہوں۔

مولائے روم علیا از حواس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

در دل مومن بیچم اے عجب

گر ہی خواہی ازیں دلہا طلب

یعنی بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں، اگر میری جستجو ہے تو دل میں تلاش کر۔

جب حدیث پاک **أَنَا عِنْدَ مُنْكَسِرَةِ الْقُلُوبِ** (میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں ہوں)

کی رو سے تجلیات ربانی بندہ مومن کے شکستہ دل میں اترتی ہیں تو لامحالہ خدا کے متلاشی کو

یہیں سے سراغ منزل ملے گا۔ اسی لیے اہل حق کے ہاں یہ بات شہرت کا درجہ رکھتی ہے

کہ اہل اللہ کی صحبت و سنگت نقلی زہد و عبادت اور چلہ و مجاہدہ سے زیادہ اہم ہے۔

یک زمانہ صحیبے با اولیاء!

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا (رومی)

یعنی سو سال کی مخلصانہ عبادت سے چھوڑا سا وقت ولی کی صحبت میں گزارنا زیادہ اچھا ہے۔

اور خواجہ اجمیر علیا رحمہ فرماتے ہیں:

من از کج خراباتے، جمالے دیدہ ام واللہ

کہ چندیس سال می جستم بحر اب مناجاتش

اہل اللہ کی صحبت و سنگت کا حکم میں حضور ﷺ کی اس حدیث سے بھی ملتا ہے:

عَلَيْكُمْ بِمَجَالِسِ أَهْلِ الدُّعْوَى... (مشکوٰۃ) ، یعنی تم پر اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نصیحت فرماتے ہیں:

تو ہم طفلِ راہی بسعی اے فقیر

مردِ دامنِ چویرِ دانا بگیر

یعنی اے فقیر! تو اس راستے سے ماجدِ طفلِ ناواقف ہے، جا کسی دانا پیر کا دامن چکڑ (کہ تجھے منزل پہ پہنچا دے)۔

حافظ شیرازی دلیل دیتے ہیں:

شبانِ وادیِ ایمن گھے رسدِ مراد

چو چند سال بجاں خدمتِ شعیب کند

یعنی وادیِ ایمن (مدین) کے چرواہے مراد کو تپ پہنچے، جب چند سال

حضرت شعیب علیہ السلام کی جان سے خدمت کی۔

انہی نکات کی مزید وضاحت دیکھنی ہو تو امام الاولیاء سیدنا غوثِ اعظم علیہ الرحمہ

کی 'فتح الربانی' اور شیخ الاولیاء مجددِ الف ثانی علیہ الرحمہ کے مکتوباتِ شریفہ دیکھئے۔ بلکہ

حدیثِ پاک ہے:

لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔۔۔ (مخلوۃ)

ترجمہ: ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہتا۔

آنچه زرمی شود پرتو آں قلبِ سیاہ

کیسیا نیست کہ در صحبتِ درویشاں است

تاریخ کا جائزہ لیں، بلکہ تاریخ ہی نہیں دورِ حاضر بھی ان شواہد سے بھرا پڑا ہے

کہ ہدایت کا سب سے بڑا سبب مردانِ حق کی غلامی اور گمراہی کی سب سے بڑی وجہ

انبیاء و اولیاء کی دشمنی و بے ادبی ہے۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ خُمد  
کم کسے زا بَدال آگاہ خُمد  
ہمسری با انبیاء برداشتند  
اولیاء را مثل خود پند اشتند

ترجمہ: دنیا بھر کے گمراہ صرف اس بنا پر گمراہ ہوئے کہ وہ اللہ والوں کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ ان گمراہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا اور اولیاء اللہ کو بھی اپنے جیسا سمجھا۔

حدیث قدسی بھی اس حقیقت کو اس طرح سمجھا رہی ہے:

مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اَدْبَنَتْهُ بِالْحَرْبِ ... (بخاری)

ترجمہ: (خدا فرماتا ہے کہ) جو میرے کسی ولی کا دشمن ہو اس میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا ہوں۔

بس تجربہ کر دیم دریں دیر مکافات

با ذر و کشاں ہر کہ در افتادہ بر افتاد

یعنی اس دنیا میں ہمارا بہت تجربہ ہے جو بھی شرابِ معرفت پینے والوں سے الجھا، نیست و نابود ہو گیا۔

بعض لوگوں نے ان کے مقام و منصب کو سمجھا نہیں اور بڑی سادگی سے کہہ دیا کہ جی کتاب و سنت کے ہوتے کسی رہبر کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ کتاب و سنت کی سمجھ کے لیے مُتَعَلِّم و ہادی کا سہارا اور بھی ضروری ہے۔ جن لوگوں نے اپنی عقلِ ناقص

سے انہیں سمجھنا چاہا، راہِ حق سے بھٹک گئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ بقول اقبال:

اجتہادِ اندر زمانِ انحطاط قومِ راورِ ہم ہی پیچید بساط

ترجمہ: قومی زوال کے وقت کا اجتہادِ ملت کو تباہ کر کے دکھ دیتا ہے۔

یا دور کھئے! کتابِ سنت کے انوار سے مستعیر ہونے کے لیے دل و نگاہ کی طہارت شرط

اقل ہے اور یہ دولت کسی مردِ کامل کی آستیاں بوسی کے بغیر مشکل ہے۔

کیسا پیدا کن از مشیتِ گلے بوسہ زنِ بر آستانِ کاٹے

شعِ خود را بچورونی بر فردوز روم را در آتشِ تبریز سوز

حیرت ہے، دنیاوی علوم سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت مسلم، فن سیکھنے کے

لیے کسی ماہر کی مدد ضروری، منزل پر پہنچنے کے لیے واقفِ راہ کا سہارا درست تو پھر فقر کی

پتھ در پتھ راہوں کو طے کرنے کے لیے کسی ہادی کی ضرورت سے انکار کیوں؟ یقیناً

ضرورت ہے مگر اسے جو منزل پر پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ جو خدا سے ملنا چاہے، وہ خدا

دالوں کے پیچھے چلے، کہ قرآن کا اعلان ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ..... (لقمان: ۲۱)

ترجمہ: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

دیں مجواہدِ کتب اے بے خبر

علم و حکمت از کتب دین از نظر

یعنی اے بے خبر! دین کو کتابوں کے اندر مت تلاش کر،

کتابوں سے علم و حکمت ملتے ہیں، جبکہ دینِ نظر سے ملتا ہے۔

اس عنوان کو حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمانِ عالیشان پر ختم کیا



جاتا ہے جس میں انہوں نے اہل اللہ کے منصب اور اس کی اہمیت کو نہایت خوبصورت مثال سے سمجھایا ہے، فرمایا:

”اہل اللہ کی مثال مخلوق کے ساتھ ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے چاہا کہ دریا عبور کریں اور بادشاہ تک پہنچ جائیں۔ بعض لوگ راستے سے واقف ہوئے اور عبور کر گئے۔ اور جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ کو یہ خیال آیا کہ باقی لوگ خطالمحو اس بنے ہوئے ہیں اور قریب ہے کہ ڈوب جائیں کیونکہ وہ اس راستے سے واقف نہیں ہیں جس پر پہلے لوگ چلے۔ لہذا جو لوگ بادشاہ تک پہنچ گئے تھے ان کو حکم دیا کہ ان کی طرف واپس ہوں تاکہ جس راستے سے خود آئے ہیں اس سے ان کو واقف کرادیں۔ پس وہ آئے اور کنارے پر کھڑے ہو گئے اور ان کو آواز دی کہ راستہ ادھر ہے۔ غرض ان کو راہ سے باخبر کرتے رہے اور جب وہ ان کے قریب پہنچے تو ان کے ہاتھ پکڑ لیے اور سمندر سے خشکی پر کھینچ لیا۔ یہ ہے اہل اللہ کا اہم فرض“

(سیرت نبویہ عظیم رحمۃ اللہ علیہ، از مولانا زاہد القادری)

باب دوم

ابتدائی حالات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### حضورِ مفکرِ اسلام تدریسِ نجاتی کی ولادت باسعادت:

چاندنی رات کا پچھلا پہر تھا۔ بیکور کی گلیاں تقہ نورینی ہوئی تھیں۔ مزاراتِ اولیاء سے گھری یہ پوری ہستی رحمتوں کی کود میں محو خواب تھی۔ آسمانوں کے دریچے کھل گئے تھے۔ فضائے بیضی میں فرشتوں کے پردوں کی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی کہ زاہد شب زندہ دار اور شرع و طریق کے ماہر اسرار جناب صوفی محمد مقبول (علیہ الرحمہ) کے گھر چمنستانِ قدس کا ایک ایسا پھول کھلا، جس کی خوشبو نے آگے چل کر ایک جہان کو معطر کرنا تھا۔

ہو الطف و عنایت کی چلی گلزارِ ہستی میں

ترا آنا نہیں، آنا ہے یہ فصلِ بہاراں کا

یہ گلِ خوشنما، فقرِ خجور کا دلکش نمونہ، میدانِ شریعت و طریقت کے امام، مادرِ زاد ولی، شمسِ  
العرفاء، بدرِ الاولیاء، مقلدِ اسلام پر وفیہ محمد حسینِ آسی قدس سرہ العزیز تھے جو اپنے دور میں  
آسمانِ معرفت کے ستاروں میں آفتابِ نصف التہار بن کر چمکے۔ اسی لیے شمسِ العارفین  
اور بدرِ الکاملین کا لقب آپ کا اسمِ گرامی کے ساتھ لازمی حصہ بنے۔  
یہ رات دو بجے کا وقت تھا۔ پیر کی صبحِ سعادت طلوع ہونے والی تھی۔ سال  
۱۹۳۹ء تھا۔ جبکہ بکھور (بقعہ نور سے) تحصیل پٹھانکوٹ ضلع کوروا سپور (انڈیا) کا ایک  
خوبصورت مقام تھا۔

زہے دولتِ مادرِ روزگار

کہ نورے چمنیں پروردور کنار

والدین کریمین نے نومولود کے نورانی چہرے کو دیکھا تو باغِ باغ ہو گئے اور  
ربِّ کریم کا شکر ادا کیا۔ آپ کے ماما جان جناب علی محمد علیا رحمہ جو حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ  
کے خاص مرید اور نہایت متبعی انسان تھے، محض خواب میں اشارہ پا کر چلے آئے۔

## اسمِ گرامی:

حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ اتوی کے والدِ گرامی نے اپنے شیخِ قیومِ زمانی، مٹھلیپ  
ربانی پیرسید جماعت علی شاہ لاثانی رتہ اللہ علیہ سے اپنے فرزند ارجمند کا نام پوچھا تو جواب  
ملا ”محمد حسین“، ”محمد حسن“۔ حضور شاہِ لاثانی ان مردانِ باصفا میں سے تھے جن کی  
نگاہِ لوحِ محفوظ پر ہوتی ہے، ماضی و مستقبل ان کے لیے برابر ہیں۔ اور جن کی نگاہِ دور میں  
سے کچھ بھی محبوب (چھپا ہوا) نہیں تھا۔ چنانچہ آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ کوئی اپنے بچے

کا نام رکھنے کی درخواست کرنا تو کبھی ایک اور کبھی زیادہ نام بتا دیتے۔ جتنے نام بتاتے، اتنے ہی بچے تولد ہوتے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور حضور کی ولادت سے تین چار سال بعد آپ کے بھائی محمد حسن کی ولادت ہوئی جو دس ماہ کی عمر میں ہی وصال فرما گئے۔

## والدین کریمین:

سیدی وسندی حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ القوی کے والدِ مکرم اور اولین استاد صوفی با صفا جناب محمد مقبول صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ولد جناب چراغ دین صاحب ولد جناب شرف دین صاحب ولد جناب شہاب دین صاحب علیہم السلام) ایک عارفِ کامل اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ حضور شہنشاہِ لاٹانی علیہ الرحمہ کے مرید صادق اور ان کے اولین سجادہ نشین (اور پوتے) قیومِ زمانی پیر سید علی حسین شاہ نقشب لائٹانی قدس سرہ کے پروردہ بقیض تھے۔ دونوں مقدس شخصیات کا ذوق و شوق سے کرتے تھے کہ سننے والے کے دل و دماغ بھی شمیمِ عیبت سے معطر ہو جاتے۔ مزے لے لے کر اپنے ان دو آقاؤں کی داستانِ رحمت و عظمت سنایا کرتے۔ حضور شاہِ لاٹانی قدس سرہ ہر سال آپ کے گاؤں بکور میں تشریف لاتے تو آپ کے گھر میں ہی قیام فرما ہوتے، (گویا اس علاقے میں آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف کے خصوصی نمائندے آپ تھے)۔ گھر میں فقیر محمدی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کیفیت تھی۔ مکان بالکل خستہ حال تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا کہ ”اب مکان نیا بنانا چاہئے“، یہ ان کلمات کی برکت تھی کہ اسباب بھی بن گئے، حالات بھی سدھر گئے اور جلد ہی لٹھا خاصا مکان تعمیر ہو گیا۔ بعد از وصال حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ فرماتے:

”آج بھی جس شخص کو بھی فیض ملے گا اور جس طرح کا بھی ملے گا،

وہ (بفصلِ خدا) حضورِ نقشب لائانی علیہ الرحمہ ہی سے ملے گا۔“

(یعنی اُن کا فیض آج بھی بکمال جاری و ساری ہے، اور مقامِ غوثیت و قومیت جو اُن کو حاصل ہے، اسی بات کا متقاضی ہے)

پیرخانے سے آپ کو جو سب سے بڑی دولت ملی تھی وہ محبوبِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متاعِ لازوال تھی۔ صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہایت والہانہ انداز میں کرتے اور اکثر یہ شعر بھی پڑھا کرتے:

منعم مکن از عشق وے اے مفتی زماں

معذور دارم کہ تو اورا ندیدہ!

(حافظ شیرازی علیہ الرحمہ)

”یعنی اے وقت کے مفتیِ اعظم، مجھے اس محبوب کے عشق سے مت روک،

میرے نزدیک تو (اس طرزِ گفتگو میں) معذور ہے کیونکہ تو نے اسے دیکھا

ہی نہیں۔“

آپ اردو اور فارسی کے مایہ ناز فاضل تھے۔ حضرت مولانا روم، شیخ سعدی،

نظامی گنجوی، خواجہ حافظ اور حضرت اقبال کا اکثر نعتیہ کلام ازبر تھا۔ آپ فارسی زبان سے

قطعی طور پر نا بلد تھے، لیکن حضورِ نقشب لائانی نے ایک نظر میں سکھا دی۔

جناب صوفی محمد مقبول صاحب علیہ الرحمہ (جنہیں اہل خانہ میاں صاحب کہا

کرتے) سخاوت کے دھنی، دل کے غنی اور سادگی و اخلاص کا پیکر تھے۔ عاجزی کا یہ عالم تھا

کہ کوئی فقیر آجاتا تو بہت عزت دیتے۔ اچھی جگہ بٹھاتے، کھلاتے پلاتے، دعا کرواتے۔

نیز دھوبی حضرات جب صبح کپڑوں کی گٹھڑیاں اٹھائے سنہرے دھونے کے لیے جا رہے ہوتے  
، ان کی گٹھڑیاں باصرار لے کر اپنے سر پہ رکھ لیتے اور منزل پر پہنچا کر واپس آتے۔

آپ شعبۂ تعلیم و تدریس سے وابستہ تھے تاہم بلند جگہ بیٹھنے کی بجائے طلباء کے  
متوازی بیٹھ کر شفقت و محبت سے پڑھاتے۔ شرفِ تلمذ حاصل کرنے والے تلامذہ آج  
بھی آپ کے منفرد اور شفقت و خلوص بھرے اندازِ تدریس کو یاد کرتے ہیں۔ بالخصوص اس  
عاجز کے والدِ محترم جناب غلام محمد صاحب جن کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا  
، نہایت عقیدت سے آپ کے مشفقانہ و جداگانہ طرزِ تدریس کو بیان کیا کرتے۔ ہمیشہ  
سلام کرنے میں پہل کرتے۔ آپ کے کئی شاگرد بیان کرتے ہیں کہ بہت دفعہ ہم نے  
نیت کی کہ سلام کرنے میں آج ہم پہل کریں گے لیکن کبھی کامیابی نہ ملی۔

اللہ نے آپ کو خلقِ خدا کی حاجت روائی کا سبب بنایا تھا۔ چنانچہ کثیر تعداد میں  
عوام و خواص نے آپ سے استفادہ کیا۔ اوقاتِ تدریس میں بھی حالات کے ستائے  
لوگ آپ کے پاس چلے آتے تھے۔ جسے آپ دورانِ تدریس اچھا نہ جانتے تاہم خوفِ  
خدا ان کو خالی واپس بھیجے میں مانع تھا۔ کسی حاسد نے انسرانِ بالا کو شکایت کر دی۔  
چنانچہ ایک انسر گھوڑی پر سوار آمو جوہو اور گستاخانہ انداز سے پیش آنے لگا حالانکہ  
اخلاقاً و شرعاً آپ کا موقف سنا جانا چاہئے تھا۔ پھر یکا یک یہ ہوا کہ اس انسر کی گھوڑی  
اسے کاٹنے کے لیے آگے بڑھی، یہ صاحب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب یہ منظر تھا کہ وہ  
صاحب بھاگے پھر رہے تھے اور انہی کی گھوڑی ان کی جانی دشمن بنی پیچھے پیچھے  
تھی۔ بھاگتے بھاگتے گھوڑی ایک مرتبہ پھر پاس سے گذری تو آپ نے فقط اتنا  
فرمایا، ”اس نے تو گستاخی کی ہی تھی، تو تو نہ کر“۔ چنانچہ اب گھوڑی نے اس کی جان بخشی

اور وہ چلا گیا۔ (اس واقعہ کے راوی جناب یونس علی صاحب ولد میر زمان صاحب ولد فقیر محمد صاحب ساکن آدھوانہ ہیں جو آپ کے قریبی عزیز ہیں اور ان کے والد گرامی بکپور سے ہی ہمارے حضور کے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے آگئے تھے)۔ جناب صوفی پیر محمد مقبول صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ ورسول کے فضل اور شیخ کریم کی نگاہ سے یہ کمال حاصل تھا کہ نہ صرف تعویذات اور دم کرنا سرلیج تاثیر تھے بلکہ تھوک مبارک جس بیمار کے ماتھے یا متاثرہ جگہ لگاتے یا ذین اللہ سے شفا ہو جاتی۔

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ابھی پانچویں جماعت کا طالب علم تھا جب والد ماجد کو رات بھر عبادت کرتے اور اللہ ورسول کی یاد میں کثرت سے روتے دیکھتا تھا۔ اور اس قدر بے اختیار ہو کر روتے کہ اہل محلہ بھی رونے کی آوازیں سنتے تاہم اس رقیبِ قلبی کو بھی اللہ ہی کا بہت بڑا احسان سمجھتے تھے۔ ایک روز والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ صاحبزادے کے لیے بھی دعائیں کیا کریں۔ اگلی صبح فرمانے لگے: ”آج ساری رات صرف انہی کے لیے (دعاؤں میں) گزاری ہے“۔ یہ ایک صالح باپ کی دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے کہ لختِ جگر اپنے دور کے اولیاء میں ممتاز ترین مقام پہ فائز ہوئے۔

سلطان الاذکار جو صوفیاء کے ہاں ایک خاص انداز سے مروج ذکر ہے، آپ کثرت سے کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کو اس حال میں ذکر کرتے دیکھ لیا کہ جسم کا ہر عضو علیحدہ ہو کر اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ تاہم آپ نے بعد میں اسے کسی کو بتانے سے منع فرما دیا۔

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ ابھی نویں جماعت کے طالب علم تھے (ہائی سکول شکر گڑھ میں) کہ والد محترم علیل ہوئے اور طویل بیماری کا آخری دور موضع کندوالی



شخص علی پور میں

گذرا، جہاں قرسی عزیز چودھری چراغ لطیف مرحوم کے ہاں قیام رہا۔ جس دن آپ کا وصال ہونا تھا، سہ پہر کو حجامت بنوائی، اپنے آستانے علی پور سیدان شریف آکر وضو کیا۔ روزہ افطار کیا (رمضان المبارک کا ماہ مقدس تھا)۔ بعد نماز مغرب پنجوں سے سورہ ملک پڑھوانے کی فرمائش کی۔ دورانِ تلاوت اگر کسی سے زیر پر پیش کی بھی غلطی ہوئی تو آپ نے تصحیح کر دی۔ پھر آپ بظاہر باطمینان بیٹھے ہوئے تھے تاہم دیکھنے والے محسوس کر رہے تھے کسی کا ہمدست سے انتظار ہے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ حضرت صاحب کے آخری سلام (مراد زیارت) کا انتظار ہے۔ (حضور نقش لائٹانی علیہ الرحمہ مسجد میں نماز تراویح ادا کر رہے تھے)۔

اتنے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پاس بیٹھے احباب بولے حضور نقش لائٹانی تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا، نہیں وہ تو ابھی مسجد میں ہیں۔ پھر سبھی نے دیکھا کہ آنے والے تو ایک اور عزیز (جناب رمضان صاحب) حضور مقلد اسلام کے ماموں تھے۔ تاہم آنکھیں مشتاقی دیدہ رہیں اور نماز تراویح ادا ہونے کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ اہتمام غسل کے بعد حضور نقش لائٹانی کے حکم کے مطابق ایک ہی شخص پاس تھا جس کا بیان ہے کہ مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، لیکن نظر نہ آیا۔ جس نے باواز بلند کہا، السلام علیکم۔ اور میت نے جواب دیا، وعلیکم السلام، وہ شخص وہاں سے اٹھ گیا۔ یونہی ماسٹر خادم حسین صاحب (حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ کے ماموں کے بیٹے)، ان کے والد چند افراد کے ساتھ آئے تو آپ تادیر مسکراتے رہے۔ آپ کی وصیت کے مطابق قیومِ زبانی حضور شاہ لائٹانی علیہ الرحمہ کی عطا کردہ ٹوپی قبل تدفین آپ کو

پہنائی گئی۔ بعد از عشاء آپ کو دفن کیا گیا۔ یہ آپ کی عقیدتِ صادقہ کا ثمر تھا کہ وصال (مورخہ ۱۹ رمضان ۱۳۶۶ھ بمطابق ۳۰ اپریل ۱۹۵۲ء) کے بعد مزارِ حضور شاہِ لاثانی کے قدموں کی طرف دفن ہوئے۔ سچ کہا تھا بیدم وارثی نے:

مر کے بھی میکدے سے ہم باہر نہ جائیں گے  
میکش ہماری خاک کے ساغر بنائیں گے

حضور مقلبِ اسلام علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بی بی رحمۃ اللہ علیہا بھی عارفہ کاملہ اور عابدہ زاہدہ تھیں۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کا گہرا شغف رکھتی تھیں۔ وظائف بھی کثرت سے جو روزِ زباں رہتے۔ در پر آنے والے لوگوں کے ہجوم کے لیے لنگر کا اہتمام فرماتی تھیں جو نہایت مشقت طلب کام تھا۔ چنانچہ چولہا شاید ہی کبھی بجھا ہو۔ حضور شاہِ لاثانی قدس سرہ آپ کے پورے خانوادے پر نہایت مہربان تھے۔ مہربانی و شفقت کا یہی معاملہ والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ بھی تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ جب والدہ صاحبہ کے پہلو میں سخت درد کے دورے پڑنے لگے، بہت علاج کروائے مگر آرام نہ آیا۔ آخر ایک ماہر طبیب نے ستر روپے کا نسخہ تجویز کیا جبکہ (حضور کے) والدِ محترم کی تنخواہ ان دنوں صرف چھتیس روپے تھی۔ خدا کی قدرت، حضور شاہِ لاثانی آپ کے گھر (بکور) تشریف لے آئے۔ والدہ درد سے سخت بے چین تھیں۔ حضور شاہِ لاثانی نے بس یہی فرمایا، ”دیکھو جی درد کو یہی گھر نظر آیا ہے۔ لڑکے کی تنخواہ چھتیس روپے اور نسخہ ستر روپے کا“۔ تا فرماتا تھا کہ تکلیف ختم ہوگئی اور پھر کبھی نہ ہوئی۔

۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو آپ کا وصال مبارک ہوا۔ جنازے، دسویں اور چالیسویں

میں حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے بیٹھیں نفیس شرکت فرمائی۔ آپ کی قبر مبارک آپ کے

آبائی گاؤں موضع پھگواڑی شریف کے قبرستان میں ہے۔

## خاندان نور:

حضور مقلد اسلام قدس سرہ کے خاندان میں بکثرت صالحین و کاملین ہوئے۔ آپ کے والدین کریمین علیہما الرحمہ ولی، ہمیشہ محترمہ (جو آپ سے سات سال بڑی ہیں) نہایت عبادت گزار اور مستجاب الدعوات، اہلیہ محترمہ از حد خیمہ و عابدہ و زاہدہ اور دین کی بلند نظر مبلغہ، بھانجے صاحبزادہ محمد عطاء الحق نقشبندی (موجودہ سجادہ نشین) آپ کے فیض کے وارث اور دینی غیرت و حمیت سے آراستہ ننھیال کی طرف سے نانا جان صفا کی دولت سے مالا مال، ماموں جان مٹھی اور متعدد درویش صفت احباب جگمگاتے ستاروں کی مانند، جبکہ دودھیال کی جانب سے تحقیق ہی نہیں ہو سکی کہ درویشی کا کوہر کہاں سے نسل در نسل چلا آتا ہے۔ یہاں صرف یہ دیکھ لیں کہ حضور کے دادا جناب چراغ دین صاحب علیہ الرحمہ کے دادا جان جناب شہاب دین صاحب علیہ الرحمہ بھی اپنے دور کے بلند نگاہ صوفی تھے۔ علاقے میں ان کے تقویٰ، سخاوت، خدمتِ خلق اور بارعب شخصیت کا خاص شہرہ تھا۔ لوگ باہمی جھگڑوں میں ان سے فیصلے کراتے تھے۔ ایک خاتون بالواسطہ بے ادبی کر بیٹھی۔ پھر جب اسے معلوم ہوا کہ آپ ان کی اس حرکت سے آگاہ ہو چکے ہیں تو فقط آپ کی ہیبت اور سامنے آنے کی دہشت سے بچنے کے لیے گھر بار چھوڑ کر شوہر اور بچوں کے ہمراہ گاؤں سے چل دی۔ آپ نے راستے میں ہی انہیں جالیا اور گاؤں چھوڑنے کی وجہ دریافت کی۔ پھر نہایت شفقت و مسکراہٹ سے ان کی دلجوئی فرما کر واپس بھیجا۔ وہ آپ کے بہت گرویدہ ہو گئے۔ ان بزرگ سے لے کر ہمارے حضور تک

سب با کمال ہوئے۔ یقیناً یہ ایک نورانی خاندان ہے جو عرصہ دراز سے خلق خدا کی اصلاح احوال، اخلاقی و قلبی تطہیر اور معاشرتی و اخلاقی برائیوں کے تدارک کے سلسلے میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرتا رہا اور مجاہدہ تعالیٰ حاصل کر رہا ہے۔

## عہد طفولیت:

قدرت جن افراد سے مخصوص کام لینا چاہتی ہے، انہیں صلاحیتیں بھی مخصوص ہی عطا کرتی ہے اور پھر ان صلاحیتوں کی نگرانی بھی خود ہی کرتی ہے۔ عظیم لوگوں کا بچپن اور یونہی لڑکپن بھی عظیم ہوتا ہے اور دیکھنے والے ابتداء ہی سے ان کے عظیم کارناموں کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ مثلاً حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد طفولیت پر نظر کیجیے۔ عہد رضاعت میں ماہ رمضان میں طلوع آفتاب تا غروب آفتاب دودھ ہرگز نہ پیتے۔ اور اپنے بچپن کے حالات بیان کرتے ہوئے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خود ارشاد فرمایا کہ میں اوائل عمری میں جب بھی لڑکوں کے ساتھ کھیلنا چاہتا تو غیب سے ایک آواز آتی کہ "ہلو و لعب سے باز رہو" چنانچہ میں رک جاتا۔ یونہی حضور سیدنا شاہ لانا فی علیا رحمہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کے زمانہ کفولیت میں ایک مجذوب بزرگ کہیں باہر سے علی پور شریف تشریف لائے۔ ان کے سامنے آپ اپنے ہمجولیوں کے اصرار پر کسی کھیل میں مشغول ہو گئے تو وہ مجذوب بزرگ جنہیں کسی نے کبھی کلام کرتے نہ دیکھا تھا، خاموش نہ رہ سکے اور فرمانے لگے، تم ان فضول کاموں کے لیے نہیں ہولہذا ان میں مت پڑو۔ آپ یہ ارشاد سن کر ان کے پاس آ بیٹھے اور پھر کبھی اس کھیل میں حصہ نہ لیا۔ (انوار لانا فی)

حضور مقلدِ اسلامِ قدس سرہ العزیز کا مبارک بچپن بھی آپ کی عظمتِ شان اور مقامِ رفیع کا مظہر ہے۔ ولادت کے موقع پر متعدد احباب کو بشارت دی گئی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ آپ کے صالح دشمنی مانا جان محض خواب میں اشارہ پا کر چلے آئے اور بھی لوگ اس خوش کن خبر سے مسرور کیے گئے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ دیہاتی فضا میں پرورش پانے والے بچے گالی گلوچ کے عادی اور شائستگی سے دور ہوتے ہیں۔ ان کا شعور بھی عموماً پست ہوتا ہے۔ مگر ہمارے حضرت فطرتاً خوش اطوار، شائستہ، نہایت صفائی پسند اور پختگی مشعور سے مزین تھے۔ آپ کی عادات عام دنیا داروں کی سی نہ تھیں۔ اپنی پسندیدہ عادات اور حسنِ اخلاق کی بدولت اپنی بیگانوں اور چھوٹوں بڑوں میں یکساں ہر دل عزیز تھے۔ صبر و قناعت، تسلیم و رضا اور محبت و مشقت کی طرف ابتداء ہی سے طبیعت مائل تھی۔ کبھی والدین کو رنجیدہ تو کیا معمولی پریشان بھی نہ کیا۔

آپ کی ہمشیرہ محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ شیر خوارگی میں جب بھی ماہِ رمضان آیا، آپ نے دودھ نہیں پیا۔ شیر خوارگی کے بعد بھی یہی سلسلہ رہا یعنی اس ماہِ طیبہ میں دن بھر کھانا پینا موقوف رہتا۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے آپ کو کچھ کھانے کو دیا تو آپ نے تو تلی زبان میں عرض کیا، ابھی اجان نہیں ہوئی، انہوں نے خوب پیار کیا۔

پھر عمر مبارک بمشکل چار پانچ سال تھی، جب سحری کے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے اور جس طرح سے ہونا مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ گھر کے دیگر افراد کو بھی اس وقت جگا دیتے۔ نمازہ جگانہ کے اہتمام کی یہ صورت تھی کہ جونہی اذان ہوئی وضو

کیا، محلے کے چھوٹے بچے ساتھ لیے اور مصلکی بچھا کر خود مامت شروع کر دی، جب کہ دیگر بچوں کو پیر دی کرنے کی ہدایت کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ باجماعت نمازوں کی ادائیگی کا جو شوق جنون کی حد تک تاحیات آپ پر غالب رہا، اس کی ابتداء وائل عمری ہی میں ہو چکی تھی۔ بچوں کے ساتھ آپ کا تعلق اسی قدر رہا، ورنہ بچپن اور یونہی لڑکپن میں بھی عام بچوں سے الگ تھلگ ہی رہتے تھے۔ کھیل کود میں کبھی بھی رغبت نہ رہی۔ یہی وہ دور تھا جب کثرت سے مزارات پہ جانے کا آغاز ہو چکا تھا۔ اپنے علاقے کے بڑے مزارات کی حاضری کا گہرا شغف تھا۔ ٹوپی اور سنت کے مطابق سفید لباس پہننے کا آغاز بھی اسی دور سے ہو چکا تھا۔ اگر کوئی کسی اور رنگ کا یا کوئی اور لباس پہنانے کی کوشش کرتا تو بھی نہ پہنتے۔ مثلاً ابھی آپ تیسری جماعت کے طالب علم تھے جب آپ کی ہمشیرہ محترمہ نے نہایت محبت سے سرخ رنگ کا ایک خوبصورت لباس سلائی کر کے پہنانا چاہا، آپ نے انکار کر دیا، ہمشیرہ محترمہ نے خود پہنانے کی کوشش کی تو آپ نے بے اختیار چیخ مار دی جسے والد محترم نے تین چار سوگڑ کے فاصلے پر واقع سکول سے سن لیا اور دوڑے چلے آئے اور صورتِ حال سے آگاہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ بچہ حق کے راستے پر ہے تم اس کو سرخ رنگ کا جوڑا (جو کہ خلاف سنت ہے) کیوں پہناتی ہو؟

اسی عمر میں آپ نہایت ہر د عزیز تھے۔ اساتذہ کی آنکھوں کا تارا اور طلباء کی نگاہوں کا مرکز ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ سکول میں ایک تقریب ہوئی۔ سب نے بڑے شوق سے تصویریں بنوائیں لیکن آپ نے اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ سگریٹ کھٹے وغیرہ سے سخت نفرت تھی یہاں تک کہ حقہ کپڑے کو لگ جاتا تو خوب اچھی طرح سے

دھوتے۔ تیسری جماعت میں تھے جب استاد صاحب نے آپ سے حلقہ گرم کرنے کو کہا۔ آپ ادب سے کھڑے رہے نہ ہاں میں جواب دیا نہ ناں میں۔ والد محترم علیہ الرحمہ قریب کھڑے تھے۔ انہوں نے حلقے کی ٹوپی پکڑ کر کہا کہ یہ کام یہ نہیں کریں گے، لائیں میں کیے دیتا ہوں۔

یہ قول بھی عظیم باپ کا اپنے عظیم بیٹے سے متعلق ہے، جوان کے بچپن میں ارشاد فرمایا گیا:

”یہ کچھ خاص ہیں، عام نہیں۔ حضرت صاحب (حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ) نے کرم کیا ہوا ہے، جب چمکیں گے تو دنیا دیکھے گی“

## شبابِ مقدس

در جوانی توبہ کردن شیوہٴ غمبیری  
وقتِ پیری گرگِ ظالم می شود پرہیزگار

(جوانی کے عالم میں توبہ پر قائم رہنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ بڑھاپے میں ظالم بھٹیر یا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جس کو خدا جوانی اور حسن عطا فرمائے اور وہ ان دونوں چیزوں کو خدا کی راہ کے لیے وقف کر دے، خدا تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اس پر فخر فرماتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے۔

حضور مقلدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کا دورِ شبابِ حنی و قلبی تطہیر اور فکری و عملی پاکیزگی میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں اپنے رب جل جلالہ

اور اس کے پیارے محبوب سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتِ شان بیان کرنے اور انوارِ شریعت و طریقت پھیلانے میں صرف کر دی تھیں۔ نیز خدمت و اطاعتِ شیخ پر تاحیات کمر بستہ رہے۔

عنوانِ کسبِ علم میں بیان کر وہ تفصیلات آپ کے دورِ شباب کی سرگرمیوں کا کچھ خاکہ پیش کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا آغازِ شباب تکمیلِ علم، وسطِ شباب اشاعتِ علم اور اختتامِ شباب فیضانِ شریعت و طریقت کی تقسیم کا دورِ شباب تھا۔ وہ بزرگ حضرات جن کی چشمِ ظاہر سے آپ کے احوالِ ظاہری مخفی نہیں تھے، بیان کرتے ہیں کہ جوانی میں جبکہ آپ کے ہم عمر دنیاوی مشاغل میں نہایت سرگرم ہوتے، آپ مجتہد کے پابند (اور وہ بھی ہمیشہ غسل کر کے)، نہایت عابد و زاہد اور اپنے خدا و رسول کو راضی رکھنے کے لیے رات رات بھر جاگنے والے تھے۔

کتنے ہی حضرات ایسے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ لوگ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے اور آپ بند کمرے میں مصلے پر کھڑے نوافل ادا کر رہے ہوتے اور اکثر رات یونہی بیت جاتی۔ کثرتِ عبادت سے ایزدوں اور جنوں پر نشانات بن چکے تھے۔

آنکھوں میں شرم و حیا تھی۔ اپنی نظر کی سخت حفاظت فرماتے تھے۔ بازار نہیں جاتے تھے کہ دورِ حاضر میں بازار عورتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ اگر کہیں اور جانے کے لیے مجبوراً گذرنا ہوتا تو سر پر سفید کپڑے کا بڑا رد مال باندھ کر چہرے کا زیادہ تر حصہ چھپا کر گذرتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضورِ اکرم سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں



فرماتی ہیں کہ کنواری لڑکی سے زیادہ شرم و حیا کے مالک تھے۔ ہمارے آقائے ممدوح کی سیرت میں بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفتِ مبارکہ کا عکس پایا جاتا تھا۔ چنانچہ غیر محرم خواتین عمر رسیدہ ہوں یا کم سن، کسی صورت بات کرنے کے بھی روادار نہ تھے۔ بیعت فرماتے تو بھی درمیان میں چادر تان لیتے یا چارپائی کھڑی کر دیتے اور چادر کا ایک کونہ پکڑا کر بیعت فرماتے۔

حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ نہایت منکسر المزاج تھے۔ اخلاق حمیدہ آپ کا شعار زندگی تھا۔ سخی یہاں تک تھے کہ گھر سے جو کچھ پاتے راہِ مولا میں دے دیتے۔ طبیعت نہایت سادہ تھی۔ نمود دریا سے نفرت تھی۔ آپ کی مبارک جوانی قرآنِ پاک کی اس آیت کی زندہ تفسیر تھی:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ

وَاعْظُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۝..... (سورہ لقمان۔ آیت ۱۸-۱۹)

ترجمہ: اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسار کج نہ کر اور زمین پر اترا کر

نہ چل۔ بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اترا تا فخر کرتا۔ اور میا نہ چال چل اور

اپنی آواز کو پست کر۔

مبلیغ دین کے سلسلے میں دور دراز کے مقامات کا سفر کرنے سے کبھی نہ

پچکچائے۔ سفری صعوبتیں، مالی مشکلات اور خرابی صحت جیسے مسائل کبھی دینی کا دھوں کی

راہ میں حائل نہ ہوئے۔

پھر یہی وہ دور تھا جس میں پیر خانے کی حاضری بھی جاری رہی۔ سیالکوٹ، بہاولپور، لاہور، شیخوپورہ وغیرہ شہروں میں رہتے ہوئے بھی مرشد کریم کے در پر کثرت کے ساتھ اور بالخصوص قیام سیالکوٹ کے دوران بلاناغہ حاضری یقیناً ایک مشکل امر ہے تاہم جس نے عشق و مستی کی مے چکھی ہو اسے کسی رکاوٹ کی کیا پروا۔ چنانچہ ادھر مرید صادق کا جذب و شوق اپنا آپ دکھا رہا تھا تو ادھر شیخ کامل کی بخشش و عطا اپنے جو بن پر تھی۔ بس پھر کیا تھا، منزلیں طے ہوتی رہیں۔۔۔ طائر لاہوتی، عشق کے پردوں سے پرواز کرتا رہا۔۔۔ حجابات اٹھتے رہے۔۔۔ حقائق منکشف ہوتے رہے۔۔۔ بالآخر شیخ کریم کی عنایت و توجہ سے ایک ایسا شاہکار تیار ہوا کہ خود شیخ کو اپنی محنت کے ثمر آور ہونے پر ناز تھا۔ شیخ نے اپنے اس مرید و مراد کو خلق خدا کے لیے فیض رساں بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی چنانچہ مرید صادق نے بھی فیضان رسائی میں کمی نہ رکھی اور خلق خدا کی ہدایت و فلاح کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ جوانیاں اُوروں نے بھی گذاریں مگر یہ کیسی جوانی تھی کہ جس میں سراسر اطاعتِ خداوندی، عشقِ مصطفیٰ علیہ السلام و اہل خدمتِ شیخ اور تبلیغ و اشاعتِ دینِ محمدی (علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام) کے مشاغل ہی تھے، اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہمتیاں کہیں صدیوں کے بعد متصداً شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ ان کی آمد سے پہلے فطرت ان کی منتظر رہتی ہے اور ان کے ارتحال کے بعد زمانہ ان کے گمن گاتا ہے۔

### حلیہ مبارک :

خدا نے آپ کو حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی خوب مزین

کیا تھا۔ میاں نہ قد، روشن آنکھیں، سُنّت کے نور سے جلمگاتا چہرہ، گندمی مائل بہ سفیدی رنگت، پُر گوشت رخسار، قدرے موٹی مگر چہرے پر موزوں خوبصورت ناک، تمام اعضاء بدن جسم اطہر پر انتہائی متناسب، سفید لباس، سفید کپڑے کی نقشبندی ٹوپی، نرم دم گھنگو، گرم دم جستجو، ہر اُپا سے عجز و انکسار ظاہر، خاموش ہوں تو پُر جلال، محکلام ہوں تو جمال ہی جمال۔

تیرے بدن کا ہر جزو، ایک شعر خوبصورت  
لیکن یہ تیری آنکھیں پورا کلام جیسے

## نکاح مبارک :

حضور ہادیؑ دورانِ محسنِ انساں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث پاک ہے:

النَّكَاحُ مِنْ سُنتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنِ سُنتِي فَلَيْسَ مِنِّي

ترجمہ: نکاح میری سنت سے ہے، جس نے میری سنت سے منہ

پھیرا وہ مجھ سے نہیں (یعنی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں)۔

نیز فرمایا:

إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ

فِي النِّصْفِ الْبَاقِي...

(مشکوٰۃ جلد دوم، کتاب نکاح، حدیث نمبر ۲۶۶۲/۱۷، سنن ابی داؤد)

ترجمہ: جس وقت کوئی شخص نکاح کرتا ہے اس کا آدھا دین مکمل

ہو جاتا ہے۔ باقی آدھے میں وہ اللہ سے ڈرے۔

نکاح کا مقصد و فائدہ کیا ہے؟ فرمایا:

فَإِنَّهُ أَغْضُ لِلْبَصْرِ وَ أَحْصَنُ لِلْفَرْجِ ----

(مشکوٰۃ جلد دوم - کتاب النکاح - حدیث نمبر ۲۹۳۶/۱ - عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: نکاح نظر کو نیچا رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔

اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کی نشاندہی حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمائی:

إِنَّ لَاتَغْلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَ فِسَادٌ عَرِيضٌ

(مشکوٰۃ دوم - کتاب النکاح - حدیث نمبر ۲۹۵۶/۱ - عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اگر تم نکاح نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔

نبی کریم رؤف رحیم علیہ اسلوٰۃ والسلام نے رسم نکاح کے قیام سے اسلام کے

معاشرتی نظام کو بہت سی اخلاقی بیماریوں سے محفوظ کر لیا۔ دراصل انسان کے فکر و نظر کی

پاکیزگی اسی مبارک سنت سے وابستہ ہے۔ اولیائے عظام، محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی سنت سے فیض پانے کے لیے نکاح کرتے ہیں۔ کیونکہ:

پند ارسعدی کہ راہ صفا

تواں یافت جزورے مصطفیٰ

ترجمہ: اے سعدی مت خیال کر کہ صفا کا راستہ تو در مصطفیٰ علیہ السلام

سے بیگانہ ہو کر پالے گا۔

آپ کا نکاح مبارک اپنے ماموں جان جناب محمد رفیق صاحب کی

صاحبزادی صاحبہ سے ۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہوا جبکہ عمر عزیز چھبیس (۲۶) برس تھی۔ مائی صاحبہ

نہایت پارسا، تہجد گزار، خدا رسیدہ اور سلیقہ شعار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتی ہیں۔ اپنے مرشد ذی شان حضور نقشب لائانی علیہ الرحمہ کا ذکر خیر (خواتین میں) ایسی وارفتگی سے کرتی ہیں کہ سننے اور دیکھنے والے مسحور ہو جاتے ہیں۔ علی پور سیداں شریف میں سالانہ عرس مقدس اور دیگر خاص تقاریب کے مواقع پر زانا نغانے میں رہتے ہوئے بھاری کام سرانجام دیا کرتی تھیں۔

قبلہ مائی صاحبہ علوم شریعہ میں خاصا ذرک رکھتی ہیں اور تبلیغ دین کے سلسلے میں آپ کی کاوشیں از حد مستحسن ہیں۔ جامعہ انوار لائانی برائے طالبات (آستانہ عالیہ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ) کا نظم و نسق نہایت بہترین انداز سے چلا رہی ہیں۔ جہاں درس نظامی اور حفظ قرآن کے باقاعدہ سلسلوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً عربی گرامر، تجوید و قرأت اور دیگر کورسز بھی کرائے جاتے ہیں تاکہ وہ خواتین یا بچیاں بھی استفادہ کر سکیں جو باقاعدہ طویل عرصہ داخل مدرسہ کر علم حاصل نہیں کر سکتیں۔

کون نہیں جانتا کہ خواتین کی تعداد ہمارے معاشرے میں مردوں کی تعداد کے برابر ہے۔ اور ان کی تعلیم و تربیت سے بے توجہی برتا آئندہ آنے والی پوری نسل کی تباہی ہے۔ آپ نے اس حقیقت کو سمجھا اور خوب سمجھا۔ چنانچہ خواتین میں محافل کا شعور پیدا کیا۔ ان محافل میں آپ خود شرکت فرماتیں اور اصلاح عقائد و احوال کی خاطر بہترین خطابات سے نوازتی تھیں۔ تاہم اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ کسی بھی خاتون یہاں تک کہ نعت شریف پڑھنے والی بچیوں کی آواز بھی بند کمرے سے باہر نہ جانے پائے۔ آپ نے معاشرے میں مروج شادی بیاہ اور دیگر مواقع کی فبیج رسموں کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ خواتین میں ان سے اجتناب کی بھرپور تحریک چلائی۔

یہی وجوہات ہیں کہ قیوم زمانی حضور شہنشاہِ لاثانی، حضور نقشِ لاثانی اور حضور  
تقہ نقشِ لاثانی (پیر سید عابد حسین شاہ صاحب عرف لالہ جی سرکار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ  
سے از حد راضی اور مہربان تھے۔ ان کی روحانیت نے آپ کو نوازا اور خوب نوازا۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کی طاہری حیاتِ مبارکہ کے آخری حصے میں جب  
آپ نہایت علیل رہنے لگیں تو ایک روز حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے آپ سے فرمایا کہ  
لالہ جی علیہ الرحمہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور پوچھا ہے کہ کیا حال ہے نیز فرمایا ہے کہ انشاء  
اللہ عنقریب آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ بعد ازاں ایسا ہی ہوا۔ یہ واقعہ پچھلے بزرگوں کی  
آپ پر توجہ کی ایک جھلک ہے ورنہ کتنے ہی ایسے واقعات رونما ہوئے اور کسی نہ کسی  
ذریعے سے ہم تک پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے شیخ اور شیخ الشیخ کے ساتھ آپ کا روحانی  
رابطہ درجہ کمال کا ہے۔ آپ سے کرامات کا صدور بھی ہوا۔ نیز آپ کی دعائیں بھی  
نہایت سریع القبول ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر نے حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ کو اولاد کی مصروفیات میں  
نہیں ڈالا قدرت آپ سے تبلیغِ دین اور اشاعتِ طریقہ کا جو عظیم کام لینا چاہتی  
تھی، اس کے لیے آپ کو زیادہ سے زیادہ فارغ رکھنا مقصود تھا۔ واللہ اعلم

باب سوم

درس و تدریس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## کسبِ علم (دینی و دنیاوی تعلیم کا حصول)

اللہ جل شانہ نے علم کی افادیت یوں سمجھائی:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ..... (فاطر: ۱۸)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

یعنی علم کے حصول کا ایک لازمی نتیجہ خوفِ خدا کا حصول ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اصولہ العلم کافرا مان عالیشان ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ..... (ابن ماجہ)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔



حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں طلبِ علم کو ہر مسلمان پر فرض ٹھہرایا وہاں اس کی طلب میں سفری صعوبتیں برداشت کرنے کی بھی تلقین فرمائی:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ  
طَرِيقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ..... (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: جو علم طلب کرنے کے لیے ایک راہ پر چلے اللہ تعالیٰ اسے  
جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا تا ہے۔

واضح رہے کہ انسان کی عمر مختصر ہے اور علم کی کوئی اتھاہ نہیں، اس لیے تمام علوم کا حاصل کرنا فرض نہیں ہے۔ مثلاً علمِ نجوم، طب، حساب اور عجائباتِ عالم کا علم، البتہ اتنا علم ضروری ہے جتنا شریعت سے متعلق ہو۔ مثلاً علمِ نجوم جس سے رات کے وقت اوقات کی تعیین کی جاسکے۔ علمِ طب اس قدر کہ صحت کی حفاظت کی جاسکے۔ اسی طرح علمِ حساب اتنا جس سے وراثت، ضروری لین دین یا عِدَّت وغیرہ کے مسائل حل ہو سکیں۔ الغرض اتنا اور اسی قدر فرض ہے جس سے عمل درست ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو غیر نافع علم حاصل کرتے ہیں (یعنی جس کے ساتھ عمل نہ ہو)۔  
ارشادِ ربّانی ہے:

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ..... (البقرہ ۱۰۲)

ترجمہ: اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا اور نفع نہ دے گا۔

حضور اکرم ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز یہ دعائیں مانگتے تھے:

أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے۔

قلیل علم کے باوجود عمل کی کثرت ہونی چاہئے یعنی علم عمل کے ساتھ مزین ہونا چاہیے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے:

الْمُتَعَبِدُ بِالْفَقْهِ كَمَا لِحَمَارٍ فِي الطَّاحُونَةِ

ترجمہ: بے علم عبادت کرنے والا خراس کے گدھے کی طرح ہے۔

حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں نے راستے میں ایک پتھر دیکھا جس پر لکھا

تھا، مجھے الٹ کر پڑھو۔ میں نے پڑھا تو اس پر لکھا تھا:

أَنْتَ لَا تَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ مَا لَا تَعْلَمُ

ترجمہ: جس کا تجھے علم ہے جب تو اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ کیوں

مانگتا ہے جس کا تجھے علم ہی نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ جو چیز تو جانتا ہے، جب اس پر عمل کرے گا تو اس کی برکت

سے تجھے وہ چیز بھی حاصل ہو جائے گی جس کا تجھے علم نہیں ہے۔

یاد رہے کہ علم اور اس پر عمل سے بلند تر درجہ اور کسی شے کا نہیں۔ اگر علم نہیں ہے

تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے عجائبات میں سے کسی ایک بات کی بھی معرفت حاصل

نہیں ہو سکتی۔ علم ہی وہ نعمت ہے جس کے ذریعے انسان بلند مقام و مرتبے کا مالک بنتا

ہے اور اسے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ جتنے صوفیائے متقدمین اور اولیائے کاملین ہوئے

ہیں، سب کے سب اپنے اپنے زمانہ میں علم و فضل میں بھی بے نظیر تھے اور تحقیق و تدقیق

کے میدان میں پُر طولی رکھتے تھے۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم، داتا گنج بخش علی

ہجویری، حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی وغیرہم علیہم الرحمہ والرضوان نہ صرف اقلیم درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم و فضل کے بھی تاجدار تھے۔ یہ حضرات قدسی صفات تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کو لازم ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی جو طبقہ صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

وَمَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُونَ فِي التَّصَوُّفِ إِلَّا زُوسًا فِي الْقُرْآنِ  
وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ -

ترجمہ: صوفیاء متقدمین علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام  
ہوا کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ طریقت کا علم کے ساتھ گہرا ربط ہے اور بغیر علم چارہ کار نہیں۔

بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

۔ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

ہاں یہ احتیاط ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ حصول علم سے مقصود محض رضائے

خدا و رسول ہو۔ بحث و مناظرہ، جنگ و جدل، ریا و نمود اور دنیا طلبی نہ ہو ورنہ علم حجاب اکبر

بن جائے گا۔ نیز علم سے اصل فائدہ حاصل کرنے کا دار و مدار استاد کی شخصیت پر بھی

ہے۔ دور حاضر میں قوم کے زوال کا ایک اہم سبب کامل استاد کا نہ ہونا ہے۔ بقول

اقبال:

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندانِ مکتب سے

سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

**ابتدائی تعلیم:** حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العوی جس اوج کمال کی طرف گامزن تھے

، اس کا تقاضا تھا کہ علومِ ظاہر و باطن کے چشمہ شیریں سے سیراب ہوں۔ آپ نے

ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدین کریمین سے حاصل کی۔ گویا اس انمول ہیرے کی

تراش خراش کے کام کی ابتداء گھر ہی سے ہوئی۔ قرآن پاک ناظرہ والد ماجد علیہ الرحمہ نے

پڑھایا۔ ساتھ ساتھ عشق رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ادب بزرگانِ دین، اخلاقِ حسنہ کے

اسباق بھی پڑھے جاتے رہے۔ والدہ کریمہ علیہا الرحمہ نے بھی آپ کی شخصیت نکھارنے

میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

**سکول کی تعلیم:** بعد ازاں سکول میں داخل کر دیا گیا۔ عمر عزیز آٹھ برس تھی کہ مملکت

خدا داد پاکستان کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ چنانچہ آپ اپنے خاندان کے ہمراہ بکور سے

ہجرت کر کے پھگواڑی تشریف تحصیل شکر گڑھ ضلع نارووال (پاکستان) آ گئے۔ جو شہر

شکر گڑھ سے جانب مشرق تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ راستے میں آپ کی

معصوم نگاہوں نے ہجرت کے خونیں واقعات کا مشاہدہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تا حیات

پاکستان کے لیے ہمہ وقت دعائیں مانگتے رہے۔ گویا:

میرا سانسِ امانت ہے تیری یادوں کا

ٹوٹ کر اس سے زیادہ تجھے چاہوں کیسے

تیسری سے آٹھویں جماعت تک گورنمنٹ مڈل سکول پھگواڑی میں تعلیم حاصل

کی۔ ابھی پانچویں جماعت کے طالب علم تھے کہ فارسی پر مکمل عبور تھا۔ شاعری کے ساتھ بھی فطری لگاؤ ابتداء ہی سے تھا۔ چھٹی جماعت میں باقاعدہ اس طرف رخ ہوا تو پہلا شعر جو تیار ہوا حسب ذیل تھا:

تو قیر جس نے کی ہے خدا کے حبیب ﷺ کی  
مولیٰ نے اس کو جنتِ اعلیٰ نصیب کی

ساتویں جماعت میں سکول میں ہونے والے مشاعروں میں باقاعدہ حصہ لیا۔ آٹھویں میں ذوقِ سخن اور تیز جبکہ میٹرک میں تیز تر ہو گیا۔

فروری ۱۹۵۴ء میں اینگلورہ نکر امتحان سے فارغ ہوئے تو نتیجہ آنے تک اکثر وقت دربار حضور شاہ لاٹانی میں حاضری کی سعادت سے بہرہ یاب رہے۔ نویں جماعت کے لیے گورنمنٹ ہائی سکول شکر گڑھ میں داخلہ لیا۔ ابھی زیرِ تعلیم تھے کہ والد ماجد علیہ الرحمہ کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ آخراں کی طویل ناسازی طبع، وفات حسرت آیات پر منتج ہوئی۔ اس کے ایک ماہ بعد (مئی / جون ۱۹۵۶ء) میٹرک کا رزلٹ آیا۔ آپ نمایاں حیثیت سے پاس ہو چکے تھے۔ تاہم ان دنوں والدِ کریم کے وصال کی وجہ سے سوز و درد کی کیفیت غالب تھی۔ انہی دنوں مالی مشکلات کے سبب تعلیم جاری رکھنا ایک مسئلہ بن رہا تھا چنانچہ گھر والے مزید حصولِ تعلیم کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن یہاں بھی شفیق باپ نے دیکھ کر فرمائی اور محمد و احباب (ماموں اور استاد وغیرہ) کے خواب میں تشریف لا کر فرمایا ”انہیں پڑھاؤ اور خرچے سے نہ گھبراؤ، ان کے اخراجات (اللہ در رسول کے کرم سے) حضرت صاحب کے ذمہ ہیں۔“

**کالج کی تعلیم:** چنانچہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں آپ نے داخلہ لے لیا۔ والد ماجد کی طویل بیماری، پھر ان کے وصال سے داغِ قیمتی، معاشی دشواریاں غرضیکہ ایک سے بڑھ کر ایک پریشانی موجود تھی لیکن شکر صد شکر کہ زخموں پر مرہمِ جاں فزا رکھنے والے طیبِ جاں موجود تھے یعنی قیومِ زمانی حضورِ تقش لانا ثانی علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنے سایہ عاطفت میں چھپا لیا:

پچشم غلغ غلغ عزیز جہاں شود حافظ

کہ در تو نہد، روئے مسکت بر خاک

شیخ کریم کے طفیل رہائشی مسائل نے ستایا نہ تعلیمی مشکلات نے دبایا۔ صوفی با صفا، قدوۃ اہل و فاصوفی رحمت علی صاحب درزی علیہ الرحمہ کے ہاں (موضع غازی پور تحصیل جناح پارک سیالکوٹ) رہائش کا بندوبست فرما دیا گیا۔ صوفی صاحب، حضور شہنشاہِ لانا ثانی علیہ الرحمہ کے مریدِ صادق اور پروردہِ نظر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ طبیعت میں از حد اخلاص، انکسار اور سادگی رچ بس چکی تھی۔ انکی اہلیہ محترمہ بھی ان کی طرح سراپا شفقت و محبت تھیں۔ حضور شاہِ لانا ثانی قدس سرہ نے اپنی مرضی کے مطابق صوفی صاحب کو نقشبندی اور پھر قادری سلسلے میں بیعت فرما کر دو سلسلوں کے فیض سے مالا مال کیا ہوا تھا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضور شاہِ لانا ثانی کی یہ عادتِ مبارکہ نہیں تھی کہ کسی کو خود بیعت کی ترغیب دیتے۔ کسی نے اس سلسلہ میں عرض کی تو بندہ نوازی فرماتے۔ پھر ایک سلسلے کے بعد خود دوسرے سلسلے میں بیعت فرمانا تو بالکل ہی بہت عجیب تھا، مگر صوفی صاحب پر یہ کرم فرمایا (مرہبِ ہٹانی نے ان کی استعداد کو ملحوظِ خاطر رکھ کر یہ نوازش

فرمائی)۔ سہر حال ان کے ہاں قریباً دو برس قیام رہا۔ انہوں نے ہمیشہ حقیقی والدین کا سا سلوک کیا۔ ان کا جوان اور نیک نہاد بیٹا محمد شریف اس سے چند مہینے قبل پانی میں ڈوب کر شہید ہو گیا تھا۔ قبلہ صوفی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا اور رب نے مجھے محمد حسین (آسی صاحب علیہ الرحمہ) کی شکل میں بیٹا دے دیا۔ اور آسی (صاحب) کا باپ فوت ہو گیا تھا، اسے میری صورت میں اللہ کے فضل سے باپ مل گیا۔ ان کی اولاد نے بھی آپ کو ایک فرد کتبہ ہی کی حیثیت دی اور تا حیات یہ خاندان بزرگوں کی روٹ کونبا ہوتا رہا۔

مرشد کامل (حضور نقیش لانا فی علیہ الرحمہ) اس دوران کئی بار یہاں تشریف لائے اور ہر بار ایسی کرم فرمائی سے نوازتے جو دوسروں کے لیے بھی نمونہ بن جاتی۔ صوفی صاحب کے گھر کے دروازے کے پاس ایک کنواں تھا، جس کی اوپر کی سطح زمین کے ساتھ برابر تھی۔ ایسی صورتحال میں کسی بھی قسم کے پانی کا کنویں کے پانی میں ملنے کا احتمال تھا۔ چنانچہ احتیاطاً آپ اس کنویں کا پانی نہ تو نوش جاں فرماتے اور نہ اس سے وضو کرتے تھے۔ بلکہ ان مقاصد کے لیے پانی کا انتظام کہیں اور سے تھا۔

اس عرصہ میں ایک اور بات نہایت قابل ذکر و دلچسپ ہے۔ کالج میں پینٹ پہننا لازمی قرار دے دیا گیا۔ آپ کے لیے یہ بات سخت ناگوار تھی تاہم جب اساتذہ کا اصرار بڑھا تو ایک دن آپ نے ایک عجیب انداز اختیار کیا۔ پینٹ نما پیر ہن پہن کر اوپر تہبند باندھا اور کالج چلے گئے۔ چیکنگ کے لیے موجود آفیسر نے کہا، یہ کیا؟۔ آپ نے تہبند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، یہ رب کا حکم ہے اور دوسرے کپڑے کی طرف اشارہ

کر کے فرمایا، یہ آپ کا حکم ہے (یعنی بولے اب کس کا حکم مانوں)۔ آپ کی دینی غیرت و حمیت اور فکر و مزاج میں ایمانی پختگی نے اس شخص کو ہلا کر رکھ دیا۔ معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگے، آپ کے لیے آپ کے رب کا حکم ہی کافی ہے۔ سچ یہ ہے کہ شریعت کے احکامات کی تعمیل کا جذبہ دور شباب میں بھی اپنے پورے شباب پر رہا۔

حضور نقش لاٹانی علیا رحمہ غازی پور یا سیالکوٹ میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کوئی نہ کوئی منقبت لکھ کر پیش کر دیتے اور بسا اوقات پڑھ کر سنانے کی کوشش کرتے۔ حضور کو اپنی مدح سننے سے سخت احتراز تھا اور سختی سے روک دیتے مگر آپ اپنا وظیفہ جاری رکھتے اور پنجابی یا اردو میں منظوم ہدیہ عقیدت لکھنے کی ریت باقاعدہ ہو گئی۔ جب آپ سال اول میں تھے، اس دور کی ایک پنجابی رباعی، جس میں حضور نقش لاٹانی قدس سرہ کی بارگاہ میں فریاد کی گئی ہے، ملاحظہ کیجیے:

غم و چارہ چرا چہند کہہ کے ، دے پر پرواز پرند ای سئی  
مفتی صاحب دے فتوے داڈر کوئی نہیں ، میں حقیر حضور دارند ای سئی  
خانہ شراب پلا ساقی ! بہتی نہیں منگدا، بوند بند ای سئی  
دروہندی دادر عطا کردے ! اے کریم ساقی آسی لندھ ای سئی

اردو، فارسی، پنجابی، عربی کی طرح انگریزی زبان میں بھی ایسا کمال حاصل تھا کہ کالج کے اس دور میں ہی دو دو گھنٹے انگریزی کے پروفیسرز سے انگریزی میں بات چیت کر لیتے تھے۔

۱۹۵۸ء میں ایف اے کا نتیجہ آیا تو پورے لاہور بورڈ میں جو اس وقت کراچی



کے سوا تقریباً سارے مغربی پاکستان پر محیط تھا، ایک نمبر سے سیکنڈ آئے۔ اب ہر طرف اور ہر جگہ آپ کی علمی لیاقت کی دھوم مچ گئی۔ اساتذہ و طلباء، دوست احباب سب رشک بری نظروں سے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ خود مرشد گرامی نہایت مسرور تھے۔ آپ اس سیکنڈ پوزیشن کو بھی شیخ ہی کا صدقہ قرار دیتے تھے۔ آپ کی زبانی سنیے:

”سال اوّل کا نتیجہ نکلا تو میرے فرسٹ آنے کا اعلان کیا گیا۔ (میرے

۲۹۱/۵۶۰ نمبر تھے)۔ دربار شریف حاضر ہوا اور سلام عرض کر کے نتیجے کی مبارکباد عرض کی۔ حضور اپنے پروردہ نگاہ ایک یتیم بچے کی کامیابی پر بہت مسرور ہوئے اور دیر تک الحمد للہ کہتے رہے۔ سگ بارگاہ نے عرض کیا، حضور اگر اگلے سال ایک نمبر زیادہ آجائے تو بورڈ میں فرسٹ یا سیکنڈ آنے کی توقع ہے۔ (یوں التجا کی وجہ یہ تھی کہ اس سے ایک سال قبل سیالکوٹ کا ایک ساجد نامی طالب علم ۲۹۲ نمبر لے کر بورڈ میں سیکنڈ آیا تھا)۔ حضور تقش لاٹانی قدس سرہ نے فرمایا، اللہ کے لیے یہ کب مشکل ہے۔ بات آئی گئی ہوئی۔

سال دوم کا (بورڈ والا) امتحان قریب آیا تو میں بخارا اور درود وغیرہ میں مبتلا ہو گیا۔ نہایت دردناک قسم کا عریضہ دربار شریف ارسال خدمت کیا (کہ مر گیا تو قبر کا امتحان، بیچ گیا تو بورڈ کا امتحان اور تیاری کسی کی بھی نہیں) پہلے روز انگریزی کا پرچہ تھا۔ پرچہ ٹھیک ٹھاک دیا۔ باہر نکلا تو سخت بخار (کہ بعض دوستوں نے میری صحت سے مایوس ہو کر میڈیکل سرفیکٹیو ججے کا مشورہ دے دیا) اسی روز اگلا پرچہ عربی پھینل کا تھا۔ پرچہ شروع ہونے سے چند منٹ پہلے بخارا ترا اور پرچہ تسلی بخش ہوا۔ چند روز کچھ یہی کیفیت رہی۔ جس دن ریاضی کا پیپر تھا، حضور رات سے سیالکوٹ تشریف فرما

تھے۔ صبح زیارت کی تو حضور نے تسلی دی اور تبرک کی تسلی عطا فرمائی۔ فارسی کا پرچہ آیا تو حضور اس روز بھی سیالکوٹ جلوہ افروز تھے۔ میں نے جلدی جلدی جوابات مکمل کیے اور بغیر دہرائے حضور کی زیارت کے لیے پہنچ گیا (امتحان کے دوران اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی کتابوں کی دی پی آگئی اور وقت نکال کر انہیں بھی دیکھتا رہا) قریب دو مہینے بعد نتیجہ آتا تھا۔ حضور ان دنوں تحصیل شکر گڑھ میں جلوہ گر تھے۔ نتیجے کے دن صبح حضور قبلہ عالم نقشب لانا ثانی قدس سرہ کی خدمت میں سلام کیا اور زلٹ کے بارے میں عرض کیا۔ حضور نے تسلی دی اور رولتیر بھی لکھوا لیا کہ ہوسکا تو ہم بھی اخبار دیکھیں گے۔ اس دور میں اخبار شکر گڑھ میں گیا رہا رہے بجے کے قریب پہنچتا تھا۔

شکر گڑھ جا کر اخبار دیکھا تو میں ۲۹۲/۲۵۰ نمبر لے کر بورڈ میں سیکنڈ آیا تھا اور فرسٹ آنے والا جو کورنمنٹ کالج لاہور کا امیدوار تھا، صرف ایک نمبر زیادہ حاصل کر سکا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضور قبلہ عالم نقشب لانا ثانی قدس سرہ نے زلٹ سن کر فرمایا آتا تو اسی کو فرسٹ تھا، مگر جو اللہ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے۔ حضور کے اس ارشاد میں یہ اشارہ بھی تھا کہ مانگنے والے نے بھی فرسٹ یا سیکنڈ آنے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی (میں اگر صرف فرسٹ آنے کا ذکر کرتا تو شیخ کامل کی دعا سے خداوند کریم یونہی کرتا)۔ امتحان کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ یہ زلٹ اپنی محنت کی بناء پر نہیں بلکہ دعائے شیخ کا نتیجہ تھا۔

۱۔ اللہ کھانہ (۱م) ۱۔ ۱م لیل (سینئر ہیڈ ماسٹر (ریٹائرڈ) عدالت گڑھ نیا شہر سیالکوٹ بیان کرتے ہیں کہ کورنمنٹ کالج لاہور کا یہ طالب علم امیر گمرانے سے تعلق رکھتا تھا اور ایک نمبر کا اضافہ کر کے اسے اول لایا گیا تھا۔ ہم ماسٹروں کو اس پر برا افسوس تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ حسب عادت اخبارات میں دوہر پوزیشن کی خبر کے ساتھ اپنی تصویر دینے پر عیار نہ ہونے کیونکہ صورت اس کی پسند تھی۔

آپ خود فرماتے ہیں:

ہجومِ غم میں بھی اسی کو ہم نے مطمئن پایا

کہ اس کو شجہ کامل کی دعاؤں پر بھروسا ہے

۱۹۶۰ء میں آپ نے بی اے کیا۔ جناح اسلامیہ کالج کے ہاسٹل (شیریں

منزل) میں مقیم رہتے ہوئے بی اے کی تکمیل کی۔ پھر ۱۹۶۱ء میں سنٹرل ٹریڈنگ کالج

لاہور سے بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی جبکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اسلامیات اور

اردو و مضامین میں ایم اے کیا۔

سیالکوٹ اور لاہور میں قیام کے دوران حضرت امام علی الحق علیہ الرحمہ اور حضرت

داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کے مزارات سے فیوضات حاصل کرتے رہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سکول کا دور (۱۹۵۶ء تک) اور بالخصوص کالج کا پانچ

سالہ دور (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۱ء) کسبِ علم کے ساتھ ساتھ بحث و نزاع کا دور تھا۔ مختلف

نظریات اور مکاتبِ فکر کے اساتذہ جن میں کٹر دہریے اور کمیونسٹ بھی تھے، عیسائی اور

مُحد بھی تھے، پھر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں فضائلِ نبوت کے منکر، اہل بیت اطہار

رضی اللہ عنہم کے باغی، صحابہ کرام علیہم السلام کے دشمن، اولیاءِ عظام علیہم السلام کے مخالف غرض

ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے نقطہ نظر کی وکالت کر کے ہم خیال بنانے اور متاعِ ایمان لوٹنے

کی کوشش کرتے رہے (ان اساتذہ میں اہل حق بھی یقیناً موجود تھے مگر وہ عموماً خود کو تبلیغ

و اشاعت سے سبکدوش سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں)۔ بعض اوقات کالج کا وقت ختم ہو جاتا مگر

مناظرہ ختم نہ ہوتا۔ چنانچہ دوسری نشست ان کے مکان پر منعقد ہوتی اور بھگمِ تعالیٰ اور

بطفیل شیخ کامل ہمیشہ آپ نے اپنا نقطہ نظر قرآن وحدیث کے آئینے میں بخوبی واضح کیا جبکہ مخالفین اپنا سامنہ لے کر رہ جاتے۔ آپ کے ایک استاد صاحب کو بالآخر آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر یہ کہنا پڑا کہ، ”پیروں کے ماننے والوں کا ایمان کمزور نہیں ہو سکتا“۔ (یہ ۱۹۶۱ء کے اوائل کی بات ہے)۔

یونہی جناح اسلامیہ کالج کے ایک غیر مقلد استاد جو پرنسپل بن کر ریٹائرڈ ہوئے، اپنے مناظرانہ ودلیل طرز تبلیغ پر ایسے نازاں تھے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور تدریس کے دوران بھی کھلم کھلا چیلنج کرنے کے عادی تھے (ظاہر ہے کہ کوئی جواب دینے والا ہی سامنے نہ ہو تو ہر بڑے سے بڑے عالم اور ہر جید سے جید فقیہ کو چیلنج کرنا کیا مشکل ہوگا)۔ بی اے کے دو سالوں میں شاید ہی کوئی پیریڈ ایسا ہوگا جب ان سے مناظرے کی شکل پیدا نہ ہوئی ہوگی۔ اور مرہد کلام علیہ الرحمہ کی توجہ سے انہیں پریشان نہ ہونا پڑا ہو۔ کئی سال بعد جب دوبارہ اسی مادر علمی میں تدریسی فرائض کے لیے جانا ہوا تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ قریباً ان الفاظ میں آپ کا ذکر کیا:

”یہاں میں نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا، ایک آسی صاحب تھے

جن پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا“۔

یوں قدرت نے مختلف اشخاص کو قریب سے دیکھنے اور مختلف افکار کو سمجھنے کا اہتمام کئے رکھا۔

**خالصتاً دینی تعلیم کا حصول:** حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو (فیضِ علمِ شریعت و طریقت) ملا ہے ہندی و سندی حضور نقشب لاثانی علیہ الرحمہ سے ملا

ہے۔ مطالعے کا شوق بچپن سے تھا۔ شیخ کریم کی صحبت و سنگت نے اس شوق کو جنون میں بدل دیا۔ چنانچہ دن اور رات کا بڑا حصہ عربی و فارسی گرامر، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ نیز جدید و قدیم علوم کی مختلف کتب کے مطالعے کی نذر ہوتا تھا۔ شیخ کریم کی نگاہ و توجہ ہر مسئلے میں رہنمائی کرتی تھی۔ تصوف و طریقت کے اسباق بھی انہی کے اقوال و افعال سے حاصل ہوئے۔ اگرچہ عالم بے بدل پیر طریقت مولانا عبدالرشید صاحب علیہ الرحمہ (سمندری والوں) کے مدرسے میں گئے تاہم مختصر سی مدت کے لیے۔

۱۹۶۶ء میں لاہور قیام کے دوران قائد اعظم علیہ الرحمہ کے دستِ راست اور تحریک آزادی کے عظیم مجاہد مولانا محمد بخش مسلم صاحب علیہ الرحمہ سے شرفِ ملاقات رہا۔ آپ انہیں اپنا استاد کہا کرتے تھے۔

۱۹۶۳ء میں بسلسلہ تدریس بہاولپور تشریف لائے تو فیض الملیہ، شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی رحمہ اللہ علیہ سے دو سال ملاقات و باہمی استفادہ کی صورت حال رہی۔ اسی عرصہ میں امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب قدس سرہ سے بھی استفادے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ایک تقریب میں ان کی موجودگی میں حضور پر نور شافع یوم النور ﷺ کے اسم گرامی محمد ﷺ کے معارف بیان کئے تو انہوں نے خوب داد دی اور فرمایا، 'جی چاہتا ہے یہ بیان کرتے جائیں اور میں سنتا جاؤں'۔ پھر خود بھی اسی موضوع پر اپنے مخصوص علمی و فکری انداز میں اظہار خیال فرمایا۔ حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ ان کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شیخ القرآن مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ کی زیارت اور علم کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کا موقع بھی ملا۔ ڈسکہ میں مفتی معین

الدین صاحب کے پاس مسائل پر بحث کے لیے اور بھگتی شریف عطاء جلال الدین صاحب علیہ الرحمہ کے پاس کسی حدیث پاک کی شرح کے لیے بھی کبھی کبھار جانا ہوتا تھا ہم ان تمام شخصیات سے اکتساب فیض قلیل وقت اور قلیل مدت تک رہا۔ یونہی شاعری کا بلند ذوق بھی وہی تھا۔ تاہم آپ نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مولانا نور عالم خالد مرحوم، غلام حسن طور اور عطاء جلال محمد جلیل رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند نظر شعراء سے بھی کسی حد تک استفادہ کیا۔ یاد رہے کہ آپ کی وسیع شاعری اردو، پنجابی کے علاوہ انگریزی اور فارسی میں بھی موجود ہے۔

بہر حال ان تمام علوم کا تعلق تو کسب و طلب کے ساتھ تھا، ان کے علاوہ ان علوم کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو مبداء فیض (یا قدرتِ کاملہ) کی طرف سے عطا ہوئے تھے۔ عارفِ روم فرماتے ہیں:

خولیش راصافی کن از اوصاف خود  
تا بہ بنی ذاتِ پاک و صافی خود  
بنی اندر دل علومِ انبیاء  
بے کتاب و بے معین و اوستا

یعنی بشریت کے اوصاف سے باہر آتا کہ اپنی پاک و صاف ذات (جو اصل 'مقامِ آدمی' ہے) کو دیکھ سکے۔ اس طرح تو اپنے دل میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بے پایاں علوم کا سحرِ زخار موجزن پائے گا اور تجھے کسی کتاب، مددگار یا استاد کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

جو لوگ حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت سے مشرف ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضور باتوں باتوں میں ایسے ایسے علمی دقیق نکات بیان فرما جاتے تھے کہ چوٹی کے علماء و فضلاء ششدر رہ جاتے تھے۔ چنانچہ متعدد علماء آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ نیز علماء کی ایک کثیر تعداد آپ کے فیض نگاہ سے تیار ہوئی جو کہ عالمِ اسلام کے لیے آپ کی طرف سے گراں بہا تحفہ ہیں۔

## دورِ طالبِ علمی کے چند واقعات

(یہاں دورِ طالبِ علمی اور بعد ازاں زمانہ تدریس کے زیادہ تر ان واقعات کو قلمبند کیا جائے گا جن سے مختلف طبقہ ہائے فکر کو سمجھنے کا موقع ملے گا، نیز اصلاحِ احوال کے سلسلہ میں آپ کی تڑپ کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ بھی یاد رہے کہ واقعات کی ترتیب میں سب عیسوی کا لحاظ رکھا گیا ہے)

☆..... ۱۹۵۶/۵۷ء میں حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ ایف اے کے طالبِ علم تھے۔ دسمبر کی تعطیلات ہوئیں تو دربار شریف سلام عرض کر کے گھر جانے کا پروگرام بنا۔ ایک ہم جماعت جو مسلکاً دیوبندی تھا، بھی ساتھ ہولیا۔ آپ نے اپنے شیخِ کریم کی دست بوسی کے بعد قدم بوسی بھی کی۔ حضور نقشب لائٹانی نے نہ روکا۔ وہ دست بوسی کے بعد قدم بوسی کے لیے جھکنے لگا تو حضور نے روک دیا اور اسے اس شرف سے محروم رکھا۔ اگلے دن آپ اور یہ ہم جماعت ٹرین سے شکر گڑھ جا رہے تھے تو اچانک وہ کہنے لگا 'آخر قدم بوسی کا کیا ثبوت ہے؟' آپ نے فرمایا، یہ تو بعد کی بات ہے، تاہم اس سوال سے ایک الجھن ختم

ہوگئی۔ میں رات ہی سے سوچ رہا تھا کہ آخر آپ کو قدم بوسی کی اجازت کیوں نہ ملی۔ اب معلوم ہوا کہ چونکہ اسے ناجائز سمجھتے تھے اور حضور آپ کے دل کی کیفیت سے آگاہ تھے لہذا اس سعادت سے بے بہرہ کر دیا۔ کم از کم یہ تو ظاہر ہو گیا کہ اللہ والے دل کے جاسوس ہوتے ہیں جیسا کہ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے، رہ گئی قدم بوسی کی دلیل تو کئی احادیث و روایات اس پر شاہد ہیں۔“

☆..... ۱۹۵۸ء میں انگریزی کے ایک غیر مقلد استاد تھے جو سال دوم کو پڑھاتے تھے۔ ایک دن نہ جانے کیا جوش آیا، دفعتاً فرمانے لگے:

’مسجدوں میں اللہ اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا نام تو لکھا نہیں ہوتا، البتہ یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھا ہوتا ہے اور شیخ اللہ کا معنی ہے، اللہ کا حصہ۔ ایک طالب علم نے کہا، ’سراسر ایسی مسجدیں کہاں ہیں، جن میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک نہیں اور یہ لکھا ہے۔‘ پروفیسر صاحب کہنے لگے، ’میں دکھا سکتا ہوں۔ اب آپ چپ نہ رہ سکے اور بولے، ’کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہمارے لائق پروفیسر صاحب کو ہی اللہ کا معنی نہیں آتا۔ شیخ کا معنی ہے کوئی چیز اور اللہ کا معنی ہے، اللہ کے لیے۔ سارے جملے کا مفہوم یہ ہوا، یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی، اللہ کے لئے کچھ دیجئے۔ اس میں اللہ کا حصہ کہاں سے آگیا۔‘ پروفیسر صاحب چند لمحے خاموش رہے، پھر کہنے لگے، قرآن تو کہتا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ۔ کويا وہ تو بالکل ہمارے جیسے بشر ہیں، انہوں نے پتا نہیں کیا کیا بنا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: دوستو! ہمارے پروفیسر صاحب کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام بشروں جیسے ہیں، میں ابھی ثابت کرتا ہوں کہ حضور تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جس چیز کی نسبت



بھی حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو جائے، قرآن پاک کی رو سے وہ بے مثال ہو جاتی ہے۔

سنو میری دلیل نمبر 1: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتَنْ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ... (سورۃ الاحزاب: ۳۲)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو، تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

ظاہر ہے حضور پر نور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد سے مشرف ہونے والی خواتین جب دوسری عورتوں کی طرح نہیں رہیں تو حضور پر نور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھنا کتنی جرات ہے۔

اب سنو دلیل نمبر 2: مگر پروفیسر صاحب کہنے لگے، چلو رہنے دو پڑھتے ہیں۔

☆..... اسی دور میں اسلامیات کے پروفیسر صاحب دیوبندی مکتب فکر سے متعلق تھے۔

ایک دفعہ انہوں نے کہا، ہم مسجد میں جشن نزول قرآن منانے لگے تو ایک وکیل تیور نامی کے پاس گئے اور انہیں صدارت کے لیے کہا۔ انہوں نے کہا، میں قرآن کو نہیں مانتا، اس میں ربط نہیں، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے کہا، سچی بات یہ ہے کہ ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

اسلامیات کے پروفیسر کا قرآن پاک کے بارے میں یہ جملہ گویا ایک دھماکا تھا جس سے اسلامیات پڑھنے والے نوجوانوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے (کہ معاذ اللہ جب اسلامیات کا پروفیسر قرآن پاک کا دفاع کرنے کی بجائے اس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والے کے سامنے ہتھیار ڈال رہا ہے تو ظاہر ہے۔۔۔)

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ نے اٹھ کر کہا، اگر کسی تیمور لنگ کو قرآن میں ربط نظر نہیں آتا تو اس کا اندھا پن ہے، میں ثابت کرنا ہوں کہ جتنا ربط قرآن پاک میں ہے ایسا دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔ آیت کا آیت سے، رکوع کا رکوع سے، واقعے کا واقعے سے، سورت کا سورت سے۔ پھر وہ ربط نہیں، مفسرین نے دادِ تحقیق دی اور وجوہِ ربط بیان کیں۔۔۔ دس پندرہ منٹ کی تقریر کے بعد پروفیسر صاحب نے آپ کی بات کا بے ربط سا جواب دینا چاہا تو آپ پھر کھڑے ہو گئے اور ہم جماعتوں سے مخاطب ہو کر پوچھا، کیوں سا تھیو! میری بات کی تمہیں سمجھ آئی ہے کہ نہیں؟ سب نے کہا آگئی ہے۔ آپ نے کہا، اب مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ پروفیسر صاحب کو میری بات کی سمجھ نہیں آئی۔ پروفیسر صاحب اس پیریڈ میں پھر نہ بولے۔

☆..... کالج کے پرنسپل صاحب نے کالج ہال میں مٹھل میلا دمنعقد کرائی اور بعد میں قیام و سلام ہوا۔ فارسی کے پروفیسر صاحب جو غیر مقلد تھے اور دیوبندی حضرات اس میں سب کھڑے ہو گئے۔ اگلے دن آپ کلاس میں پہنچے تو قیام کے مسئلے پر بحث چھڑ چکی تھی۔ فارسی کے پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے کہ ادب سے حکم کی تعمیل زیادہ ضروری ہے۔ (لا مَرْفُوقٌ لِّاَدَبٍ)۔ اللہ رکھا صاحب اور اختر صاحب کھڑے ہو گئے اور بولے، کبھی کبھی ادب امر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے یہ شعر بھی پڑھا۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں

عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ نے دلیل دی کہ حدِ پیہ میں حضور سلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا، میرے نام کے آگے سے رسول اللہ کاٹ دو، مگر

انہوں نے نہیں کانا۔ گویا ادب کو حکم پر ترجیح دی۔

پروفیسر صاحب کہنے لگے، کاٹ دیتے تو بہتر ہوتا۔ اس پر آپ علیہ الرحمہ نے آٹھ دس منٹ تقریر کی اور پروفیسر صاحب کا پوری کلاس نے خوب مذاق اڑایا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا:

وہ علی المرتضیٰ جنہیں باب مدیہ العلم کہا جاتا ہے، وہ علی المرتضیٰ جنہیں صحابہ کرام سب سے بڑا قاضی کہتے تھے، آج تک کسی نے ان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی بارگاہ میں عرض کروں، ٹھیک ہے پوری امت میں خارجیوں کے سوا کسی نے آپ سے اختلاف نہیں کیا اور سب کو آپ کی علمی عظمت تسلیم ہے، مگر مبارک ہو آج آپ کا استاد پیدا ہو گیا اور وہ جناح اسلامیہ کالج میں فارسی کا پروفیسر ہے۔

☆..... سال سوم میں انگریزی کا پیریڈ تھا۔ انگریزی کے پروفیسر صاحب جو صدر شعبہ انگریزی تھے، ایک مضمون جس کا عنوان Defence Of Nonsense تھا، کا تعارف کراتے ہوئے فرمانے لگے:

All those things that we can't understand are non-sensical. So these miracles of the prophets and karamat of the saints are all non sensical. Do you agree with this definition of a nonsense, Mr. Asi?

ترجمہ: وہ تمام چیزیں جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے، بے عقلی کی چیزیں ہیں۔ سو معجزات انبیاء

اور کراماتِ اولیاءِ سب ایسی ہی ہیں۔ آئی! کیا بے عقلی کی اس تعریف سے تم متفق ہو؟۔  
آپ نے جواب دیا:

My good sir, this definition of nonsense is quite nonsensical.

ترجمہ:- جناب والا! بے عقلی کی یہ تعریف بڑی احمقانہ ہے۔

کلاس روم میں سنانا چھا گیا۔ چند منٹوں کے بعد صدر شعبہ کہنے لگے، آؤ پڑھیں۔ اگلے روز حضور نقیث لائٹانی قدس سرہ کی اکو کی ریلوے اسٹیشن پر زیارت ہوئی۔ ایک ساتھی نے یہ واقعہ سنایا۔ حضور نے فرمایا میں وہاں ہونا تو یہی جواب دیتا۔ آپ نے عرض کی، آپ وہیں تھے اور یہ جواب آپ ہی نے دیا تھا۔

☆..... ۱۹۵۹ء میں حضور نقیث لائٹانی علیہ الرحمہ کے اشارے پر آپ کالج کے ہاسٹل میں داخل ہو گئے۔ یہاں آپ کی کاوش سے ایک مرزائی نوجوان مرزائیت کی لعنت سے آزاد ہو کر دائرۃ اسلام میں داخل ہوا۔ اسی طرح ایک نوجوان جس پر دہریت کا غلبہ تھا، دوبارہ ایمان کے نور سے روشن ہو گیا۔ باقی طلبہ بھی خدا کے فضل اور حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے آپ سے خاصے متاثر تھے۔ آپ نے یہاں اذان و نماز باجماعت کا اہتمام کیا اور خود امامت کے فرائض سرانجام دیتے۔ آٹھ تراویح پڑھنے والے ہیں رکعات پڑھنے لگے۔ ایک مرتبہ ہاسٹل کے طلبہ اور سپرنٹنڈنٹ ہاسٹل کے درمیان ایک تنازع کھڑا ہو گیا۔ آپ کو صورتحال کا علم اس وقت ہوا جب پرنسپل صاحب نے کچھری لگائی۔ اختر نامی طالب علم (تحصیل شکر گڑھ) کا کہنا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نامناسب بات کہی۔ پرنسپل صاحب نے کچھ اور بھی

شکایات سنیں اور پھر اختر سے کہا کہ ”سپرٹنڈنٹ سے معافی مانگے“۔ اب یہاں آپ بول اٹھے: ’پرنسپل صاحب! آپ نے سنا جو سپرٹنڈنٹ کے خلاف شکایت ہوئی؟‘۔ پرنسپل صاحب نے کہا ’ہاں‘۔ آپ نے کہا، ’آپ پر کیا اثر ہوا‘۔ بولے، ’میں تو چاہتا تھا کہ مجھ پر بجلی گر پڑے مگر یہ نہ ہوتا‘۔ آپ نے کہا، ’پھر بھی اختر کو معافی مانگنے کو کہتے ہیں، میں تو اختر کو معافی مانگنے نہیں دوں گا‘۔ سپرٹنڈنٹ نے کہا، ’میں نے تو یہ کہا تھا کہ مستشرقین نے یوں کہا ہے‘ (یعنی میں نے اپنی طرف سے یہ بات نہیں کہی)۔ آپ بولے، ’اگر مستشرقین نے ایسی بکواس کی تھی تو آپ نے اسے کیوں دھرایا‘۔ وہ چپ ہو گیا اور پرنسپل صاحب خاموشی سے لوٹ گئے۔

شیخ کریم علیہ الرحمہ کی توجہ سے آپ نے ہاسٹل کی فضا میں انقلاب برپا کر دیا۔ چنانچہ پرنسپل صاحب کہا کرتے تھے، ”آسی (صاحب) کے آنے سے ہاسٹل پاک ہو گیا ہے۔“

(اس سے پہلے اذان و نماز باجماعت کا اہتمام نہیں تھا) خدا کے فضل سے باجماعت نماز ہی ادا نہیں ہونے لگی بلکہ آپ نوجوانوں کو ساتھ لے کر ہر جمعرات سیالکوٹ کے عظیم و جلیل تاجدار حضرت امام علی الحق قدس سرہ کے مزار پر حاضری دیتے تھے۔ کالج میں پروفیسر تجمل حسین راٹھور انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ انگریزی کے ساتھ فلسفے کے مطالعے نے ان کو شکوک و شبہات میں گرفتار کر کے ان کی ذہنی فضا کو تیرہ دنار یک کر دیا تھا۔ بعض دفعہ وہ آپ کو اس قسم کے پیغام بھی بھیجا کرتے تھے کہ آسی (صاحب) کو کہنا، انگریزی سیکھنی ہے تو پانچ وقت کی نماز نہ پڑھا کرے بلکہ دو تین کی کافی ہے۔ تاہم کسی حد تک وہ بھی آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور بعض دفعہ رات کے دس بجے دربار

امام صاحب میں نظر آتے۔ آپ نے ایک مرتبہ پوچھا، یہاں کیسے آئے؟۔ کہنے لگے، ”آسی (صاحب) ! یہاں سکون ملتا ہے۔“ وہ نوجوان جو اس وقت ہاسٹل میں تھے، کالج سے فارغ ہو کر کوئی کسی طرف نکل گیا اور کسی نے کوئی شغل اختیار کر لیا۔ مگر ہاسٹل کی مقدس فضا کے اثرات دیر پا ثابت ہوئے اور ان کے فکر و عمل کو مدتوں روشن کرتے رہے۔

☆..... یہ تھا ہاسٹل کا معاملہ، کالج کا معاملہ تو اس سے زیادہ وسیع تھا۔ یہاں (جناب اسلامیہ کالج سیالکوٹ) دیوبندی، غیر مقلد، رافضی و خارجی اساتذہ ہی نہیں، اسلامیہ کا لفظ کالج کے نام میں داخل ہونے کے باوجود کئی کمیونسٹ ذہن کے لوگ بھی تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

”میں ایک مدت تک سوچتا رہا ہوں کہ آخر کالج میں مجھے کیوں داخل کرایا گیا؟ کیا معروف دینی تعلیم اس سے زیادہ بہتر نہیں تھی؟ تو کالج کے حالات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عموماً اسلام کے بارے میں جن مختلف خیال لوگوں کو کالج میں دیکھنے کا موقع ملتا تھا، ہمارے دینی مدرسوں میں اس کا چانس بہت کم ہے۔ پیر و مرشد حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ نے اس قسم کے لوگوں کے عین درمیان رکھ کر ان میں سے کسی سے متاثر نہیں ہونے دیا بلکہ دوسرے لوگوں کا ایمان بھی بچ گیا۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ کالج میں بد مذہب لوگ اپنے بچوں کو اپنے مسلک کی تبلیغ کے لیے بھی داخل کراتے ہیں۔ میں نے طالب علمی کے معروف دور میں بھی اس کا مشاہدہ کیا اور بطور استاد بھی۔ چنانچہ ہمارے نوجوان بڑی آسانی سے ان کا شکار ہو جاتے ہیں اور علم حاصل کرتے کرتے ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ مگر قربان جائیں، جس سر اپا بصیرت و شعور شخصیت

نے اس عاجز کو کالج میں داخل کرایا تھا، اس نے اس وقت کو یہ راز نہیں کھولا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنے سگ بارگاہ کے ایمان کا ہی خیال نہیں رکھا بلکہ اس کے ذریعے کئی دوسرے نوجوانوں کا ایمان بھی بچالیا۔ میں سوچتا ہوں آدھی صدی گزرنے کے باوجود ابھی تک کالجوں اور سکولوں کو سنبھالنے کا ہمیں تھوڑا سا راز نہیں آیا، اور میرے آقا علیہ الصلوٰۃ اتنا عرصہ پہلے بھی کیسی خدا داد بصیرت و احساس کے مالک تھے۔“

☆..... حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کے ایک استاد ہوا کرتے تھے جو ملتان یونیورسٹی کے رجسٹرار کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ان کی ملازمت کا آغاز مل سکول کی ہیڈ ماسٹر ی سے ہوا۔ جلد ہی ان کا تبادلہ پنڈ وادھان ہو گیا مگر وقتاً فوقتاً میل جول کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۶۰ء میں وہ تبادلہ کرا کے شکر گڑھ ہائی سکول آ گئے۔ یہ وہ دور تھا جب آپ نے بی اے کا امتحان دیا تھا۔ مئی ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ آپ کو شیخوپورہ اور استاد صاحب کو لاہور جانا تھا۔ دونوں ٹرین میں مل گئے۔ دوران گفتگو انہوں نے ایک اہل حدیث خطیب کا ذکر شروع کر دیا اور اس کی علمیت اور فصاحت و بلاغت وغیرہ پر خوب لیکچر دیا۔ آپ نے جواباً کہا، ”استاد جی! ذرا غور کر کے بتائیں، جب آپ کے ممدوح منبر پر بیٹھ کر کہتے ہیں کہ میرا یہ ماس نبی کے ماس کی طرح ہے، کیا اس وقت انہیں احساس ہوتا ہے کہ وہ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں داخل ہیں؟“ استاد صاحب نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی اور پھر فرمایا، نہیں، ایسا نہیں۔ آپ نے کہا ”جناب والا! جس مولوی کو منبر پر بیٹھ کر بھی یہ یاد نہیں رہتا کہ میں حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہوں، اس کی فصاحت و بلاغت اور جوہر خطابت کی کیا حیثیت؟“ استاد صاحب دلیل کو منہنا پسند کرتے تھے، چنانچہ اتنا موزوں اور مدلل جواب سن کر لاہور تک بالکل خاموش رہے۔

☆..... غالباً ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے، (جو آغاز شباب میں آپ کے کمال عشق رسالت نیز زہد و عبادت پر خوب روشنی ڈال رہا ہے) جسے اللہ رکھا اختر صاحب (سیالکوٹ) بیان کرتے ہیں کہ راتوں کو مسلسل جاگنے اور دن کو روزہ رکھنے سے ایک دفعہ حضور مفلک اسلام علیہ الرحمہ کو جھوک کے ساتھ خون آنے لگا۔ بہت فکر مند ہوا اور منت و کوشش سے ان کو کالج ڈسپنسری واقع ڈپٹی باغ لے گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت توجہ سے معائنہ کرنے کے بعد کہا ”جھوک میں خون کی آمیزش انتہائی خشکی اور گرمی کی وجہ سے ہے دوائی بھی لے جائیں اور ساتھ باقاعدگی سے دودھ استعمال کریں۔ مناسب نیند پوری کریں۔“

یہی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا محور و مرکز عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہا۔ اکثر راتوں کو اور لیس بجھی، پروفیسر عبداللہ، میں اور چند دیگر احباب بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے۔ جب کبھی بات ادھر ادھر، دنیا کی ہوتی نظر آتی، آپ دخل دے کر اس کا رخ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف موڑ دیتے اور جب دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر شروع کرتے تو آپ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات آجاتی۔ یہ ایمان افروز مجلس سرائے بھابھڑیاں سیالکوٹ میں جناب اور لیس بجھی مرحوم (مایہ ناز سائنسدان) کے ہاں منعقد ہوتیں اور بہت سی ایسی راتوں میں سونے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

اللہ رکھا اختر صاحب کالج کے پانچ سالہ دور میں آپ کے ہم جماعت رہے ہیں۔ دینی اجتماعات میں اکثر آپ کے ساتھ جاتے تاہم ابتداء میں علماء کرام اور سجادہ نشین حضرات پر تنقید کرنے میں خاصے مشہور تھے۔ بعد ازاں آپ کی صحبت باہرکت کے طفیل حضور نقشب لائٹانی کے مرید بھی بنے اور آپ کے زیر تربیت رہ کر محبت خدا اور رسول



کے انوار سے مستحیر بھی ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو جو قبلہ آسی صاحب علیہ الرحمہ نے میری روح میں سمودی ہے، اسے باقاعدہ محسوس کر رہا ہوں اور دورانِ تدبیر چھتیس سالوں میں اسے قریباً دو لاکھ انسانوں میں تقسیم کرنا رہا ہوں اور آخری سانس تک یہ سلسلہ جنوں انشاء اللہ جاری رہے گا۔ (ذرا اندازہ فرمائیے، حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ کی تربیت یافتہ ایک شخصیت دو لاکھ افراد کو جذبہ ایمانی سے سرشار کر رہی ہے تو وہ سینکڑوں تلامذہ جو آپ کے طفیل علم و فضل کے بلند درجوں پر فائز ہوئے، ان کے پیدا کردہ اخلاقی و فکری دینی انقلاب کی وسعت کس قدر ہوگی۔ پھر آپ کی اپنی مساعی جیلہ جوان سب کی مجموعی کاوشوں سے بدرجہا زیادہ ہیں کس قدر قابلِ صدا آفریں ہوں گی)۔

☆..... ۶۱-۱۹۶۰ء میں جب کہ آپ سنٹرل ٹریڈنگ کالج لاہور میں بی ایڈ کر رہے تھے، اسلامی جمعیت طلبہ کا ایک رہنما (اور اسلام و ایمان کا ایک رہزن) مختار نامی کہنے لگا کہ مولانا مودودی کی کتابیں آپ کو پڑھنی چاہیے۔ آپ نے بیماری کا عذر پیش کیا لیکن اس نے پھر بھی اپنی بات پر اصرار کیا۔ آپ نے کہا، اچھا ٹھیک سمی، مگر میرا ایک معیار ہے اور وہ یہ کہ چھ سات سو صفحات کی کتاب میں ایک سطر اللہ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و عظمت کے خلاف ہو تو میں مصنف کو جاہل یا باغی تصور کرتا ہوں۔ اس بد بخت کا جواب یہ تھا، اسلام ایک نظام ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام کوئی مرکزی نہیں، آپ نے فرمایا، اگر امت کے والی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بھی مرکزی نہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مرکز ملت نہیں تو بتاؤ کون ہے؟ آج جس اقبال کے ساتھ تم اپنا رشتہ محبت ظاہر کرتے ہو، وہ تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو مرکز ملت سمجھتے تھے۔ وہ

بارگاہ رسول میں بڑی نیاز مندی سے عرض کرتے ہیں:

یہی اسلام ہے میرا، یہی ایماں میرا

تیرے نظارہ رخسار سے حیراں ہونا

اور یہ کہ

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اذال وہی آخر

وہی قرآن، وہی فرقان، وہی لیسیں، وہی لطف

(اور اشعار بھی سنائے)۔ فرمایا: حق بات یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرکزِ ملت نہ سمجھنا دراصل ان کی نبوت کا انکار ہے۔ کیا آپ قرآنی تصریحات سے بے خبر یا بے نیاز ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت اللہ سے بیعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ خدا کے مجرم معافی کے لیے جائیں تو کہاں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے در پر۔ دیکھئے دشمنوں کا ان قرآنی وضاحتوں پر بھی ایمان نہیں اور منافقین مدینہ کی سنتِ سیچہ پر عمل کرتے ہوئے سر گھماتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے کتراتے ہیں۔

(سورۃ المنافقون)

☆..... سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں حصولِ تعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا محمد بخش مسلم علیہ الرحمہ کے پاس حاضری، کبھی دفتر سوادِ اعظم میں، کبھی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو میں جانا آپ کے معمولات کا حصہ تھا۔ ان دنوں کو آپ نہایت کیف انگیز قرار دیا کرتے تھے۔

مغرب کے بعد حضرت مولانا محمد بخش مسلم علیہ الرحمہ اپنے دو تھانے سے اور آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے ہاسٹل سے دفتر سوادِ اعظم اندرونِ موچی دروازہ لاہور میں

حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمہ کے پاس یکجا ہو جاتے۔ یوں مقدّس ارواح ثلاثہ کا یہ روزانہ علمی و فکری اجتماع ہوتا۔ اس میں حضرت مسلم علیہ الرحمہ بہت زیادہ اپنے مشاہدات بیان کرتے اور علمی و فکری عقودوں کی گرہیں کھولتے اور حضرت نعیمی بھی کبھی لب کشائی فرماتے البتہ آپ محض بغور سنتے رہتے۔ انہی مجلسوں میں ایک دن حضرت مسلم علیہ الرحمہ فرمانے لگے کہ ایک بار علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا گلا دکھنے لگا اور بات کرنا دشوار ہو گیا تو ہم نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کا ارادہ کیا۔ علامہ فرمانے لگے، نہیں، کسی ڈاکٹر یا حکیم کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ میرا علاج اسی طرح کر دجیسے ایک درویش خدا مست نے سرسید احمد خان کا کیا تھا۔ ہوا یہ کہ سرسید کہیں تقریر کرنے کے لیے پہنچے مگر گلا بیٹھ گیا اور بات نہیں ہوتی تھی۔ اتنے میں ایک درویش کہیں سے آ نکلا۔ اس نے کہا، تیرے عقائد ٹھیک نہیں، مگر آج تو اچھی بات کہنے کے لیے آیا ہے لہذا تیرا گلا ٹھیک کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ اس (درویش) نے زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور سید کے گلے پر لگا دی، گلا فوراً ٹھیک ہو گیا۔ ہم نے علامہ سے پوچھا، ہم یہ علاج کیونکر کریں۔ فرمایا! حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے آستانے سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر لے آؤ اور گلے پر لگا دو، گلا ٹھیک ہو جائے گا۔

☆..... داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت ہیں۔ ہمارے حضرت کو ان سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ داتا صاحب علیہ الرحمہ کی بھی نوازشات اور عنایات آپ پر از حد تھیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل واقعات اسی حقیقت کے حکا س ہیں:

0..... یہ واقعہ بھی ۱۹۶۰ء ہی کا ہے۔ کالج کی طرف سے حسب دستور ایک ڈاکٹر کو بلا کر اپنی اصطلاح کے مطابق سب طلباء کی ڈاکٹری کا انتظام تھا اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک

چھوٹے سے کمرے میں ڈاکٹر ایک ایک طالب علم کو بلا کر تنہائی میں نام معقول انداز سے چیک اپ کرنا۔ آپ کو یہ انداز نہایت ہی گھناؤنا محسوس ہوا۔ وہاں موقع پر ایک پروفیسر صاحب تشریف لائے تو ان سے کہا مگر انہوں نے مسکرا کر کہا، 'مولانا! یہ ایک معمول کی بات ہے، سب کے ساتھ ہوتا ہے، آپ بھی (معائنہ) کرائیں۔ آپ پریشان ہو گئے کہ چھٹکارے کی جو ایک صورت بنی تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔ اب آپ نے حضرت دانا صاحب قدس سرہ سے استمداد کی۔ عرض کیا، 'حضور! ہم تو لاہور میں آپ کے مہمان بن کر آئے ہیں تو کیا مہمانوں کے ساتھ یوں سلوک کیا جاتا ہے۔ دل ہی دل میں یہ فریاد جاری تھی کہ باری آگئی۔ اندر گئے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا، 'مولانا آپ تو بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ نے فرمایا، 'جی! بالکل ٹھیک ہوں۔ تو بغیر کسی قسم کے چیک اپ یا ٹیسٹ کے بولے، تو اچھا پھر جائیں۔

☆..... ہاسٹل میں قیام کے دوران آپ اکثر نمازیں اور بالخصوص رمضان المبارک کی عشاء دانا صاحب علیہ الرحمہ کی مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک رات آپ کمرے سے نکل کر باہر سڑک پر آئے تو دیکھا کہ خانہ بدوشوں کے ایک خیمے میں سے ایک لڑکی نکل کر اچھل کود کر رہی ہے۔ اس کی عمر بمشکل چھ سات سال ہوگی اور یہ بار بار کہہ رہی تھی، 'جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر آپ بہت زیادہ افسردہ ہو گئے۔ بار بار یہی خیال آتا تھا کہ جب اس عمر میں اس کی بے باکی کا یہ عالم ہے تو جوان ہو کر یہ کیا کیا آفتیں ڈھائے گی۔ نہایت مغموم و اداس، اسی قسم کے خیالات میں ڈوب کر دربار شریف حاضر ہوئے تو سب سے پہلے حسب معمول حضرت دانا صاحب قدس سرہ کی چوکھٹ پر حاضر ہو کر سلام کیا۔ پھر مسجد میں آئے تو چند لمحوں کے بعد جماعت کھڑی ہو

گئی۔ اس وقت ایک چھوٹا سا بچہ جو بمشکل چار پانچ سال کا ہوگا، آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ مسجد کے امام صاحب کوئی سرحدی پٹھان تھے، بے نیاز قسم کے۔ وہ تراویح کی نماز عام قاریوں کی طرح جلدی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ آہستہ آہستہ۔ یہ بچہ نماز فرض، سنت و نقل پڑھ کر تراویح میں بھی کھڑا رہا، حتیٰ کہ امام صاحب کی قرأت سے جو نماز تراویح بڑے لوگوں کے لیے بھی صبر آزما ہو چکی تھی، اس بچے نے کمال ہمت و حوصلہ سے ادا کی۔ امام صاحب نے نماز وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہی تو بچہ رکوع میں چلا گیا اور امام صاحب کے رکوع میں آنے تک رکوع ہی میں رہا۔ یہ واقعہ سنا کر آپ نے فرمایا کہ گویا یوں سمجھئے! ادا تا صاحب نے میرے مغموم دل کو تسلی دینے کے لیے وہاں کھڑا کیا جہاں ساتھ ایک ایسا سعادت مند بچہ نماز پڑھنے والا تھا جو اس لڑکی سے بھی کم عمر تھا۔ گویا اشارہ اس طرف تھا کہ اگر لڑکی کے انداز سے پریشانی ہوئی ہے تو یہ بھی دیکھو، ابھی ملت میں اس سے بھی کم عمر بعض ایسے بچے بھی ہیں جو از حد سعید ہیں۔

## دورانِ تدریس اہم واقعات

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ نے تقریباً ۳۹ سال تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۶۱ء میں اشاعتِ اسلام ہائی سکول شکر گڑھ میں شعبہ درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ تاہم ۳ جنوری ۱۹۶۲ء کو کورنمنٹ سرڈس کا باقاعدہ آغاز کورنمنٹ پائلٹ سینڈری سکول سیالکوٹ سے ہوا۔ مئی ۱۹۶۳ء میں کورنمنٹ ہائی سکول چک ڈی بی / ۱۱ تحصیل منڈی یزمان ضلع بہاولپور تبادلہ ہو گیا۔ دو تین ماہ رہنے کے بعد نورپور نورنگا

(بہاولپور) تشریف لائے۔ تقریباً چھ ماہ کورنمنٹ ہائی سکول ڈسکہ بھی تعینات رہے۔  
۱۹۶۵ء میں پنڈی بھٹیاں ضلع کو جرنوالہ میں قلیل عرصہ اے ای او کے فرائض  
سراجم دیئے۔ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۸ء قریباً پونے دو سال کورنمنٹ ہائی سکول علی پور چٹھ  
سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں مارچ ۱۹۶۸ء میں کورنمنٹ ہائی سکول شکرگڑھ تباطہ ہوا۔  
ساڑھے سات سال شکرگڑھ میں قیام رہا۔

نومبر ۱۹۷۵ء میں پبلک سروس کمیشن کے ذریعے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ  
میں بطور ٹیکچر تقرر ہوا۔ پندرہ سال ہمبر خودی میں قیام رہا۔ بالآخر اکتوبر ۱۹۹۰ء میں  
کورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ تشریف لائے اور یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو ریٹائرڈ ہوئے۔

### آپ نے شعبہ تدریس ہی کو کیوں اختیار کیا؟

آپ کا تعلیمی کیریئر نہایت شاندار تھا۔ سکولوں کالجوں میں یہاں تک کہ بورڈ  
میں بھی نمایاں ترین کارکردگی کا آپ نے مظاہرہ کیا۔ آپ جس پیشے کا بھی انتخاب کرنا  
چاہتے، دنیاوی ترقی کے دروازے کھلے تھے۔ تاہم آپ نے درس و تدریس کو پسند  
فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سمجھتے تھے کہ ملت اسلامیہ آج تیزی و پستی کے تاریک  
ترین دور سے گزر رہی ہے۔ بالخصوص نوجوانانِ ملت اخلاقی و فکری اعتبار سے جس قدر  
آج آوارگی کا شکار ہیں، مسلمانوں کا پورا ماضی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔  
چنانچہ اگر اس صورتحال کا تدارک مقصود ہے تو سرمایہ ملت یعنی نوجوانوں سے رابطہ اور  
اصلاح احوال ایک بدیہی امر ہے اور اس کے لیے سکولوں کالجوں سے بہتر کوئی جگہ نہیں  
۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے گھر کو آگ لگی ہے اور مجھے اپنے گھر کو بچانا ہے۔ چنانچہ اس

میدان میں قدم رکھا۔ نیز قدرت آپ سے اشاعتِ شریعت و طریقت کا جو عظیم الشان کام لینا چاہتی تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ دنیاوی مصروفیات آڑے نہ آئیں۔ اور آپ مکمل و مجموعی کے ساتھ قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ اپنے مشن کو جاری و ساری رکھ سکیں۔ چنانچہ اس شعبے سے بہتر کوئی اور شعبہ نہ تھا جس میں دینی سرگرمیوں کے لیے خاصا وقت دستیاب ہو جاتا ہے۔

۳ جنوری ۱۹۶۲ء کو آپ کی گورنمنٹ سروس کا آغاز ہوا اور یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو انجام۔ اس طویل عرصے کو آپ نے کیسے گزارا، ان تعلیمی اداروں میں جا کر پوچھ لیجئے جہاں آپ نے تدریسی فرائض انجام دیئے اور ان شہروں اور قصبوں کے باسیوں سے پوچھ لیجئے جہاں آپ نے جلسوں، جلسوں میں حصہ لیا۔ کوئی جمہوری حکومت یا مارشل لاء آپ کو حق بیانی سے نہ روک سکا اور نہ کسی باطل کے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکا۔ آپ کو ہیڈ ماسٹروں، پرنسپلوں، ڈائریکٹروں، انسپکٹروں اور سیکریٹریوں کا کبھی کوئی خوف دامن گیر نہ ہوا۔ جب کبھی ان باتوں کا تذکرہ ہوتا تو فرماتے ”اس میں میری بہادری نہیں تھی..... میرے محافظ، میرے وارث اور میرے مرثی نے ہمیشہ میری آمد کی حفاظت کی۔“

آج کوئی بھی شکر گڑھ آکر دیکھ لے۔ اذان کے وقت پورا شہر درود و سلام کی لہروں سے گونج رہا ہوتا ہے۔ مگر جب حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ ۱۹۶۱ء میں یہاں بسلسلہ ملازمت تشریف لائے تو صورت حال بالکل مختلف تھی۔ یہاں کی مساجد اکثر و بیشتر سنی حضرات کی تھیں مگر ان پر قبضہ قبضہ گروپ کا تھا۔ سارے شہر میں گھوم پھر کر ایک مسجد ایسی نہیں ملتی تھی جس کا امام صحیح العقیدہ سنی ہو۔ بڑی پریشانی تھی۔ ایک دفعہ قیومِ زمانی حضور نقش لائٹانی علیہ الرحمہ موضع فتوچک میں تھے۔ آپ نے (شکر گڑھ کا) یہی رونا

رویا تو ارشاد ہوا، ”کام شروع کر دیں، میں نے جو کہا، اللہ آپ کے ساتھ ہے، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ساتھ ہے، اللہ کے ولی آپ کے ساتھ ہیں اور میں آپ کے ساتھ ہوں۔“ یہ فرمانِ عالیشان سن کر آپ کے دل کو نہایت سکون ملا۔ صبح شکر گڑھ تشریف لائے اور صبح انقلاب کی جستجو میں لگ گئے۔ چند ہفتوں بعد حضرت مولانا ابو محمد عبدالرشید قادری رضوی علیہ الرحمہ بھی تشریف لے آئے اور پھر وہ کچھ ہو کے رہا جو شیخ کریم کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ آج پورے شکر گڑھ شہر میں سنیت کو مقدم اور باوقار مقام حاصل ہے تو یہ آپ ہی کی مساعیٰ جلیلہ کا نتیجہ ہے اور فضا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معطر و جانفزا نعروں سے کونج رہی ہے تو آپ ہی کے دم قدم سے ایسا ممکن ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ بالخصوص شہر شکر گڑھ اور بالعموم دیگر بڑے شہروں میں آج جو دینی و روحانی انقلاب پیدا ہوا، عشاقِ مصطفیٰ کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی، عوام الناس میں ملی و قومی غیرت پر دان چڑھی، ان سب کی گردنوں پر حضور مقلدِ اسلام کا بار منت ہے۔ اگر آپ فکری و روحانی انحطاط کے اس تاریک دور میں اور بد عقیدگی و بے حسی کے اس طوفان میں جہاد نہ فرماتے اور احقاقِ حق کے سلسلے میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگاتے تو آج صورتحال یکسر مختلف ہوتی اور بالخصوص بد عقیدگی کا سانپ کب کا اپنا زہر قوم کی رکوں میں مکمل طور پر پھیلا چکا ہوتا۔ قیامت تک آنے والی نسلیں اس ضمن میں آپ کے زیر بار رہیں گی اور آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتی رہیں گی۔

اب آئیے ان واقعات و تفصیلات کی طرف جو آپ کے عرصہٴ تدبیر سے متعلق ہیں۔

☆..... ۱۹۶۱ء میں بہاولپور سے آپ کا تبادلہ ڈسکہ ہائی سکول میں ہوا۔ ایک مرتبہ وہاں سے آپ کو دربار شریف جانا تھا۔ آپ بس اڈے میں کھڑے تھے۔ ان دنوں ایک



مجذب 'بابا بوری' والا کے نام سے بہت مشہور تھا۔ وہ ہر وقت ایک بوری اپنے گرد لپیٹے ہوتا تھا۔ اس کی وضع قطع دیکھ کر آپ سوچ رہے تھے کہ معلوم نہیں یہ نمازیں بھی پڑھتا ہے کہ نہیں۔ اسی اثنا میں بابا سڑک پار کر کے پاس آیا اور کہنے لگا، 'جناب نمازاں پڑھائی لئی دیاں نیں'۔ اتنا کہہ کر وہ پاس سے گذر گیا۔ (یہ واقعہ درویشوں، مجذوبوں کے ساتھ آپ کے تعلق کا آئینہ دار ہے)۔

☆ ..... مئی ۱۹۶۳ء میں آپ کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول چک ڈی بی ۱۷۱ تحصیل منڈی ریمان ضلع بہاولپور میں ہوا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نہایت عابد و زاہد اور صحیح العقیدہ تھے۔ ان سے آپ کی پہلی ملاقات ہوئی تو عقیدہ دریافت کرنے کے لیے انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ آپ نے بغیر کسی مصلحت کے صاف صاف کہہ دیا کہ جن لوگوں نے مولوی بن کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کو اپنی زندگی دو روزہ کا مقصد بنا لیا، ملت کے اختیارات کا سبب بن گئے اور آج قوم اثناعشریہ و اشعریہ سے جتنی دور ہے، سب انہی لوگوں کی وجہ سے ہے۔ بات لمبی ہو گئی تو سکول کے عربی کے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب، جن کا تعلق جمعیت علمائے اسلام سے تھا، بھی آگئے۔ دخل اندازی کرتے ہوئے وہ بولے، 'قاری محمد طیب صاحب (دیوبندی) نے کیا خوب لکھا ہے کہ یہ لوگ کسی کا زہد و عبادت نہیں دیکھتے، تبلیغ اسلام کی خاطر کسی کی محنت شاق پر ان کی نظر نہیں جاتی، چھ سات سو صفحات پر مشتمل کتاب میں سے ایک دو فقرے نکال لیتے ہیں اور اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں'۔ آپ نے جواباً فرمایا، 'ہاں قاری صاحب کا یہی معیار ہوگا مگر اللہ نے ہمیں یہ معیار نہیں بتایا، اس نے وضاحت سے فرمایا دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا

تَجَهَّرُ وَإِلَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ

أَعْمَالِكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ 0 .... (الحجرات: ٢)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے

والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے

آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل

اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (کنز الایمان)

فرمائیے! اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں قاری طیب کا فیصلہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔“

مولانا محمد یعقوب صاحب جامعہ عباسیہ بہاولپور سے فارغ ہونے کے علاوہ حافظ قرآن

بھی تھے۔ انہوں نے آپ کی بات کا جواب نہ دیا، البتہ یہ کہا کہ اس آیت میں یٰٰئہَا

الَّذِينَ آمَنُوا نہیں ہے۔ آپ نے اصرار کیا کہ ہے، وہ انکار کرتے رہے۔ آخر کار

قرآن پاک منگوایا گیا تو ان کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب انہیں اس میں بھی ان کی

خواہش اور علم کے برعکس یٰٰئہَا الَّذِينَ آمَنُوا گیا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”بات یہ ہے کہ یہ الفاظ اگر نہ بھی ہوتے تو باقی آیت

پر تو ان کا ایمان تھا ہی، اس سے انہوں نے کیا نتیجہ نکالا اور اس معیار کو سمجھنے کی بجائے وہ

قاری طیب کے معیار کو کیوں اپنائے رہے۔ وہ جاہل نہیں تھے قرآن پاک کا ترجمہ اور

تفسیر پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس علاقے میں ان کا مدرسہ پندرہ سال سے چل رہا

تھا۔ فرمائیے، اللہ کے مقابلے میں اپنے گرد گھنٹال کی بات ماننا کیا شرک نہیں ہے؟“

☆..... یہی مولانا محمد یعقوب اس واقعے سے ذہنی طور پر بہت پریشان ہو گئے تھے۔

ایک دن اتوار کو ہاسٹل میں حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ چارپائی پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے

تھے کہ جماعتِ اسلامی کے چند اساتذہ کو چھیڑ دیا۔ ان دنوں مولوی غلام غوث ہزاروی جو جمعیتِ العلمائے اسلام کے مرکزی رہنما تھے، مولانا مودودی کے خلاف بہت کچھ لکھتے تھے اور بعض دفع نہایت سخت زبان استعمال کرتے تھے۔ ان اساتذہ کا کہنا تھا کہ مولانا مودودی آخر عالمِ دین ہیں انہیں تحقیر کے انداز میں منشی کہنا مناسب نہیں۔ مولینا یعقوب صاحب انہیں منشی کے کئی معنی بتا کر مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ آخر ایک گھنٹے کی بحث کے بعد مولانا مان گئے کہ منشی کا لفظ واقعی سخت ہے اور انہیں یہ لفظ مولانا مودودی جیسے عالم کیلئے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ آپ یہ ساری بحث سن رہے تھے، اب جب مولوی صاحب مان گئے تو آپ اٹھے اور اٹھ کر فرمایا:

”اسی قسم کا اختلاف ہمیں بھی علمائے دیوبند سے ہے۔ یہ لوگ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و عظمت کے خلاف بہت جری واقع ہوئے ہیں۔ پہلے قرآن پاک سے دیکھ لیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں الفاظ کس محتاط انداز سے استعمال ہونے چاہئیں۔ چنانچہ عام تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ خطبہ ٹھہر ٹھہر کر دیتے تھے اور کوئی ارشاد مبہم نہیں ہوتا تھا، پھر بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایک آدھ جملے کے وقت کسی وجہ سے توجہ نہ دے سکتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے رَاعِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ (یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہماری رعایت فرما دیجئے)۔ یہودی منافق جو اس مجلس میں ہوتے، اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، رَاعِنَا کو ذرا لمبا کر کے رَاعِنَا (اے ہمارے چر دا ہے) بنا دیتے اور یوں توہین کے ناپاک جذبے کی تسکین کر لیتے۔ اللہ کریم نے اس کا سدباب یوں کیا کہ رَاعِنَا کہنے پر ہی پابندی لگا دی اور حکم دیا کہ آئندہ اَنْظُرْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ (ہم پر نظر رکھئے یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔ ارشادِ عالی یوں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا

وَأَسْمَعُوا وَاللَّكْفِيرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ..... (البقرہ: ۱۰۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر

نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک

عذاب ہے۔ (کنز الایمان)

اس واقعہ پر غور فرمائیے، مسلمانوں کو ایسا لفظ کہنے کی ممانعت کر دی گئی جس میں تھوڑی سی تبدیلی سے گستاخی کی صورت پیدا ہو سکے۔ نیز انہیں ہدایت کر دی کہ آئندہ خوب غور سے سنا کریں تاکہ دوبارہ اعادہ کرانے کی ضرورت نہ پڑے۔ نیز یہ بھی سوچئے کہ اس آیت میں کافروں سے مراد کون ہیں؟ یقیناً وہی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخ ہیں۔“

اس پس منظر کے بعد آپ نے علماء دیوبند کی چند عبارات ان کے سامنے رکھیں (مثلاً اشرف علی تھانوی نے ’حفظ الایمان‘ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اور خلیل احمد نیٹھوی نے ’مراہین قاطعہ‘ میں جو کچھ تحریر کیا ہے) سب لوگوں نے بیک زبان ہو کر آپ کی تائید کی اور مولوی یعقوب کو خاموش ہونا پڑا۔

☆..... ۱۹۶۳ء ہی میں جبکہ ’نور پور نورنگا‘ میں تھے، وہاں جنرل مین کا دیوبندی بیٹا جو آپ سے گہری عقیدت رکھتا تھا، ایک دن آ کر کہنے لگا، دیکھئے اللہ کریم نے قرآن میں صاف ارشاد فرمایا: ’قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.....‘ تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ

السلام ہماری طرح بشر تھے (معاذ اللہ)۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: 'اچھا یہ بتاؤ کہ انسانی دل زیادہ سخت ہے یا پہاڑ؟'۔ کہنے لگا کہ ظاہر ہے پہاڑ۔ آپ نے سورہ حشر کے آخری رکوع کی آیت سنائی۔ پھر فرمایا 'یہ قرآن کس پر نازل ہوا'۔ اس نے عرض کی، حضور علیہ السلام پر۔ فرمایا 'جو قرآن کے نازل ہونے کی جگہ ہے، وہ عام بشر کس طرح ہو سکتے ہیں' (آپ نے مزید دلائل بھی دیئے)۔ تب وہ کہنے لگا کہ بڑے بڑے مولویوں اور عالموں کے پاس گیا ہوں، لیکن جس انداز سے آپ نے سمجھایا ہے وہ کسی نے نہیں سمجھایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا (کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں) عاجزی تھا۔ کیونکہ آپ سلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سید المتواضعین بھی تو ہیں۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ اب کوئی اور کہے کہ جی آدم علیہ السلام ظالم تھے (نعوذ باللہ) تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام نے دعا مانگی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اب کوئی اس طرح کے کلمات کہے کہ جی وہ ظالم تھے تو کافر ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ نبی تو اس طرح کے کلمات کہتے ہی ہیں عاجزی کے طور پر، امت کو یہ جائز نہیں کہ وہ بھی کہنے لگے۔

☆..... یہ واقعہ ۱۹۶۲ء میں بہاولپور میں پیش آیا۔ لیکچر کے دوران ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ نبی پاک سلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں بالکل اہل ایمان کا یہی عقیدہ ہے۔ کہنے لگا، 'پھر فوراً کرسی سے اٹھ جائیے' (کہ اس کے نیچے بھی)۔۔۔ (نعوذ باللہ)۔ آپ نے جواباً فرمایا، 'قرآن میں یہ آیت ہے تاکہ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، كَانَاتِ كَاذِبَةٌ ذُرَّةُ الشَّجَرِ

تسبیح بیان کرتا ہے۔ اس نے کہا، جی بالکل ہے۔ آپ نے فرمایا، پھر فوراً زمین پر سے پاؤں بلند کر لو کیونکہ یہ ذرے بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ وہ سخت شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا اور جملہ حاضرین آپ کی حاضر جوابی اور قوت استدلال سے مسحور ہو گئے۔

☆..... حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ سرکاری ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۸ء کو رنمنٹ ہائی سکول علی پور چٹھہ میں فرائض تدریس سرانجام دیتے رہے۔ یہیں رأس العلماء فخر الفقہاء علامہ حافظ محمد سعید صاحب خطیب اعظم علی پور چٹھہ سے ملاقات رہی۔ اور انہیں کے توسط سے حضرت کیلیا نوالہ میں حاضری ہوتی رہی۔ اس دور میں متعدد علمی شخصیات کے ساتھ ملاقات رہی تاہم شیخ الحدیث والفقیر حضرت مولانا محمد نواز نقشبندی علیہ الرحمہ (دصال: ۱۱۳ اکتوبر ۲۰۰۳ء) جو فخر نقشبندیہ حضرت پیر سید نور الحسن شاہ صاحب (حضرت کیلیا نوالہ) قدس سرہ کے مرید صادق، محدث اعظم حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ (فیصل آبادی) کے شاگرد و رشید، اور حکیم علم و عرفان پیر سید جلال الدین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ہم سبق تھے، کا ذکر بہت محبت سے کرتے تھے۔ ان کے دصال کے موقع پر فرمایا:

”مولانا علم و فضل ہی کے ذرۃ اولیٰ پر فائز نہیں تھے، عمل و کردار

میں بھی بلند یوں کو چھو رہے تھے۔“

☆..... مفتی ابن مفتی، مناظر ابن مناظر حضرت علامہ محققات احمد صاحب نقشبندی فرماتے ہیں:

”مجھے تین سال آپ کے زیر سایہ رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جس بنا پر مجھے

آپ کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ تقویٰ کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز

تھے۔ آپ ہر نماز تازہ وضو ہی سے نہیں بلکہ تازہ غسل سے پڑھا کرتے تھے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا، 'آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے وضو کے اعضاء چمکتے ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا پورا جسم ہی چمکتا ہو۔ اور آپ نے کبھی بے وضو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک نہیں لیا۔'

☆..... جناب صفدر علی چودھری صاحب جو ان دنوں ڈائریکٹر DVM یونیورسٹی راولا کوٹ ہیں، گورنمنٹ ہائی سکول شکر گڑھ میں آپ کے شاگرد تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سکول میں دبا سی پھیل گئی کہ نوجوان دکانوں سے کچھ خریدتے تو کھوٹے سگے دے دیتے اور دکاندار حضرات پہچان نہ کر سکتے کے سبب رکھ لیتے۔ بعد میں پہچان ہونے پر تلملاتے۔ اساتذہ کے پاس شکایات آئیں جس پر انہوں نے ڈانٹ ڈپٹ کی لیکن سب بے سود رہا۔ جب حضور کے نوٹس میں یہ بات آئی تو آپ نے اعلان کر دیا کہ جن طلباء کے پاس کھوٹے سگے ہیں، وہ مجھے دے کر ان کے بدلے اصلی سگے لے جائیں۔ چنانچہ بہت سے طلباء نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، 'یہ لڑکے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سے ہیں، اور کھوٹے سگے دے کر گنہگار ہو رہے تھے، گنہگار ہونے سے بچانے کے لیے اور اس فعل کے سبب آتش دوزخ کا ایندھن بننے کے خطرے کے پیش نظر میں ان کے کھوٹے سگے اصلی سگوں سے بدل رہا ہوں۔ بہت سے لڑکوں نے آپ کے اس طرز عمل کی بدولت توبہ کی۔'

☆..... داتا صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ آپ کے تعلق کے حوالے سے اوراقِ گذشتہ میں واقعات درج ہوئے۔ یہاں دو مزید واقعات نقل کیے جا رہے ہیں، جن کا تعلق زمانہ

مد ریس سے ہے۔

○..... سرکاری ملازمت کے بعد مہینے میں ایک بار ضرور مزار حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ پر حاضری دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سالہا سال تک یہی معمول رہا۔ ایک بار جب کورنمنٹ ہائی سکول علی پور چٹھہ میں فرائض مد ریس سرانجام دے رہے تھے، داتا صاحب علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ یہ ۱۹۶۸ء کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں داتا صاحب کے دربار میں (جمعرات کی) ہفتہ وار محفل آپ کے سرانور کی طرف ایک برآمدے میں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ یہ تقریب جاری تھی اور آپ داتا صاحب کے چہرہ پر نور کی طرف موجود تھے۔ یہاں سے محفل محض چند فٹ کے فاصلے پر تھی اور آواز پوری طرح سنائی دے رہی تھی۔ ایک نعت خواں پارٹی نے جب یہ شعر پڑھا:

میری ساری عمر دی کمائی  
داتا دی گلی دے پھیرے  
کیہ جانن عقلاں والے  
جو رشتے نے تیرے میرے

تو آپ کا دل بہت مخلوظ ہوا۔ جی ہی جی میں عرض کی، حضور میں مہینے میں ایک دفعہ حاضر ہوتا ہوں۔ اگر میرے لیے آپ بیس روپے کا انتظام کر دیں تو ہر جمعرات کو حاضر ہو جایا کروں گا۔ (اس وقت علی پور چٹھہ سے لاہور تک چار بار آنے جانے کا کرایہ بیس روپے بنتا تھا)۔

جب آپ واپس علی پور چٹھہ پہنچے تو فخر العلماء حضرت علامہ حافظ ابوالشفاقات علامہ محمد سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ کہنے لگے، 'رسول نگر سے ایک چودھری صاحب آئے



تھے اور فرماتے تھے کہ ایک خطیب چاہئے جسے نانگے والے جایا اور واپس چھوڑ جایا کرے گا۔ خطیب کو ہم ہیں روپے ہی دے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ یعنی داتا صاحب علیہ الرحمہ نے آپ کی آدھی رات کے وقت کی گئی عرض پر واپس گھر پہنچنے سے پہلے پہلے انتظام فرما دیا۔

☆..... ۱۹۷۰ء میں (جبکہ جمعیت العلمائے پاکستان اور جماعت اسلامی دونوں سوشلزم کے مقابلے کی وجہ سے ایک دوسرے کے بہت قریب آچکی تھیں) آپ داتا دربار حاضر ہوئے۔ رات یہیں قیام رہا۔ صبح واپسی کے لیے جو چوکھٹ پر سلام عرض کرنے لگے اور اجازت مانگی تو دل میں آواز آئی، 'نہیں، ابھی نہیں'۔ بقول درود علیہ الرحمہ:

قاصد! یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے

ان کا پیام دل کے سوا کون لاسکے

باقی کی بات حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی اپنی زبانی سنئے:

”میں دربار شریف سے نکلا اس امید پر کہ کوئی حکمت نظر آئے گی۔ غالباً مکتبہ حامد یہ میں جا کر کتابیں دیکھنے لگا تو مولانا ارشد القادری علیہ الرحمہ کی کتاب 'جماعت اسلامی' ہاتھ لگی۔ واپس دربار پر حاضر ہوا تو اجازت مل گئی۔ دل کو یقین ہو گیا کہ حضرت داتا صاحب نے دل میں جو وصلِ غیر کے دروازے کھل رہے تھے، دیکھ لیے اور انہیں بند کرنے کے لیے یہ اہتمام فرمایا۔ اس پر حیرت نہیں ہوئی کہ میری بیماری داتا صاحب

.....  
لے اور نذکورہ دونوں جماعتوں کے قرب کو بری نظر سے نہ دیکھنا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دوا شکاف ہے، ہاں اس پر تعجب ہوا کہ دانا صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس بیماری کا علاج کس کتاب میں ہے اور کتاب بھارت سے آچکی ہے اور فلاں جگہ ہے۔ اس سے میں نے اندازہ کیا کہ واقعی دانا صاحب ایسے تمام افراد اور ایسی تمام جماعتوں کو نفرت سے دیکھتے ہیں، جو امت کا رابطہ اس کے والی سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کاٹتی ہیں۔

### حضور مفکر اسلام قدس سرہ اور سوشلزم کا رد:

☆..... ۱۹۲۹ء اور ۱۹۷۰ء میں پورا ملک 'سوشلزم' کے طوفان کی زد میں تھا۔ بڑے بڑے علماء اور دہریوں کو ہیلز پارٹی کا میٹج ناپنے کے لیے مل چکا تھا۔ اور پاکستان کے

۱۔ سوشلزم (یا اشتراکی نظام) خدا کے وجود کی نفی کرنا ہے۔ اس نے امانت کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ اس کے نزدیک مادی ضروریات ہی انسان کی حقیقی ضروریات ہیں، اس لیے انسان کو ان ہی ضروریات کے لیے مصروف و جہد کرنا چاہیے۔ ان کے علاوہ سب کچھ فریب نظر ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے اس مادی دنیا کے علاوہ ایک عالم بالا کا تصور بھی دیا ہے جو ابدی و دائمی ہے۔ اس لیے اسلام کے تجویز کردہ ضابطہ حیات میں دنیا اور آخرت دونوں کی اصلاح و فلاح کا پروگرام موجود ہے۔ جبکہ اشتراکی فکر کی پروانہ سی مادی عالم میں جہت (دنیا) کے اندر محدود ہے۔

اسلام کے نزدیک ہر قسم کی املاک، افراد کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ اس امانت کا حصول اور استعمال خالق کائنات کی مرضی و عشاء کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ سوشلزم میں صورت حال یکسر مختلف ہے۔ اس نظام میں ملکیت کے انتساب اور استعمال دونوں پر افراد کے مطلق حق کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور یہیں سے اس نظام معیشت سے وابستہ معاشی ناہمواریاں، دولت کی نامنصفانہ تقسیم اور نامبر و غریب کی طبقاتی کشمکش جیسے عوارض جنم پتے ہیں۔

سوشلزم میں سووریزھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ اسلامی نظام معیشت میں سووی کی قطعی طور پر ممانعت کر دی گئی ہے۔

اشتراکی نظام معیشت اپنی قطرت کے اعتبار سے اکتانوار تکا ز یعنی وسائل معاش کے چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے کا رجحان رکھتا ہے۔ اس میں دولت کو امراء سے غرباء کی طرف منتقل کرنے کا کوئی موثر داخلی نظام موجود نہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظام معیشت انتساب رزق کی جدوجہد کو حلال ذرائع کا پابند بنا کر دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے کے امکانات کو بالکل محدود کر دیتا ہے اور معاشی اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

مشرقی و مغربی خطے ہنگاموں اور نعروں سے کونج رہے تھے۔ جمعیتہ العلماء نے اسلام یعنی دیوبندی جماعت کا کثیر حصہ غلام غوث ہزاری اور مفتی محمود کی قیادت میں پیپلز پارٹی سے 'معتقد' کر چکا تھا۔ ہر علاقہ، ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر گاؤں اسلام اور سوشلزم کی بحثوں میں الجھا ہوا تھا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو اینڈ پارٹی اس الحادی نظام کو ملک عزیز میں رائج کرنا چاہتے تھے۔

حضور مفکر اسلام قدس سرہ نے پوری ایمانی طاقت کے ساتھ اس کا رد کیا۔ آپ نے تقاریر و تحاریر میں اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ پھر آپ قلمی و قولی جہاد تک ہی محدود نہیں رہے، بلکہ عملی طور پر مذہبی و سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں کر کے اس فتنے اور اس کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا۔ اس وقت شکر گڑھ کے علماء کو سوشلزم کی بابت زیادہ آگہی نہیں تھی۔ چنانچہ بعض اپنی فہم کے مطابق اس کے حق میں بولتے تھے۔ آپ نے تحریکی انداز میں کام کیا اور ایک ایک کو بلا کر سمجھایا۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور علاقے کی فکری فضا ہی بدل گئی۔ پیپلز پارٹی سے منسلک سیاسی عناصر نے اس بات کا برا منایا اور آپ کو باز رکھنے کے سوجھن کیے، تاہم آپ جو اسلام کا جھنڈا کسی صورت نیچا نہیں دیکھ سکتے تھے، ڈٹے رہے۔

کہاں سے تو نے اسے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی

کہ چہ چاہا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

حضور نے شکر گڑھ کی سر زمین پر سوشلزم کے خلاف ایک تاریخی جلوس بھی نکالا نتیجتاً آپ کو گرفتار کر کے تھانے لے جایا گیا۔ یہاں SHO سختی سے پیش آیا۔ آپ نے نہایت متاثر کن انداز سے اسلام کی حقانیت اور اس کے مقابلے میں سوشلزم کے

ابطال پر خوب روشنی ڈالی جس سے SHO متاثر ہوا اور معافی مانگی نیز خواستگار ہوا کہ میری بھی کوئی ڈیوٹی لگائی جائے۔ آپ نے فرمایا، ملازمت جاری رکھو، دین کی خدمت کرو، یہاں بھی تمہاری ضرورت ہے۔ یہ آپ کی پہلی گرفتاری تھی جس کا دورانہیہ 4,5 گھنٹے تھا۔ بعد میں حضور نقش لانا ثانی علیہ الرحمہ کے پاس حاضر ہوئے (جو اس وقت جمعیت علماء پاکستان صوبہ پنجاب کے صدر بھی تھے) انہوں نے فرمایا، 'آسی صاحب! تے تے کس پنے؟' عرض کیا، 'حضور اکیلا ہوتا تو شاید پڑ جانا، ساتھ آپ تھے۔' آپ کی انہی دلیرانہ کاوشوں کے نتیجے میں پورا خطہ اس رشتہ میں سوشلزم کو سمجھ گیا اور متعدد دینی دنیوی طبقے سرگرم عمل ہو گئے۔

خیال رہے کہ مولانا مقصود احمد صاحب جو خان بیہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے اور بعد ازاں مسجد اتانگ پنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ لاہور کے خطیب ہوئے، ۷۰-۱۹۶۹ء میں آپ کی دعوت پر مسجد نور شکر گڑھ میں خطابت کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ نے انہیں بھی خوب فغان رکھا۔ بہر حال آپ کی کوششیں ثمر آور ہوئیں اور گمراہ کن نظریات کو یہاں کوئی پذیرائی نہ ملی۔

☆..... حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ ۱۹۶۸ء سے ہمیشہ موسم گرما کی تعطیلات اپنے آستانے علی پور سیداں شریف پر شتخ کابل علیہ الرحمہ کی خدمت میں گزارتے رہے (باقی دنوں میں بھی کثرت کے ساتھ حاضری کا معمول تھا پھر یہ معمول روزانہ حاضری کی شکل اختیار کر گیا)۔ ان دنوں بظاہر حضور نقش لانا ثانی علیہ الرحمہ کے فرزند اصغر عارف حقانی، خورشید عرفانی حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ صاحب (علیہ الرحمہ) کی تعلیم و تدریس مقصود ہوتی مگر باطن اور کئی عنایات سے آپ نوازے جاتے۔ تعطیلات کا اختتام پر اور یونہی دوسرے

مواقع پر شیخ کریم آپ کو قیمتی خلیعوں کے علاوہ نقد رقم بھی عطا فرماتے تھے۔ آپ بطور تبرک انہیں گھر میں بڑی حفاظت سے رکھ لیتے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں شکر گڑھ کا علاقہ بہت متاثر ہوا۔ آپ کا گاؤں تو ابتدائی دنوں ہی میں بھارتی قبضے میں آچکا تھا۔ آپ اہل خانہ سمیت شکر گڑھ میں مقیم تھے اور بغیر شیخ کی اجازت کے نکلنے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ ایک دن درباری نعت خواں جناب صوفی محمد حسین صاحب (ڑپئی والے) نے شہنشاہِ ولایت کا فرمان پہنچا دیا کہ ”گھر والوں کو کسی محفوظ جگہ بھیج دو“۔ اگلی صبح انہیں بس پر بٹھانے کا پروگرام بنایا تو کوئی رقم پاس نہیں تھی کہ کرایہ ادا کیا جاتا اور کسی سے قرض لینے کی صورت نہ تھی کہ سبھی جا چکے تھے۔ پھر کرائے بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ مجبوراً حضور کا جمع کردہ عطیہ ہی استعمال کرنا پڑا۔ حیرت یہ ہوئی کہ موضع بندو کے ضلع شیخوپورہ تک پہنچنے کا جو کرایہ بنتا تھا۔ یہ رقم بالکل اسی کے برابر تھی۔ دوسری عجیب بات یہ تھی کہ شکر گڑھ سے بسوں کے چلنے کا یہ آخری دن تھا۔ چنانچہ آپ اور نواب چوہدری فقیر محمد مرحوم اگلے دن گھوڑی پر علی پور شریف کی طرف روانہ ہوئے اور کئی منزلوں میں یہ مقدس سفر طے ہوا۔

☆..... جب ۱۹۷۱ء کی جنگ چھڑی تو آپ شکر گڑھ میں تھے (جن کو اوپر ذکر ہوا) اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ شہر اور علاقے سے نکل گئے اور جہاں انہیں پناہ ملی چلے گئے۔ چند فیصد لوگ ہی باقی رہ گئے کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قریب آگئی (کائنات کے اس عظیم ترین دن کو منانا آپ کو کائنات کی ہر شے سے عزیز تر تھا اور اس کا ترک کسی حال میں روانہ تھا)۔ شکر گڑھ کے اہل مزارات میں سے ایک حضرت ہیں قطب شاہ دلی قدس سرہ۔ چونکہ آپ کے پاس دنیاوی اسباب میں سے کچھ نہ تھا کیونکہ

آپ کا گواؤں (پھگواڑی) دشمن کے قبضے میں آچکا تھا اور دوست احباب بھی انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے اور سب کے سب مفلوک الحال تو آپ حضرت قطب شاہ ولی رحمہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر گئے اور عرض کی، حضور یہ شہر میرا نہیں، آپ کا ہے۔ میلا ذالقیسی سلی اللہ علیہ والدہ سلم کا دن بالکل قریب ہے، اس کا اہتمام آپ کے ذمے ہے۔ (آپ نے پریشانی میں یہاں تک کہہ دیا کہ میں یہاں کا ٹھیکیدار نہیں اور آپ شہر کے مالک ہیں)۔ سکول ہاسٹل میں آکر اپنے کمرے کو دیکھا تو گذشتہ سال کے بنیس اشتہار موجود تھے۔ انہیں سے کام چلایا۔ دن آیا تو حضرت قطب شاہ ولی علیہ الرحمہ کے تہنّفات کے جلوے ہر طرف نظر آرہے تھے۔ کہاں شکر گڑھ بلکہ علاقے کی ویرانی اور کہاں شرکائے جلوس کی یہ کثرت۔ یعنی آپ کی دینی غیرت اور صاحب مزار کا روحانی تہنّرف اپنا آپ دکھا رہے تھے۔ (آپ ان صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو تو اسے معلوم ہو کہ آج بھی یہ علاقے کے بادشاہ ہیں)

☆..... آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے محسن و مرثی، ولی نعمت حضور نقشب لائانی علیہ الرحمہ نے ہمیشہ میری آمد کی حفاظت کی۔ اس ضمن میں ایک واقعہ جمعہ مرتبہ سننے کا شرف حاصل ہوا:

”۱۹۷۶ء کی بات ہے حضور نقشب لائانی اپنے سب بارگاہ کوچ و زیارت کے سفر پر ساتھ لے جا رہے تھے۔ حرمین شریفین کی طرف پرواز کرنے میں ایک دو دن ہی رہ گئے تھے۔ مجھے والدہ ماجدہ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے میرے گواؤں پھگواڑی تحصیل شکر گڑھ روانہ فرمانے لگے۔ مگر ارشاد ہوا، چوہدری انور عزیز (جو متعدد بار ایم این اے اور وفاقی وزیر بنے نیز حضور نقشب لائانی کے مرید بھی تھے) کو پیغام دینا

تھا کون دے گا۔ میں نے عرض کیا، حضور غلام حاضر ہے۔ شکر گڑھ میں چوہدری صاحب سے مل کر عرض کر دوں گا۔ بعد میں جب حاضر بارگاہ ہوا اور تعمیل حکم کی رپورٹ پیش کی تو فرمایا، کیا تو چوہدری سے بولتا ہے؟ (کیونکہ کافی عرصہ پہلے سے میں ان سے ناراض تھا)۔ میں نے عرض کیا، حضور بولتا ہوں۔ فرمایا، پہلے کس نے بلایا تھا تو نے یا چوہدری نے؟۔ میں نے کہا، چوہدری صاحب نے۔ پھر فرمایا، تو نے تو پہلے نہیں بلایا تھا۔ عرض کیا، نہیں حضور۔ فرمایا، کیا واقعی تو نے پہلے نہیں بلایا؟۔ عرض کیا، نہیں حضور۔ فرمایا، خدا کا شکر ہے، خدا کا شکر ہے، خدا کا شکر ہے۔

مولا کی لاکھوں رحمتیں لانا پی پر  
جس نے نگاہ رکھی ہے میرے ضمیر پر

فرمائیے! جسے تربیت کرنے والا اور ایمان و آبرو کی حفاظت کرنے والا ایسا پیر  
مل جائے اسے دنیا میں اور کیا چاہئے۔ اب پیغام سنئے۔ فرمایا، حاجی غلام رسول (آف  
لیسر) کو ساتھ لے جاؤ۔ چوہدری سے کہنا، اس غریب آدمی نے بڑی تگ و دو سے حج  
کی رقم فراہم کی ہے (جبکہ حاجی ایک دو ہفتوں سے جانا شروع ہو گئے ہیں)۔ اس کے  
حج کا بندوبست کر سکتے ہو تو کرو ورنہ صاف جواب دے دو، میں خود کر لوں گا۔ میں دین  
پورا آیا۔ چوہدری صاحب چوہدریوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے مسجد میں  
ٹھہر کر کسی کو بھیجا تو چوہدری صاحب سراپا ادب بن کر تشریف لائے اور نہایت نیاز مندی

---

۱۔ حاجی شوکت صاحب لالائی بک ڈپو ایڈ کمپوزنگ سنٹر (شکر گڑھ) والوں اور ویر کے بقول حضور نقش لالائی علیہ  
الرحمہ آپ کو تو کہہ کر غائب نہیں کرتے تھے، آپ مجلس بطور عاجزی اپنے لیے تو کالفاظ استعمال کرتے تھے۔

سے ذمہ داری لے کر چلے گئے۔“

☆..... جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں فارسی کے ایک غیر مقلد لیکچرار ہوتے تھے جو وہیں سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ بات کرتے تو اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے (العیاذ باللہ)۔ ایک دن دورانِ بحث آپ نے بات کا سٹے ہوئے پوچھ ہی لیا:

”آپ کے پاس بڑی لمبی فہرست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں (معاذ اللہ)

فلاں فلاں کمال نہیں تھا۔ کیا آپ کی نظر میں کوئی کمال تھا بھی؟“

کہنے لگے، ہاں کمال بھی تھے۔ آپ نے فرمایا، کیا آپ نے کبھی بیان بھی کیے؟۔ کہنے لگے، ہاں! کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا! پھر اب کر کے دکھائیں۔ (یعنی کسی کمال کا ذکر) پھر دیکھنے سننے والے اس وقت درطہ حیرت میں کھو گئے جب پروفیسر صاحب جو بڑے بڑے علماء کو بزمِ خود خاطر میں نہیں لاتے تھے مہر بلب ہو گئے اور ایک جملہ بھی ان کی زبانِ باطل ترجمان سے ادا نہ ہوا۔

☆..... عالم بے بدل حضرت علامہ شبیر احمد صاحب جن کا تعلق سیالکوٹ سے ہے اور بھیرہ شریف سے فارغ التحصیل ہیں، کا بیان پڑھئے۔ یہ بیان حضور مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اندازِ تدریس اور مقصدِ تدریس پر بھی روشنی ڈالتا ہے:

”آج میں جس مقام پر ہوں یہ حضور مفکرِ اسلام (علیہ الرحمہ) کی نگاہِ کرم کا فیض

ہے۔ مجھے پہلی مرتبہ آپ سے ملاقات کا شرف اپنے دوست کے توسط سے اس وقت ہوا، جب میں فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا اور میرا دوست سیکنڈ ایئر کا۔ اس دن میں اپنے دوست کے اصرار پر اس کی معیت میں اس کی کلاس میں اردو کے پیریڈ میں گیا۔ کیونکہ



اس نے کہا تھا کہ اس کے استاد ایک باکمال شخصیت ہیں۔ چنانچہ کلاس روم میں پہنچا تو سامنے کھڑے پروفیسر صاحب کو دیکھ کر طبیعت میں ایک انوکھا سا چین محسوس ہوا۔ اس کے بعد آپ کی محبت و شفقت اور آپ کے اندازِ تعلیم نے مجھے فرسٹ ایئر کے پیریڈ میں نہ جانے دیا بلکہ پورا سال میں آپ کے زیر سایہ سیکنڈ ایئر کی کلاس میں ہی اردو کا پیریڈ پڑھتا رہا۔ آپ کی محبتوں، عنایتوں، شفقتوں میں اضافہ ہوتا گیا اور مجھ جیسے گنہگار کی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ ایف اے کا امتحان دیا تو مجھے بھیرہ شریف پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ آج میرے چہرے پر سنتِ رسول اور میرے دل میں اگر محبتِ رسول ہے اور مجھے دین کی کچھ سمجھ بوجھ ہے تو سب آپ ہی کی تربیت کا اثر ہے۔“

☆..... جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ کی مسجد میں مہفلِ میلاد کا انعقاد ہوتا تھا۔ کبھی مہینے میں کبھی دو چار مہینوں میں ایک بار ۱۹۸۴ء میں کالج یونین کے انتخابات میں ایسے نوجوان کامیاب ہوئے جنہیں میلاد کی محفل پسند نہیں تھی۔ پرنسپل صاحب نے ایک طالب علم کی زبانی درخواست پر منظوری دے دی مگر بعد میں یونین کے زیر اثر مکر گئے اور درخواست گزار سے صاف صاف کہہ دیا کہ پہلے یونین والوں کو منالو، پھر مہفلِ میلاد ہوگی مگر وہ ماننے والے تھے ہی نہیں۔ پرنسپل صاحب نے پہلے جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق ہفتے کے دن یہ محفل ہوتی۔ وہ دن آیا تو صبح اسمبلی میں ایک بڑے عالم دیوبند کی اقتدا میں جناح پارک میں بارش کے لیے نماز استنقا پڑھنے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ اساتذہ اور طلبہ میں وہ سب لوگ جو ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روکنا چاہتے تھے ہمسرد و مطمئن تھے جبکہ آپ سخت پریشان۔ حالانکہ اس وقت مہفلِ میلاد کا مطالبہ نہ آپ نے کیا تھا اور نہ آپ سے پوچھ کر کیا گیا تھا۔ پریشانی صرف یہ تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ آپ کے

گردو پیش میں ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روکنے کی سازش کامیاب ہو جائے، پھر تو جینا فضول ہے۔

یہ وہ دن تھے کہ جب آپ ہر روز دربار شریف حاضری دیتے تھے۔ اتفاق سے آپ کے پیر بھائی غلام سرور صاحب کھسن پرپہل لائٹانی اسپیدیل سکول شکر گڑھ بھی اپنے سکول پر کالج آگئے۔ آپ انہی کے ساتھ از حد دل گرفتہ حالت میں حضور تشریف لائٹانی علیہ الرحمہ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ رات تو کچھ عرض نہ کیا البتہ صبح تہجد کے وقت حسب معمول حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور نقل پڑھ کر اپنی مبارک چارپائی پر جلوہ فرما تھے۔ چند خدام بھی حجرہ مقدسہ میں موجود تھے۔ آپ نے داخل ہوتے ہی حضور کا ایک جوتا مبارک اپنے سر پر رکھ لیا۔ انہوں نے فرمایا، 'ہیں، ہیں، یہ کیا؟'۔ آپ نے عرض کیا، 'یہ میرے لیے تاج ہے اور یہاں کے کتوں کا ادب کروں یہ میری سعادت ہے، مگر جس ماحول میں آپ نے مجھے رکھا ہے وہاں محفل میلا دشریف روک دی جائے یہ میرے لیے موت سے بدتر ہے۔ اس لیے آج یا تو محفل میلا دشریف کے انعقاد کے لیے دعا کریں یا میری موت کی'۔ حضور نے فرمایا، 'محفل میلا دشریف کون روکتا ہے؟'۔ پھر عرض کیا، 'میں نے دوسرے مخصوص اساتذہ کی طرح کبھی کالج کے معاملات میں بھی دخل نہیں لیا اور طلبہ سے بھی عموماً رابطہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، کم از کم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پر تو پابندی نہ ہو۔'

اگلے دن آپ کالج تشریف لائے تو یوں محسوس ہوا جیسے خوف دہرا اس یہاں سے ختم ہو گیا ہے اور درو دیوار مسکرا رہے ہیں۔ کلاس کے دوران آپ نے طلبہ سے پوچھا، 'کیا تمہیں میں نے کبھی کسی کو دوٹ دینے کے لیے کہا؟'۔ بولے، 'نہیں'۔ پوچھا،

”کیا اگر میں دخل لیتا تو کم از کم اتنی فیصد دوٹ میرے کہنے پر نہ ڈالے جاتے؟“  
بولے، ’ضرور۔ پھر فرمایا، اب پانی سر سے گزر گیا ہے، لوگوں نے مھل میلا دروکنے کی  
کوشش کی ہے، مجھے جہاں سے منظوری لینی تھی لے آیا ہوں، تمہارا کیا خیال ہے؟‘  
بولے، ’ہوگی اور ضرور ہوگی۔ دوسری کلاس میں آپ تشریف لے گئے تو وہاں بھی یہی  
سوال و جواب ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کچھ سا تذہ تو ان نوجوانوں کے گامد تھے، اکثر  
اساتذہ محتاط و پریشان خشی کہ پرنسپل صاحب بے اختیار ہو کے رہ گئے تھے۔ ان کے دفتر  
میں بعض بعض کو پٹیتے مگر پوچھنے والا بلکہ چھڑانے والا کوئی نہ تھا۔ اس صورتحال میں عام  
طلباء کا جو حال ہو سکتا ہے خود اندازہ کیجئے۔ آج طلبہ نے یوں لاکار کر آپ کی تائید کی تو  
گویا نگاہ مرد مومن سے تقدیریں بدل گئی تھیں۔ طلبہ سے فارغ ہو کر آپ پروفیسر غلام  
عباس قریشی شہید سے ملے۔ یہ صاحب یوں لگتا تھا جیسے مٹی کے نہیں ایمان کے بنے  
ہوئے تھے۔ کہا کرتے تھے، ’دعا حضرت سے کروا آیا کریں پھر مجھے بتا دیا کریں، یہ نہ  
سوچا کریں کہ کیسے ہوگا‘۔ آپ نے ان سے ساری روداد بیان کی، سنتے ہی گرم ہو گئے۔  
ادھر پرنسپل صاحب کو کلاس کی کارروائی معلوم ہو چکی تھی، انہوں نے قریشی صاحب کو  
بلا کر گویا شکایت کی۔ قریشی صاحب اپنے عاشقانہ و مجاہدانہ انداز میں ان کے پیچھے  
پڑ گئے۔ آخر ایک گھنٹے کے سرد گرم (ایک طرف سے سرد، دوسری طرف سے گرم)  
مذاکرے کے بعد پرنسپل صاحب نے دوبارہ مھل میلا و منعقد کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ہاں  
وقت نالنے کے لیے یہ بہانہ کیا کہ مھل میلا دنہایت شان و شوکت سے منائی جائے  
گئی، اس کے لیے دعوت نامے شائع کیے جائیں گے اور معززین بلائے جائیں گے  
۔ ایک دوبار تاریخ کا تعین کر کے پھر ملٹوی کر دیتے۔ آخر ایک دن حضور فرمانے لگے،

اس جمعرات کو محفل کرا لیمانہ۔ آپ نے کالج میں اعلان کر دیا۔ قریشی صاحب اور طلباء سے بھی فرما دیا کہ حضور نے یہ دن مقرر فرمایا ہے، اسے ملتوی نہیں کیا جائے گا (انشاء اللہ)۔ اگلے روز دربار شریف صاحبزادہ سعید الرشید عباسی سلام کرنے آئے تو انہیں بھی محفل میلاد سے خطاب کی دعوت دے دی۔

مقررہ تاریخ آئی تو آپ نے اپنے بھانجے (اور موجودہ سجادہ نشین) صاحبزادہ محمد عطاء الحق صاحب اور ایک اور عزیز جناب محمد نسیم قمر صاحب کو صبح کالج لگتے ہی مسجد میں بھیج دیا کہ صفیں درست کریں اور لاؤڈ سپیکر کو ٹیسٹ اور سیٹ کریں۔ موسم ابر آلود تھا اور دن بھی جمعرات کا، جب کالج میں حاضری اکٹرا کم ہوتی تھی۔ مگر آج طلباء کالج کے لیے نہیں ذکرِ حبیبِ خدا علیہ السلام کے لیے دو روز دیک سے آئے تھے۔

تلاوت و نعت کے ساتھ آغاز ہوا اور جمید علماء نے جی کھول کر فضائل سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیان کیے۔ عباسی صاحب کی تقریر جانِ تقریب تھی۔ آپ نے اسی روز دربار شریف سے آتے ہوئے بس میں چند شعر موقع کی مناسبت سے موزوں کیے تھے جو محفل میں سنائے گئے۔ چند اشعار یہ ہیں:

جگمگ جگمگ ساری محفل ذکرِ نبی ﷺ کی برکت سے !!

آؤ اپنے دامن بھرو، عشقِ نبی ﷺ کی دولت سے!

بے ان کے ہم کچھ بھی نہیں تھے، بے ان کے ہم کچھ بھی نہیں

سب کچھ پاس ہے، سب کچھ ہیں ہم، ایک نبی ﷺ کی نسبت سے

عشقِ نبی ﷺ والوں سے پوچھو، تخت سے تختہ بہتر ہے

کوئی بڑا اعزاز نہیں ہے، اس اعزازِ شہادت سے !!

عشقِ نبی ﷺ نے کیا کیا قوت بخشی ہم کمزوروں کو!  
بزمِ جہاں میں لوگ ہمارا منہ مکتے ہیں حیرت سے  
دقت کے فرعونوں سے کہہ دو، جو جی چاہے کر گزرو!  
ہم نہ ڈرے ہیں، ہم نہ ڈریں گے طوفانوں کی شدت سے  
آسی! ہم نذر جاں لے کر سوائے مدینہ چلتے ہیں  
شاہِ لائٹانی کا صدقہ کریں قبول وہ رحمت سے

پہچھے ذکر ہوا، جس روز پہلے مچھلِ میلا دکا انعقاد ہونا تھا، اسی روز جناح پارک  
میں نمازِ استسقاء پڑھی گئی اور یہ سلسلہ چھ دن جاری رہا۔ اس کا اثر ظاہر آئیے تھا کہ بادل صبح  
سویرے رونما ہوتے تھے، ان کی نماز کے بعد وہ بھی اُڑ جاتے تھے۔ نیز اس پس منظر میں  
کہ ڈیڑھ دو مہینے سے بارش کا انتظار تھا، مچھلِ میلا دشریف کے ایک مقرر نے جوش میں  
کہہ دیا:

”اگر ہمارا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے غلامانہ ربط ہے تو آج بارش ضرور ہوگی“  
تقریب بخیر و عافیت صلوٰۃ و سلام اور تقسیم تبرک پر ختم ہوئی۔ روکنے والے اس  
دوران بڑے بچہ و تاب کھاتے رہے تھے۔ کوئی آگے بڑھتا، کوئی اسے تھامت، مگر مسجد ان  
سے پاک ہی رہی۔ انہوں نے پرپہل صاحب کو بھی دفتر میں دھمکایا مگر ان کا صاف  
صاف جواب تھا کہ میں کوئی کافر نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر روکنے کی کوشش  
کروں، آپ روک سکتے ہیں تو روک لیں۔“

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ یہاں سے فارغ ہو کر دربارِ شریف روانہ ہوئے تو  
راستے میں بارش شروع ہو گئی۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور نے سب درویش اکٹھے

کیے، انہیں خوب انعامات سے نوازا اور فرمایا، ”بارش کے لیے دعا کرو، آج بارش ہونی چاہئے۔“

چند روز بعد ’ماتھین‘ نے سیرت کانفرنس منعقد کرنے کا پروگرام بنالیا۔ گویا یہ ان کی طرف سے جوابی کارروائی تھی۔ مگر تاریخ مقررہ سے دو دن قبل سارے پاکستان میں کالج یونینز پر پابندی لگ گئی۔ مقررہ دن آیا تو کالج ہال پر تالا تھا اور وہ سیرت کانفرنس کرنے کی بجائے ضیاء الحق کو گالیاں دے رہے تھے۔

تھوڑے عرصے بعد کالج میں ایک دوسرا انقلاب بھی آ گیا۔ ذکر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روکنے والوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اور ذکر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کرانے والوں کا غلبہ ہو گیا۔ سچ عرض کیا تھا اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی قدس سرہ العوی نے:

مٹ گئے، ملتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی جہ چا تیرا !!!

یہ واقعہ جہاں مردانِ کامل سے نکل لینے والوں اور بالخصوص شاہِ کاملا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ نور سے چڑنے والوں کے ہمیشہ خائب و خاسر ہونے کا اعلان کر رہا ہے، وہاں ہمارے حضورِ قبلہ عالم کی دینی غیرت و حمیت، عشقِ رسالت اور راہِ حق پہ استقامت جیسے بلند اوصاف کو بھی آشکارا کر رہا ہے۔

☆..... ایک مرتبہ سیالکوٹ گھنٹہ گھر میں مشترکہ جلسہ منعقد کروایا گیا۔ جس میں مشہور سیاستدان ملک محمد سلیمان صاحب سمیت متعدد سیاسی شخصیات اور مختلف مکاتبِ فکر کی مذہبی شخصیات مدعو تھیں۔ ملک محمد سلیمان صاحب نے اپنی تقریر میں کہا، ”میں عوام سے ایک اپیل کرتا ہوں کہ اگر یہ علماء کبھی نہیں ہوتے تو نہ ہوں، ہم جو عام لوگ ہیں، ان کو تو

اکٹھا ہونا چاہئے۔ سب سے آخر میں ہمارے حضور کا خطاب تھا۔ آپ نے فرمایا:  
'ملک صاحب نے یہ بڑی عجیب بات کی ہے۔ جہاں قرآن پاک نے بے  
شمار آئندہ آنے والی چیزوں کے بارے میں ہدایات دیں، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں یہ یہ ہوگا، اور ہر چیز کا حل بتا دیا۔ کیا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم نے اس فرق واریت کا حل نہیں بتایا؟۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
فرق واریت کا حل کیا بتایا؟

### السُّنَّةُ وَالْجَمَاعَةُ... سُنَّت اور جماعت

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے گروہ درگروہ ہونے کا علاج یہ بتایا ہے کہ  
میری سُنَّت پر عمل کرو اور جماعت کو اپناؤ۔ ملک صاحب کو خیال رکھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو بات فرما گئے وہی اتحاد کی بنیادِ فطری ہے۔۔۔ تو اہل سُنَّت و جماعت  
فرق یا گروہ نہیں بلکہ فرق واریت کا علاج ہے، اور علاج سکھایا ہے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم نے۔ اب جس کا اعتماد ہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر، جو کلمہ پڑھتا ہے، سچے دل  
سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا، اس کو چاہئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مانے، اپنی  
عقل کے پیچھے نہ پھرے۔ جن کو تم مولوی سمجھتے ہو یہ مولوی نہیں ہیں۔ مولوی کیسے  
بنتا ہے؟ مولانا روم سے پوچھو:

مولوی ہرگز نہ خُذ مولائے روم

تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ خُذ

یعنی مولائے روم مولوی نہیں بنا جب تک کسی شمسِ تبریزی کا غلام نہیں ہوا۔ کسی

اللہ والے کے غلام بن جاؤ، پھر تم مولوی بنو گے، ایسے نہیں بنو گے۔۔۔

آپ کے اس پُر جلال اور پُر مغز خطاب سے سب پر سکتہ طاری ہو گیا اور پھر کسی کو بولنے کی جُزأت نہ ہوئی۔

☆..... ۸۵۔ ۱۹۸۲ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ قلعہ سیالکوٹ کے جناح ہال میں پی اس ایف کی طرف سے ایک مہفلِ میلاد کا اہتمام تھا۔ اس میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء مدعو تھے۔ غیر مقلد حضرات کی طرف سے ان کے مشہور لیڈر پروفیسر ساجد میر بھی مقررین میں شامل تھے۔ آپ کے ذمے ان سب تقاریر پر تبصرہ کرنا تھا۔ پروفیسر صاحب نے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایسی اچھی تقریر کی کہ تمام حاضرین دنگ رہ گئے۔ آپ نے سب سے آخر میں خطاب کیا اور اسے لُحجہ فِکر قرار دیا کہ جن خیالات کا یہاں اظہار مختلف مکاتبِ فکر کے ترجمانوں نے کیا ہے، اگر اسی قسم کے خیالات کا اظہار یہ اپنی اپنی مساجد میں بھی کریں تو اتحادِ ملت کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔ خرابی یہی ہے کہ یہاں جو کچھ فرمایا گیا ہے اپنے اپنے ماحول میں خود یہ اپنے خیالات کی تردید کرتے ہیں اور ملت کی کشتی گرواپِ انتشار سے نکل کر اتحاد کے ساحل تک نہیں پہنچ پاتی۔

یہاں بھی آپ کے اس موثر اور مبنی بر حقیقت خطاب کو خوب سراہا گیا۔

☆..... آپ کو ہمیشہ اس بات کا گلہ بلکہ رنج رہا کہ اہل نجد و دیوبند مزاجاً دورنگے ہیں۔ جو یہ زبان سے کہتے ہیں، ان کے دل اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ چنانچہ اس ضمن میں اوپر مذکورہ مہفلِ میلاد ہی کا یہ واقعہ آپ سنایا کرتے تھے:

”اس مہفلِ میلاد میں جناح اسلامیہ کالج کے ایک پروفیسر دیوبندی حضرات کے نقیب و ترجمان تھے، انہوں نے بھی یہاں بہت اچھی باتیں کیں، مگر اپنے ماحول میں



ان کا انداز بیان بھی مختلف ہوتا تھا اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میں بی اے کاسٹوڈنٹ تھا اور کالج کی اسلامک سوسائٹی کا پریزیڈنٹ، انہوں نے یزید کے جنتی ہونے کو شک و شبہ سے بالاتر قرار دیا۔ چند سال بعد جب میں اسی کالج میں فرائض تدریس سرانجام دینے لگا تو ایک دن وہاں یومِ سید الشہداء منایا گیا۔ میں نے کھل کر یزید کو برا کہا اور اس کے خلاف دلائل کا انبار لگا دیا۔ میں منتظر تھا کہ پروفیسر موصوف ان کی تردید کی کوشش کریں گے، مگر پروفیسر صاحب نے اپنی تقریر میں اس یقینی جنتی کو مجھ سے بڑھ کر گالیاں دیں۔ دیکھا آپ نے نجد و یومئذ کا مزاج؟ قرآن پاک فرماتا ہے:

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيُطِينِهِمْ  
قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ لَا إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ .....  
(البقرہ: ۱۳۰)

ترجمہ: اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یونہی (مسلمانوں سے) ہنسی کرتے تھے۔

واللہ! ایسے لوگوں کا اللہ بھل مجہد، اس کے قرآن اور اس کے دین اسلام سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ اسی پروفیسر صاحب نے ایک دفعہ برملا کہا تھا کہ، 'کون کہتا ہے اسلام میں مساوات ہے، اسلام میں کہیں مساوات نہیں'۔ طلباء نے اردو کے صدر شعبہ سے پوچھا تو انہوں نے بالکل ریش بریدہ دنیا دار ہونے کے باوجود فرمایا، 'ہم تو یہی دین اسلام کا امتیاز سمجھتے آئے ہیں کہ اس میں مساوات ہے، اب اگر اسلامیات کے استاد کو اس کا انکار ہے تو کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ واقعہ سنا کر آپ فرماتے تھے کہ، 'ہاں ہاں! جو

نا بکا رحمت و غیرت رسول سے خالی ہو جائے، وہ اللہ کی محبت و غیرت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اب جن لوگوں نے اپنے اپنے رہنماؤں کو اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مقابلے میں اپنا اپنا مرکز محبت بنا لیا ہے، انہوں نے گویا ملتِ اسلام کی بجائے اپنی نئی نئی ملتیں بنالی ہیں۔ سچا مسلمان سب کو چھوڑ سکتا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی محبت و غیرت کو ترک نہیں کر سکتا۔“

☆..... حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ پندرہ سال جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں رہے۔ یہاں معتد دے دین جماعتوں کو قریب سے دیکھنے اور ان کے افکار سے آگاہی کا موقع ملا۔ بالخصوص 'جماعتِ اسلامی' کی 'شراذتِ اسلامی' کے جو نمونے اسلام کے نام پر قائم ہونے والے کالج میں دیکھے، کبھی کبھار اس کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

”ان (جماعتِ اسلامی) کے 'صالحین' کے لیے بڑی بڑی پیشیوں میں اسلحہ آتا تھا یہ مہارت سے اس کا استعمال کرتے تھے۔ بعض دفعہ ادارے کے سربراہ کے پاؤں کے ارد گرد فائر کرتے تاکہ اس پر خوف و ہراس طاری ہو اور بڑی آزادی سے پرنسپل کے دفتر میں مخالفین کو زد و کوب کرتے۔“

ضیاء الحق کا دور آیا تو جماعتِ اسلامی نے اپنے ظلم و ستم میں مزید اضافہ کر دیا۔ اور اساتذہ اور دوسرے ملازمین کی خفیہ رپورٹیں تیار ہونے لگیں۔ میرا ایک دوست جو گورنمنٹ ہائی سکول پسرور میں ٹیچر تھا اور نیا نیا اس جماعت میں شامل ہوا تھا، ایک دن بڑی رازداری سے کہنے لگا، سب پروفیسروں اور ٹیچروں کی باتیں ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ میں نے کہا، میرے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟ فرمانے لگے، رپورٹ کے

مطابق آپ دورانِ تدريس طلبہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ، 'کتنے تعجب کی بات ہے، اگر کسی لیڈر، مولوی یا سیاسی رہنما کی تعریف کریں تو یہ فرق داریت نہیں ہے، اگر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا کریں تو اسے فرق داریت کہا جائے۔ یہ بات واقعی میں کرنا تھا اور اب بھی کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ از حد افسوس کی بات تھی اور ہے مگر جماعت اسلامی کو یہ بھی برداشت نہیں کہ اشارے کنایے میں بھی ایسی بات کی جائے جس کی زد میں ان کے آنے کا ہلکا سا امکان ہو۔ خدا کا شکر ہے صدر ضیاء الحق کو شاید جلد ہی ان کے طرز فکر و عمل کا علم ہو گیا، چنانچہ حکومت نے تنگ آ کر سٹوڈنٹ یونینز پر پابندی لگا دی۔ پھر نتیجہ یہ نکلا کہ ضیاء الحق کی حکومت کو آسمانی حکومت سمجھنے والے اس کے خلاف نعرہ زن ہو گئے اور بر ملا چیخنے لگے:

بے شرم، بے حیا جنرل ضیاء، جنرل ضیاء"

☆..... جناب رانا محمد مقصود صاحب (حال سیالکوٹ) کا بیان ہے کہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں آپ کے زمانہ تدريس میں ایک بد عقیدہ پرنسپل صاحب ہوئے جو حیلے بہانے سے آپ کو ناحق تنگ کرتے تھے۔ وہ مکہ و مدینہ شریف کی حاضری کے لیے گئے۔ جب واپس آئے تو آتے ہی کہنے لگے، 'حضرت آسی صاحب کو بلاؤ'۔ آپ ان کی حرکتوں سے نالاں تھے لہذا آنے سے انکار کر دیا۔ کسی اور نے پرنسپل سے دریافت کیا کہ جناب کہاں آپ کا ان سے اس قدر عناد اور کہاں ملاقات کے لیے یہ بیقراری، کیا سبب ہے؟ کہنے لگے، 'اس سفر زیارت میں ایک رات خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے متنبہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، "اوساڈے بندے میں، انہاں نون تنگ نہ کریا کر" (راوی کی اور اپنی

یا دواشت کے مطابق الفاظ درج کئے گئے ہیں، اللہ کریم غلطی معاف فرمائے۔) میری بے قراری کا یہی سبب ہے کہ ان کی وجہ سے مجھے زیارت سرکار سنی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہوگئی اور بارگاہ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ان کے مقام کا بھی اندازہ ہو گیا۔

☆..... یہ ایک دردناک واقعہ ہے۔ سیالکوٹ میں ایک صاحب ہوا کرتے تھے، جن کی تعلیم تو واجبی سی تھی تاہم انہیں میر محفل بننے کی بڑی عادت تھی۔ اور وہ اپنی زندگی کے مشاہدات کچھ اس انداز میں نذر سامعین کیا کرتے تھے جیسے یہ نہایت قیمتی اور نادر معلومات ہوں۔ ایک دفعہ وہ اپنے ہی جیسے ایک 'مخترم' کا واقعہ سن رہے تھے کہ میں نے ان صاحب سے پوچھا، جناب! آپ جمعہ کہاں پڑھتے ہیں؟ بولے، میں آج کل جمعہ کہیں نہیں پڑھتا کیونکہ ان مولویوں سے بہت تنگ آ گیا ہوں۔ دیکھو یہ مؤلا لوگ ابو جہل کو برا کہتے ہیں، آخر وہ حضور سنی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا۔ میر محفل اس پُرسوز لہجے میں یہ واقعہ بیان کر رہے تھے کہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وعظ سننے والے ابو جہل کو رضی اللہ عنہ نہ کہنا شروع کر دیں اور اس کے وسیلے سے کہیں دعا ہی نہ مانگنا شروع کر دیں۔ حضور قبلہ 'عالم علیہ الرحمہ نے فرمایا، "برادری میں سے چچا ہی ہو گا مگر اسے تو خود حضور سنی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس اُمت کا فرعون فرمایا تھا۔ وہ تو عمر بھر ہمارے نبی کریم سنی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ مخالفت کرتا رہا۔ ابو لہب جو حقیقی چچا تھا، جب وہ گستاخی و دشمنی کی بنا پر مردود و ملعون ٹھہرایا گیا، اس کی اور اس کی بیوی کی مذمت میں سورۃ البی لہب نازل ہوگئی تو اس کے مقابلے میں ابو جہل تو ویسے بھی ہاشمی کے بجائے مخزومی تھا۔"

☆..... یہاں یہ بات نہایت قابل ذکر ہے کہ زمانہ طالب علمی اور یونہی زمانہ تدریس میں بھی جب کبھی دربار شریف حاضری کے لیے کالج وقت میں جانا پڑا، نہ کالج میں حاضری

لگی اور نہ پڑھائی ہوئی مثلاً کبھی کوئی بیچ شروع ہو جاتا یا جلسہ وغیرہ۔

☆..... کورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ میں بھی آپ کے علمی و فکری نیز روحانی و انقلابی فیضان کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہا۔ یہاں ایک غیر مسلم آپ سے خاصا مانوس ہو گیا۔ آپ اسے اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرتے رہے بعد ازاں وہ اور اس کے جملہ اہل خانہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس نو مسلم کا حالیہ نام غلام غوث ہے اور ایک سرحدی قبیلے 'ڈیلرہ' سے اس کا تعلق ہے۔ شکرگڑھ میں جمعہ وغیر مسلم آپ کی برکت سے اسلام آشنا ہوئے اور جمعہ والیے تھے کہ جن کے دل اسلام کی طرف راغب ہونا شروع ہو گئے۔

☆..... علی پور سیداں شریف میں سالانہ عرس مبارک کے موقع پر ایک غیر مسلم خاتون بھی آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہوئی۔



## باب چہارم

### بیعت و خلافت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بیعت: بندہ طالب ہے اور اللہ مطلوب (مقصود)، جبکہ پیر کامل طالب و

مطلوب کے درمیان وسیلہ ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ..... (المائدہ)

یعنی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔

اور مفسرین نے صراحت فرمائی کہ وسیلہ سے مراد یہاں پیر کامل ہے۔ ایک

اور جگہ قرآن نے انسان کو اس کے مطلوب و مقصود یعنی ذاتِ حق عز و جل کی طرف یوں

دعوت دی:

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا..... (التازعات)

یعنی تیرا آخری مقام اللہ تعالیٰ تک رسائی ہے۔

اللہ رب العزت تک رسائی کے لیے صرف منطقی اور عقلی استدلال کافی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات منطوق اور عقل سے ورا، الورا ہے۔ اسلام عقلی دلائل سے زیادہ مشاہدہ اور یقین کی قوت سے حقیقت تک لے جانا چاہتا ہے تاکہ انسان کے دل اور روح کے اندر وجود باری تعالیٰ کا کامل احساس بیدار ہو جائے اور طالب، ذات و صفات باری تعالیٰ میں فنا ہو کر معرفت اور رضا کے مقام رفیع تک پہنچ جائے۔ (ذالک الفوز العظیم)۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رستہ کسی کامل رہبر یا مرشد کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔

حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ کو بخوبی اس حقیقت کا ادراک تھا، چنانچہ ابھی ساتویں جماعت کے طالب علم تھے کہ دل دنیا سے بیزار اور رب اکبر و محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت سے سرشار تھا جبکہ سلوک و معرفت کی پریچ وادی میں قدم رکھنے کے لیے راہ داں کا وسیلہ درکار تھا۔ وہ فخر خمیور جس کے سامنے تاج و تخت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، علی پور سیداں شریف کے درویشِ خدا مست قیوم زمانی، قطبِ ربانی پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقش لائٹانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیکرِ لطیف میں ڈھلا ہوا نظر آیا چنانچہ ہاتھ میں ہاتھ دیا اور بیعت ہو گئے۔ گویا

آمد آن یارے کہ مامی حواسستیم

(یعنی 'جس کی ہمیں تلاش تھی وہ یار مل گیا')

عمر عزیز اس وقت محض بارہ (۱۲) سال تھی، اس اعتبار سے یہ سال ۱۹۵۲/۵۳ء بنتا ہے جبکہ وقت تہجد کا تھا۔ اس وقت آپ کو بیعت کرنے کا مقصد تنہائی میں بیعت کرنا تھا جبکہ عموماً وقتِ بیعت کثیر تعداد میں لوگ موجود ہوتے تھے۔

بیعت سے آپ کی باقاعدہ روحانی تربیت کا آغاز ہوا۔ سینہ و دل پر معارف



الہی کی بارشیں ہونے لگیں۔ وہ روحانی قوتیں جو ذاتِ اقدس کو ودیعت تھیں، بیدار ہونے لگیں اور جوہر ہائے باطنی جو نا حال پوشیدہ تھے، کھلنے لگے۔ دنیا سے پہلے ہی واسطہ نہیں تھا، اب رہی سہی محبت بھی ختم ہو گئی، کو یا دل مہمانِ عزیز کے لیے پوری طرح فارغ تھا:

سب کے سب باہر ہوئے ہوش و خرد عقل و تمیز  
خانہ دل میں تم آؤ ہم نے پردہ کر دیا

حضور مفکر اسلام کے مرشد گرامی (علیہ الرحمہ)

آپ کے مرید ذی وقار قدوة العارفين، زبدة الواصلين، اسوة الکاملين،  
اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا وسندنا پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشب لاثانی قدس سرہ اعزیز  
نے ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۷ء کو دنیائے فانی میں قدم رکھا اور یکم  
ذوالحجہ ۱۳۰۸ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء وصال فرمایا۔ حضور قبلاً عالم شاہ لاثانی علیہ  
الرحمہ کے تینوں فرزندان والا شان علیہم الرحمہ (حضرت پیر سید فدا حسین شاہ  
صاحب، حضرت پیر سید خادم حسین شاہ صاحب، حضرت پیر سید غلام رسول شاہ صاحب  
رحمہ اللہ علیہم) آپ کی حیاتِ طاہری ہی میں واصل بحق ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپ کے  
وصال کے بعد خلافت کبریٰ (یا سجادہ نشینی) آپ کے محبوب ترین نبیرہ اقدس  
فخر سادات، کریم الصفات سیدنا حضور پیر سید علی حسین شاہ نقشب لاثانی علیہ الرحمہ سے مزین

.....  
اعلاماً اقبال فرماتے ہیں: چاہئے خانہ دل کی کوئی منزل خالی شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

دمشرف ہوئی۔ آپ پیرسید خادم حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضور شاہ لاثانی کی تقریر نور نے اپنے نور نظر کو علوم و معارف کا سرچشمہ بنا دیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ (محمد بلال - محلہ خراسیاں، سیالکوٹ کے خواب میں) فرمایا:

”رب تعالیٰ نے مجھے پانچوں علم عطا فرمائے ہیں، میں سب کچھ

جانتا ہوں۔ یہ دنیا میرے لیے ایک کتاب کی مانند ہے۔“

آپ کو دنیا کی حرص و طلب سے سخت نفرت تھی۔ بے نفسی و بے لوثی اور خلوص

دلالت آپ کی کتاب زندگی کا اذلیلین باب تھا۔ جلیب زر اور جمع زر کو آپ نے ہمیشہ

ایک جرم قبیح کی طرح دیکھا۔ اور جو شخص بھی آئینہ دل کو غرور و تکبر اور حرص و ہوا کی گرد

سے پاک کر کے چند لمحے آپ کے حضور بیٹھ جاتا تھا، جان لیتا تھا کہ اس آفتاب معرفت

و حقیقت کی نورانی کرنیں کس طرح متور کرتی اور کر سکتی ہیں۔ بعض دفعہ آپ بالکل

ساکت ہوتے اور حاضرین کی کیفیت یوں ہو جاتی کہ سرور پر پرندے بیٹھے ہوئے

ہیں۔ اندر کی دنیا ’انقلاب‘ کی زد میں آ جاتی۔ آنکھوں سے برسات کی جھڑی لگی ہوتی

اور بغیر کسی ظاہری تلقین کے دنیا کی محبت، شہرت کی تمنا، جاہ و مال کی آرزو دم توڑنے لگتی

۔ اللہ ہی سے لو کا جذبہ مضبوط ہوتا جاتا اور توبہ و انابت کی منزل سامنے ہوتی۔ ہدایات کسی

ایک کودے رہے ہوتے مگر توجہ سب کے دل و دماغ سے ظلمتیں دور فرما رہی ہوتی اور

سب کی رو میں رحمت کے پانی سے دھل رہی ہوتیں۔ بالخصوص تہجد کے وقت کی مجلس کا

رنگ ہی منفرد ہوتا تھا (اور ہمارے حضور مفکر اسلام قدس سرہ کثرت کے ساتھ اس وقت

حاضر بارگاہ ہوتے تھے)۔

آپ کا دو لگدہ اپنے ذور کا ایک عظیم نعمت کدہ تھا (اور بچہ تعالیٰ ہے)، جہاں

قریب و دور سے آنے والے سانلوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ ایک طرف ظلم و ستم کے ستارے ہوئے کسمپرس کہ دعا کی تمنا میں آئے ہیں تو دوسری طرف مقدمات میں الجھے ہوئے بے سہارا افراد ہیں۔ ادھر جسم کے بیمار ہیں جنہیں ڈاکٹر اور حکیم لا علاج قرار دے چکے ہیں تو ادھر قلب و روح کے مریض ہیں جو نفس و شیطان سے پیچھا چھڑا کر یار سے ملنا چاہتے ہیں۔ غرض سائل ہیں کہ دین و دنیا کی حاجات لے کر خدمت میں حاضر ہیں۔ مگر رحمتِ عالم سبلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا وارث و نائب کسی کو مایوس نہیں لوٹاتا۔ اس کا دستِ عطا ہے کہ دامن بھرتا ہی جا رہا ہے۔ اس کی نگاہِ مست ہے کہ قلب و نظر کی تقدیر بدل رہی ہے۔

حضورِ نقشب لانا فی قدس سرہ نے عمر بھر ہر پہلو میں سنتِ رسول کریم سبلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو پیش نظر رکھا، اسی کو قبلہ مقصود ٹھہرایا اور اسی کی روشنی میں سفرِ حیات طے کیا۔

جب ۱۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور ہندوؤں اور سکھوں کی تیغِ ظلم سے بچے کھچے لوگ کئی مسائل سے دوچار ہوئے تو حضرتِ اقدس نے مہاجرین کی آباد کاری کے لیے دن رات ایک کر کے کام کیا۔ آپ نے فوجی تربیت دلا کر مجاہدین اسلام کے جتھے تیار کیے اور خود انہیں لے کر ریاست جموں و کشمیر کے اندر تشریف لے جاتے رہے۔ ہندوؤں پر ان جتھوں کا ایسا ہراس طاری تھا کہ بعض مقامات کو خود بخود چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ اس طرح دس دس میل کا علاقہ اغیار سے بالکل خالی کر لیا گیا۔ بعض مقامات پر گھمسان کا رن پڑا۔ مثلاً ایک مقام ہسپتال کا مورچہ تھا۔ جہاں مخالفین نے ہوائی طاقت بھی استعمال کی مگر اسلام کے جانناز کامیاب رہے۔

آپ طبعاً دورِ حاضر کی سیاست سے نفور تھے تاہم ہنگامی طور پر سیاست میں اتنا دخل ضرور دیتے تھے جتنا اسلام کے تحفظ کا بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔ آپ کا اصلی

میدان ذکر و فکر، تصنیف و تزکیہ اور اشاعتِ شریعت و طریقت تھا اور اس سلسلے میں مصروفیات نہایت زیادہ تھیں۔ دیہات کے لوگوں میں تبلیغ و تذکیر کی خصوصی کاوشیں فرماتے تھے کہ شہروں میں علما موجود ہوتے ہیں جبکہ دیہاتوں میں اس کی ضرورت زیادہ ہے۔

حضور نے اپنے خلفا کی تربیت اور خلقِ خدا کے لیے فیض رساں بنانے کے لیے از حد توجہ فرمائی تاہم آپ کی نظر توجہ، بدرجہ کمال ہمارے حضور مقلدِ اسلام کے شامل حال تھی اور انہیں فیض اور رشد و ہدایت کا منبع بنانے میں آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ آپ اکثر اس خواہش کا کسی نہ کسی شکل میں اظہار فرمایا کرتے تھے کہ ”میرا دل ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے انہیں (حضور مقلدِ اسلام کو) دے دوں“۔ حضور خود فرماتے تھے کہ ”میرے حضور کی یہ کوشش تھی کہ زیادہ سے زیادہ علم اور سب کچھ آپ کو عطا کر دیا جائے“۔ (اسی لیے سالانہ عرسِ مقدس ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے موقع پر شیخِ کریم نے سب سے پہلے ہمارے حضور ہی کو دستارِ خلافت عطا فرمائی یوں آپ ان کے خلیفہٴ اعظم کہلائے۔ چنانچہ اس آفتابِ ولایت نے اس ماہِ ولایت کو روشن کیا تو چہار دانگ عالم میں ان کی تابانیوں کے جلوے نظر آئے اور ایک زمانہ ان کی روحانیت کی کرنوں سے مستعیر ہوا۔

حضور نقشب لائانی علیہ الرحمہ نے اپنے وصال سے چند روز قبل اپنے اس لاڈلے روحانی فرزند سے یوں فرمایا ”آسی صاحب آؤ اوتھے چلئے جتھے تو اڈے تے میرے علاوہ کوئی وی نہ ہووے“۔ حضور نقشب لائانی بکثرت محبت بھرے جملے آپ سے فرمایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان پیر و مرید کا تعلق مثالی تھا۔ مرید صادق اپنے پیرِ کامل کی خدمت و اطاعت میں ہمہ وقت مستعد تھا تو پیرِ کامل اپنے مرید صادق کا ہر دم نگہبان اور اس کے احوال میں نگران و مددگار۔ چنانچہ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، 'میں پریشان ہوں تو حضور شاہِ لائانی اور حضور نقشِ لائانی علیہما رحمہ کو پریشانی ہوتی ہے جبکہ میری تکلیف سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔'

حضور نقشِ لائانی قدس سرہ العزیز کی آپ سے محبت و شفقت اس بات سے بھی عیاں ہے جسے حضور نقشِ لائانی ہی کے خلیفہ مجاز نیز سلسلہ چشتیہ میں بھی صاحبِ اجازت ایک عالی مقام شخصیت (ان کے حکم پر ان کا نام درج نہیں کیا جا رہا) نے راقم سے بیان فرمایا کہ ہر وہ شخص جو مقلدِ اسلام قدس سرہ سے بغض و عداوت کی آگ میں جلا، روحانی طور پر خالی کر دیا گیا۔

## حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ بحیثیت مرید صادق:

دورِ حاضر میں یہ افسوسناک رجحان عام ہے کہ اول تو بیعت ہی کا کوئی فائدہ نہیں، پھر اگر ہو بھی گئے تو سمجھا جاتا ہے کہ خدا طلبی اور راہِ طریقت کے جملہ تقاضے محض ہاتھ میں ہاتھ دینے سے ادا ہو گئے، مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ شیخ کے فرمودات پر پوری طرح عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو انقلاب آشنا کرنا، بیعت کا اصل مقصود ہے۔

خود حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ مقصدِ بیعت بیان کرتے ہوئے اکثر فرماتے کہ مرشد کو محض دنیا کے حصول کے لیے مت چکڑو بلکہ اس کا مقصد حصولِ رضائے الہی، عشق

حبیب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، فہم دین حاصل کرنا، آخرت سنوارنا وغیرہ ہو۔

## مرید کیسا ہونا چاہئے؟

اس خادم نے ایک عرصہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں رہ کر اس ضمن میں جو ارشادات آپ سے سنے، انہیں یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

☆..... خدا و رسول کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنے شیخ کے ساتھ ہو۔

☆..... جب خود کو کسی پیر کامل کے پیر دکھ دیا تو اس کی پیروی اس طرح کرے جیسے مرہ

بدست زندہ کہ فرمایا گیا ہے: **الطَّالِبُ عِنْدَ الْمُرْشِدِ كَمَا لَعَيْتَ بَيْنَ يَدَيْ**

**الغَائِلِ** یعنی مرید اپنے پیر کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح مرہ غسل دینے

والے کے ہاتھ میں۔

☆..... اپنی تمام خواہشیں اور ارادے پیر کی خواہش و مرضی کے تابع کر دے کہ صوفیا

فرماتے ہیں: **الْمُرِيدُ لَا يُوَدِّعُ إِلَّا اللَّهَ** یعنی مرید وہ ہوتا ہے جس کے دل میں خدا

کے سوا کسی شے کی خواہش نہ ہو اور رب تک رسائی کے لیے پیر کی مرضی خود پر مسلط کرنا

ضروری ہے۔

☆..... اپنے شیخ کی محبت دیوانگی کی حد تک ہو کہ امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ

العزیز فرماتے ہیں:

’دریں راہ اندکے جنوں ہم در کار است‘

اس راہ (طریقت) میں تھوڑی سی دیوانگی بھی ضروری ہے۔

☆..... اپنے پیر ہی کو کامل وسیلہ سمجھے اور کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو۔ جیسا کہ منقول ہے

کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز اپنے مرشد برحق حضرت خواجہ امیر کلال قدس سرہ العزیز کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت خضر علیہ السلام ملے۔ انہوں نے محبت آمیز لہجے میں کئی مرتبہ پکارا، بہاؤ الدین کہاں جاتے ہو، ذرا ٹھہرو، میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ لیکن خواجہ شاہ نقشبند قدس سرہ العزیز نہ ٹھہرے اور اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ امیر کلال علیہ الرحمہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، بہاؤ الدین آج راستے میں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام ملے مگر تم نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا:

مضورا جسے آپ جیسا خضر (پیر کمال) مل چکا ہو اور جو آپ کے چہرہ پر انوار کی زیارت سے فیضیاب ہو چکا ہو اس کو کسی دوسرے خضر سے کیا کام۔

سبحان اللہ اس کا نام ہے ارادت (اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا آيَاتَهُ)

☆..... پیر اور مرید کا باہمی رشتہ خادم و مخدوم سا ہے اور حقیقت یہی ہے۔ کہ 'ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد' جو خادم بنتا ہے وہی مخدوم ہوتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر پر یا اس کے سائے پر پڑے۔ اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے۔ اس کے دُخو کی جگہ طہارت نہ کرے۔ اس کے برتنے کی اشیاء کو بغیر حکم استعمال نہ

کرے۔ اس کے سامنے کھائے پئے نہ اور نہ کسی اور سے کلام کرے۔ پشت بھی اس کی طرف نہ کرے۔

☆..... پیر کی عدم موجودگی میں جدھر وہ رہتا ہے ادھر نہ پاؤں دراز کرے نہ چھو کے۔

☆..... جو کچھ پیر سے صادر ہوا سے بہتر جانے اگرچہ بظاہر بہتر نہ ہو کیونکہ بغیر اذن الہی

وہ کچھ نہیں کرتا۔

☆..... پیر کے متعلق کسی قسم کا شبہ دل میں نہ لائے۔ شبہ آئے تو دریافت کرے۔ اگر پھر بھی نہ سمجھے تو اپنا قصور جانے۔

☆..... جہاں سے فیض ملے اس کو اپنے شیخ ہی کا فیضان سمجھے اور یقین جانے کہ میرے پیر کا لطیفہ دوسرے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

☆..... مرید آداب شیخ بجالانے میں کسر نہ چھوڑے تاہم باوجود کوشش کے کمی رہ جائے تو معاف ہے تاہم کوتاہی کا اعتراف ضرور ہو۔

☆..... پیر کامل کا کرتہ یونہی دیگر تبرکات مرید پائے تو بطور تبرک اپنے پاس رکھے۔ متعدد ثمرات پائے گا۔

☆..... اپنے مرشد کی اولاد اور رشتہ دار کی خدمت جہاں تک ممکن ہو کرے۔

☆..... مرشد سے چارچشم نہ ہو یعنی آنکھیں نہ ملائے۔

☆..... لباس فاخرہ پہن کر شیخ کے پاس جانا تکبر ہے۔

☆..... شیخ کے پاس جا کر مزید اور ادو وظائف میں مشغول ہونے سے خدمت کرنا بہتر ہے۔

☆..... مرشد کے پاس خالی ہاتھ جانا علامت محرومی ہے۔

☆..... پیر کی غیرت دل میں ہونا سعادت مندی کی دلیل ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ پیر کی محبت وغیرت نیز ادب و خدمت

کا جذبہ تمام مجاہدوں اور ریاضتوں کی جان ہے اور رضائے شیخ کے حصول کا ذریعہ ہے۔

ہمارے آقائے سمدوح حضور شہنشاہِ لائٹانی قدس سرہ العزیز کا یہ فرمان بھی سنایا کرتے تھے:



”سلسلہ نقشبندیہ میں چلہ کشی ضروری نہیں اور نہ ہی ہمارے شیخ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العالی) نے اس پر مکتوبات شریفہ میں زور دیا ہے۔ البتہ شیخ کو راضی کرنا ضروری ہے۔ اگر شیخ راضی ہو گیا تو آج واحد میں وہ مقامات اور درجات حاصل ہو جاتے ہیں جو مدت العمر تنہا چلہ کشیوں سے حاصل نہیں ہو سکتے۔“

یہاں ایک اور بات بھی بیان کر دینا انتہائی ضروری ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کامل ترین اولیاء کرام سے ظاہر ابیعت ہونے کے باوجود ان میں حسن اعتقاد اور صحیح رابطہ شیخ کا فقدان ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لب دریا پہنچ کر بھی دریا کو سراپ سمجھنے کی وجہ سے اپنی تشنگی دور نہیں کر پاتے۔ جو حسن اعتقاد اور رابطہ شیخ میں جس قدر اعلیٰ درجے پر فائز ہوا، روحانیت کے اسی قدر اعلیٰ منصب کو پا گیا۔

امام ربانی حضور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ العالی کا مبداء و معاد میں بیان کردہ واقعہ یہاں بیان کرنا محل ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں:

”ہم چار شخص اپنے خواجہ کی خدمت میں لوگوں کے نزدیک تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ حضرت خواجہ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ اور معاملہ جدا تھا، یہ فقیر یقینی طور پر جانتا تھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے بعد ایسی تربیت و ارشاد کبھی ظہور میں نہیں آیا اور اس نعمت کا شکر بجالاتا تھا کہ اگرچہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے شرف سے مشرف نہیں ہوا مگر اس صحبت کی سعادت

سے محروم نہیں رہا۔ حضرت خواجہ ان تینوں کا حال یوں بیان فرماتے تھے کہ فلاں مجھے صاحبِ محکمیل سمجھتا ہے لیکن صاحبِ ارشاد نہیں سمجھتا اور اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ محکمیل سے زیادہ ہے اور فلاں ہم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اور تیسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ وہ ہمارا انکار کرتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔“

معلوم ہوا، ایسے لوگ جن کا اعتقاد درست نہیں ہوتا اور تکبران کی سرشت سے جدا نہیں ہوتا، خواجہ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اتوی جیسے مردِ کامل کے حضور پہنچ کر بھی فیض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

بچائے گا تو ان کو نا خدا کیا غرق ہونے سے

کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

غرضیکہ، مریدِ صادق وہ ہے جو اپنے مرشدِ کامل کو نائبِ رسول سمجھ کر ہر دنیاوی رشتہ سے محبوب اور ہر متاع سے عزیز سمجھے۔ خود کو سراپاِ خطا اور ان کو سراپاِ خیر و خوبی جانے۔ حضور مفلکِ اسلام قدس سرہ اتوی نے ارادت کا حق کیسے ادا کیا اور بیعت کے لطیف و نازک تقاضوں کو کیسے سرانجام دیا، یہ ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔ تاہم چند جھلکیاں حاضر ہیں:

خدمتِ شیخ : بیعت ہونے کے بعد آپ نے خدمتِ شیخ میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور

اس سلسلے میں اپنے دنیاوی منصب کا بھی خیال نہ کیا۔ آپ کالجز میں گزہڈ پوسٹ (۱۷ تا ۱۹ ویں گریڈ) پر متمکن رہے۔ تاہم جب پیرخانے ہوتے تو محض ایک خادم کی حیثیت سے کام کرتے نظر آتے اور بظاہر معمولی سے معمولی کام کو بھی عبادت سمجھ کر سرانجام دیتے۔

ایک دورہ بھی تھا کہ سیالکوٹ کی توڑے فیصد محافل کے اشتہارات پہ آپ کا اسم شریف ہوتا اور بچہ بچہ آپ کے نام سے واقف تھا۔ تاہم جب وہاں کے ایک ایم این اے صاحب دربار شریف حاضر ہوئے اور آپ کو پتھروں سے لبالب ٹوکری سر پر اٹھائے بھاگ بھاگ کر کام کرتے دیکھا تو از حد حیران ہوئے۔ یہی نہیں اپنے پیر کی بھینسوں کے کوبر کی ٹوکریاں اٹھانے میں بھی عار نہیں تھا۔ یعنی دنیا جسے شہنشاہِ خطابت، عالمِ نبیل اور شیخِ طریقت کی حیثیت سے جانتی تھی دربار شریف میں ان کو کبھی بھینسوں کو نہلاتے، کبھی بوجھ اٹھاتے اور کبھی گندم کی کٹائی کرتے غرضیکہ ہمہ وقت خدمتِ شیخ میں مصروف عمل پاتی۔

**جذبہ تعمیل حکم شیخ:** اپنے شیخِ کریم کے احکامات کی متابعت زندگی کا نصب العین تھا۔ جو حکم ملتا ہر آنکھوں پہ رکھتے اور عمل درآمد کے لیے جی جان سے کوشش کرتے۔ آپ کے اس جذبے کے اظہار کے لیے یہاں صرف دو واقعات پیش خدمت ہیں:

ایک مرتبہ حضورِ نقشب لائٹانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، 'سیالکوٹ جاؤ'۔ آپ چل دیئے تو انہوں نے آواز دے کر بلا لیا اور فرمایا، 'اچھا شکر گڑھ جاؤ' آپ چل دیئے۔ پھر انہوں نے آپ کو آواز دی اور فرمایا، 'نہیں سیالکوٹ جاؤ'۔ اس طرح سات مرتبہ انہوں نے فرمایا۔ آپ ہر مرتبہ چل دیئے اور ایک مرتبہ بھی آپ نے نہیں پوچھا کہ کس مقصد کے لیے جانا ہے۔ یعنی تعمیل حکم کا جذبہ اس قدر تھا کہ جو حکم ملا، بجا آوری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اگر مقصد انہوں نے فرمایا تو ٹھیک ورنہ پوچھا تک نہیں۔

یونہی ایک مرتبہ حضورِ نقشب لائٹانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو آستانے پر ٹھہرا کر کہیں

تشریف لے گئے۔ شاید چند روز کا پروگرام تھا۔ تاہم انہیں وہاں ایک ماہ لگ گیا۔ جب واپس آئے تو حضور مفکر اسلام وہیں موجود تھے۔

شیخ سے طبعی ہم آہنگی: محبت اپنے کمال پر تب پہنچتی ہے، جب مرید اپنی پسند و ناپسند کی پسند و ناپسند کے تابع کر دے۔ اور اس کی طبیعت شیخ کے رنگ میں جذب ہو جائے۔ بقول ظفر:

محبت کا یہ مطلب ہے کہ میں نے

وہی چاہا جو کچھ تم نے چاہا

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے اس اصول محبت کو سمجھا اور خوب سمجھا۔ چنانچہ صورتحال یہ تھی کہ جن سے شیخ کو محبت تھی ان سے آپ کو محبت تھی، جن سے انہیں نفرت تھی ان سے آپ کو نفرت تھی۔ کھانے پینے میں جو انہیں مرغوب تھا وہی آپ کو بھی، تبلیغ کا جو انداز شیخ کا وہی آپ کا، دنیاوی حرص و ہوس سے جتنے بیگانہ وہ اتنے آپ بھی اور سادگی و فقر کی جو ادائیں ان کی وہی آپ کی تھی۔ آپ خود فرماتے تھے:

”میں کوئی کام شیخ کی مرضی کے خلاف کرتا ہی نہیں“

ادب شیخ: اس موضوع پر بیان کیا جائے تو مکمل کتاب بن جائے۔ تاہم یہاں محض اتنا کہنا کافی ہے کہ مرید کیسا ہونا چاہئے، کے ضمن میں جتنے آداب شیخ آپ نے تلقین فرمائے، آپ خود ان پر کمال درجہ عمل پیرا تھے۔ یہ بھی دیکھیں کہ آپ اپنے مرشد کے جانوروں کی جانب احترام اپشت نہیں کرتے تھے۔ یہ تو ان کے جانوروں کا ادب ہے، خود ان کے ادب کی صورتحال کیا ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب شیخ کے حوالے سے جو اطوار آپ کے تھے اور

جو تقاضے آپ نے پورے کیے، ہماری عقلیں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔

پیر خانے کی حاضری: پیر خانے کی حاضری کثرت کے ساتھ اور بالخصوص حضور  
نقشِ لائٹانی کے آخری دور حیات میں بلا ناغہ حاضری آپ کا معمول تھا۔ سیالکوٹ سے  
علی پور سید اہل شریف کا طویل سفر جبکہ سانس کی تکلیف بھی ہو، یقیناً دشوار تھا تاہم کسی  
طرح کا طبیعی یا موسمیاتی عذر کبھی آڑے نہ آنے دیتے۔ بلکہ فرماتے کہ پیر خانے آ کر  
میری طبیعت بحال ہو جاتی ہے۔ آپ کی حیاتِ مقدسہ کے آخری چند سال میں علالت  
شدت اختیار کر چکی تھی، کہیں آنا جانا تقریباً ختم تھا۔ پھر بھی دربار شریف کی حاضری میں  
کوئی فرق نہ آیا۔ پھر پیر خانے حاضر ہو کر فارغ بیٹھنا قطعاً کوارا نہیں تھا بلکہ کسی نہ کسی کام  
میں جت جاتے اور جن احباب کو ساتھ لے کر جاتے انہیں بھی تاکید تھی کہ فارغ نہیں  
رہنا کہ یہ بے ادبی ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ کوئی دربار شریف حاضری دے کر آیا ہے تو اس  
کے ہاتھ چومتے اور معانقہ کرتے۔ فرماتے اس کے جسم نے وہاں کی خاک کو چوما  
ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کے بلند مقامات کا سبب پیر خانے کی مسلسل حاضری اور  
ذوقِ خدمتِ وادب تھا۔

ذکرِ شیخ: اوپر مجددِ پاک کا ارشاد تحریر ہوا کہ:

’اس راہ میں چھوڑا سا جنون یا دیوانگی بھی ضروری ہے‘

آپ سے اس جنون کا بدرجہ کمال اظہار تب ہوتا جب آپ اپنے شیخ کا والہانہ  
انداز میں کثرت سے ذکر کرتے۔ یہاں تک کہ جو لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے  
والے تھے، حضور نقشِ لائٹانی قدس سرہ العوی سے ایک غائبانہ محبت والفت محسوس کرتے۔

بات کسی کی یا کسی موضوع پر بھی ہو رہی ہوتی کسی نہ کسی حوالے سے شیخ کا ذکر لے آتے اور فرماتے میرا ایمان سلامت ہے تو ان کی برکت سے، میں چلتا پھرتا ہوں تو ان کے دم قدم سے، میرے کام بنتے ہیں، بگڑی سنورتی ہے تو ان کے طفیل۔ ہر قسم کے مسائل کے لیے اکثر جو وظیفہ تلقین فرماتے، اس میں بھی اپنے پیر ہی سے امداد طلب کی گئی ہے یعنی ”یا قبلہ عالم حضور نقشب لانا نبی شیع اللہ“ اور فرماتے کہ میرا وظیفہ بھی یہی ہے۔ پھر نعتیں لکھتے تو بھی آخر میں خوبصورت انداز سے ان کا ذکر ضرور ہوتا۔ مثلاً:

لکھتا ہے اگر نعت شہنشاہ رسالت  
آسی یہ ترے مرشدِ کامل کی دعا ہے

نقشب لانا نبی نے بھیجا ہے ترے دربار میں  
کچھ سوا تیرے نہ آسی کی تمنا اور ہے

کاش دربار رسالت میں یوں آتا آسی  
نقشب لانا نبی کا ظاہر میں بھی سایہ ہوتا

یہ آسی زیر سایہ ہے شہنشاہِ علی پور کے  
کوئی اس بے سرو سامان کو جانے تو کیا جانے

ہجو م غم میں بھی آسی کو ہم نے مطمئن پایا

کہ اس کو شیخِ کامل کی دعاؤں پر بھروسا ہے

شیخ کی اولاد کا ادب: آپ کے شیخ کے دو عظیم البرکات صاحبزادے

تھے۔ دونوں طریقت و شریعت کے امام تھے۔ بڑے صاحبزادے تاجدارِ ولایت پیرسید  
عابد حسین شاہ صاحب تھے اور چھوٹے صاحبزادے یادگارِ اسلاف پیرسید اسمعیل شاہ  
صاحب (علیہ الرحمۃ) تھے۔ پھر اول الذکر کے تین صاحبزادے اور مؤخر الذکر کے چار  
صاحبزادے تھے۔ ان تمام صاحبزادگان کا آپ خوب ادب کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ  
پاؤں چومنا سعادت سمجھتے تھے۔ محافل میں اکثر بلا تے۔ ہر ممکن خدمت کرتے۔ رخصت  
کرتے وقت دور تک ہمراہ جاتے۔ انہیں اونچی جگہ پر بٹھاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔ ایامِ  
علاقت میں بھی ادبِ آداب کے ان قرینوں میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ یونہی پیر کے رشتہ  
دار خواہ قریب کے ہوں یا دور کے، یہی سلوک کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام آداب کی رعایت پر شیخ نے بھی آپ کو خوب  
نوازا۔ اور دنیا جان گئی کہ کسی مردِ کامل کے در کی گدائی بندے کو کہاں سے کہاں پہنچا  
دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## ’خلافت‘ و ’مظہریت‘:

دنیا نئے طریقے میں خلافت سے مراد وہ سندِ محکمیل ہے جو پورے کامل اپنے مرید صادق کو ایک مناسب مدت تک روحانی تربیت دینے کے بعد عطا فرماتا ہے۔ یہ سند اس بات کی غماز ہوتی ہے کہ طالب وہ تمام روحانی منازل طے کر چکا ہے جن کا طے کرنا ایک سالک کے لیے ضروری ہے۔ اور اب یہ آوروں کو منزل آشنا کرنے کی صلاحیت و ہمت رکھتا ہے۔

یہ سند محکمیل کیا ہے؟ ’روحانیت‘ کا کورس مکمل کرنے کا سرٹیفکیٹ، جو مدارس و مکاتب کی اسناد سے بدرجہا برتر بھی ہے، ذُشوارتر بھی۔ کیوں؟ اس لیے کہ دیگر سندات ’قال‘ کی ہیں تو یہ ’حال‘ کی۔۔۔ ان کا تعلق ’گفتار‘ کے ساتھ ہے تو اس کا ’کردار‘ کے ساتھ۔۔۔ باقی ’مخبر‘ کی ہیں تو یہ ’نظر‘ کی۔۔۔ باقی ’ظاہر‘ سے متعلق ہیں تو یہ ’باطن‘ سے۔۔۔ تو اب یوں سمجھ لیں کہ جو فرق قال و حال، گفتار و کردار، خبر و نظر اور ظاہر و باطن میں ہے، وہی ’ظاہری‘ اور ’باطنی‘ سند میں ہے۔ میرے شیخ کریم علیا ازہم خود فرماتے ہیں:

”بندۂ کامل جب کسی کو خلافت کا اہل قرار دیتا ہے تو اس کے اندر جھانکتا ہے، اس کے دل و دماغ کے بعید ترین گوشوں کا جائزہ لیتا ہے، اس کی باطنی صلاحیتوں کے امکانات کو جانچتا ہے اور قلب و نظر کی وسعتوں کو پرکھتا ہے۔ پھر جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ربط و ضبط کی ہم آہنگی، ذوق و شوق کی بلندی اور ذکر و فکر کی چاشنی سے طالب کا باطن نفسانی آلائشوں سے پاک ہو گیا ہے، اس کی نگاہ دور رس سے غفلت کے حجابات اٹھ گئے ہیں، اس کا دل دوسرے انسانوں کی قلبی ظلمات بھی دور کر سکتا ہے، اس کے سینے کا



سوز بہت سے سینوں کی کدورتیں بھی جلا سکتا ہے تو اُسے اصلاحِ ملت کا عظیم فریضہ سونپ دیتا ہے۔ یہ ہے وہ مصیبتِ خلافت جس پر مردانِ کامل اپنے مکتب سے 'فارغ' تحصیل ہونے والوں کو فائز کرتے ہیں۔ مگر یہ

'سندِ فراغت'، 'آزادی' کی بجائے مزید پابندیاں عائد کر دیتی ہے۔ خلیفہ اپنے 'شیخ' کا نائب ہوتا ہے اور اُسے سارا کام اپنے شیخ ہی کے زیرِ سایہ انجام دینا پڑتا ہے:

مکتبِ عشق کا دستور زالا دیکھا

اس کو تھنسی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اللہ اللہ! اس درجہ تک تکمیل تک پہنچنے کے لیے کتنی دشوار گزار گھائیوں کو عبور کرنا ضروری ہے۔۔۔ دل کی 'آبادی' کے لیے اسے کتنی 'دیرانیوں' کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔۔۔ اور حیاتِ جاواں حاصل کرنے کے لیے کتنی ہی بار 'موت' میں سے گذرنا ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ کمال کا معیار سب کے ہاں یکساں نہیں ہوتا۔ جس شیخ کا مقام جتنا بلند ہوگا، اتنا ہی اس کا معیار سخت ہوگا۔ پھر ایک طالب کے لیے بھی ایک معیار کام نہیں دیتا۔ مثلاً شیخ خود جس سے زیادہ کام لینا چاہے، اس کی تربیت پر زیادہ زور دے گا اور جس کے سپرد زیادہ کام نہ ہوگا، اس کی تربیت اس کے حسبِ حال ہوگی۔"

اس قدر تمہید کے بعد اندازہ لگائیے، ان خوش بخت افراد کی بلند نصیبی کا جنہیں غوثِ الاغیاء، قطبِ الاقطاب، قدوة العارفين، زبدة الواصلين، اُسوة الکاملين، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت پیر سید علی حسین شاہ صاحبِ نقوش لائٹانی قدس سرہ العزیز جیسی شخصیت نے اپنی خلافت سے نوازا۔ اہلِ طریقت کے ہاں یہ بات شہرت کا دوجہ رکھتی ہے کہ حضور نقوش لائٹانی علیہ الرحمہ کی جس پر محض نظر ہی پڑ گئی، اسے بدل کر رکھ دیا۔

آناذکھ چشم مست بصد حیلہ دا کنند

سگ را ولی کنند، مگس را ہما کنند

(وہ جو مست آنکھ سے سو حیلے کرتے ہیں، کتے (گنہگار) کو دلی اور

مکھی کو ہمارا دیتے ہیں)

ہمارے شیخ گرامی کے بشرے سے نور ولایت بچپن سے نمایاں تھا۔ اہل نظر

آثار ولایت پیدائش ہی سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ جس کی ابتدا یہ ہو، اس کی انتہا کا کیا

عالم ہوگا۔ چنانچہ محض بارہ سال کی عمر میں آتش عشق لے کر شیخ کی بارگاہ میں آئے اور شیخ

کریم نے روحانی فرزندگی میں لیا تو قلیل سی مدت میں نور، علی نور کر دیا۔ اور حقیقت یہ

ہے کہ آپ 'مرید' ہی نہیں 'مراد' بھی تھے۔ چنانچہ اوروں نے جو مقامات سالہا سال کی

ریاضت سے حاصل کیے، آپ دنوں اور لحوں میں حاصل کرتے گئے۔ پھر دو اکتوبر

۱۹۸۶ء کو سالانہ عرس مبارک کی تقریب میں شیخ کریم نے سب سے پہلے آپ کو دستار

خلافت عطا فرمائی۔ اور تمام سلاسل میں بیعت لینے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ یوں

آپ اپنے شیخ کے خلیفہ اعظم کہلائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں خود کو اس اعزاز کے

لائق نہ سمجھتے ہوئے دل سے یہ چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جاؤں لیکن ادب اور تعمیل حکم شیخ

مانع تھے۔ اور سچ پوچھئے تو اہل ولایت کے نزدیک حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ کا معاملہ اس

اجازت و خلافت سے بھی بلند تر تھا۔ شیخ کامل اپنے اس 'طالب صادق' کو اپنی ذات

وصفات کا مکمل 'آئینہ' اور اپنی خصوصی توجہ کا 'عظیم شاہکار' بنانا چاہتے تھے۔ یہ 'منظر بیت'

کا وہ مقام ہے جس میں مرید کی ادا ادا سے شیخ کی تجلیات نظر آتی ہیں۔ یہاں 'دوئی' ختم

ہو جاتی ہے اور 'من شو شد من شو من ہمدی' کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ وہ منزل ہے

جس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں اور سمجھنے سے عقل عاجز:

سِرُّ مَسْتَانٍ مَنْطِقُ الطَّيْرِ اسْتِ ، جَلْمَى لَبٍ بَبْنَد

جز یہ مستان کس نشاید فہمدا این اسرار را

قیومِ زمانی حضورِ نقشبندی لائانی علیہ الرحمہ کے صاحبِ رابطہ درویش جناب ڈاکٹر

محمد یلین صاحب نے ایک مرتبہ یہ بات بتائی:

”میں حضور مقلدِ اسلامِ قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ آرام فرما رہے

تھے۔ میں جاگتی آنکھوں سے کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا جسم مبارک حضورِ نقشبندی لائانی علیہ الرحمہ

کے سراپا میں ڈھل گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد پھر آپ کا جسم مبارک وہاں موجود تھا۔“

فرماتے ہیں کہ گویا مجھے دکھایا گیا کہ آپ فنا فی السبغ ہیں۔ جناب حاجی

عبدالرزاق صاحب (خلیفہ مجاز پیر سید عابد حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ، منظور نظر حضور

نقشبندی لائانی علیہ الرحمہ اور حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کے عزیزِ خاص) بیان کرتے ہیں کہ

جب حضورِ نقشبندی لائانی علیہ الرحمہ کا وصال شریف ہوا تو چہلم شریف کے بعد تک میں گولگو

کی کیفیت میں تھا کہ کدھر جاؤں۔ تب ایک رات مجھے دکھایا گیا کہ وہ کمرہ جہاں حضور

نقشبندی لائانی علیہ الرحمہ آرام فرمایا کرتے تھے، اس میں انہی کی چارپائی پر سفید چادر تانے

کوئی شخصیت آرام فرما ہے۔ میں نے یہ گمان کر کے کہ حضورِ نقشبندی لائانی علیہ الرحمہ

ہیں ہنرموسی کی۔ انہوں نے چہرہ مبارک سے چادر سرکائی تو وہ حضور مقلدِ اسلام علیہ

الرحمہ تھے۔ قبلہ حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے سمجھ آئی کہ میری تربیت

اب کس کے ذمہ ہے۔

جناب محمد طارق صاحب (ہرناہ - سیالکوٹ) جو آپ کے مخلص مرید تھے

اور اپنے علاقے کے ایم پی اے بھی فرماتے ہیں کہ ان کی خواب میں حضور نقشب لائٹانی علیہ  
الرحمہ تشریف لائے اور فرمایا کہ آؤ تمہیں بیعت کروں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں تو  
جناب آسی صاحب کی بیعت کر چکا ہوں۔ فرمایا، اسی لیے تو تمہیں بیعت کرنا ہے کہ آسی  
صاحب کی بیعت کر چکے ہو۔ جس نے ان سے بیعت کی اس نے میری ہی بیعت کی۔“  
فرمائیے! جن کی بیعت کو شیخ اپنی بیعت قرار دے، کیوں نہ وہ مرید صادق ہی نہیں مراد  
محبوب بھی ہوگا۔ اور شیخ بھی وہ جو اپنے دور میں لائٹانی کا نقشب لائٹانی ہو۔

جناب ڈاکٹر محمد یاسر یونس صاحب (کالا چچی۔ شکر گڑھ) ادا ایل عمری ہی  
میں حضور کے دامان کرم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ پھر حضور نے بہت شفقت فرمائی اور  
’دل کی کھڑکی‘ کھولی۔ ان دنوں حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ کے مزار پر مراقب ہوتے تو  
خاصا کرم ہوتا۔ اسی کے پیش نظر ان سے یہ خادم عرض کرنا کہ حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ کی  
زیارت کرنا چاہتا ہوں، عرض کرو۔ وہ عرض کر دیتے۔ جب دوسری یا تیسری مرتبہ یہی کہا  
اور ڈاکٹر صاحب نے مزار شریف پر دوران مراقبہ عرض کیا تو حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ  
نے ذرا جلالی انداز میں فرمایا، ”اؤ ہوں دس دے ناں کہ رات دن میری زیارت نہیں  
کر دے؟ ہو رکدی کر دے او۔“ (یعنی ان کی زیارت میری ہی زیارت ہے۔ سبحان  
اللہ) (یہ ۱۶ مارچ ۲۰۰۱ء کی بات ہے)

حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ کے ایک مرید صادق اور ان کے فیض کی منہ بولتی  
تصویر صوفی با صفا جناب پیر شمس الدین نقشبندی صاحب (لاہور) ایک عظیم الشان اور  
مخیر العقول واقعہ سناتے ہیں جو ان سے انہی کے ایک معتمد پیر بھائی نے بیان کیا کہ میں  
نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ کامل کے مزار پر

انوار پہ جا کے قدموں کی طرف بوسہ دیا تو آپ کا سر اقدس نظر نہ آیا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ سر اقدس تو قبر کے اندر چلا گیا تھا۔ یعنی آپ نے حقیقتاً سر مبارک اندر لے جا کر اپنے شیخ کے قدموں کو چوما۔ (سبحان اللہ)

یہ اور اس قسم کے صحیحہ واقعات حضور کے فنا فی الشیخ ہونے کی دلیل ہیں۔ یونہی آپ فنا فی الرسول بھی تھے کہ دیگر شواہد کے علاوہ ایک مصدقہ روایت کے مطابق آپ کے شیخ ذی وقار نے خود ایک مرتبہ فرمایا تھا:

”ہم انہیں نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر چکے ہیں۔“

صوفی محمد اقبال صاحب (چینر مین بزم نعت کونسل سیالکوٹ) نہایت معنی اور درویش صفت انسان ہیں۔ یہ مدینہ شریف کی حاضری کے لیے گئے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے تو دیگر معروضات کے علاوہ یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آسی صاحب کا سلام بھی قبول فرمائیے۔ تب روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آواز آئی، جسے میں نے واضح طور پر سنا کہ ”وہ تو یہیں پر ہیں۔“

معلوم ہوا آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے حضوری ہیں۔ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کا حضوری وہی ہو سکتا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں خود کو فنا کر دیا ہو۔

(۱)۔ ایک اہم بات: حضور قبلہ عالم کا اپنا فرمان ہے: ”جو ذاتی الشیخ ہو وہ ذاتی الرسول بھی ہوتا ہے، ذاتی اللہ ذاتی باللہ بھی۔“ کیونکہ جب شیخ ذاتی الرسول، ذاتی اللہ اور ذاتی باللہ کی منزلوں پر فائز تو جسے اس نے منن ٹوشوم ٹومن حمدیٰ کے مصداق کر دیا ہو، اسے بھی یہ منازل ملے کر دیتا ہے۔ قائم کے نزدیک ذاتی الشیخ کے بھی درجے ہیں۔ ہمارے حضور اس مقام کے اس انتہائی درجے پر ممکن تھے جس سے پھر ذاتی کے مقامات جدا نہیں رہ سکتے تھے۔ اور ذاتی الشیخ ہونے کے بعد ان درجات و منازل سے محرومی محال تھی۔

شیخ کریم کی محبت آپ کے لوں لوں میں رچ بس چکی تھی لیکن نبی پاک صاحب لولاک سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق جنون و دیوانگی کی حد تک تھا۔ اس 'محبت و عشق' میں خوبصورت توازن کی ایک جھلک دیکھیے:

موضع خانووال / پنڈوری میں ایک محفل میں جبکہ حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر صاحبزادہ پیر سید عابد حسین شاہ علیہ الرحمہ موجود تھے، ہمارے حضور نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”پیر کی محبت ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے، تاہم نبی پاک سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و عشق اس سے بھی بڑھ کر لازم ہے۔ (پھر بڑے جوش کے ساتھ فرمانے لگے) میں اپنے پیر (زادے) کے سامنے یہ بات کہتا ہوں اور اس یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ انہی کی تربیت کا فیض ہے اور وہ یقیناً خوش ہوں گے کہ مجھے اپنے اس پیر (صاحبزادہ صاحب) سے از حد محبت ہے، لیکن نبی پاک سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان سے بھی زیادہ ہے اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی پیر کی محبت حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر غالب ہو) تو خدا کرے مجھے مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو۔“ (تلمیح)

## تبلیغ دین اور اشاعتِ طریقہ:

’خلافت‘ کا اصل مقصود تبلیغ دین ہے۔ بظاہر تبلیغ کے لیے تحصیل علم اور زورِ خطابت یا ’زورِ قلم‘ کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں اور یوں ’خلافت و اجازت‘ کا یہ سلسلہ چنداں اہم محسوس نہیں ہوتا، مگر اہل طریقت کے ہاں یہی سب سے اہم چیز ہے۔ علمائے کرم اور صوفیائے عظام کے انداز تبلیغ میں خاص فرق ہے۔ اول الذکر اہل ظاہر کا گروہ

ہے اور ان کی تبلیغ بھی ظاہر سے شروع ہوتی ہے۔ دوسرا گروہ 'اہل باطن' کا ہے اور ان کی تبلیغ 'باطن' سے ظاہر کی طرف آتی ہے۔ 'باطن' والے انسان کے اندر انقلاب لا کر اس کے جذبات و خیالات کی مکمل 'تطہیر' کا بندوبست پہلے کرتے ہیں پھر اسے 'تبلیغ' پر روانہ کرتے ہیں۔ قرآن بھی کردار کی تبلیغ کو مبلغ کیلئے شرط اذلیس کا درجہ دیتا ہے، فرمایا:

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ

أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ (القف۔ پ ۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔ کیسی ناپسند ہے اللہ کو یہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔

دور حاضر میں عموماً تبلیغ کے بے اثر ہونے کا رونا رویا جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اب یہ کام اکثر اللہ سے نہیں 'متخواہ' سے متعلق سمجھا جانے لگا ہے اور جسم و جاں پر 'خوف حق' کے بجائے 'خوف غیر حق' مسلط ہو گیا ہے۔ جبکہ اس منصب کے زیادہ اہل وہ ہیں جو اللہ اکبر سے لو لگا کر تمام عارضی قوتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور شہنشاہِ حقیقی کے فقیر بن کر دار و درجہ کے جاہ و مال کو بیچ سمجھتے ہیں۔

المختصر! تبلیغ کے لیے حق کوئی کی ضرورت ہے اور اس کی بنیاد ہے تعمیر و تطہیر کردار۔ اولیائے کرام، خلافت یا اجازتِ تبلیغ اسی کو دیتے ہیں جس کے کردار کی اصلاح و تکمیل ہو جائے۔ مگر تبلیغ کے لیے حق کوئی کے علاوہ 'حکمت' بھی ضروری ہے، قرآن فرماتا ہے:

أذْعِ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. (امل)

یعنی اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ کی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔

حکمت اور موعظۃ الحسنیہ سے کیا مراد ہے؟ حضور مقرر اسلام علیہ الرحمہ اس کی تشریح میں فرماتے تھے کہ میرے نزدیک حکمت یہ ہے کہ ماحول کا خوب جائزہ لے کر حسن تدبیر کے ساتھ تبلیغ کی راہ متعین کی جائے اور اچھی نصیحت (موعظۃ الحسنیہ) سے مراد ایک مناسب طرز گفتگو ہے۔ بقول اقبال:

نغمہ بلند ، سخن دلنواز ، جاں پُرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کاررواں کے لیے

بعض حضرات عمل و تقویٰ کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ طبعاً درشت ہوتے ہیں ، حق کوئی کا جوش انہیں لوگوں کی پردہ دری پر اُکساتا ہے۔ چنانچہ ایسے مبلغ کا طرزِ بیاں بہت سے فتنوں کا موجب اور تعمیر کے بجائے تخریب کا پیش خیمہ بن جاتا ہے:

کوئی کاررواں سے ٹوٹا ، کوئی بدگماں حرم سے

کہ امیرِ کاررواں میں نہیں خوائے دلنوازی

اصل بات یہ ہے کہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کو 'رحمت' کی بجائے 'رحمت' کا

پیغام ہونا چاہیے۔ انہیں گالیاں سن کر دعائیں دینے اور پتھر کھا کر پھول برسانے کی سنت پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہونا چاہیے۔

اولیاءِ کرام نے کس طرح تبلیغ کی؟ ہر حالت میں کلمہ حق کہہ کر..... بھوکوں

کو کھانا کھلا کر..... بیماروں کو شفا یاب کر کے..... اہل حاجات کی حاجات پوری

کر کے..... غریب و مساکین کی معاونت کر کے۔



ہمارے حضور قبلاً عالم علیہ الرحمہ کا انداز تبلیغ بھی یہی تھا۔ میخو آتے رہے  
..... جامِ معرفت کے نشے چڑھتے رہے ..... زنگ اترتے رہے ..... بگڑے  
سنورتے رہے ..... مسجدیں بن رہی ہیں ..... مدرسے تعمیر ہو رہے ہیں ..... علم پھیل  
رہا ہے ..... فیض لٹ رہا ہے ..... بیماروں کا علاج کیا جا رہا ہے ..... حاجتمندوں کی  
حاجتیں پوری ہو رہی ہیں ..... بیواؤں کی مدد کی جا رہی ہے ..... غریبوں میں رشتہ  
داریاں قائم ہو رہی ہیں ..... یتیم پالے جا رہے ہیں ..... لنگر جاری ہے ..... تعویذ  
دیئے جا رہے ہیں ..... نامراد با مراد ہو کے جا رہے ہیں ..... پریشان حال لوگوں کی  
پریشانیاں دور کی جا رہی ہیں ..... یہ ہے تبلیغ کا وہ اسلوب جو طریقت کا نچوڑ ہے۔  
بقول شیخ سعدی:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

بہ تسبیح و سجّادہ و دلق نیست

حضور خلقِ خدا کو راہِ حق کی طرف بلانے کے جذبے سے سرشار تھے اور دنیا کی  
کوئی مصلحت یا حالات کی کوئی تبدیلی آپ کے جوشِ تبلیغ میں حائل نہ ہو سکی۔ اور جوانی  
سے پیری تک تمام تر توانائیاں تو حید کے انوار پھیلائے اور آوارگانِ کوئے ضلالت کو نور  
ہدایت سے متاثر کرنے میں صرف کر دیں۔ غلبہٴ دینِ حق کی بحالی، احیائے دین، تحفظ  
عقیدہٴ ختم نبوت اور نو جوانانِ ملک و ملت کی اصلاح کردار کے لیے آپ نے ایک عظیم

۱۔ سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعا کی ہیں

سلام اس پر کہ جس نے فوں کے پیاسوں کو قابو کیا ہیں

کس قدر نرم ایسے پتھر کا جواب

۲۔ ہیں دعا کی سنگِ دشمن کے عوض

تنظیمِ شیرانِ اسلام قائم کی جبکہ علمی و فکری جہاد کے لیے ماہنامہ 'الحقیقہ' کا اجراء فرمایا۔ جنہوں نے قلیل سے وقت میں عظیم الشان تبلیغی کارنامے سرانجام دیئے (تفصیل ایک علیحدہ عنوان کے تحت آگے آئے گی)۔

آپ کلمہ حق کہنے میں نہایت پیکار تھے۔ اس کا ثبوت وہ ادارے ہیں جو آپ نے "مجلتہ الحقیقہ" میں لکھے۔ سیاسی حکمرانوں اور چند نام نہاد مذہبی لیڈروں کے غلط کاموں پر ان کی سخت سرزنش کی۔ لوگوں نے کہا آپ زیرِ عتاب آسکتے ہیں، ڈرایا دھمکایا گیا، حملوں کی منصوبہ بندی بھی ہوئی لیکن اس مرتقلہ کا ایمان افروز جواب یہ تھا:

"میری زندگی کے جو چند دن رہ گئے ہیں، (یہ بھی) رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی عزت و ناموس کے لیے وقف کر چکا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو ذبح کیا جا رہا ہو اور میں بے غیرت بنا دیکھتا رہوں، ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔"

ایک مرتبہ آپ کے پیرزادے پیر سید عابد حسین شاہ صاحب (لالہ جی علیہ الرحمہ) سے لوگوں نے شکایت کی کہ جناب یہ وزیرِ اعظم کے خلاف (اس کی غلط حرکات پر) بہت سخت بولتے ہیں۔ لالہ جی علیہ الرحمہ نے فرمایا، "وہ مست (اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں غم) ہیں، کسی سے نہیں ڈرتے"۔ اور ڈرتے بھی کیوں؟ ان کا تعلق اس ولی کامل کے ساتھ تھا جنہوں نے غیر خدا کا ڈر دل سے بالکل ختم فرما دیا تھا۔ اور لفظ 'مست' سے بھی لالہ جی علیہ الرحمہ کی مراد یہی تھی، یعنی باطل سے بے خوف ہو کر اپنی دھن میں لگن (جو کہ خوفِ خدا اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا لازمی نتیجہ ہے)۔

فخر العلماء حضرت ابو داؤد محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پیرانہ سالی

میں آپ کے جہادِ باقلم کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

”مولانا موصوف (حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ) کی علمی و روحانی طاقت کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ بظاہر اتنی کمزوری و ضعفی اور بیماری کے باوجود وہ رسالہ لکھتے وقت بالکل جوان نظر آتے ہیں۔ ماشاء اللہ نظم و نثر میں اسے طویل مضامین لکھتے ہیں اور علمی و تاریخی دلائل و حوالہ جات کا ذخیرہ پیش کرتے ہوئے انہیں کوئی تھکن، رکاوٹ اور بیماری و کمزوری سدّ راہ نہیں ہوتی۔ بلاشبہ یہ ان کی روحانیت و کرامت ہے۔“

حضور کا یہ اعلائے کلمۃ الحق کا جذبہ آپ کی حیاتِ مقدّمہ کے دورِ آخر ہی کا عنوانِ جلی نہیں بلکہ غنّوانِ شباب ہی سے حق کی سر بلندی کا جنونِ غالب تھا جبکہ دشمنانِ دین و ملت کے لیے یہ سب بارگراں تھا۔ چنانچہ بارہا ان کے انتقام کی زد میں آئے۔ مثلاً ۱۹۷۵ء میں شکر گڑھ میں ایک رافضی مجسٹریٹ متعین تھا۔ اسے آپ سے خدا واسطے کاہر تھا۔ بظاہر وہ یہ تھی کہ آپ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر اپنے مذہب کے مطابق کرتے تھے اور اسے یہ برداشت نہیں تھا۔ سوشلسٹ حضرات بھی اس کے اتحادی تھے۔ ان سب نے آپ کو تنگ کرنے کی ٹھان لی۔ آپ نے رمضان المبارک کے ایک خطبہ جمعہ میں تقویٰ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”قرآن حکیم نے مسلمانوں کو عدل و انصاف کی عظمت بھی ہو  
أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (یعنی عدل و انصاف سے زیادہ قریب ہے۔ سورہ  
مائدہ) کے الفاظ سے بیان فرمائی ہے اور حکم یہ ہے کہ کسی قوم کی

دشمنی تمہیں ہرگز بے انصافی کا مجرم نہ بنا دے۔ آج ہم عدل و انصاف کی بجائے برادری، پیشہ یا کوئی اور ایسا تعلق ملحوظ رکھتے ہیں۔ کوئی راجپوت برا کرے تو راجپوت اس کا ساتھ دیں گے، کوجر گناہ کرے تو باقی کوجر اس کی حمایت کریں گے، استاد غلطی پر ہو تو اساتذہ اسے ٹوکنے کی بجائے اس کے ہموا بن جائیں گے اور وکیل غلط کرے تو دکلا اس کی وکالت کریں گے۔ یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔“

مقدمہ بنانے والوں نے یہ گھڑ لیا کہ سب حج حرام کھاتے ہیں اور سب وکیل جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی منصوبہ بنایا کہ عین خطاب جمعہ کے وقت پیشی کے لیے دستخط کرائے جائیں۔ تاکہ غصے میں آکر آپ سخت الفاظ کہیں جو قانون کی زد میں آتے ہوں اور پھر نیا مقدمہ بنایا جائے۔ لیکن ہوا یوں کہ حضور نقشب لانا ثانی علیہ الرحمہ نے کسی کام کے لیے آپ کو لاہور بھیج دیا جبکہ خطبہ جمعہ کے لیے انہوں نے اپنے ایک اور مرید ڈاکٹر محمد ادریس اللہ بھٹی کی ڈیوٹی لگا دی۔ اس طرح پہلی سازش تو یوں ناکام ہوئی۔ دو تین دن کے بعد آپ کی واپسی ہوئی تو صورتحال سے آگاہی ہوئی۔ شیخ کریم علیہ الرحمہ سے دعا کرائی۔ ارشاد ہوا، انشاء اللہ ٹھیک ہوگا۔ اپنے دعویٰ میں مخالفین نے آپ کے خطاب جمعہ کی جو تاریخ لکھی تھی، غلط تھی۔ مجسٹریٹ نے اپنے انصاف کا ڈھونگ رچاتے ہوئے اس مقدمے کو خارج کر دیا۔ اب آپس کے صلاح مشورے سے انہوں نے دوہرا اور دوسرا مقدمہ تیار کیا۔ یعنی ایک اسی مجسٹریٹ کے پاس اور ایک حج صاحب کے ہاں۔ انہوں نے تو پہلی تاریخ پر ہی خارج کر دیا، مجسٹریٹ چونکہ بدلہ لینا چاہتا تھا اس لیے اس

نے مقدمہ جاری رکھا۔ مقدمہ دائر کرنے والا بھی وکیل تھا اور اس کا حمایتی ایک اور وکیل تھا۔ دوسرے وکیل کے کاغذات جعلی ثابت ہوئے اور اس کی وکالت خلاف قانون قرار دی گئی۔ (پھر دوبارہ دو تین سال کے بعد وہ کہیں امتحان پاس کر کے کوئی چھوٹا موٹا نارنی بنا) کچھ عرصہ بعد مجسٹریٹ کے بھی بعض اختیارات سلب کر لیے گئے۔

قابل ذکر بات یہی ہے کہ ایک شخص جو چند سال سے بے خوف و خطر وکیل بنا ہوا ہے اور اس کے وہم و گمان میں بھی پکڑے جانے کا خدشہ نہیں تھا، آخر چاک ایسا کیوں ہوا، خواجہ حافظ شیرازہؒ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بس تجربہ کرویم دریں دیر مکافات

با در وکشاں ہر کہ در افتاد، بر افتاد

ترجمہ: انہی دنوں آپ سکول سے کالج پہنچ گئے۔ ایک ہی وقت یہ ترقی اور وہ تنزل سامان حیرت ہے۔ چوہدری سکندر حیات پروفیسر ٹریننگ کالج لاہور کہا کرتے تھے کہ یہ Promotion (ترقی) اور Demotion (تنزل) کتنی عجیب ہے۔

عمر عزیز کے آخری چند سال بوجہ علالت کہیں آنا جانا اگرچہ محدود تھا، تاہم پھر بھی آستانہ عالیہ سے نکل کر ایسی جگہ ضرور تشریف لے جاتے جہاں آپ محسوس کرتے کہ میرے جانے سے لوگوں کے ایمان بچیں گے۔ ان کے عقیدوں میں پختگی آئے گی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس سفر کے باعث کئی روز آپ کی طبیعت مبارکہ بنا ساز رہتی۔ ڈاکٹر زچہ انھتے کہ حضور آرام فرمائیں وگرنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ کا جواب ہوتا:

رسول اللہ ﷺ توں صدقے جان میری

ایہہ فانی زندگی قربان میری  
حضور کے ان تبلیغی دوروں کے اثرات آج تک نمایاں طور پر نظر آتے ہیں  
۔ جن دیہات میں حضور کا پھیرا تھا، آج بھی وہاں وہ لوگ نظر آتے ہیں جن پر شریعت  
حقہ کا گہرا رنگ چھایا ہوا ہے۔ گویا

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

آپ کا کلام دلنشین اور خطاب دلنواز ہوتا تھا۔ علمی و فکری مشکلات میں اُبھے  
ہوئے ذہن آپ کو دیکھ کر پکارا اُٹھتے تھے:

اے لقاے تو جواب ہر سوال

مُشکل از تو حل شود بے قیل و قال

اور اگر کوئی بات آپ سے سن پاتے تو گویا عین الیقین کی سی کیفیت ہوتی۔

حضور قبلہ عالم قدس سرہ کی صحبت بابرکت کا شرف پانے والے سیدھے سادے  
لوگ بھی بعض دفعہ ایسی ایسی دقیق باتیں کرتے ہیں کہ علماء و فضلاء تک انگشت بدنداں  
ہو جاتے ہیں۔ مثلاً محمد سرور صاحب (موضع کسراج) شعبہ ٹرانسپوٹ سے منسلک سخت  
دنیا دار اور سفید آن پڑھ آدمی تھے۔ حضور کی غلامی میں آنے کے بعد چہرہ سُنَّتِ مصطفیٰ علیہ  
اتقیہ والہاء سے بھی روشن ہو گیا اور نماز پنجگانہ ہی نہیں تہجد کے بھی پابند ہو گئے۔ نیز زہد و  
تقویٰ یہاں تک بڑھا کہ سخت گرمیوں میں بھی روزے رکھتے۔ اپنے شیخ کی غلامی و  
صحبت کی بدولت ایسا خدا کا کرم تھا کہ اپنے سیدھے سادے انداز میں اختلافی مسائل پر  
گفتگو کرتے تو اچھے خاصے پڑھے لکھے اور مولوی حضرات متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا

یہ سپاہ کی تیغ بازی، وہ ننگہ کی تیغ بازی

المختصر! حضور کی خدمت اقدس میں کثرت سے حاضری دینے والے اور مستقل رہنے والے درویشوں کی یہ صورتحال تھی کہ آپ کے طرز عمل اور تعلیم سے شریعتِ مطہرہ سے خاصی واقفیت حاصل کر لیتے اور عام مولویوں سے زیادہ فہم دین رکھتے اور مسائلِ شریعہ سے آگاہ ہوتے تھے۔

اس مستی نگاہ سے مخمور ہونے والے ایک دو نہیں، ہزاروں کی تعداد میں ہیں کوئی کس کس کا نام گنوائے اور صحیحہ دایسے بھی ہیں جن کا اس خادمِ بارگاہ کو علم نہیں، بہر حال ان سب نے اپنے اپنے حلقے کے اندر قابلِ تحسین دینی کاوشیں کیں اور لاتعداد کو ایمان و یقین سے وابستہ کیا۔

سیدی و مرشدی حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ تبلیغ کے معاملے میں شہر ہوں یا دیہات، ملک کے طول و عرض کو یکساں فیضیاب کرتے رہے بلکہ بیرون ملک بھی آپ کے فیض کی کرنیں پہنچیں۔ مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی مختصر حاضری کے دوران عظیم الشان تبلیغی فتوحات میسر آئیں۔ اسی طرح امریکہ، سپین، ڈنمارک، جرمنی، انڈیا، برطانیہ، لیبیا، تاجکستان، ترکی اور متحدہ دیگر ممالک میں آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ اور مریدین نے بہتیرے دینی کارنامے سرانجام دیئے۔

حضور علیہ الرحمہ کی تبلیغ کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ حاضرِ بارگاہ ہونے والے کو اس کی ضرورت کے مطابق خود کوئی کتاب عطا فرمادیتے۔ بعض دفعہ لینے والے خود بھی اس کی ضرورت و حکمت سے پوری طرح آگاہ نہ ہوتے۔

مثلاً ایک مرتبہ اس عاجز کو جبکہ یہ طالب علم تھا اور چند روز ہوئے حاضری کا آغاز ہوا تھا حضور نے دوسروں پر یہ عطا فرمایا اور حکم دیا کہ لائٹانی بک سنٹر شکر گڑھ پہ جا کر جآء الحق، لے کر مطالعہ کرو۔ کتاب تو کوئی بھی لی جاسکتی تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ اسی کا حکم قدرے تعجب کا موجب تھا۔ بعد میں یہ صورت بنی کہ کثرت کے ساتھ غیر مقلدین و دیوبند حضرات سے نوک جھونک شروع ہو گئی۔ تب یہی کتاب اور اس طرز کی دیگر عطا کردہ کتب ہی نے ہر موقعہ پر ان کو شرمسار کرنے میں مدد دی۔ اور ایک مخصوص کتب کے مطالعے کی حکمت واضح ہو گئی۔ یونہی وقتاً فوقتاً مریدین و متوسلین میں ان کے حسب حال کتب کی تقسیم کا سلسلہ جاری رہتا۔

یہ بات پہلے بھی بیان کر دی گئی ہے کہ حضور قبلہ عالم قدس سرہ کو اپنے مرہد ذی وقار حضور نقشب لائٹانی علیا رحمہ کی طرف سے تمام سلاسل میں بیعت لینے کی اجازت تھی مگر آپ نے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی اور اپنے دوسرے مشائخ کے نقشب قدم پر چلتے ہوئے زیادہ رواج سلسلہ عالیہ نقشبند یہ کو دیا۔ تاہم وہ لوگ جن کو دیگر سلاسل سے طبعی مناسبت ہوتی وہ بھی در اقدس سے محروم نہ ہوئے۔ وہ حضرات جو کسی بھی الجھن سے دوچار ہوتے قبلہ عالم قدس سرہ کی ایک نگاہ کرم سے فیض پا جاتے۔ آپ کی بدولت ہزاروں کی تعداد میں خلق خدا طریقہ نقشبند یہ میں داخل ہوئی۔ اس طریق میں مخلوق میں رہ کر خالق کی طرف متوجہ ہونے کی تربیت دی جاتی ہے۔ 'افشا' کی بجائے 'اخفا' کو بہتر سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے حقوق العباد پورا کرنے کے ساتھ ساتھ رب العباد کی رضا حاصل کرنے کی تلقین کی جاتی ہے یعنی 'تہہ کاروقل، دل یا روقل' چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا تربیت یافتہ غلام اپنی عبادت کی کثرت اور زہد کی فراوانی کے باوجود



اس کا اعلان نہیں کرتا یا اسے ظاہر نہیں ہونے دیتا بلکہ نظروں سے اسے چھپاتا ہے اور دنیا میں ایک عام شخص کی مانند رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔

آپ کا فیضان محض مریدین تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ دیگر آستانوں کے وابستگان نیز اور مشائخ کے متعلقین بھی آپ کے فیضانِ روحانی و فکری سے محروم نہ رہتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے (قبلہ پیر سید عابد حسین شاہ علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے):

”ہم میں تعصب نہیں ہے۔ ہم چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی سب کو مانتے ہیں۔ کوئی شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ کے بارے میں بکو اس کرے اور ایک سہروردی چپ رہے، ہم جواب دیں تو اصل سہروردی وہ نہیں ہم ہیں۔ کوئی بد بخت خولجہ، تمیری علیہ الرحمہ کے بارے میں کچھ کہے اور چشتی کو غصہ نہ آئے اور ہمیں آئے تو اصل چشتی وہ نہیں ہم ہیں۔“

☆☆☆☆☆☆

## حضور مفکر اسلام قدس سرہ بحیثیت پیر کامل

پیرِ کامل وہ ہے جو اپنے مریدوں کے ظاہری و باطنی احوال سے باخبر رہے تاکہ ان کی روحانی تربیت کر سکے۔ خود ہمارے آقائے ممدوح علیہ الرحمہ کا اس ضمن میں موقوف یہ تھا کہ مرید کتنی ہی مسافت پہ کیوں نہ ہو، اگر پیر اس کے احوال سے آگاہ نہیں ہو سکتا تو اسے مرید کا ہاتھ پکڑنا یعنی بیعت کرنا حرام ہے۔ آپ حضور شہنشاہِ لائانی علیہ الرحمہ کا یہ فرمان بھی سنایا کرتے تھے:

”پیرِ مشرق میں اور مریدِ مغرب میں بھی کیوں نہ ہو، اگر پیر کو مرید

کے احوال سے آگاہی نہیں تو ایسے پیر کو مرید کا ہاتھ پکڑنا حرام ہے  
بلکہ وہ پیر میدانِ محشر میں شرمندہ اٹھے گا۔“

جب حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ خلافت سے سرفراز ہوئے، جلد ہی آپ کے  
فیضانِ عام کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا، اور علم و عرفان کے پیاسے جوق در جوق حاضر  
خدمت ہونے لگے۔ اتنے کثیر مریدین کو توجہ دینا آسان نہیں۔ پھر وہ لوگ جو سینکڑوں  
میل دور سکونت پذیر ہیں، اُن کا خیال رکھنا بھی مشکل ہے بلکہ عقل کی رُو سے تو واقعی  
اک معتمد ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا، لیکن اُن کے نزدیک یہ ہرگز معتمد نہیں جنہیں معلوم  
ہے کہ خدا تعالیٰ کا بندہ مقرب اسی کے نور سے دیکھتا، اسی کے نور سے سنتا اور اسی کے  
نور سے پکڑتا ہے۔ بندہ مومن کی جسمانییت محدود ہے مگر روحانیت محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ  
اس قدر وسیع ہے کہ کائنات کو گھیر لیتی ہے۔ بقول مولائے روم رحمہ اللہ:

ظاہر شراپشہ آرد بچرخ باطنش آمد محیط بفت چرخ

یعنی انسان کی ظاہری صورت کو تو ایک چمچ بھی چکرا دیتا ہے مگر اس کی

باطنی حقیقت آسمانوں کو محیط ہے۔

اور مومن و کافر میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ کافر بشریت کے ظاہر تک رہ جاتا ہے اور  
اسے حقیقتِ آدمیت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، جبکہ بندہ مومن انسانِ کامل ہونے کے  
سبب اپنی باطنی عظمت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ بقول اقبال:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اور مولانا روم کا یہ شعر بھی حقیقتِ حال پہ دال ہے:

پس بصورت عالم اصغر توئی

پس بمعنی عالم اکبر توئی

یعنی اے انسان! صورت میں تو تو عالم اصغر ہے مگر حقیقت میں

عالم اکبر (بڑی دنیا) ہے۔

خود آپ کی صورت حال یہ تھی کہ جس نے اور جہاں سے بھی پکارا، آپ امداد کے لیے پہنچے اور چارہ سازی فرمائی، چنانچہ ملاحظہ ہو:

محمد امین صاحب (نقشِ لائٹانی نگر) روایت کرتے ہیں کہ ”میرے ماموں نے رمضان میں تقریباً دس ہزار روپے اور دیگر قیمتی سامان بھیجا کہ بھھلی (ڈیلرہ سے آگے چتر اور چتر سے آگے بھھلی) جا کر نانا جان کو دے آؤں۔ اجازت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے سمجھایا کہ دیر ہو گئی ہے صبح چلے جانا۔ میں نے اصرار کیا کہ حضور شام سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔ آخر آپ نے فرمایا ”اپنی مرضی کر لو“ میں اس بات کو اجازت سمجھ کر چل دیا۔ چتر اور بھھلی کے درمیان ایک نالہ ہے اس نالے کے پاس جب پہنچا تو شام ہو گئی تھی۔ اس نالے کے پاس چند افراد تھے، ایک نے رکنے کا کہا لیکن میں نہ رکا اس نے پستول نکال کر سختی سے رکنے کا کہا۔ میں واپس مڑ کر دوڑ لگانے کو تھا۔ اسی اثنا میں حضور مقلدِ اسلام کو یاد کیا اور آپ کا تلقین کردہ وظیفہ ”یا قبلہ“ عالم حضور نقشِ لائٹانی عیالہ پڑھا۔ چنانچہ شیخ کی امداد آ پہنچی اور ابھی ایک ہی قدم اٹھایا تھا کہ ڈیڑھ کلومیٹر دور پہنچ گیا اور میرا یقین پختہ ہو گیا کہ اولیاء اللہ فریادیں کرتے ہیں۔

ایک طالبہ جو کہ رشید پورہ تحصیل شکر گڑھ کی رہائشی تھی اور جس کا ایک ماں کے سوا کوئی نہ تھا اور ماں بیٹی کا گزارا ایک عدد گائے کا دودھ بیچ کر ہوتا تھا۔ ایک دن روٹی

ہوئی آئی اور اس عاجز کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کی والدہ عرصہ دراز سے بیمار تھی اور اب ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ چنانچہ راقم الحروف حضور کی بارگاہ میں رنجیدہ صورت حاضر ہوا۔ آپ بظاہر محو خواب تھے، لیکن میرے آنے پر یکدم اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ کیا ہوا، کیوں پریشان ہو؟ حالانکہ چشم ظاہر سے ابھی تک آپ نے میری طرف نہیں دیکھا تھا، میں نے صورت حال عرض کی کہ ”حضور ایک بچی جس کا ماں کے سوا کوئی نہیں اب اس کی یہ ماں آخری سانس لے رہی ہے“ آپ نے فرمایا ”ابھی ٹھیک ہو جائے گی انشاء اللہ۔ آیات شفا پانی میں گھول کر پلا دو“ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پورا محلہ جو کہ اس مائی کا آخری دم سمجھ کر وہاں اکٹھا تھا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مائی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تمام بیماریاں بھی ختم ہو گئیں۔ اب بھی وہ مائی، جبکہ اس واقعے کوئی سال ہو چکے ہیں جوانوں سے تیز رفتاری سے چلتی ہے۔

سجاد صاحب (پگالہ موڑ) بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھیں یکدم خراب ہو گئیں۔ ڈراپس ڈالے لیکن کچھ دیر بعد ایسا محسوس ہوا کہ نظر کم ہو گئی ہے۔ کچھ پڑھنے لگا تو الفاظ صحیح دکھائی نہ دیئے۔ کہنے لگے کہ میں پریشان ہوا، لیکن تسلی بھی تھی کہ مرہد گرامی کے ہوتے فکر کیسی۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا مغرب کی نماز سے ڈرا قبل جب کہ آپ صف پر تشریف فرما تھے۔ میں آپ کے عقب میں جا بیٹھا۔ آپ نے صف پر سے تنکے چنا شروع کر دیئے۔ سجاد صاحب کے بقول میں نے آپ سے وہ تنکے لے کر ایک طرف ڈال دیئے پھر میں بھی آپ کی تقلید میں تنکے اکٹھے کرنے لگا، یکا یک محسوس ہوا کہ میری نظر ٹھیک ہو رہی ہے اور پھر وہیں شیخ کامل کی بارگاہ میں بیٹھے بیٹھے نظر ٹھیک ہونا شروع ہو گئی اور چند لمحوں بعد میں نے محسوس کیا کہ میں مکمل ٹھیک ہو چکا ہوں۔ یوں میرا

اعتقاد رنگ لایا اور پیر کامل نے اللہ کے فضل سے دستگیری کی۔

راقم الحروف کی والدہ اس کی ملازمت اور دیگر وجوہات کی بنا پر نہایت پریشان تھیں (یہ واقعہ آپ کی وفات کے بعد کا ہے)۔ حضور مقرر اسلام خواب میں تشریف لائے، تسلی دی اور فرمایا، ”کوئی کم ساڈے لئی وی رہن دیا کرو“ والدہ کی پریشانی دور ہو گئی۔ بعد ازاں ملازمت بھی مل گئی۔

وہ اصحاب جو ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دے کر چلے جاتے حضور عرصہ دراز کے بعد ملنے پر بھی انہیں پہچان لیتے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شبیر صاحب (امراں) جو کہ آپ کے مرید ہیں، آپ سے بیعت تو ہو گئے لیکن شامت اعمال کہ کئی سال حاضر بارگاہ نہ ہو سکے۔ پھر کسی رشتہ دار کے کہنے پر ایک جعلی پیر کے دام فریب میں پھنسے رہے۔ تاہم جلد ہی اس کی حقیقت کا علم ہو گیا۔ کافی عرصے کے بعد حضرت صاحب کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی آپ فرمانے لگے ”آگئے ہو جگہ جگہ پھر کر“۔ کو یا:

لچال پریت نوں توڑ دے نہیں

جدی بانہہ پھڑلین اذہوں چھوڑ دے نہیں

وہ متوسلین جو بیرون ملک ملازمت یا کاروبار کی غرض سے ہوتے، آپ کی اعانت ان کے بھی شامل حال ہوتی۔ محمد توقیر صاحب (تقریباً لائٹانی نگر حال لاہور) کوریا میں رہتے ہوئے بھی کثرت کے ساتھ آپ کی زیارت، مشکلات میں تسلی و تسکین اور مصائب میں امداد سے مستفید ہوتے رہے۔ حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکہ) کو یلیا عرفان صندر (نارووال) کو دینی اور سیکولر متعلقین کو غیر ممالک میں

آپ کے لطف و کرم کے مشاہدے ہوئے۔

ان واقعات کے علاوہ سینکڑوں مزید پیش کیے جاسکتے ہیں جن سے آپ کے کامل و اکمل پیر ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے مریدین و متوسلین کی طرف توجہ اس قدر تھی کہ فاصلے کی کمی بیشی آپ کے لطفِ عمیم میں کبھی حائل نہ ہو سکی، بمصداق

گھر دل میں ہے یا روں کا تو پھر گھر ہے براہ

مشرق میں بسایا ہو کہ مغرب میں بنایا

### چند با کمال شخصیات کا اعترافِ کمال

علامہ ڈاکٹر رضا اللہ بن صدیقی صاحب کا بیان: علامہ ڈاکٹر رضا اللہ بن صدیقی صاحب (ڈائریکٹر ادارہ زاویہ، لاہور) دنیائے علم و تحقیق میں عالمِ اسلام کی ایک نامور اور قد آور شخصیت ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے دفتر میں ایک بڑے ہی صاحبِ کمال بزرگ کبھی کبھار تشریف لایا کرتے تھے۔ سب انہیں میاں جی کہتے تھے اور بڑی ہی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ایک دن قبلہ آسی صاحب ہمارے دفتر میں تشریف فرما تھے تو وہ بھی نمودار ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ آسی صاحب تیزی سے اٹھے اور آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی دست بوسی کی، حالانکہ پہلے ان کا آپس میں کوئی تعارف نہیں تھا۔ دونوں شخصیات کچھ دیر بیٹھ کر ایک دوسرے سے گفتگو کرتی رہیں۔ پھر میاں جی جانے لگے تو آسی صاحب بہت تعظیم کے ساتھ ان کو رخصت کرنے لگے۔ میاں جی نے جاتے جاتے ہمیں کہا: ”یہ درویش

لوگ بڑی عاجزی دکھاتے ہیں اور دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، میں آپ کو کیا بتاؤں کہ اسی صاحب کا اپنا مقام کیا ہے۔ انہوں نے میری بڑی تکریم کی ہے تو کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، یہ جس مقام پر ہیں میں بیان کرنے سے عاجز ہوں۔“ - ولسی را ولسی  
مے شناسد

**ڈاکٹر محمد نسیم صاحب کا مکاشفہ:** ڈاکٹر محمد نسیم صاحب (لاہور) (جن کا ذکر زیر نظر تصنیف میں معذرت مقامات پر آیا ہے) فرماتے ہیں کہ میں حضور مقلد اسلام قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ آپ نے اپنی قمیص مبارک تھوڑی دیر کے لیے اتاری۔ میں نے آپ کی پشت مبارک پر مہر ولایت دیکھی اور تادیر یہ نظارہ کرتا رہا۔ آپ نے میرے انہماک و محویت کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، کیا دیکھ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا، حضور دیکھ رہا ہوں کہ چاروں سلاسل میں اجازت ہے آپ کو۔

**ایک اور صاحب کشف کا اظہار حقیقت:** شکر گڑھ میں ایک صاحب کشف بزرگ ”پٹھان والی سرکار“ کے نام سے مشہور تھے۔ شہر سے نکلتے ہی واقع نہر کے کنارے اکثر ان کو دیکھا جاتا تھا۔ ان کے احوال نہایت عجیب تھے۔ کیا پڑھے لکھے اور کیا ان پڑھے، سبھی ان کی پراسرار باتوں اور کرامات و مکاشفات سے حیران و متاثر تھے۔ چودھری گلزار احمد صاحب (ایس ڈی اودا پڑا۔ شکر گڑھ) کے ہاں پیر سید عابد حسین شاہ صاحب تقیہ نقشب لائٹنی قدس سرہ العزیز گا ہے بگا ہے قدم رنجہ فرماتے تھے۔ اور حضور مقلد اسلام قدس سرہ العزیز نے تو ان کی درخواست پر چند سال، دن کا ایک حصہ بسلسلہ تصنیف و تحقیق

ان کے ہاں گذارا ہے۔ چودھری صاحب فرماتے ہیں کہ جب بھی یہ دونوں مقدّس ہستیاں میرے گھر رونق افروز ہوتیں تو ایک مخصوص کمرے میں مخصوص جگہ پر تشریف فرما ہوتیں۔ پٹھان والی سرکار ایک مرتبہ تشریف لائے تو میں نے چاہا کہ انہیں بھی اسی مخصوص جگہ پر بٹھاؤں تاہم وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک طرف بیٹھ گئے۔ میں نے وہاں بیٹھنے پہ اصرار کیا تو کہنے لگے:

”مردانا ہے مجھے کیا؟ یہاں تو بڑے بڑے لوگ آرام فرما ہوتے ہیں۔“

**محض قمیض مبارک دیکھ کر۔۔۔** : خان عبدالرزاق خان صاحب (شکر گڑھ) کا بیان ہے کہ حضور کی طبیعت مبارکہ نا ساز تھی۔ آپ لاہور تشریف لے گئے، یہاں محمود صاحب کے ہاں قیام تھا۔ آپ نے طبیعت بوجھل ہونے کی شکایت کی۔ میں ذاتی طور پہ کالی کوٹھی سٹاپ سمن آباد کے ایک بزرگ شخص کو جانتا تھا جو روحانیت میں خاصا کمال اور شہرت رکھتے تھے۔ میں نے اپنے ذوق کے تحت آپ کی قمیض مبارک لی اور اس شخص کے پاس پہنچ کر ان صاحب کے سامنے رکھ دی۔ وہ بغور مشاہدہ کرنے کے بعد گویا ہوئے: ”یہ کسی بہت بزرگ آدمی کی قمیض (مبارک) معلوم ہوتی ہے، اور بہت دنیا ان کی طرف ملتفت ہے۔“

## مقام قطبیت و غوثیت

اولیاء اللہ کے درجے بے انتہا ہیں۔ ولایت کی تین صورتیں ہیں۔ فطری، وہی، کسی۔ جو لوگ مادر زاد ولی ہوں وہ ولایتِ فطری پر ہیں۔ جیسے حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہ العزیز اور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی۔ ولایتِ وہی وہ جو کسی اللہ



والے کی نظر کرم سے حاصل ہو، جیسے حضور غوث پاک نے چور کو قطب بنا دیا تھا۔ اور ولایت کسی وہ جو اپنی محنت اور عبادات وغیرہ سے حاصل ہو۔ تاہم ولایت کسی سے ولایت وہی دھڑی افضل ہیں۔

مشکوٰۃ شریف باب ذکر الیمین والشام میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شام میں ہمیشہ چالیس ابدال رہیں گے جن کی برکت سے زمین والوں پر بارشیں ہوں گی۔ اس کی شرح 'مرقاۃ' میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ تین سو اولیاء حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم پر رہیں گے اور چالیس موسیٰ علیہ السلام کے اور سات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم پر ہوں گے اور پانچ وہ رہیں گے جن کے قلب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح ہوں گے اور تین حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر اور ایک حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر رہے گا۔ جب اس ایک کا انتقال ہوگا تو ان تین میں سے کوئی اس کی جگہ قائم ہوگا۔ اور ان تین کی کمی ان پانچ میں سے اور پانچ کی کمی سات میں سے اور سات کی کمی چالیس میں سے اور چالیس کی کمی تین سو سے پوری کی جائے گی اور تین سو کی کمی عام مسلمانوں سے پوری کی جائے گی۔

ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ ابدال چالیس ہیں، اوتا و سات، خلفاء تین، قطب عالم (غوث) ایک۔ قطب عالم کو سوائے ان تین خلفاء کے کوئی نہیں پہچانتا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ قطب سے مرکز عالم قائم ہے۔ اس کے دو وزیر ہوتے ہیں، داہنا اور بائیں۔ داہنا وزیر عالم ارواح کی اور بائیں عالم اجسام کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کے ماتحت چار اٹا د ہیں جو شرق و مغرب، جنوب و شمال کے

محافظ ہیں اور سات ابدال اقلیم سبع (سات دلاتوں کے محافظ)۔ تفسیر روح البیان میں سورہ مائدہ کی آیت وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا کے تحت لکھا ہے کہ قطب کی وفات کے بعد اس کا بایاں وزیر اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور واہنا بایاں بن جاتا ہے اور نیچے سے کسی کو ترقی دے کر واہنا وزیر بنا دیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں واہنا بایاں سے افضل ہے۔ اسی صوفیانہ نکتہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَمَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ صُوفِيَاءُ دُنُوهُمْ مِمَّا كُومَانَا فِيهِ كِرَانَتِے ہیں۔ بایاں وزیر جلالی اور اہل فنا میں سے ہے۔ واہنا وزیر جمالی اور اہل بقا میں سے ہے۔ (روح البیان)

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ

ہر لحظہ ہے سالک کا 'زماں' اور 'مکان' اور (اقبال)

مذکورہ بالا اولیاء اللہ اہل خدمت ہیں جنہیں تکلونہی ولی کہتے ہیں اور ان کے ذمہ دنیاوی انتظام ہیں۔ دیگر اولیاء اللہ احاطہ شمار سے باہر ہیں۔ بعض ولی خود اپنی ولایت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

یہ بات ابتداء کتاب میں بیان ہو چکی ہے کہ قبلہ و کعبہ حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ مادر زاد ولی تھے یعنی ولایت فطری سے سرفراز کیے گئے تھے۔ آپ کے بچپن اور لڑکپن کے احوال اس پہ شاہد ہیں۔ یونہی آپ کو مقام قطبیت و غوثیت بھی عطا کیا گیا تھا۔ اس حقیقت کی موسید و موافق یہ روایات ہیں:

☆ --- علامہ ڈاکٹر رضا الدین صدیقی صاحب فرماتے ہیں:

”میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے پاس کچھ علوم ہیں۔ مجھے

انہوں نے بتایا کہ جو اقطاب ہوا کرتے ہیں، ان کی فلاں انگلی پر اس طرح کا نشان ہوتا ہے۔ (پوچھنے پر علامہ صاحب نے اس نشان کے بارے میں نہیں بتایا اور اخطا سے کام لیا)۔ اور میں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ اسی صاحب کے ہاتھوں پر وہ نشان موجود تھے۔ مطلب یہ کہ وہ اقطاب وقت (قطب الاقطاب) بھی تھے۔ اس بات کا میں نے کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔“

☆ --- ڈاکٹر محمد یلین صاحب جو حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ کے فیض نگاہ کی منہ بولتی تصویر نیز سلسلہ چشتیہ صامیہ میں پیر صوفی حشمت علی چشتی صامی سے صاحب اجازت با صفا درویش ہیں، فرماتے ہیں کہ لاہور میں حضور مقلد اسلام قدس سرہ جناب محمود صاحب کے ہاں رونق افروز تھے۔ میں زیارت کے لیے حاضر بارگاہ ہو گیا، پھر واپس گھر آیا تو حضور کی اپنے گھر میں زیارت کی اور آپ مجھے لباس غوثیت میں ملبوس نظر آئے۔ اور مجھہ تعالیٰ آپ کے غوث اور قطب مدار ہونے میں مجھے ذرہ بھر بھی شبہ نہیں۔

☆ --- مولانا غلام مرشد صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ تاحد نظر سبزہ زار ہے اور درمیان میں ایک خوبصورت سرسبز پہاڑی پر بہت بڑی تعداد میں لوگ موجود ہیں۔ سارا منظر نہایت وجد آفریں اور بارعب ہے۔ یہاں حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ خطاب فرماتے ہیں اور تاحد نظر دنیا بالکل ساکت توجہ سے خطاب سنتی ہے۔ آپ حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ کے مقام کے بارے میں کچھ جملے ارشاد فرماتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعلان فرماتے ہیں کہ، ”ہم انہیں زمانے کا قطب (غوث) بناتے ہیں۔“ بس پھر کیا تھا، ساری دنیا حضور کی طرف دوڑتی ہے اور دست بوسی اور قدم بوسی میں سبقت لے

جانے کے لیے زبردست دھکم پیل ہوتی ہے۔ مولانا صاحب کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ آپ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔ اس وقت آپ نے زیادہ بات نہیں کی۔ تاہم اگلے روز کئی افراد کی موجودگی میں فرمایا کہ ”آج بھی حضور نقشب لائٹانی کی حکومت ہے اور جو قطب بنتا ہے آپ ہی کی توجہ و تہترف سے بنتا ہے۔“ (جون ۱۹۹۹ء)

☆ --- جناب ڈاکٹر محمد یاسر یونس صاحب آغاز شباب میں ہی حضور کے دامین رحمت کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ حضور نے بھی ان کے دل کو صاف پا کر خوب نوازا۔ ۲۷ جولائی ۲۰۰۰ء کو حزب الاحناف لاہور میں عرس حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ کی تقریب (محفل) جاری تھی۔ نماز عصر کے وقت یاسر صاحب چند دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ نماز ادا کرنے کے بعد مراقبہ کیا تو حضور مفکر اسلام تشریف لے آئے۔ پھر آن واحد میں (حالت مراقبہ میں ہی) مجھے ہمراہ لے کر دربار حضور نقشب لائٹانی پہنچ گئے۔ یہاں فرمایا کہ مانگ لو جو کچھ مانگنا ہے۔ میں نے جلدی جلدی معروضات پیش کرنا شروع کر دیں۔ حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ نے قبر پاک سے آواز دی، ”تمہیں زمانے کا غوث دے دیا ہے، اب اور کیا مانگتے ہو“ اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔

ایسے متعدد واقعات آپ کے دورِ ظاہری میں رونما ہوئے اور تا حال اہل دل مزید دیکھ رہے ہیں۔ بعض کو بعض وجوہات کی بنا پر نظر قارئین نہیں کیا گیا۔

## لقب ”حضور مفکر اسلام“

حضور قبلاً عالم دورِ حاضر میں اسلام اور اہل اسلام کی صورت حال دیکھ کر تڑپتے رہتے تھے۔ آپ نے اپنی تحریر و تقریر ہی کے ذریعے نہیں بلکہ ملک کے طول و عرض میں

تبلیغی دورے کر کے اسلام کی سر بلندی اور اہل اسلام کی فکری و اخلاقی پختگی کے لیے بہترین صلاحیتیں وقف کر دیں۔ ان نوجوانوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن کو دسین اسلام سے نہ صرف صحیح طور پر آگاہ کیا بلکہ خدمت اسلام کے سلسلہ میں دن رات ایک کرنے پر تیار کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی حالت زار پر آپ کے اضطراب اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے دشمن میں آپ کی مساعی جلیلہ پر شیخ الحدیث وائفیسر استاذالاساتذہ علامہ احسان الحق صاحب فیصل آبادی علیا رحمہ (جو کہ مولانا عبدالرشید صاحب علیا رحمہ سمندری والوں اور بے شمار نام گرامی و عالی مرتبت شخصیات کے استاد تھے) نے ایک خط تحریر کر کے سب سے پہلے آپ کے لئے ”مفکر اسلام“ کا لقب استعمال کیا۔ بعد ازاں شیخ الحدیث علامہ ابوالفیض عبدالکریم ابدالوی چشتی رضوی علیا رحمہ (خانقاہ ڈوگراں) نے آپ کو ”مفکر اسلام“ کہا اور پھر یہ لقب زبانِ زوعام ہو گیا۔

باب پنجم

شرفِ حج و زیارت

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کو لڑکپن سے مکہ شریف اور مدینہ پاک کی  
حاضری کی تمنا تھی اور بارگاہِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضری کی تڑپ مدتوں  
سے قلب و روح کو گرما رہی تھی۔

آخر وہ سعادت افروز دن بھی آ گیا جب مکہ معظمہ سے ہو کر دربار شہنشاہ  
رسالت سنی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں حاضری کا شرف میسر آیا اور وہ بھی شیخ کریم کے جلو  
میں۔ مدینہ شریف کی نورانی فضاؤں میں پہنچ کر دل ایک انوکھے سکون و سرور سے آشنا  
ہوا۔ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی اشعار کا ورد ہوتا رہتا۔ خصوصاً مواجہہ شریف میں  
حاضر ہوتے ہی بمشکل سلام کا ایک جملہ عرض کر پاتے کہ شعر ڈھلے ڈھلائے تراشے  
تراشے از خود بارش کی صورت میں نازل ہونے لگتے۔ آپ وہاں لکھنا خلاف ادب سمجھتے  
چنانچہ سلام کر کے چند گز کے فاصلے پر برآمدے میں بیٹھ کر جتنا یا درہتا لکھ لیتے۔ مثلاً

ایک مرتبہ کے چند اشعار:

یہ ہے مزار اس شہ عالی تبار کا  
ہر ذرہ جانِ عرش ہے جس کے مزار کا  
دن رات آرہے ہیں یہاں بن کے محرومی  
کیا کام ورنہ گردشِ میل و نہار کا  
اب ہم ہیں اور صبحِ مدینہ کی ناہنیں  
یہ حسنِ انتقام ہے اک انتظار کا

یونہی ایک دن مولینا منظور احمد صاحب (اکوکی) اور جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے  
مولوی احمد دین نامی بواب سے مسجد نبوی کے ایک دروازے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے  
کہ نعت شروع ہوگئی:

دربانِ نبی میں تری عظمت کے تصدق  
جبریل بھی دربان ہے محبوبِ خدا کا

اور پھر اگلے پچھلے اشعار کے ساتھ مل کر نعت بن گئی۔ ان دنوں سے متعلق ایک نہایت  
ایمان افروز بات آپ سنایا کرتے تھے:

’منور و فکر کے بغیر نعت کا یہ سیلاب کیوں ہے، سمجھ نہیں  
آ رہی تھی کہ ایک روز حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ نے اچانک فرمایا،  
’آسی (صاحب) یہاں زیادہ سے زیادہ نعت لکھنے کی کوشش  
کرو۔ اب کھلا کہ طبیعت کا یہ میلان از خود نہیں، عنایت فرمودہ ہے  
اس روز ظہر تا عشاء ۳۶ نعتیں لکھیں۔ آخری نعت آخری نماز کے



بعد ہوئی۔ اس وقت آفتاب پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا،  
اور یوں لگ رہا تھا جیسے اپنا نور سبز گنبد پر شار کر رہا ہے۔ چنانچہ عند  
لیب زار نے چمکنا شروع کر دیا:

۷ فر دوس بڑی چیز ہے، یہ بات بجا ہے

دل گنبد محبوب کے سبزے پہ قد ا ہے

ڈائری ہاتھ میں تھی، شعر نمودار ہوتا، لکھ لیتا، پھر روضہ مقدسہ کی  
طرف آہستہ آہستہ چل پڑتا۔ چند قدموں کے بعد یوں محسوس ہوا  
جیسے عداوت مسلط ہے اور کہہ رہی ہے، کیا تو اس قابل ہے کہ امام  
الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں قدم دھر سکے۔ ٹھنک  
کے رہ گیا کہ پھر اچانک جیسے کوئی کہہ رہا ہے، ارے کس خیال سے  
رک گئے۔ گنہگاروں کو رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
دربار میں بھی پناہ نہیں ملے گی تو کہاں ملے گی۔ اب یہ واقعہ شعر کا  
لبادہ یوں اوڑھتا ہے:

۷ رحمت یہی کہتی ہے کہ آ، آمرے در پر

کو بار عداوت سے سر اپنا بھی جھکا ہے۔

اہل حیات کا یہ قافلہ مدینہ منورہ سے واپس مکہ معظمہ پہنچا۔ یہاں بھی ایک دو حمد  
مناجات اور دو تین نعتیں قلم بند ہوئیں۔ مگر افسوس ۱۹۷۷ء کے اس سفر حج و زیارت سے

تعلق رکھنے والا یہ سارا کلام جس ڈائری پہ تھا وہ کہیں کھو گئی۔ البتہ چند نعتیں اور نظمیں محفوظ رہیں۔ (سیرتِ کاتِ حرمین میں ملاحظہ کیجئے)

ایک مرتبہ فرمایا کہ حج کے دوران اپنے شیخِ کریم کے ہمراہ مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پہنچے تو اس مقام کی بزرگی کے ٹوٹے نظر دعا کی فرمائش کی۔ شیخ نے فرمایا، ”خدا کے گھر پہنچ گئے ہو اور کیا چاہئے۔“ یہ واقعہ بھی آپ ہی نے ارشاد فرمایا تھا کہ بابِ جبرئیل سے آنے کے بعد واپسی کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو میں دوبارہ بابِ جبرئیل کی طرف چل دیا۔ جب دو گز کے فاصلے پر تھا تو یہ آواز محسوس ہوئی کہ ”ایک دفعہ میری آل کے ساتھ آئے تھے تو کیا وہ حاضری نہ ہوئی تھی جو اب میری آل کے بغیر آ گئے ہو“ فرمایا میں فوراً وہاں سے پلٹ آیا۔

اس پہلے سفرِ مقدس سے واپس تشریف لانے کے بعد آپ نہایت جھوم جھوم کر اس حاضری کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ ایک بات آپ سے سنا ہے کہ ”میرے مرتبہ سنی گئی۔ فرمایا، مجھے بہت غصہ آتا تھا جب میں مدینہ شریف میں لوگوں کو ننگے پاؤں پھرتے دیکھتا جو سمجھتے تھے کہ ہم مدینہ پاک کی گلیوں کا ادب و احترام کر رہے ہیں لیکن پھر اسی طرح غبار آلود پاؤں لیے مسجدِ نبوی میں داخل ہو جاتے تھے۔ مدینے کی گلیاں دنیا بھر کی زمین سے افضل ہیں مگر مسجدِ نبوی ان گلیوں سے بھی افضل ہے۔“

آپ نے دوسرا اور آخری سفر حج و زیارت 24 برس بعد ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ بمطابق فروری ۲۰۰۰ء میں کیا۔ طاہر اٹو جناب سید محمد یونس صاحب نے جو شہر سیالکوٹ کے ایک معزز خانوادہ سادات کے متمول فرد ہیں، اخراجات برداشت کرنے کا شرف حاصل کیا، مگر باطناً اس میں بھی شیخِ کریم کا تصرف شامل تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ

”سفر و حضر میں ہر کہیں حضرت کی عنایات محسوس ہوتی رہی ہیں، یہاں تک کہ حرمین شریفین میں بلکہ مواجہہ شریف میں حاضری کے وقت بھی محسوس ہوتا تھا کہ آپ ہی بارگاہِ اقدس میں پیش کر رہے ہیں۔“

۱۲ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ بمطابق ۲۱ فروری ۲۰۰۰ء کو جدہ پر داخل ہوئے۔ شکر گڑھ سے جلوس کی شکل میں مریدین و معتقدین نے رخصت کیا۔ اس موقع پر وہ مخلص مریدین جو کثرت کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے، آپ کی اس وقتی جدائی پر آبدیدہ تھے۔ جس دن علی الصبح حضور شریف لے گئے، اس کی رات محمد سہیل انجم پرنسپل نقشب لائٹنی ماڈل سکول نے آپ کی زیارت کی تو تسلی دیتے ہوئے فرمانے لگے، ”میں جہاں کہیں بھی جاؤں میری توجہ ادھر (بھی) رہتی ہے۔“

۱۵ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ بمطابق ۲۲ فروری کی صبح مکہ معظمہ، مسجد الحرام میں حاضری دی۔ ۱۶ ذی قعدہ (۲۳ فروری) کو رات کے وقت مسجد الحرام میں نظم ”یا اللہ“ کے عنوان سے تحریر کی۔ ابتدائی شعر یہ تھے:

ہو گیا ہوں حاضر دربار یا اللہ میں  
سر پہ لایا ہوں بڑے انبار یا اللہ میں  
کون ہے تیرے سوا بخشے جو مجھ کسبخت کو  
اس لیے کہتا ہوں یا فقار یا اللہ میں  
چارہ ساز اب تری چارہ گری کا وقت ہے  
ظاہر و باطن کا ہوں بیمار یا اللہ میں  
یہیں بیٹھے بیٹھے آپ نے ”یا اللہ“ کے عنوان سے دو نظموں کے علاوہ ایک غزل

لکھی اور اسی وقت بیت اللہ کے سامنے ”مناجاتِ آسی“ لکھی جسے چشمِ تر کے بغیر نہیں پڑھا جاسکتا۔ ۲۵/۲۶ فروری کو مدینہ شریف پہنچے۔ بس سے اترتے ہی جو اشعار زبانِ اقدس سے نکلے، یہ تھے:

ہر کہیں فیضانِ دربارِ نبی  
ہر کوئی مہمانِ دربارِ نبی  
نعتیں ملتی ہیں سب کونین کو  
واہ دستر خوانِ دربارِ نبی  
دو جہاں کے فیض کا مرکز ہے یہ  
دو جہاں قربانِ دربارِ نبی  
چارہ سازی ، دلکشائی، رہبری  
واہ وا سامانِ دربارِ نبی  
شیخ کا صدق ہے یہ شرف قبول  
میں کہاں شایانِ دربارِ نبی  
تقسیم لائانی پہ آسی ہے فدا  
واہ اے دربانِ دربارِ نبی

پھر حضور شہنشاہ کونین سرور دارین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ قدس پناہ میں حاضر ہوئے۔۔۔ خدا کے سب سے بڑے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کائنات کے سب سے بڑے بادشاہ کا آستانہ۔۔۔ عشق اپنی منزل پہ آگیا ہے۔۔۔ شوق درودیوار کے بوسے لے رہا ہے۔۔۔ ہاتھ جالیوں کو چھو کر مشامِ جاں کو معطر کر رہے ہیں۔۔۔ زبان و دل

صلوٰۃ و سلام میں مصروف ہیں۔۔۔ پہلے مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور اپنے پیارے آقا و مولا سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت میں سرشار ہو کر درود و سلام کے نذرانے پیش کیا کرتے تھے، آج عین بارگاہِ مصطفیٰ میں جو بارگاہِ کبریا بھی ہے، ہاتھ باندھے گردن جھکائے عشق و مستی میں سوز و گداز کے ساتھ درود و سلام پیش کرنے کی سعادت مل رہی تھی تو دل کی دنیا کا عجب عالم تھا۔ لیوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ دل بھی حرکت میں ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہ رہی ہیں۔ تا دیر بارگاہِ محبوب کبریا، سید الانبیاء سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں راز و نیاز ہوتے رہے، دو جہاں کی بھلائیاں طلب کی جاتی رہیں۔ مانگنے والا عاشقانِ مصطفیٰ کا سالار۔۔۔ تصوف کی دنیا کا شہسوار۔۔۔ علماء کا سردار اور عشق و مستی کا تاجدار تھا۔۔۔ ادھر ذرا بھی بڑا ڈر بار تھا۔۔۔ جہاں کسی عام سائل کو بھی خالی ہاتھ واپس نہیں کیا جاتا۔۔۔ یہ تو پھر محبتِ رسول میں سب کچھ فنا کر کے آنے والا عاشقِ صادق تھا۔۔۔ کیا کیا عنایات آپ پر نہ ہوئی ہوں گی اور کیوں نہ آقائے دو جہاں سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس دیوانے کو عطاؤں کی بارش کر کے راضی کیا ہوگا۔۔۔ تبھی تو (بروقتِ روانگی مدینہ منورہ) بڑے وجد کے ساتھ آپ نے کہا تھا:

نبی کے فیضِ عام کو سلام عرض کرتا ہوں  
حجلی تمام کو سلام عرض کرتا ہوں  
نہ لوٹے کوئی ایک بھی مراد کے بغیر ہی  
اس اہتمامِ نام کو سلام عرض کرتا ہوں  
نہ دل ہے اضطراب میں نہ روح بچّ و تاب میں  
کرم کے انتظام کو سلام عرض کرتا ہوں

آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جتنا عرصہ مدینہ شریف میں قیام رہا، بارگاہِ رسول میں حاضری دے کر مسجد نبوی کے کسی برآمدے میں بیٹھ کر نعتیں لکھتے رہتے۔ اور یہاں طبیعت کی روانی کی یہ صورت حال ہوتی کہ نو نو، دس دس نعتیں بھی ایک دن میں تیار ہو جاتی تھیں اور ایک دن تو چودہ نعتیں مکمل ہوئیں۔ ان نعتوں میں فصاحت و بلاغت اور حسنِ تعزّل و رعنائی کے سلسلے میں آپ از خود تکلف نہ کرتے بلکہ کسی قسم کے تکلف سے الگ تھلگ ہو کر سیدھے سادے انداز میں کائنات کے سب سے بڑے رسول، سب سے بڑے طبیب، سب سے بڑے بادشاہ اور سب سے بڑے کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں التجائیں کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حسنِ کلام کی تمام خصوصیات (فصاحت و بلاغت، حسنِ تعزّل و رعنائی، اشعار کی موزونیت وغیرہ) آپ کے اس کلام میں بدرجہ کمال نظر آتی ہیں۔ تاہم یہ بات نہایت قابلِ افسوس ہے کہ آپ کے جملہ کلام کا ۱۰۰ فیصد حصہ ضائع ہو چکا ہے، محفوظ نہیں کیا جاسکا، جیسا کہ آپ خود فرماتے تھے۔

عموماً لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ صبح سویرے پہنچیں تاکہ مواجہہ شریف کی طرف بیٹھ سکیں۔ تاہم آپ کا اپنا ذوق تھا۔ آپ فجر کی نماز پڑھ کر حاضر بارگاہ ہوتے تب تک ریش بھی کم ہو چکا ہوتا تھا۔ روضہ مبارک کے قریب آنے سے پہلے آپ کا وظیفہ ہوتا 'یا قبلہ عالم حضور نقشب لانا فی عین اللہ' اور جب نظر روضہ مبارک پر پڑتی تو صلوة و سلام در دزباں ہو جاتا۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز میں بہت رویا، تب دل میں آواز آئی "آپ کیوں روتے ہیں ہم آپ کو اب رونے نہیں دیں گے، رونے کے بغیر ہی آپ کے سارے کام سیدھے ہیں" فرمایا مجھے نہایت اطمینان و سکون ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ دو جہاں علیہا صلوة والسلام نے بڑا کرم فرمایا اور نوازشات

کہیں، جن کو سمجھنے سے ہماری عقلیں عاجز ہیں۔ ہمیں صرف اسی قدر علم ہے جو تھوڑا بہت آپ نے خدام کی بار بار کی جانے والی درخواستوں اور معروضات پر سنایا۔ آپ نے روضہ پاک پر عرض کیا، کیا آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف و کرم کی یہ باتیں دوسروں کو سنا سکتا ہوں؟ تو آواز آئی، کوئی حرج نہیں۔ رحمت کی جگہ جو تھی۔

کیم ذوالحج (۸ مارچ) بروز چہار شنبہ مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی۔ اب مسجد حرام میں حاضری شروع ہو گئی۔ فرماتے تھے کہ کعبہ شریف حاضر ہو کر تیسرا کلمہ اور جو اذکار کتابوں میں لکھے ہیں، پڑھنے لگا تو اس قدر تسلی نہ ہوتی تھی، جتنی درود شریف پڑھنے سے ہوتی تھی، چنانچہ اسی کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ پھر آنسو بہاتے ہوئے نہایت رقت قلب کے ساتھ اللہ کریم کی بارگاہ میں فریادیں کر رہا تھا کہ غیبی آواز آئی، ”کیا جو وعدہ ہمارے محبوب (سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کر کے آئے ہو، اس پر یقین نہیں؟“۔ تب مزید تسلی ہوئی کہ بگڑے کام سنو ریس گے اور سب (متعلقین) کی بخشش ہوگی۔ انہی دنوں کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن وضو کے لیے باہر میدان میں گئے تو آواز آئی، ”تمہیں اللہ اور اس کے رسول سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے“۔ (۶ اپریل ۲۰۰۱ء بمطابق ۱۱ محرم ۱۴۲۲ھ جمعۃ المبارک، بعد نماز مغرب جبکہ یہ خادم دبا رہا تھا، یہ بات آپ نے ارشاد فرمائی اور کسی اور کو بتانے سے منع فرمایا)۔

سفر حج کا ایک نہایت اہم واقعہ ۸/۹ ذی الحجہ کو پیش آیا۔ یہ بھی آپ ہی کی زبانی سنیں:

منیٰ کے کیمپ میں رات تقریباً دو بجے کا وقت تھا۔ سب لوگ سو رہے تھے، میں جاگ اور رو رہا تھا۔ عرفات کے میدان میں یہ تصور رکھنا ہوتا ہے کہ بخش دیا گیا ہوں۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ یہ تصور کیونکر قائم ہو؟ (میں تو خود کو نہایت گنہگار سمجھتا تھا)۔

اچانک میرے دل میں پردہ غیب سے آواز آئی، ”آپ کیوں روتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی امت کے لیے رب سے بخشش کا وعدہ لیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آل کے لیے بھی رحمت کا کوٹہ رکھا تھا۔ اس کوٹے میں تقش لاثانی (علیہ الرحمہ) کا حصہ بھی تھا۔ جو ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتے ہیں، انہیں بھی اس سے حصہ ملے گا۔ (بخش دیئے جائیں گے)۔“

پھر فرمایا، ”اس سے مراد حضور تقش لاثانی علیہ الرحمہ کے خلفاء اور پھر ان کے غلام ہیں نیز فرمایا کہ تم سب بھی ان میں آتے ہو۔“

حقیقت یہ ہے کہ ۲۱ فروری تا ۲۶ مارچ کے ان چونتیس ایام میں کثرت عبادات و مناجات آپ کا معمول مبارک تھا۔ اس سے قبل طبیعت مبارک انتہائی ناساز رہتی تھی تاہم ان ایام میں ناسازی طبع کو آپ کے جوشِ عشق نے خود پر حاوی نہیں ہونے دیا واپسی سے چند روز پہلے آپ حرم کعبہ میں خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے اپنے معمولات میں مشغول تھے۔ پھر خیال آیا کہ اٹھ کر طواف کر لوں۔ آواز آئی، ہم نے تمہیں جتنا پھرانا تھا پھر لیا، اب آرام کرو۔ چنانچہ آپ بیٹھ گئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر طواف کعبہ کا خیال آیا۔ اٹھنے لگے تو اسی آواز میں وہی کچھ پھر فرمایا گیا۔ قدرے توقف کے بعد تیسری مرتبہ جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو آواز آئی، ”اگر تو تم مولوی ہو تو پھر اپنی مرضی کر لو اور اگر نہیں، کچھ اور ہو تو پھر بیٹھے رہو۔“ آپ فرماتے ہیں کہ پھر میں آرام سے بیٹھ گیا۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر لیلین صاحب سے میں نے کہا کہ حضور تقش لاثانی علیہ الرحمہ کی بارگاہ (مزار) میں عرض کریں کہ جو کچھ ہوا، درست تھا، کوئی وہم تو نہیں تھا؟ صاحب مزار کی طرف سے جواب آیا، ”یہ جو انہوں نے سمجھا، اپنی سمجھ کے



مطابق تھا اور نہ کرم اس سے بھی بہت زیادہ تھا۔ اس قسم کے جملہ واقعات حضور نے ۲۵ جون ۲۰۰۰ء کو بعد نماز مغرب اپنے کمرہ خاص میں جناب افتخار احمد ممنون صاحب، جناب تنویر احمد صاحب، جناب صوفی محمد آصف صاحب، جناب اجمل حسین صاحب، جناب نعیم الرحمن صاحب اور اس خادم بارگاہ کو سنائے۔ اس سے قبل علامہ نورالمصطفیٰ رضوی صاحب جن سے آپ بہت محبت و شفقت فرماتے کو سنائے، جو سن کر نادر زار و قطار روتے رہے۔ ان کے علاوہ جناب شجاعت علی مجاہد صاحب کو۔ (ان کے علاوہ شاید ہی کسی کو سنائے ہوں۔ محض رب اکبر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان عظیم احسانات پر تحدیثِ نعمت کے لیے بیان فرمائے اور اس عاجز نے ان کو پوری صحت کے ساتھ قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضور نے ان میں رد و بدل اور مبالغہ سے سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا نیز اپنی زندگی میں سنانے سے بھی)

۱۱ ذی الحج ۲۰۰۰ء مارچ کو طواف زیارت کے دوران پینڈ بیگ جس میں نعتیہ کلام والی ڈائری تھی کہیں مطاف میں گر گیا۔ یہ نہایت قیمتی ڈائری تھی۔ آپ نے کعبہ مقدسہ سے عرض کی، 'تو بیت اللہ ہے اور بیگ میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات تھے، اگر تیرے ہی پاس لٹ جاؤں تو بڑا اندھیر ہے۔' چنانچہ اگلی ہی صبح خداوند کریم اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و کرم اور حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ کی برکت سے گمشدہ سامان کے دفتر سے بیگ تبرکات سمیت مل گیا۔

۲۶ مارچ ۲۰۰۰ء بعد نماز ظہر مکہ مکرمہ سے وطن واپسی ہوئی۔ آتے ہوئے کعبہ

مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

تو خانہ خدائے عزیز و قدیم ہے

آئینہ رضائے رسول کریم ہے  
خلقِ خدا کا قبلہ ذی احتشام ہے  
بے شک و شبہ تو بڑا عالی مقام ہے  
کیسا تھا وقت، پاس ترے شاہِ کائنات  
کرتے تھے جب تلاوت آیاتِ عینات

اس سفر میں جن لوگوں نے دن رات خدمت کی سعادت حاصل کی، آپ ان کو ستائشی کلمات سے یاد کیا کرتے تھے۔ بالخصوص علامہ ابو ابراہیم محمد نصر اللہ مدنی صاحب کی بہت تعریف فرماتے تھے۔

آتے ہوئے اسلامی کتابوں کا خاصا ذخیرہ ساتھ لائے اور آنے والوں کو بڑی محبت کے ساتھ ان کی زیارت کرایا کرتے تھے۔

حضور مسلمانوں کی حالت زار نیز جسدِ اسلام پر اغیار کی ستم ظریفی پر پہلے بھی مغموم رہتے تھے، اب خدا اور رسول کی بارگاہ میں حاضری کے بعد اصلاحِ احوال کے لیے آپ کے جذبات کی طغیانی اور بھی قابل دید تھی۔ فرماتے تھے، وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ دینِ اسلام کی سر بلندی اور ہر باطل کی تیغ کنی کے لیے دن رات ایک کرنا ہے۔ اور یہ عزم خاص بارگاہِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے عطا ہوا تھا۔ چنانچہ سفرِ حج و زیارت سے واپس آتے ہی ایک مختصر مگر پر وقار تقریب میں علیہ السلام اور تجدید و احیائے دین نیز دفاعِ مدارس و مساجد اہلسنت کے لیے ایک عظیم تحریک ’شیرانِ اسلام‘ اور اصل عقائدِ اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے ماہنامہ ’الحقیقہ‘ کے اجراء کا مبارک اعلان فرمایا۔ آپ کی سرپرستی و رہنمائی میں مختصر سے وقت کے اندر ان دونوں نے عظیم الشان دینی کامیابیاں حاصل کیں اور الحمد للہ یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

باب ششم

شیرانِ اسلام اور مجلّۃ الحقیقہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۹۸۶ء میں قیومِ زمانی، قطبِ ربانی حضورِ تقش لائٹانی قدس سرہ نے قوم کو دو تحفے دیئے:  
(۱) - بزمِ لائٹانی، غیر سیاسی خالصتاً مذہبی تنظیم۔

(۲) - انوارِ لائٹانی، اسلامی جراند میں ایک خوبصورت اور موثر جریدہ۔

حضورِ مفکرِ اسلام کو ماہنامہ انوارِ لائٹانی کا مدیر مقرر کیا گیا جبکہ بزمِ لائٹانی میں اہم عہدوں پر وقتاً فوقتاً فائز ہوتے رہے۔ بزمِ لائٹانی کے قیام کے ساتھ ہی حضورِ تقش لائٹانی نے اس خواہش کا بھی اظہار کیا تھا کہ نوجوانوں کی سطح پر بھی ایسی کوئی جماعت ہونی چاہئے نیز عقیدہٴ حتمِ نبوت کے تحفظ کے لیے بھی اہل سنت کا ایک مضبوط پلیٹ فارم ہونا چاہئے۔ حضورِ مفکرِ اسلام نے ان باتوں کو یاد رکھا اور ان خواہشات کی تکمیل کے لیے مناسب وقت اور وسائل کی دستیابی کا انتظار رہا۔ بالآخر یہ خواہشات اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچیں جب ۱۹۹۹ء میں ”شبانِ بزمِ لائٹانی“ بنا کر نوجوانوں کو دینِ اسلام کی خدمت

کے لیے ابھارا۔ اسی شبان بزم لائٹانی کو ۲۰۰۰ء میں (سفر حج و زیارت سے واپسی کے بعد) حضور نے ”شیرانِ اسلام“ کا نام دے کر دولہ تازہ اور کمال جذبہ کے ساتھ دینی مساعی کا آغاز فرمایا۔ جبکہ ۷ صفر ۱۴۲۵ھ (۱۸ اپریل ۲۰۰۴ء) کو بغرض علاج میوہ ہسپتال لاہور میں قیام کے دوران ویسٹ میڈیکل وارڈ میں شعبہ تحفظِ حتم نبوت (شیرانِ اسلام) کی بنیاد رکھ کر اپنے شیخ کی دوسری خواہش کو بھی پورا کر دیا۔ (قلم: احمد)

شیرانِ اسلام اور مجلہ الحقیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ بے شمار اسلامی تنظیمیں اور جرائد موجود تھے۔ بہتر ہوگا کہ اس تنظیم و مجلہ کی غرض و غایت اور پس منظر کو حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کے الفاظ میں سمجھا جائے۔ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو سالانہ عرسِ علی پور سیدال شریف کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اس تحریک کو شروع کرنے اور رسالے کو جاری کرنے کا مقصد آپ نے یوں ارشاد فرمایا:

”شیرانِ اسلام کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ شرقیہ شریف کی ایک مسجد میں عرس ہو رہا تھا۔ کچھ غنڈوں نے جو اولیاءِ کرام کے مخالف تھے، حملہ کر دیا۔ مناظرے کی صورتحال پیدا کی۔ دھینکا مٹتی ہوئی۔ ایک دوسرے پر اینٹیں برسائی گئیں۔ ادھر سے بھی زخمی ہوئے، ادھر سے بھی زخمی ہوئے۔ تب میں نے یہ محسوس کیا کہ جہاں بھی ہم مٹھل میلا منعقد کریں گے، ان کے حملے ہوا کریں گے۔ جہاں بھی عرس منائیں گے، ان کے حملے ہوا کریں گے (چنانچہ تحریکِ شیرانِ اسلام کا آغاز کیا گیا)۔ شیرانِ اسلام کا تعلق پورے دفاعِ اہلسنت یا دفاعِ اسلام کے ساتھ ہے۔ شرقیہ شریف، کولڑہ شریف، سیال شریف، جہاں کہیں بھی کوئی عرس ہو یا مذہبی تقریب ہو تو شیرانِ اسلام کے وہ جیالے نوجوان جن کے دلوں میں محض یہ بات ہے کہ ان کی زندگیوں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے لیے ہیں، وہاں پہنچیں گے۔

ہمارے لیے یہ بات نہایت تکلیف دہ ہے کہ ہمیں کافر و مشرک کہتے کہتے وہ داتا صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں بھی یہی ناپاک کلمات ادا کریں۔ وہ ہمارے بزرگوں کے بارے میں باقاعدہ بکواس کریں۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ، حضرت مولائے روم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بے ادبیاں کریں (یہ ہماری برداشت سے باہر ہے)۔ چنانچہ ہم نے تحریری جہاد کے لیے 'الحقیقہ' رسالہ جاری کیا ہے اور ان کے ناپاک عزائم کے جواب میں 'شیرانِ اسلام' کو قائم کیا ہے۔ انشاء اللہ بزرگوں کے صدقے یہ تحریک عالمگیر ہوگی۔

جتنے بزرگ ہیں اللہ کے فضل و کرم سے شیرانِ اسلام سے خوش ہیں۔ یہ کام جو ہم نے کیا ہے، جمعیت علماء پاکستان کو کرنا چاہئے تھا، جماعتِ اہلسنت کو کرنا چاہئے تھا ان کی اپنی مصروفیات ہیں ہم ان پر اعتراض نہیں کرتے، یہ کام اتنا بڑا ہے کہ چند آدمی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے یہ شیرانِ اسلام کریں گے۔ یہ اسلام اور مسلکِ حق اہلسنت کے دفاع کے لیے ہے۔ جو لوگ اسلام پر حملے کرتے ہیں، ان کا جواب بھی شیرانِ اسلام دیں گے۔ شیرانِ اسلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں کی جماعت ہے۔“

یہاں بہتر ہوگا کہ اس دور کی ان تنظیموں کے احوال پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں جن کے مذموم کارناموں کے ردِ عمل میں شیرانِ اسلام کی ضرورت پیش آئی۔

**جماعتِ اسلامی:** یہ بات سب کے علم میں ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اہل

سنت و جماعت (یا سنی) ہیں، ان کے باہمی اختلافات محض فرودعی ہیں۔ اسی طرح غیر مقلد، دیوبندی، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی سب وہابیوں کی مختلف شاخیں ہیں اور سب کا مرکزی نقطہ نظر یہی ہے کہ اللہ کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر، مدح و ثنا بلکہ عشق و محبت بھی تو حید کے منافی ہے۔ جماعت اسلامی دور آخر میں وہابیت کا سائنسی ایڈیشن ہے۔ ۱۹۴۱ء میں مولانا مودودی صاحب نے اس کی بنیاد رکھی۔ مولانا کو قدرت نے بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا مگر افسوس انہوں نے انہیں خود پسندی بلکہ خود پرستی کی نذر کر دیا۔ تنقید کے زہریلے دار کرنے میں اتنے منہ زور ہیں کہ خلفائے راشدین تو ایک طرف، انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ (دیکھئے 'تجدید و احیائے دین اور 'خلافت و ملوکیت')۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ خدا کے بعد خود کو ہی بے عیب سمجھتے ہیں۔ ایک مفسر و مفکر کے مقام پر اکتفا کرنے کی بجائے مجتہد بلکہ امام مہدی بننا چاہتے تھے مگر بھانڈا پھوٹ گیا اور مجبوراً انہیں امام مہدی نہ ہونے کا اعلان کرنا پڑا (دیکھئے 'مکالمہ کاظمی و مودودی' اور 'آئینہ مودودیت') غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ 'آئینہ مودودیت' کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

”مودودی صاحب نے قوم سے اپنے نظریات تسلیم کرانے کا عجیب طریقہ ایجاد کیا ہے۔ وہ کسی جگہ اپنے مجتہد یا مجدد ہونے کا اقرار نہیں کرتے، مگر انہوں نے اپنے انداز بیان سے اپنی جماعت کے ایک ایک فرد کے ذہن میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ اس وقت تک مجھ جیسا مجتہد اور مجدد پیدا نہیں ہوا۔ اسی طرح مہدویت کے بارے میں ان کا رویہ یہ ہے کہ ابھی تک انہوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر ایک طرف تو انہوں نے امام مہدی کے کچھ ایسے من گھڑت خواص لکھ دیئے ہیں جو بظاہر ان

کے حسب حال ہیں، دوسری طرف اپنی ذات گرامی کو ان ہی خصوصیات و اوصاف کا حامل بنا کر قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے عقیدہ مندوں سے کہے کہ سبز لباس پہننے والا آدمی ولی اللہ ہوتا ہے جو اپنے منہ سے اپنے ولی ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ پھر خود ہی سبز لباس پہن کر ان کے سامنے آ جاتا ہے اور اپنی ولایت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اب بتائیے کہ ایسے آدمی کو (باوجودیکہ وہ اپنی زبان سے ولی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا) مدعی ولایت سمجھا جائے گا یا نہیں؟ مودودی صاحب نے بالکل یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ کو یا انہوں نے زبانِ قال کے بجائے زبانِ حال سے ادعائے مہدویت فرمایا اور اس طرح قوم کے ذہن میں اپنی مہدویت کا تصور جاننے کی کوشش کی۔

مجددین و مجتہدین حنی کہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر انہوں نے جو کڑی نکتہ چینی کی ہے اس نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا کہ وہ اپنا مقام امت محمدیہ میں سب سے بلند سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک شخص دوسرے کی اصولی غلطی اسی وقت نکال سکتا ہے جب کہ اس کی قوتِ علمیہ اس بارے میں دوسرے سے قوی اور بالاتر ہو۔

جماعتِ اسلامی کی ذیلی و پروردہ اسلامی جمعیت طلبہ نے جو کلچر تعلیمی اداروں کو دیا اور جس طرح مختلف اداروں کا امن و امان برباد کیا ہے، یہ کوئی معمولی سانحہ نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی میں جماعتِ اسلامی کے عفریت نے ایک دو سال نہیں، ساہا سال اودھم مچایا ہے اور ظلم و ستم کا جو بازار گرم کیا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ یہ حق ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا مگر یہ بھی حق ہے کہ جماعتِ اسلامی تلوار سے پھیلتی رہی۔ حضور



مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں کہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ جہاں پندرہ سال گذارے، پہلے پہل جماعتِ اسلامی کا زور نہ ہونے کے برابر تھا۔ ترقی کی رفتار تھی مگر بہت کم۔ پھر اسلمہ کی پیٹیاں آنا شروع ہو گئیں۔ پرنسپل کے پاؤں میں فائز کھولے جاتے رہے، اساتذہ کو ہراساں کیا جانے لگا اور طلبہ کے فریق مخالف کو رئیسِ ادارہ کے دفتر میں مار مار کر لہو لہان کیا جاتا رہا، پرنسپل کو روکنے کی ہمت تھی نہ سزا دینے کی۔ ان شواہد کا تعلق افریقہ کے پتے ہوئے صحراؤں سے نہیں، وطن عزیز کے علمی گلستانوں اور تعلیمی لالہ زاروں سے ہے۔ ایسا کیوں ہوا، اس لیے کہ جماعتِ اسلامی نے اپنے پیارے بندوں کی تربیت ہی اس طرح کی ہے۔ اس جماعت کو عدل و انصاف سے کوئی تعلق نہیں، کوئی کتنا ہی مکار، جھوٹا، ظالم اور لٹیرا کیوں نہ ہو، جماعتِ اسلامی (جسے 'جماعتِ غیر اسلامی' کہنا بجا ہوگا) کے پرچم تلے آجائے تو اسے پناہ مل جاتی ہے۔

الغرض وہاں تربیت کی کوئی سی صورت بھی ہو، جب اس کی بنیاد و فطرت میں ملتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے کا جذبہ موجود ہے تو اسلام کے سچے مجاہد اسے کیونکر برداشت کر سکتے ہیں۔

**تبلیغی جماعت:** دیوبندی تعلیمات کو ذہن نشین کرانے کے لیے مولانا محمد الیاس کا مدھلوی سے تبلیغی جماعت کا ڈھونگ رچا یا۔ نماز کلمے کے نام پر حضور پر نور شافع یوم المشورہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے شیطانی فریضے کو تبلیغیوں نے نہایت مؤثر طریقے سے سرانجام دیا۔ ان کے نزدیک پاکستان کا قیام غلط تھا۔ گویا ان کے ہاں آزادی و غلامی یکساں ہیں۔ ایمانی غیرت سے اس حد تک خالی ہیں

کہ بھرے اجتماعات میں مسلمانانِ کشمیر اور مسلمانانِ ہند کی نجات کے لیے خدا سے دعا بھی نہیں کر سکتے، یعنی ان کی دعاؤں پر بھی انڈیا اور امریکہ وغیرہ کا قبضہ ہے۔ وہی مانگتے ہیں جن کی انہیں اجازت ہے۔ ابتدا میں انگریزوں کی طرف سے باقاعدہ اسے امداد ملتی تھی (کلمۃ الصمدین)۔ جس کی ابتدا اتنی غلیظ اور شیطانی ہو، انتہا کتنی ہولناک اور ایمان شکن ہوگی۔ حجاز مقدّس میں بھی اب ان کا کچا چٹھا کھل رہا ہے اور ان پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ وہاں چند سال پہلے تک تبلیغی جماعت کے خلاف لکھی جانے والی کتب کی تعداد بائیس تک پہنچ گئی تھی۔ اور جو الزامات ان پر عائد ہوئے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مرزائیوں کی طرح تبلیغی جماعت کا ایک مرکز تل ابیب (اسرائیل) میں بھی ہے۔ مولانا اجمل قادری یعنی شیرانوالہ باغ لاہور کا دیوبندی سپوت، کی اسرائیل خفیہ آمد و رفت اب خفیہ نہیں رہی۔ یہ بات بھی واقفانِ حال جانتے ہیں کہ سعودی عرب میں جو روسی لٹریچر پہنچا ہے، انہی کے بستروں میں چھپ کر پہنچا ہے۔ کہتے ہیں کہ پابندی سے پہلے مدینہ منورہ میں ان کی مرکزی مسجد نور دہیں تھی جہاں منافقوں نے مسجدِ ضرار بنائی تھی۔

تبلیغی لوگ حج پر رائے و نڈ کے سالانہ اجتماع کو ترجیح دیتے ہیں اور مکہ معظمہ میں ہو کر بھی اس کی عظمت کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں جبکہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے لوگوں کو اپنی مسجد نور میں لے جانے کی سعی منافقانہ کرتے ہیں۔

انہیں اللہ تعالیٰ سے، اللہ تعالیٰ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اللہ تعالیٰ کے قرآن اور اللہ تعالیٰ کے دین سے کوئی غرض نہیں بلکہ ان کا مقصد حیاتِ مسلمانوں میں امتیاز پھیلانا ہے اور جانِ ایمان یعنی سلطانِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کرنا ہے۔ چنانچہ ان کا رویہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت معاندانہ و منافقانہ ہے۔ چنانچہ



تعالیٰ عز کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے فضائل کی وجہ یہ بتائی کہ صدیق اکبر ایک بشر کی یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تھے، ان فضائل سے آراستہ کیوں نہ ہوتے۔“

دیکھا آپ نے؟ یہاں بشر سے مراد کون ہے۔ جن کے فضائل بیان کر رہے ہیں، وہ صدیق اکبر ہیں اور بہت کچھ ہیں مگر براہِ واسِ ستم ظریفی کا یا ستم شعاری کا کہ جن کی نظیر کرم نے، جن کے فیضِ محبت نے اور جن کی محبتِ کاملہ نے ابو بکر کو صدیق اکبر بنایا، وہ محض ایک بشر ہیں۔ ہاں ہاں یہی ہے وہ تصورِ نبوت جو نجد و دیوبند کے وحشت خانوں میں پروان چڑھا ہے۔ تقریر کر نیو لے نا ہنجا رکو یہ نکتہ یا وہی نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے پیارے رسول، نبی اور صیب ہیں، انہیں وہ ایک بشر ہی مانتا ہے۔ کیا ابو جہل اور اس مولوی کے ماننے میں کوئی فرق رہا؟ اگر ایسا شخص فرد ہے تو کس کا؟ ملتِ اسلامیہ کا یا ابو جہل کمپنی کا۔

**حش محمد:** یہ تنظیم بھی نجد و دیوبند کے افکار کی امین ہے۔ ذہنی طور پر نہایت تشدد پسند ہے۔ اپنی تخریبی سرگرمیوں کے سبب کا عدم قرار دی جا چکی ہے۔ اس کا شمار ان تنظیموں میں ہوتا ہے جو جہاد کا نام استعمال کر کے عوام الناس سے چندہ، بٹورتی اور پھر اسے اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو شیلے خطیب حضرات تیار کیے جاتے ہیں، جن کی جو شیلی تقریریں سادہ لوح مسلمانوں کی جیبیں خالی کرانے کی 'صفت' سے متصف ہوتی ہیں۔ کشمیر یا ہندوستان میں مجاہدین کشمیر کے کارناموں کی 'ذمہ داری' قبول کر کے میڈیا میں ان رہتے ہیں۔ یوں عوام کو 'جہادی' ہونے کا تاثر دینے میں کامیاب ہیں۔ ہمارے عوام جو جہادی فکر

سے مالا مال ہیں، لیکن کسی نہ کسی سبب خود شریک نہیں ہو سکتے تو ان جھوٹے 'جہاد یوں' کو مال دے کر اپنا آپ راضی کر لیتے ہیں اور خود کو 'جہاد بالمال' کے ذریعے جہاد میں شمولیت کا فریب دے لیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا تمام تر 'جہاد' حصول مال کے لیے ہے اور اسلام کے تصور جہاد کی گہر ڈبھی ان پر نہیں پڑی۔

**لشکر طیبہ:** ان تنظیموں میں جسے سب سے زیادہ شہرت ملی، وہ ہے کالعدم نام نہاد 'لشکر طیبہ'۔ اس کے سربراہ حافظ محمد سعید صاحب ہیں، جن کے بارے میں عام گواہی ہے کہ "جہاد" سے پہلے ان کے پاس ایک بائینکل تھی، پھر ماشاء اللہ 'جہاد' کی 'مکت' سے 'بجیر دان' کے بھاری بھر کم وجود کے نیچے رہنے لگی۔ جہاد سے وابستہ ہو کر کتنی دولت ملی، اس کا اندازہ ہی نہیں۔ گرفتاری سے قبل لاہور میں ان کا ایک خطاب ہوا، صرف اس خطاب میں قوم نے انہیں ایک کروڑ روپیہ نذر کیا۔ انیس بیس سال میں موصوف نے کتنے خطاب کئے اور کتنے ارب کمائے، کیا خیر؟ لیکن جب مرید کے میں اسلحے کے انبار لگے تو قوم بے خبر نہ رہ سکی۔ اگر بات واقعی مجاہدین کی تیاری اور اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی تک ہوتی تو خیر اور خوب تھی۔ حافظ سعید صاحب نے مرید کے مرکز میں ایک بہت بڑا اور ہمہ جہت تعلیمی ادارہ بھی قائم کیا۔ جس میں زیادہ تر احناف کے خلاف مناظر تیار کئے جاتے رہے، اور وہ بھی فردعی مسائل پر۔ نیز ساری قوم کو شرک ثابت کرنے کے لیے مخصوص لٹریچر ازبہ کرایا جاتا ہے۔ ان مناظرین کو رضع یدین، آمین بالجہر جیسے عنوانات پر اس قدر تیار کیا گیا کہ رادیوں کی نقد جرح بھی رنائی جاتی۔ اس طرح ایک طرف تو 'جہاد' اور توحید کی اشاعت کے نام پر دولت کے انبار لگائے جا رہے ہیں اور دوسری طرف

سجیدگی سے قوم کے امن و امان کو تباہ کرنے کے منصوبے بن رہے ہیں۔ اس جماعت کی تاریخ سے واقف ہوشمند لوگ آگاہ ہیں کہ کشمیر میں جیسے سے پہلے نوجوانوں کے عقیدے ”درست“ کرنے کا اہتمام کیا جاتا اور اگر کوئی اس معیار پر پورا نہ اتر سکتا تو خود اسے بڑی رازداری سے صفحہ ہستی سے غائب کر دیا جاتا۔ خوش قسمتی سے جو کسی طرح بچ کے آگئے، ان سے پوچھئے لشکرِ طیبہ کے ماحول میں اولیاءِ مقررین کو کس کس طریقے سے کھلم کھلا گالیاں دی جاتی ہیں۔ بعض دفعہ معمولی اختلافات پر بھی موت و حیات کا فیصلہ کر دیا جاتا اور مخالف کو دنیا بدر کیا جاتا، پھر یہ شور مچایا جاتا کہ شہید ہو گیا اور بالآخر غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام بھی کیا جاتا۔ دوہری چاندی کہ دشمن بھی مرا اور چندے کے ڈھیر بھی لگ گئے۔

پروفیسر صاحب نے مجلہ ”الدعوة“ کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا ہوا ہے۔ اس میں جہادی رپورٹس بھی ہوتی ہیں، مگر جس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، وہ اختلافی عقائد و اعمال ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صوفیاء نے کفار مکہ اور بت پرستان ہند کے عقائد پھیلانے (نعوذ باللہ)۔ داتا گنج بخش علی ہجویری، مولائے روم، حضرت بایزید بسطامی علیہم السلام کی نظر میں اسلام کی صحیح راہ پر ہی نہیں تھے۔ بلکہ کروڑوں مسلمان جو اولیاء و صوفیاء کے معتقد ہیں، ان کے خیال کے مطابق مشرک ہیں۔ جب جہاد کے نام پر چندہ لیما ہو تو چندہ دینے والے مسلمان ہوتے ہیں اور جب خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ سب کافر و مرتد ہوتے ہیں۔ ہاں ہاں! جن مسلمانوں کے چندے سے ان کے تعلیمی مراکز چل رہے ہیں، مفتی (مفت ای) پل رہے ہیں، کتابیں اور رسالے تقسیم کئے جا رہے ہیں، یہ سب ان کے نزدیک کافر و مشرک ہیں۔ بالخصوص اہل سنت ان کی

نظر میں مقہور ہیں اور ان کی مساجد و مدارس پر قبضے کرنا، ان کے علماء کو ہراساں کرنا، قاتلانہ حملے کرنا، خانقاہوں کو بدنام کرنا ان کے من پسند مشاغل ہیں۔ لشکرِ طیبہ کی انہی خلافِ اسلام سرگرمیوں کے سبب حکومتِ وقت کو انہیں تخریبی جماعت قرار دے کر پابندی لگانا پڑی۔ تاہم یہ ”جماعۃ المدعوۃ“ کے نام سے نئے اور پہلے سے زیادہ مہلک طریقہ ہائے واردات سے ’لیس ہو کر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب یہ اپنے ملٹریچر میں علی الاعلان اولیاء اللہ کو گالیاں نہیں دیتے، دفاعِ پاکستان کے عنوان سے بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں، اشخاصِ ملت کا نعرہ لگاتے ہیں، رفاہِ عامہ کے کام کرتے ہیں، تاہم ان کے مدرسوں اور پرائیویٹ مینٹلنگز سے ’فیضیاب‘ ہونے والے شانِ امینا و اولیا پر حملہ آور ہونا اپنی تو حید کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں۔ ان کے دار سے پچنا عام آدمی کے لیے خاصا مشکل ہے۔

یہ تمام تنظیمیں (بالخصوص لشکرِ طیبہ یا جماعۃ المدعوۃ) جو عرصہ دراز سے اسلام کا نام استعمال کر کے تخریبی و فسادی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اور یوں اپنی حرکات و سکنات سے اسلام اور اہل اسلام کی رسوائی کا سبب ہیں، ”شیرانِ اسلام“ کا قیام اس کا ردِ عمل ہے۔ جس کا کام ان کے اصل عزائم کو آشکارا کرنا اور قرآن و حدیث کے نفاذ کو یقینی و موثر بنانا ہے۔

ان تمام حقائق کی روشنی میں شیرانِ اسلام کے قیام اور مجلہ اللہقیہ کے اجراء کے مقاصد کا خلاصہ یہ بنتا ہے:

- ۱۔ اسلام کے اصل عقائد کی حفاظت
- ۲۔ لشکرِ طیبہ (موجودہ جماعۃ المدعوۃ) جیٹش محمد، سپاہ صحابہ، تبلیغی جماعت، جماعت

اسلامی اور ان جیسی متعدد فساد کی تنظیمیں جو مختلف حیلے بہانوں سے سادہ لوح عوام سے اربوں کھربوں روپے سمیٹ کر اسے 'الدعوة' اور اس طرز کے دیگر جرائد کی اشاعت (جن میں علی الاعلان صوفیائے کرام کو گالیاں دی جاتیں) اور عقائد باطلہ کی ترویج و اشاعت کے ادارے چلانے میں صرف کرتی تھیں نیز اہل سنت کی مساجد و مدارس پر بزدراصلہ قبضے کر رہی تھیں، ان کی حقیقت کو طشت از بام کرنا۔

۳۔ خصوصیت کے ساتھ عقیدہ 'حتم نبوت' کا تحفظ

۴۔ جا بجا محافل، کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد تا کہ قرآن وحدیث کی اصل تعلیمات عام کی جاسکیں۔

۵۔ نبی کریم رءف رءیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں محبت کا اعلان کرنے والے نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے والے مجاہدین کی ذہن سازی و تیاری۔

۶۔ مساجد و مدارس، سکولز، کالجز، یونیورسٹیز اور لائبریریوں کا قیام

۷۔ وسیع پیمانے پر اسلامی لٹریچر کی اشاعت

۸۔ ہر ممکن طریقے سے اسلام کی سر بلندی کے لیے جو کچھ ہو سکے، کرنا۔

## شیران اسلام اور مجلۃ الحقیقہ کے کارنامے:

☆..... شیران اسلام کے قیام کے ساتھ ہی حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ نے متعدد دفن و تشکیل دے کر مختلف علاقوں کی طرف بھیجے کا سلسلہ شروع کر دیا جو عوام الناس کو ان تمام فتنہ پرور جماعتوں کی حقیقت سے روشناس کراتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ



شکر گڑھ، نارووال، ڈسکہ، سیالکوٹ، لاہور، شیخوپورہ، راولپنڈی اور اسلام آباد ان سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ ان تبلیغی فوجی کادشوں سے جب حقائق سامنے آئے تو لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ ان جماعتوں سے لا تعلقی کا اظہار کرنے لگے۔ پھر شعور آگئی کا یہ فیضان عام ہونے لگا۔ یہاں تک کہ باطل کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور کئی محاذوں پر پھپائی ان کا مقدر بن گئی۔ کئی علاقے ایسے تھے جہاں ان تنظیموں کے افراد گاڑیاں لے کر حسب سابق چندے، اجناس اور اشیائے ضرورت کی امید پر پہنچے تاہم وہ لوگ جو شیرانِ اسلام کی بدولت ان کی حقیقت پا چکے تھے، ان سے ملنے تک سے انکاری ہو گئے۔ اور کہا کہ ہم جہادِ کشمیر کرنے والی اصل تنظیموں ہی کو امداد دیں گے یا پھر ان مجبور دے کس لوگوں کو جو حقیقتاً مستحق ہیں۔ ادھر الحقیقہ کے ادارے اپنا آپ دکھا رہے تھے۔ جن کی گھن گرج نے باطل کے قلعے میں گہرے شکاف ڈال کے رکھ دیئے تھے۔

☆..... حضور صوفیاء کرام کے اعراس کے موقع پر میلوں ٹھیلوں سے سخت نالاں تھے اور اسے ان بزرگانِ دین سے بے وفائی قرار دیتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے توحید کے انوار پھیلائے، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرارت سے عوام الناس کو گرمایا اور امن و سکون کی خیرات بانٹی، جبکہ جہلاء کا ان اعراس کے موقع پر میلے منعقد کرنا، ڈھول تماشے کرنا، مردوزن کا اختلاط وغیرہ خرافات صاحبانِ مزار کے لیے تکلیف کا سامان ہیں۔ چنانچہ متعدد ایسے مقامات پر حضور اپنے شیروں کے ساتھ پہنچ کر لوگوں کو سمجھایا اور کہیں بزدل طاقت ان موذی حرکات کا قلع قمع فرمایا۔

مثلاً موضع کالانچھی میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ یہاں ہر سال ان کے عرس

کے موقع پر میلا لگتا تھا جس میں غیر شرعی حرکات نہایت تکلیف دہ تھیں۔ حضور نے یہاں مٹھل پاک کا اعلان کر دیا مخالفین جو ڈرامے وغیرہ کرانا چاہتے تھے، دھمکیاں دینے لگے۔ آپ نے مطلقاً پروا نہ کی اور وقت مقرر پر مٹھل پاک شروع ہو گئی۔ وہ لوگ سچ و تاب کھاتے رہے۔ پھر اسلمہ سے مسلح ہو کر آگئے۔ مگر آپ کے سامنے سب کا پتہ پانی ہو گیا۔

یونہی موضع تریخی میں ہوا، یہاں بھی ایک بزرگ کا مزار ہے۔ جہاں ان کے عرس پر سالہا سال سے ڈھول تماشے اور ڈرامے ہوتے آئے ہیں۔ حضور نے عین اس رات جب ڈرامہ ہونا تھا، اس جگہ مٹھل میلا کا اعلان کر دیا۔ پھر حضور بعد از عشاء اپنے غلاموں کے ساتھ وہاں پہنچے اور ذکر رسول شروع ہو گیا۔ ڈرامہ کرانے والے طاقتور لوگ تھے۔ گنیں لے کر آگئے اور لگے ڈرانے دھمکانے، ادھر سے بھی ایسا انتظام کرنا پڑا (لیکن اس وقت جب ان کے سمجھنے کے تمام امکانات ختم ہو گئے)۔ یہاں آپ نے بہت سخت تقریر کی، لوگوں کو غیرت دلانی کہ جن بزرگوں نے تمہیں اسلام پر کار بند رکھا، تم ان کی تعلیمات کو فراموش کر کے خرافات کے پیچھے لگ گئے ہو۔ پوری رات پر دگرام ہونا رہا۔ مخالفین کبھی آگے بڑھتے، کبھی پیچھے ہٹتے۔ حضور کے خطاب پر لوگ جوق در جوق آنے لگے اور یوں یہ پر دگرام نہایت کامیاب رہا اور فحش ڈرامہ (جس میں مرد و عورت دونوں شریک تھے) نہ ہو سکا۔

موضع مورلی میں شیران اسلام کے ایک کارکن محمد شبیر صاحب ہیں۔ انہوں نے جب گاؤں کے ایک مزار پر خلاف شرع حرکات دیکھیں تو تڑپ اٹھے۔ محدود وسائل کے باوجود سالہا سال سے خلاف شرع حرکات کے مرتکب افراد کی سخت ناراضی مول لے کر مٹھل ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرواتے ہیں اور لوگوں میں اصلاح احوال کے

لیے سخت تگ و دو کر رہے ہیں۔ اس طرح کی بیسیوں کامیاب کاوشیں شیرانِ اسلام نے اپنے شیخِ کریم، اپنے سرپرستِ اعلیٰ یعنی حضورِ مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کی زیرِ قیادت کیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔

☆..... کسے معلوم نہیں کہ اسلام کے لیے بڑے فتنوں میں سے ایک فتنہ قادیانیت ہے۔ حضور نے اس کے سدِّ باب کے لیے پورے ملک میں جا بجا حتمِ نبوت کا نفر نسز اور حتمِ نبوت سیمینارز منعقد کروائے۔ لٹریچر چھپوا کر مفت تقسیم کیا۔ سال بھر مختلف جگہوں پر چھوٹے بڑے پروگرام اس کے علاوہ تھے جن میں شیرانِ اسلام کے نوجوان علماء، مرزائیت کی حقیقت آشکارا کرتے۔ یہ سلسلہ بھی نہایت کامیاب رہا اور عظیم الشان تبلیغی فتوحات حاصل ہوئیں۔ لاتعداد مرزائی مرزائیت پہ لعنت بھیج کر اسلام کے اجالوں میں داخل ہوئے۔ قَلْبُہِ الْحَمْد

☆..... شیرانِ اسلام کے زیرِ اہتمام دروسِ قرآن، دروسِ حدیث، محافلِ ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے بڑے پیمانے پر ملک بھر میں شروع ہوئے۔ بالخصوص میلاد شریف کے مہینے میں پورا ماہ محافلِ میلاد کی برسات رہتی۔ ڈسکہ میں بارہ روزہ، یونہی لاہور، سیالکوٹ، شیخوپورہ، فیصل آباد، راولپنڈی، اسلام آباد کے علاوہ متعدد چھوٹے بڑے شہروں میں سینکڑوں محافلِ میلاد تھیں جو محض شیرانِ اسلام کے زیرِ اہتمام ہوتیں۔ ان علاقوں کے علاوہ بارہ ربیع الاول شریف کے جلوس اپنی مثال آپ تھے۔ ان تمام مواقع پر سیکورٹی کے فرائض بھی شیرانِ اسلام کے نوجوان سرانجام دیتے۔ ۱۲ ربیع الاول شریف اور محرم کے دن حضور نے شیرانِ اسلام کے بھی مرکزی دن مقرر فرمائے جن میں تنظیم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوتے۔

متعدد مساجد اور مدارس جن میں بد عقیدہ افراد نے بزدل بازو قبضہ کیا، شیران اسلام کے نوجوانوں نے واگزار کرائے اور ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کی۔ پھر ان مساجد و مدارس کے انتظام و انصرام کے لیے ہر طرح کی امداد کی گئی۔

☆..... حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے متعدد تعلیمی ادارے قائم کئے، جن میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کا بھی اہتمام ہے۔ ان اداروں نے شیران اسلام کے نوجوانوں کی قیادت میں زبردست دینی کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ چند اداروں کے نام یہ ہیں:

(۱) - **نقشِ لائانی اسلامک یونیورسٹی شکرگڑھ**: یہ حضور کا سب سے بڑا منصوبہ ہے، جس میں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ ایف اے تا ایم اے دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ تعمیر اگرچہ جاری ہے، تاہم کلاسز کا آغاز بھی حضور ہی کے دور سے ہو چکا ہے اور زیرِ تعلیم ہونہار طلباء نے ضلع بھر میں بہترین پوزیشنز حاصل کی ہیں۔

(۲) - **جامعہ انوار لائانی (برائے طلباء) شکرگڑھ**

(۳) - **جامعہ انوار لائانی (برائے طالبات) شکرگڑھ** (حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ اس کی منتظم ہیں۔ یہاں حفظِ قرآن، درسِ نظامی کے علاوہ اور کورسز بھی کروائے جاتے ہیں۔ انتظامی امور نیز معیارِ تعلیم کا اعتبار سے ایک مثالی ادارہ ہے)

(۴) - **نقشِ لائانی ہائی سکول، نقشِ لائانی نگر شکرگڑھ** (۵) - **نقشِ لائانی پبلک سکول ظفر وال روڈ شکرگڑھ**۔ (۶) - **نقشِ لائانی ہائی سکول مقام شکرگڑھ**

(۷) - **نقشِ لائانی ہائی سکول پورن شکرگڑھ** (۸) - **نقشِ لائانی کالج پنڈی بوہڑی**

شکر گڑھ (۹)۔ جامعہ انوار لائٹانی پنڈی سینیاں شکر گڑھ (۱۰)۔ جامعہ انوار لائٹانی کولیاں شکر گڑھ (اپنے علاقہ کی معروف ترین اور ہر اعتبار سے بہترین تعلیمی درگاہ)

(۱۱)۔ جامعہ انوار لائٹانی خانو وال شکر گڑھ

(۱۲)۔ جامعہ انوار لائٹانی لگوال منہاساں۔

(۱۳)۔ جامعہ انوار لائٹانی ڈسکہ

(۱۴)۔ نقشب لائٹانی ہائی سکول ایمن آباد سیالکوٹ

(۱۵)۔ نقشب لائٹانی پبلک ہائی سکول نزد جناح اسٹیڈیم نزد جناح اسٹیڈیم سیالکوٹ (یہ دونوں ادارے ضلع بھر میں متعدد پوزیشن لینے والے ادارے ہیں، جن میں داخلے کے لیے بڑی بڑی سفارشات موصول ہوتی ہیں)

(۱۶)۔ نقشب لائٹانی پبلک سکول بہاولپور

☆..... جب بھی حکومتی سطح پر یا عالمی سطح پر کوئی ایسی حرکت ہوئی جس میں اسلام یا بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت پر حرف آتا ہو، شیران اسلام کے نوجوانوں نے بھرپور احتجاج کیا اور جلسے جلوس، کانفرنسز، سیمینارز کے ذریعے سے اپنی آواز ادا پر تک پہنچائی۔ مثلاً جب مشرف حکومت کی طرف سے سکولوں کالجوں میں اسلام کش تجاویز شامل نصاب کی گئیں تو حضور نے خود بھی تحریری و زبانی جہاد کیا اور شیران اسلام کے ذریعے بھی ریلیاں نکلوائیں۔ یونہی جب ڈنمارک، ناروے وغیرہ یورپین ممالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے گستاخانہ خاکے شائع کیے تو پوری شیران اسلام سراپا احتجاج بن گئی۔ ملک بھر میں ریلیاں نکالی گئیں۔ حضور نے خود بھی شکر گڑھ

میں ایک بڑے جلوس کی قیادت کی۔ جتنے ایم پی اے، ایم این اے یا دیگر وزراء حضور کے درپہ آتے، حضور انہیں اپنی حکومت کو عالمی سطح پر اقدامات کرنے کے لیے تحریک دلانے کا فرماتے۔ شیران اسلام کے قائدین نے اہم حکومتی شخصیات سے ملاقاتیں بھی کیں اور اس مسئلے میں اہم کردار ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ یونہی سانحہ کراچی (جس میں متعدد علماء اہلسنت شہید ہوئے)، سانحہ لاہور (جس میں ممتاز سکا لڑا کٹر سرفراز نعیمی صاحب شہید ہوئے) اور سانحہ داتا دربار، ہوا تو شیران اسلام نے پریس کانفرنسز اور ریلیوں کے ذریعے خوب آواز اٹھائی۔

☆..... اسی طرح وہ بد بخت افراد جو پاکستان، قائد اعظم اور علامہ اقبال کے حوالے سے منفی سوچ رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کے خلاف زہرا لگتے رہتے تھے، کبھی تحریروں کے ذریعے اور کبھی بیانات کی صورت، حضور نے ان کا محاسبہ کیا۔ بالخصوص الحقیقہ میں آپ کی تحریروں نے خوب کام دکھایا۔ خود بھی ان کے خلاف صف آراء رہے اور اپنے نوجوانوں کو بھی علمی و فکری دلائل سے آراستہ کر کے ہر محاذ پر ان کو بے عزت کیا۔

☆..... حضور مقرر اسلام علیہ الرحمہ نے قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ متعدد مرتبہ پورا قرآن مکمل کیا گیا۔ ان دروس میں شیران اسلام کے اراکین کے علاوہ عوام الناس کی شرکت بھی ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ اسباق پڑھے، آج بھی قرآن فہمی میں وہ عام لوگوں پہ فائق ہیں۔

☆..... الحقیقہ کی اشاعت آپ کی خصوصی توجہ سے مستفید تھی۔ چنانچہ اس میں آپ کے مدلل، موثر، مفید، پر مغز، علمی تحقیقی اور عقائد حقہ پر مشتمل مضامین نے تہلکہ مچا دیا۔ بالخصوص ”توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات“ (۶۵ قسطوں پر مشتمل)، ”اتحادِ ملت کی

ضرورت و صورت“ (۱۲۲ قسط) ”اسلام اور شیطان کے سپوت“ (۱۲۲ قسط) اور آپ کے ادارے ’الحقیقہ‘ کی جان تھے، جنہوں نے بے شمار بد عقیدہ افراد کو بد عقیدگی کے چنگل سے رہائی دلائی۔ ان اداروں میں جہاں بے دین جماعتوں اور ان کے سرکردہ افراد کی نقاب کشائی ہوتی تھی، وہاں بے حس سیاسی شخصیات کو بھی جھنجھوڑا جاتا تھا۔ اکثر یہ تحاریر سخت ہوتی تھیں جو تازیانے کا کام کرتیں۔ اس پر بعض اپنے فکر مند بھی ہوئے کہ رد عمل میں آپ کو خدانخواستہ نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ جون ۲۰۱۰ء کا واقعہ ہے، حضور اپنے پیر خانے کی ہفتہ وار حاضری کے لیے علی پور شریف گئے۔ معتمد و افراد ہمراہ تھے۔ راستے میں حاجی اخلاق احمد صاحب بار بار اپنی اسی پریشانی کا اظہار ڈاکٹر یلین صاحب سے کر رہے تھے کہ الحقیقہ میں اتنی سخت زبان استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کا یہ کہنا نیک نیتی سے تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ میں جب مزار حضور شاہ لاثانی میں داخل ہوا تو حضور شاہ لاثانی قدس سرہ کے مزار سے آواز آئی، ”نام لے لے کرٹل‘ لگا لگا کر لکھیں گے“۔ اب ڈاکٹر صاحب گویا ہوئے کہ حاجی صاحب! میری اور آپ کی بات نہیں، یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ یعنی حضور خود نہیں لکھتے، ان سے لکھوایا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور شاہ لاثانی آپ کے فعل کو اپنا فعل ارشاد فرما رہے ہیں، جیسا کہ لکھیں گے سے ظاہر ہے۔ المختصر! ’الحقیقہ‘ جہاں بھی گیا، اذہان و قلوب کو جلا بخشنا گیا۔

شکر گڑھ میں ڈاکٹر محمد طاہر غوری، کچھ عرصہ حضور کے معالج رہے ہیں۔ اپنے کلینک پر بیٹھے تھے ایک شخص (جو غیر مقلد تھا) اپنی باری کے انتظار میں تھا اور ذرا دیر تھی، چنانچہ میز پر موجود الحقیقہ اٹھا کر پڑھنے لگا۔ جب باری آئی تو کہنے لگا، جناب چند منٹ

کی اس ورق گردانی نے میرے ذہن کے تمام شکوک و ادہام کو ختم کر دیا ہے اور میں بد عقیدگی سے تائب ہو گیا ہوں۔

یہاں تو محض ایک جھلک دکھانی مقصود تھی، وگرنہ ایسے سینکڑوں واقعات 'الحقیقہ' کی فتوحات پہ وال ہیں۔ بالخصوص سینکڑوں خطوط جو موصول ہوتے رہے، اس بات کے آئینہ دار ہیں کہ 'الحقیقہ' اپنوں کے عقائد میں پختگی لانے والا اور غیروں کو 'حقیقت' کا راستہ دکھانے والا صوفیاء کی نگاہ و توجہ کا عظیم شاہکار ہے۔

☆..... حقیقت یہ ہے کہ 'الحقیقہ' کے اجراء اور یونہی شیران اسلام کے قیام کے پس منظر میں چونکہ ناموس اولیاء کے تحفظ کا جذبہ کارفرما تھا، لہذا ان صوفیاء کی روحانی توجہ پوری طرح اس کے شامل حال تھی، اور بعض لوگوں کے ذریعے ان اکابرین نے اس کا اظہار بھی کسی نہ کسی طرح سے کیا تا کہ عوام الناس بھی مطلع ہوں۔

☆..... یہ واقعہ خود حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ نے (۱۲۷ اپریل ۲۰۰۱ء بمطابق ۲ صفر ۱۴۲۲ھ روز جمعہ المبارک بعد ختم شریف) بتایا کہ سیالکوٹ کے ایک شخص کی خواب میں آفتاب چشت پیر مہر علی شاہ صاحب کلڑوی علیہ الرحمہ تشریف لائے اور فرمایا "الحقیقہ مجھے بہت پسند ہے"

☆..... اس واقعہ کے راوی جناب ممنون احمد آسوی صاحب ہیں:

کالج سے دوڑ کے آئے اور شیران اسلام کی رکنیت کی درخواست کی پوچھا شیران اسلام کا کیسے معلوم ہوا؟ بتایا کہ گاؤں کے ایک نوجوان میں جن بولتا ہے، اس نے کہا ہے کہ نقش لائٹانی نگر جا کر شیران اسلام میں شمولیت اختیار کرو۔ پوچھا، کس نے بنائی ہے؟ اس نے بتایا کہ حضور شاہ لائٹانی علیہ الرحمہ کا سایہ اس پر ہے۔ (جنوری ۲۰۰۱ء)



باب ہفتم

اوصافِ حسنہ

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انسانیت کی معراج یہ ہے کہ انسان، مریم ناسور جگر، آرام دلہائے مضطر، عظمتِ نوع بشر اور مقصودِ فکر و نظر یعنی حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے اوصافِ جمیلہ کو اپنی اعلیٰ ترین استعداد کے مطابق اپنی شخصیت میں جذب کرے۔ یوں وہ ذاتِ رسالت کے قریب ہوتا جائے گا۔ اور جوں جوں وہ قریب ہوگا، اسے ذاتِ باری تعالیٰ کا قُرب ملتا جائے گا کیونکہ قُربِ رسول ہی قُربِ خدا کی دلیل ہے۔ اس طرح معرفت کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور انشراح صدر کی دولت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ قُرب و معرفت کے ان مدارج کو طے کرتے ہوئے وہ اپنے ماحول سے منفرد اور بلند ہو جاتا ہے۔ اس وقت بندۂ مؤمن 'قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن' کے مصداق ہو جاتا ہے اور اس کا سراپا کچھ ایسا ہوتا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ  
غالب و کار آفرین ، کار کشا، کار ساز  
خاک و نوری نہاد ، بندۂ مولا صفات  
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز  
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل  
اس کی ادا و فریب، اس کی تگہ و نواز  
رم دم گنگو ، گرم دم جستجو!  
رم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز  
نقطہ پر کار حق ، مرد خدا کا یقین  
اور یہ عالم تمام ، وہم و طلسم و مجاز  
عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ  
حلقہ آفاق میں ، گرمی محفل ہے وہ

(اقبال)

جس مردِ دھانی کے اوصاف اس وقت زبانِ قلم کا موضوع ہیں، وہ ایمان و عمل،  
فکر و نظر اور عظمتِ کردار کے لحاظ سے اپنے دور میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ اوصافِ  
جلیلہ کی چند جھلکیاں قارئینِ خصوصی توجہ سے مطالعہ فرمائیں۔ یاد رہے کہ جن عنوانات  
کے تحت یہاں آپ کے اوصاف کا بیان ہوگا، ان میں سے ہر عنوان پر ایک پوری کتاب  
لکھی جاسکتی ہے، پھر تمام اوصاف کا بیان بھی ناممکن ہے۔ یہاں تو سمندر میں سے محض  
چند بوندیں پیش کی جا رہی ہیں۔

## حُبِّ خد اور رسولِ بل و علا فصلی اللہ علیہ وسلم: اللہ تعالیٰ جلی جلالہ اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت اساس ایمان ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ط..... (البقرہ۔ پ ۲۔ آیت ۱۷۵)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔

اور حبیب رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے متعلق ارشادِ قرآنی ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ..... (الاحزاب۔ پ ۲۔ آیت ۶)

ترجمہ: یہ نبی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

مشہور حدیث ہے، جس کے راوی انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَاٰلِهِ وَوَالِدِهِ

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ..... (بخاری و مسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اسے

اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

بلکہ ایک اور موقع پر فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ.....

(زرقاتی علی المواہب ۳۱۳۱۔ شرح خلا بخاری ۷۲:۳۵/۲)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی

جان سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔

بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھی خدا کی محبت ہی ہے۔ ایک طویل حدیث کے ابتدائی جملے اس حقیقت کو واضح کاف کرنے کے لیے کافی ہیں:

قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ مَتَى أَكُونُ مُؤْمِنًا (وَفِي رِوَايَةٍ مُؤْمِنًا مِمَّا  
مِلًا) قَالَ إِذَا أَحَبَّتِ اللَّهُ قِيلَ مَتَى أَحَبُّ اللَّهُ قَالَ إِذَا  
أَحَبَّتِ رَسُولَهُ . (مقدمہ وائصال بحیرات شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا حضور میں  
مومن (اور ایک روایت کے مطابق میں مومنِ کامل) کب ہوں  
گا۔ فرمایا جب تو اللہ کا محبت ہو جائے گا۔ عرض کیا گیا حضور! میں  
اللہ کا محبت کب ہوں گا۔ فرمایا جب تو اس کے رسول کا محبت ہو  
جائے گا۔

معلوم ہوا محبتِ خدا اور رسول کسی بھی انسان کے ایمان کی صحت و کاملیت کے  
لیے بنیادی شرط ہے۔ یہ وہ قطب (بنیاد) ہے جس پر دین کے ہر اہم معاملے کا مدار  
ہے۔ اس محبت کا کمال ہر کمال کے حصول کے لیے شرط ہے اور یہ سوائے عظیم المرتبت  
اشخاص اور کاملین امت کے اوروں کو عطا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کمالِ ایمان کے لحاظ  
سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں اور یہ مراتب و مدارج ان کی خدا اور رسول سے کامل محبت  
کے معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔

ہم پورے ایمان اور ایقان کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں اور ہم ہی کیا دورِ حاضر  
کے جید علماء کرام اور مشائخِ عظام تسلیم کرتے ہیں کہ اس دور میں حُب و غیرتِ خدا و نبی  
، اگر بصورتِ کمال نظر آتی ہے تو ذاتِ حضور مفکرِ اسلام کے اندر۔ جن کی ادا ادا سے

دونوں کی محبت و مودت کے چشمے پھوٹے نظر آتے تھے۔ جن کے ہر سانس میں ان کی الفت و غیرت رچ بس چکی تھی۔ الغرض آپ کی ساری حیاتِ مقدّمہ سے محبت کا ایک حسین چمن زار ہے جس میں اطاعت، غیرت، مودت، عقیدت اور عرفان کے خوش رنگ پودے لہکتے اور مہکتے نظر آتے ہیں۔ آپ اللہ کریم اور رسولِ عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے حضور ہی تھے اور یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ پر لحو بھر کے لیے بھی کبھی غفلت طاری نہیں ہوئی اور جو شخص صدقِ دل اور حسین ارادت سے آپ کی زیارت کر پاتا، اس پر اس کے حسبِ حال رقت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ إِذَا زُوِيَ اَذْكُرَ اللّٰهَ کا مصداق تھے۔

ایک مرتبہ نہایت دارنگی کے عالم میں فرمایا، ”اگر کوئی مجھے ساری دنیا کی دولت دے کر اللہ تعالیٰ کی محبت کا کرڈر واں حصہ بھی نکالنا چاہے تو میں اس ساری دولت پر چھوکتا بھی نہیں۔“

عشقِ رسول کی یہ صورت حال تھی کہ جب بھی کوئی ملنے آتا، حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال اور فضل و کمال کی باتیں جھوم جھوم کر سناتے۔ بارہا ہم نے دیکھا کہ صبح سے لے کر شام تک لوگ آ اور جا رہے ہیں اور آپ ایک ہی انداز میں پیٹھے عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو بکھیر رہے ہیں۔

پھر آپ کی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ کوئی آپ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ پاک کرنا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ یہی صورت حال امام مالک علیہ الرحمہ کی تھی، یہی صورت حال حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی، یہی جمیع صحابہ علیہم الرضوان کی تھی۔ انہیں کے اس وصفِ جمیل کی جھلک اس دور میں

ہمیں حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت میں نظر آئی کہ کسی نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فقط اسم مبارک لے دیا، بس فریضہ محبت سے آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہہ نکلا۔ بالخصوص کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے آپ کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے جسم مبارک کا ذرہ ذرہ بارگاہِ نبی کی طرف متوجہ ہے۔

چنانچہ آپ کی غلامی کا سب سے بڑا فائدہ بھی یہی تھا کہ قلوب و اذہان حضور سرور دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و غیرت سے متاثر ہو جاتے تھے اور جوں جوں آپ سے رابطہ بڑھتا، خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و غیرت بھی بڑھتی جاتی۔

جنوری ۲۰۰۰ء میں جب کہ نقشب لائٹانی نگر میں ذاتی مکان کی تعمیر جاری تھی، اپنے ایک خادم تو قیر احمد شاہ صاحب کی خدمات پر خوش ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا، ”مگ جو سنگنا ای“ تو قیر صاحب فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکے، یہاں تک کہ آپ نے تین مرتبہ یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ بالآخر انہوں نے عرض کیا، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت عطا فرمادیں۔ آپ نہایت مسرور ہوئے فرمایا، ”تم نے تو مجھے آج خوش کر دیا“۔ پھر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

یہ بات اوپر بیان ہو چکی کہ حب خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں آپ نے جو دائیں اختیار کیں، اس دور میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ سب کا تذکرہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں، پھر کئی باریکیاں ایسی ہیں جنہیں سمجھنا عام انسانی عقل کے لیے محال ہے، تاہم ذوق ایمان کو جلا دینے کے لیے چند کا بیان یہاں کیا جاتا ہے۔

☆۔۔۔ آپ نے خدا کا اسم ذاتی اللہ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے ذاتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بے وضو نہیں لیے۔

☆ -- تحجد اور نمازہ شجگانہ عرصہ شباب میں ہمیشہ غسل کر کے پڑھیں۔ حیاتِ مقدسہ کے ذورِ آخر میں بھی یہ اہتمام کثرت سے رہا۔

☆ -- کبھی قبلہ رُخ پاؤں نہیں کیے۔

☆ -- ہر وقت خدائے بزرگ و برتر کی لاجد و رحمتوں ہی کے تذکرے درو زبان رچتے۔

☆ -- سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ پاک کرتے گھنٹوں بیت جاتے لیکن تھکاوٹ کا شائبہ تک نہ ہوتا۔

☆ -- اگرچہ فتویٰ کی رُو سے درود شریف بغیر وضو کے پڑھنا جائز ہے، لیکن آپ اسے تقویٰ کے منافی گردانتے، چنانچہ ہمیشہ با وضو ہو کر مدینہ پاک کی طرف رُخ کر کے دوڑا نو بیٹھ کر پڑھتے۔ مریدین کو بھی یہی تاکید کی جاتی تھی۔

☆ -- کتابیں اپنی نشست سے ذرا اوپر رکھتے کہ ان میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے پاک ہوتے ہیں۔

☆ -- حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ خیر سنتے ہی پشمانِ مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ پاک کرتے تو محسوس ہوتا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں خود کو حاضر جان کر اور آپ کا خوب تھوڑ کر کے ذکر کر رہے ہیں۔

☆ -- نعت خوانوں کا ادب مبالغے کے ساتھ کرتے، انہیں اونچی جگہ بٹھا کر یا کھڑا کر کے نعت شریف سنی جاتی۔

☆ -- زمین پر گرے کسی کاغذ پر اللہ تعالیٰ، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی بھی مقدس شخصیت کا اسم شریف لکھا دیکھتے تو تکلیف محسوس کرتے فوراً اٹھا کر آنکھوں اور



لیوں سے لگا لیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہندسوں کا بھی ادب ہوتا ہے، اس لیے کہ ان سے (حروفِ ابجد کے قاعدے سے) مقدّس نام بنتے ہیں۔

☆۔۔۔ فرش پر سبز ناملیں یا رنگ لگانے سے منع فرماتے کہ گنبدِ خضرا کا رنگ ہے۔ آپ ایسے فرش پر قدم مبارک نہیں رکھتے تھے جس کا رنگ سبز ہو۔

حقیقت یہی ہے کہ آپ حُبِّ وَالْقَبْرِ خُذُوا اور عَشْقِ وَغَيْرَتِ حَبِیبِ کبریٰ سُبْحٰنَ اللہ علیہ والہ وسلم سے معطر وہ پھول تھے جس نے جہاں بھر میں انہی خوشبوؤں کو عام کیا۔ ایک مرتبہ فرمایا،

”جسے یہاں آ کر نبی پاک سُبْحٰنَ اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت نہ ملے، وہ بے شک نہ آیا کرے۔“

عظیم خوشخبری: ستمبر ۲۰۰۵ء کی بات ہے، آپ نے ’الحقیقہ‘ کے اکتوبر کے شمارے کے

لیے اداریہ لکھا تو اس میں ایک فقرہ یوں تھا، ”حشر کا دن حضورِ رُؤْسِ اللہ علیہ والہ وسلم کی

محبت و غیرت والوں کے لیے عید کا دن ہوگا۔“ یہ فقرہ لکھتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ غالباً گلے ہی دن آپ نے خدام کی مجلس میں ایسے ہی فقرے دوبارہ کہے

اور اسی طرح مبارک آنکھیں آنسوؤں سے پھر بھر گئیں۔ حافظ محمد سلیمین صاحب

(سیالکوٹ) جو پاس بیٹھے تھے، ان سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا، ”انشاء اللہ بروز

قیامت ہم (نبی کے غلام) نعرے لگاتے جنت میں جائیں گے، کیوں درویشا؟“ غلام

مرشد صاحب بھی حاضر بارگاہ تھے، عرض گزار ہوئے، ”حضور! مجھے بھی ساتھ لے جائیے

گا (میرے لیے بھی دعا فرمائیے گا)۔“ فرمایا (اردو میں)، ”جب ہم اس طرح کی کوئی

بات کرتے ہیں تو سب عزیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔“ یہ عاجز عرض کرنا

ہے کہ تھینا یہ ارشادِ عالیشان حضور مفلکِ اسلام کے غلاموں کے لیے عظیم خوشخبری ہے۔

## ذکر خیر الامام علیؑ علیہ السلام اور حضور مفلکِ اسلامؐ سے ہرگز

اہلِ محبت کتاب و سنت کے مطالعے سے اس حقیقت کو پا چکے ہیں کہ حُبِّ

حبيبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی جانِ ایمان ہے۔ بقول اقبال:

مغرور آں، روحِ ایماں، جانِ دیں

ہست حُبِّ رَحْمۃٍ لِلْعَالَمِیْنَ

اور یہ اہلِ محبت اس بات سے بھی بے خبر نہیں کہ عشق و محبت کا ایک تقاضا ذکرِ محبوب ہے۔

خود معلمِ اعظم، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے:

مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ

یعنی جسے کسی سے محبت ہوتی ہے، اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

اور کسے معلوم نہیں کہ خدا کے بعد جو سب سے بڑھ کر مذکور و مدوح ہے وہ مہر

سپہرِ پیغمبری، ماہِ سمانے دلبری، جمالِ چہرہٴ خوبی، کمالِ شانِ محبوبی، حضورِ احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ہے۔

## ذکرِ رسول کی ہمہ گیری: شمسِ العارفین، بدرِ الکاملین، حضور مفلکِ اسلام علیہ السلام پر

دُفینر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ رسول کی ہمہ گیری کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کائنات اس کی دستوں میں گم ہے اور یہ شرق و غرب کو اپنی لپیٹ میں لیے

ہے۔ نقار خانہٴ عالم کو ہمہ تن کوش ہو کر سنیں تو حمدِ خداوندی کے بعد ایک ہی آوازہ کونج رہا

ہے اور وہ ہے کونین کے دولہا، دارین کے آقا، ثقلین کے مولا علیہ السلام کی نعت کا۔

ذوق و شوق کا ہنگامہ ہو یا علم و حکمت کی انجمن، عاشقوں کی بزم ہاؤ ہو ہو یا عارفوں کی مہل  
سرور، گر یہ نیم شبی ہو کہ آہ سحر گاہی، ہر کہیں ذکرِ رسول کا چہ چاہے۔ اسی سے سوز ہے۔  
اسی سے ساز ہے۔ عناد دل کا نغمہ ہو کہ مرغانِ سحر کا زمزمہ، پھولوں کی مہک ہو یا غنچوں کی  
چمک کوئی، بالجہر تو کوئی بالترتیب اسی میں محو ہے۔ یہ کائنات کی منزل مقصود ہے اور مظاہرِ فطر  
ت اپنے اپنے انداز میں اسی کی طرف رواں دواں ہیں، بقول اقبال:

ہر کجا بنی جہان رنگ دبو!

آنکھ از خاکش بر دید آرزو!

یا ز نور مصطفیٰ اور ابہاست

یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است!

گلشنِ ہستی محبوب کی جلوہ گاہ ہے اور یہی جلوہ اس کا سامانِ رنگ دبو ہے۔

ہونہ یہ پھول تو بلبل کا ترتم بھی نہ ہو

چرخِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

ہونہ یہ ساقی تو پھر مے بھی نہ ہو، تم بھی نہ ہو!

بزم تو حید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو!

خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی تپشِ آمادہ اسی نام سے ہے

زمین ہی کیا، آسمانوں بلکہ عرش پر بھی گرمی محفل ہے۔ خدائی ہی نہیں، خود خدا

بھی اپنی شانِ یکتائی کے ساتھ محبوب کا مداح ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

پھر جس طرح یہ ذکر مکان کے طول و عرض کو گھیرے ہے۔ زمان کی عظیم پہنا  
نیاں بھی اس کے آگے پہنچ ہیں۔ صلوٰۃ و سلام کا یہ خدائی وظیفہ صبح ازل سے پہلے جاری ہوا  
اور شام ابد کے بعد تک جاری رہے گا۔ کیوں نہ ہو مکان محدود ہے اور یہ (ذکر) غیر محدود  
، زمان مسدود ہے اور یہ غیر مسدود۔“

**ایک عظیم ذاکر رسول:** مرد مومن ذکر رسول کی اس ہمہ گیر نوعیت کا بخوبی ادراک  
رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کا ہر لہجہ یا وحیب حبیب سلی اللہ علیہ وسلم میں بسر ہوتا ہے تو ہر آن ذکر  
شہ لولاک سلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی زبان تر رہتی ہے۔ امام بویری شیخ سعدی مولینا  
جامی علامہ اقبال علیہم السلام نے یہ فرض محبت اپنے دور میں اپنے  
اپنے مخصوص انداز میں سر انجام دیا ہے۔ دور حاضر میں عشاق مصطفیٰ علیہ السلام میں ایک  
قد آور ممتاز ترین شخصیت میرے خطا پوش، میرے عطا پاش، میرے ولی نعمت  
علیہم السلام حضور قبلہ عالم پر وفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ العزیز کی ہے جن کی زیست کا  
عنوان جلی یا وحیب سلی اللہ علیہ وسلم اور ذکر حبیب سلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ان کی نظم و نثر  
اس پر شاہد عادل۔ سچ پوچھئے تو ان کے کمال کی بنیاد اگر عشق رسول سلی اللہ علیہ وسلم ہے تو  
کلام کی تاثیر ذکر رسول سلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے  
آپ کے کلام منظوم سے چند شہ پارے پیش کئے جائیں تاکہ جو والہانہ محبت و عقیدت  
آپ کو آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھی، اس کا کچھ اظہار ہو جائے۔ یاد رہے کہ  
حضور مقلد اسلام نے اردو پنجابی، فارسی زبانوں میں نعتیہ کلام لکھے ہیں۔ انگریزی زبان

میں بھی اشعار لکھے۔ (انگریزی زبان پر آپ کو ایسا عبور تھا کہ جب آپ ابھی فرسٹ ایئر کے طالب علم تھے تو دو دو گھنٹے اپنے انگریزی کے پروفیسرز سے انگریزی میں گفتگو کر لیتے تھے)۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمۃ نے ذکرِ حبیبِ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصورتِ نظم مختلف انداز میں کیا ہے۔ آپ نے روایتی انداز میں 'نعت' کے عنوان سے بھی کلام لکھ کر محبوبِ کبریا سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے اور کہیں 'نعت' کی بجائے کوئی نعتیہ عنوان دے دیتے ہیں۔ مثلاً ہمارا نبی سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میرا سب کچھ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ قربان۔ سرکار سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدق۔ آؤ میلا د منائیں۔ جانِ عرش۔ عشقِ شہِ والا۔ معراجِ سرورِ کائنات سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وغیرہم۔

تمنائے شعاعِ روئے زیبا: ارمان کے عنوان سے ایک نعت شریف کے چند

اشعار ملاحظہ ہوں۔

غبارِ کوچہ سرکار ﷺ ہو جاؤں تو کیا کہنا  
جو مٹ کر لائق دیدار ہو جاؤں تو کیا کہنا  
بہالے جائے سبیلِ شوقِ مجھ کو کوئے جاناں میں  
غریبِ قلزمِ انوار ہو جاؤں تو کیا کہنا  
ادھر وہ زندہ کرنے کو مجھے تشریف لے آئیں  
ادھر مرنے کو میں تیار ہو جاؤں تو کیا کہنا  
تمنائے شعاعِ روئے زیبا میں فنا ہو کر !!  
دو عالم سے اگر بیزار ہو جاؤں تو کیا کہنا

ناترے اک جھلک کا نشہ دل سے روزِ محشر تک

کچھ اس انداز سے سرشار ہو جاؤں تو کیا کہنا

**حمد و نعت کا حسین امتزاج:** حمد و نعت کو یکجا کر کے نہایت حسین اور دلکش انداز

سے پیش کرنا آپ کا طرہ امتیاز تھا ملاحظہ کیجئے:

ان کا رب پھر ان کا رب ہے، خود ان جیسا کوئی نہیں

یکتا کے ہیں منظرِ یکتا، ایسا یکتا کوئی نہیں ہے

ایک وہی مہمانِ خدا کے، منزلِ اودا دنی میں ٹھہرے

چرخ پہ تو کچھ اور بھی پہنچے، عرش پہ پہنچا کوئی نہیں ہے

اپنے رب کو دیکھا انہی نے، ان کو دیکھا تو رب ہی نے

ان دوکانِ دو کے علاوہ دیکھنے والا کوئی نہیں ہے

وہ ارحم یہ اس کی ہیں رحمت، وہ معبود یہ جانِ عبادت

بے ان کے جو اس تک پہنچا، حاشا دکلا کوئی نہیں ہے

وحدت کا وہ جامِ پلایا، بندوں کو مولا سے ملایا!!

ہے کوئی ایسا اور بھی ہادی؟ ہاں ہاں، ایسا کوئی نہیں ہے

**فریادِ استغاثہ بہ بارگاہِ رسول:** حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ

میں فریادِ استغاثہ ہمیشہ سے پاکانِ امت کا معمول رہا ہے۔ حضور قبلاً عالم ربّہ اللہ علیہ نے

بھی متغیر اُنس و جاں، راحتِ خستہ دلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا

ہے:

رخ روشن مجھے سرکار دکھایا ہوتا  
مجھ سیاہ کار کا بھی بخت جگایا ہوتا  
مجھ کو ہر شے میں نظر آتی تجلی تیری  
میری آنکھوں سے بھی پردہ جواٹھایا ہوتا  
کیا ملا عقل کی شوریدہ سری سے مجھ کو  
میں بھی تو خاک رہ عشق، خدایا ہوتا  
کاش ناموس رسالت پہ میں جاں دے دیتا  
خود کو یوں موت کے پنجے سے چھڑایا ہوتا  
ایک ہلکا سا تبسم بھی مجھے کافی تھا  
یہ شرف میرے بھی حصے میں تو آیا ہوتا  
پھر مجھے موت کا کھٹکانہ ذرا بھی رہتا  
باد دامن سے اگر مجھ کو جلایا ہوتا  
تیری نظروں سے جو لیتے تھے بلال اور خدیب  
کچھ نہ کچھ مجھ کو بھی وہ راز سکھایا ہوتا  
کاش دربار رسالت میں یوں آنا آتی  
تقش لاثانی کا ظاہر میں بھی سایہ ہوتا  
ایک پنجابی نعت کے بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:  
توں ایس رب دانور مدینے والڑیا  
ظلمت کر دے دور مدینے والٹریا

بڑیاں آساں لے کے آیاں دراتے

کر لے ہن منظور مدینے والشریا

لا دسا پئے عشق و اچان سینے وچ

کڈھ کے فخر غرور مدینے والشریا

تیری یاد وچ ڈبیاں ہواں میں محشر تک

دے اوہ کیف سرور مدینے والشریا

واسطہ حسن حسین تے سیدہ زہرا دا

عرضاں کر منظور مدینے والشریا

کہوں جا کے حال سناواں سینے وا

زخماں کیجا چور مدینے والشریا

کوئی نہ مڑیا خالی تیرے دراتوں

ایہ گل ہے مشہور مدینے والشریا

نقش لائانی وا صدق آسی نوں

کردے نور نور مدینے والشریا

**میلا دشریف کا بیان:** میلا دشریف بیان کرنا حضور مقلد اسلام کا پسندیدہ ترین

موضوع تھا اور میلا دشریف کو بیان کرتے وقت آپ دیگر شعراء کی طرح محض فضائل و

مناقب تک ہی محدود رہتے بلکہ اس عظیم روحانی، علمی، فکری اور نظری انقلاب کی طرف

اشارہ ضرور کرتے جو دراصل عظمت رسالت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی چمکتی ہوئی



دیکھ لیں۔

چمک اٹھی ہے بزمِ سخنِ فکاں سرکار کا صدق

منور ہو گئے کون و مکان سرکار کا صدق

وہ آئے تو اجالے آگئے ایوانِ ہستی میں

منظلمات کا نام و نشان سرکار کا صدق

مزاجِ آدمیت میں انوکھا انقلاب آیا

بدل کے رہ گئے پیر و جوان سرکار کا صدق

بشرہاں وہ بشر، جو مہر و ماہ کو سجدے کرتا تھا

ہوا ارض و سما کا حکمراں سرکار کا صدق

حیا و شرم، مہر و آشتی سرکار نے بخشی

رواں ہے زندگی کا کارواں سرکار کا صدق

سراپا حرص کو اخلاص کا پیکر بنا ڈالا

مہکتا ہے وفا کا بوستاں سرکار کا صدق

بفیضِ نقشِ لائیلی ہے اسی نعتِ خواں ان کا

تو جبریل امیں ہیں ہمزباں سرکار کا صدق

ماہِ ربیع الاول شریف میں آپ کثرت کے ساتھ محافلِ میلاد کا انعقاد کرواتے

اور صرف شکر گڑھ میں اکثر ان محافل کی تعداد 100 سے تجاوز کر جاتی۔ سیالکوٹ میں

بارہ روزہ محافلِ میلاد کا آغاز آپ نے کیا۔ ڈسکہ، لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد، شیخوپورہ

اور دیگر شہروں میں جتنی محافل اس ماہِ طیبہ میں ہوتیں، ان کا شمار مشکل ہے۔ سال کے

دیگر مہینوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

انشاء اللہ ایہہ آسی نوں رضوان آکھے گا جنت دا

تمسی آقادی میلادی سو تشریف لیا و حج و حج کے

پھر ماہِ ربیع الاول شریف میں آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی کو پریشان یا روتا دیکھتے تو فرماتے اس مہینے میں اللہ کریم نے اتنی بڑی خوشی (حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری) ہمیں عطا فرمائی ہے، اس کے سامنے یہ معمولی پریشانیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ لہذا پورا مہینہ خوش خوش نظر آنا چاہئے کہ یہ بھی ایک انداز ہے اللہ کے اس احسانِ عظیم کا شکر یہ ادا کرنے کا۔

حضور اکرم نور مجسم سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ آپ کے زورِ قلم کا خوبصورت انداز ملاحظہ کیجئے:

”حضرت آدم علیہ السلام کے بعد مختلف ادوار میں انبیاء کرام اور رسولانِ عظام (علیہم السلام) مختلف ملکوں اور قوموں میں بھولی بھٹکی مخلوق کو راہِ حق دکھانے کے لیے تشریف لاتے رہے اور اس طرح دنیا تبلیغِ نوحِ عظیمتِ ابراہیم، تسلیمِ اسماعیل، حسینِ یوسف، جلالِ موسیٰ، خلافتِ داؤد، ملکِ سلیمان، مناجاتِ یحییٰ اور دمِ عیسیٰ (علیہم السلام) کا نظارہ کرتی رہی تا آنکہ سب سے آخر میں خدا کا سب سے بڑا محبوب، سب سے بڑا نبی و رسول، انسانیت کا سب سے بڑا ہادی و محسن، کائنات کا سب سے بڑا معلم و متقن سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ و التنازحۃ للعلمین بن کر، حتمِ نبوت کا تاج پہن کر، جلوہ طراز گیتی ہوا۔

وہ دانائے سبیل، ختمِ الرسل، مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا فردِ غِ دادیٰ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی ازل ، وہی آخر

وہی قرآن ، وہی فرقان ، وہی لمبیں ، وہی لطف

حضورِ اکرم ، نورِ مجسم ، رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و صحابہ و بارک و سلم کی تشریف  
آوری سے کائنات کی جان میں جان آگئی۔۔۔ زندگی دم توڑ رہی تھی اسے جینے کا حوصلہ  
مل گیا۔۔۔ انسانیت قریب الموت تھی ، اسے سکون و قرار آ گیا۔۔۔ اخلاق اور کردار کی  
عظمت کے چراغ روشن ہوئے۔۔۔ شجر و حجر کے سامنے جبیں سالی کرنے والے اشرف  
المخلوقات کو اس کے اصل مقام پر فائز کیا گیا۔

ہاں ہاں ، یہ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نور  
نظر کے قدمِ مہمنت لزوم کی برکت تھی کہ کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ گئے۔۔۔ تو  
حید و ایمان کے انوار سے مشرق و مغرب جگمگا اٹھے۔۔۔ خدائی جس انسان کی منتظر تھی  
، اسے وہ مل گیا۔۔۔ انسان جس خدا کی تلاش میں تھا ، اس تک وہ پہنچ گیا۔ (وای  
کَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔۔۔ آل عمران پ ۴)

سطوتِ کبریٰ کے نقوشِ پا کی شوخی دیکھنا

عالمِ ہستی کے خارستاں بہارستاں ہوئے

لاکھوں ، نہیں کروڑوں ، بلکہ اربوں ، نہیں ، بلکہ بے حد و بے عدد درود و سلام ہوں

اس جانِ رحمت پر جو نور بن کے آیا اور کتابِ مبین لایا:

وہ آئے اور آئے بھی قرآن لیے ہوئے

ترتیبِ کائنات کا ساماں لیے ہوئے

آپ کو آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر و ولادت سے جو گہرا شغف تھا وہ بیان سے باہر ہے چنانچہ تحریر کی طرح تقریر میں بھی آپ کا انداز ذکرِ میلا دگرتے ہوئے نہایت والہانہ ہوتا۔ جھوم جھوم کر اور مسکرا مسکرا کر میلا دشریف کے واقعات بیان کرتے تو سننے والے اس حسین بیان پہ خوب دل کھول کر داد دیتے اور مست ہو ہو جاتے۔ کوئی حضور علیہ السلام کے میلا دمنانے کا منکر ہوتا تو یہ سن کر سخت تکلیف محسوس کرتے اور اس سے بات کرنے کے بھی روادار نہ ہوتے تھے۔ ابوالکلام آزاد (جو اپنے افکار و نظریات میں قرآن و سنت کی حدود و قیود سے بالکل آزاد تھا) نے جب حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلا د کے حوالے سے ایک زہریلی تحریر لکھی اور ہرزہ سرائی کرتے ہوئے اسے ہندووانہ رسم قرار دیا تو آپ نے اس کی اس زہریلی تحریر کا خوب تعاقب کیا اور ”میلا دشریف اور بعض روایات“ کے نام سے ایک لاجواب اور اس دور میں میلا دشریف کے موضوع پر لکھی جانے والی بہترین کتاب تصنیف کی جس نے خوب شہرت حاصل کی۔

آپ بارہ ربیع الاول شریف کو نہایت تڑک و احتشام کے ساتھ مناتے۔ اس دن اسی مقصد کے لیے بنایا گیا دیدہ زیب جبہ زیب تن فرماتے جو قدرت کی طرف سے عطا کیے گئے حسن و جمال میں زیادتی کا سبب بنتا۔ خوشبو کا استعمال بھی کرتے۔ اور نقش لاٹانی نگر سے ایک بڑے جلوس کو لے کر مرکزی جلوس جو جامع مسجد نور سے نکلتا تھا، سے جا ملتے اور پھر اس کی قیادت کرتے ہوئے ایک متعین راستے سے گزارتے۔ پورا راستہ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند کیے جاتے۔ نعت خوانی ہوتی اور نہایت ایمان افروز ماں باندھا جاتا۔

۱۲ ربیع الاول شریف کو آستانہ عالیہ کو خوب سجایا جاتا لانٹنگ کا بندوبست ہوتا

اور جامع مسجد خاتونِ جنت میں جشنِ میلادِ نہایت عقیدت و محبت سے منایا جاتا۔ نمازِ ظہر تک یہ سلسلہ چلتا۔ پھر نہایت پر کثرت لنگر شریف تقسیم کیا جاتا، جس کا اپنا ہی ایک مزہ تھا، تختوانوں اور مقررین کو سال بھر سے زیادہ اس دن نوازا جاتا۔ المختصر! حضور علیہ السلام کے یومِ ولادت کو منانا آپ پر ختم تھا۔ آپ کے حلقہٴ ارادت سے تعلق رکھنے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ عمرِ عزیز کے آخری چند سال نہایت علیل رہے اور صورتِ حال یہ تھی کہ سوائے ہفتہ وار دربارِ شریفِ حاضری کے کہیں آنا جانا تقریباً متروک ہو چکا تھا۔ تاہم بارہ ربیع الاول شریف کے معمولات میں کبھی تبدیلی نہیں آئی۔ اور ہر سال آپ بنفسِ نفیس جلوس کی قیادت بھی فرماتے رہے اور جشنِ میلاد کے سلسلے میں ہر ممکن اہتمام کا التزام بھی رہا۔

ماہنامہ الحقیقہ جو آپ کے علمی فیضان کا قاسم ہے ربیع الاول شریف میں اس کا خصوصی نمبر ہر سال شائع ہوتا رہا اور بھجہ تعالیٰ آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کی یہ سنت آج تک قائم ہے۔

**ذکرِ شیخ، ذکرِ رسول کے تابع:** اوپر ایک اقتباس آپ کی تصنیف لطیف انوار

لاٹانی سے لیا گیا جو آپ نے اپنے دادا مرشدِ قیومِ زمانی، قطبِ ربانی حضور شہنشاہِ لاٹانی علیہ الرحمۃ کی سیرت پر لکھی ہے۔ لیکن آپ کا انداز تھا کہ ذکر اپنے شیخ کا کرتے یا شیخ الشیخ کا یا بزرگانِ دین میں سے کسی کا، تو اسے بھی حضور علیہ السلام کے ذکر کے تابع کر کے کرتے۔ اور کسی نہ کسی موقع پر، کسی نہ کسی حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر لے آتے اور جب آ جاتا تو اگر لکھ رہے ہوتے تو صفحوں پر صفحے لکھتے چلے جاتے اور اگر بول رہے ہوتے تو گھنٹوں گزر جاتے اور ذکرِ شاہِ مرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا رہتا۔ انوار

لاٹانی کی تصنیف میں بھی ہمیں یہی بات نظر آتی ہے۔ مثلاً ہر تصنیف (بشمول انوار لاٹانی) کا آغاز حمد و نعت سے ہوتا ہے جو کہ نظم کی صورت میں بھی ہوتی اور بصورتِ نثر بھی۔ جہاں مقامِ ولایت کو سمجھانا مقصود ہے وہاں پہلے تصدقِ نبوت کو اجاگر کیا ہے۔ جہاں اپنے شیخ کے خاندان کا ذکر کرنا ہے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آلِ پاک (علیہم الرضوان) کے فضائل کا تذکرہ کیا ہے (آپ کے شیخ حسنی حسینی سید تھے)۔

اپنے مرشد کے کسبِ علم کا تذکرہ کرنا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں تحصیلِ علم کی فضیلت کا بیان ہے۔ شبابِ مقدّس اور نکاح کا ذکر مقصود ہے تو پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شبابِ مقدّس اور نکاح کا بیان لایا گیا ہے۔ جہاں اپنے شیخ کی کرامات ذکر کرنی ہیں پہلے حضور نبی کریم ﷺ کے معجزات بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔

جہاں ان کے اختیارات کا بیان کیا، پہلے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لامحدود اور بے پناہ اختیارات (مخلوق کے مقابلے میں) کا ذکر جمیل لاتے ہیں۔ جہاں اپنے پیر کے اخلاق کی بات کرتے ہیں، ترجیحاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حسنہ اور اخلاقِ حمیدہ کی بات چھیڑ دیتے ہیں۔ اپنے شیخ کی منقبت لکھ رہے ہوں تو بھی ذکرِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور کرتے ہیں، مثلاً 'بِحضور نقیش لاٹانی' کے نام سے ایک منقبت کے آخری اشعار ملاحظہ ہوں:

حاصل مجھے بھی ذکرِ نبی کا سرور ہو

میرے بھی دل میں عشق و محبت کا نور ہو

یوں تیرے جدِ پاک کی مدح و ثنا کروں

تخمین قدسیانِ فلک سے سنا کرو  
لوں جب بھی نامِ مصطفیٰ لبِ چوم چوم کے  
وہیں دادِ میری روحِ الامیں جھوم جھوم کے  
تکبیر کا جو نعرہ لگاؤں بھد سرور  
آجائیں حالِ وجود میں کڑویانِ دُور  
جس وقت مرے لب پہ ہو فریادِ رسول  
آئے ندا کہ اسی تیری ہر صدا قبول!

### ذکرِ مصطفیٰ علیہ السلام کا الہامانہ انداز:

اسی طرح جہاں مشائخِ نقشبند کا تذکرہ کرنا تھا وہاں اسی کتاب میں پہلے  
’سید الکونین سیدنا مولانا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام‘ کے نام سے باقاعدہ عنوان قائم  
کر کے اپنے آقا مولانا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت یوں بیان کرتے ہیں:  
’مشائخِ نقشبند کے حالات قلمبند کرنے سے پہلے مدح طرازِ قلم، اس تاجدار  
ہدایت، رازدارِ بدایت، سرِ اسرارِ نہایت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حضور نذرانہ عقیدت پیش  
کرنے کے لیے زمینِ ادب چومتا ہے

جو خلق میں اولِ بہشت میں آرزو، شان میں ظاہر اور حقیقت میں باطن ہے۔

جو عظیمِ انس و جاں ہر درود جہاں حاصلِ گمن فکاں مالکِ این دآں با صفت  
چین و چنناں راحتِ خستہ دلاں چارہ بیچارگانِ دلیلِ سبیلِ عرفاں بلکہ خلیل  
جلیلِ رحماں ہے۔

جوہر سپہر پیہری، ماہ سائے لہری جمال چہرہ خوبی اور کمال شان محبوبی ہے۔  
جوہر ہم ناسور جگر آرام دلہائے مضطر عظیم نوع بشر اور مقصود فکر و نظر ہے۔  
جو دافع سخت و اثر دل تطیب جراحات دروں اور حبیب حضرت بیچوں ہے۔  
جو رنگ گلشن نبوت بونے، سخن فتوت، وجود مسعود و مغفرت، نمود و شہو و موہبت، مفتاح  
خزائن رحمت، مصباح محافل عظمت، شمس فلک شہامت، قمر چرخ کرامت، شفیق  
فقیر امت اور رفیق اسیر غربت ہے۔

جو مجمع حسنات، منبع فیوضات، جامع البرکات، مرجع ششجہات اور مطلع  
تجلیات ہے۔

جو مہبط وحی آسمانی، مورد آیات قرآنی، امین اسرار رحمانی، قاسم نعمائے ربانی، عالم علوم  
عرفانی، دانائے اسرار نہانی ہے۔

جو عین عیون نور، معطر الیہاء و السعد و زافع البلاء و الشر و رافع یوم العصور ہے۔  
جو مشعل بزم و فاء، چراغ خانہ صفا، جان جہان اجیاء، شاہ اقلیم اصطقلی، سر حیل جملہ انبیاء  
منظر شان کبریا ہے یعنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ  
وآبائہ و امہاتہ و ذریاتہ و اتباعہ و بارک و سلم)

۱۔ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

حضرت شیخ محقق علیا رحمۃ مدارج النبوة کے خطبے میں فرماتے ہیں یہ آیت حمد خداوندی بھی ہے، تعجب مصطفوی بھی۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر      وہی قرآن وہی فرقان وہی لیس وہی طاہر



﴿نعت شریف﴾

کان عرفان، جان احسان، دُورِ دُرجِ اصطفا

تختِ رفعت، بختِ دولت، مہرِ برجِ اجتہا

شاہِ عالم، ماہِ اعظم، نورِ انوارِ قدیم

سرِ پہلی، برِ استی، شمعِ جمعِ انبیاء

بدِ ایمان، صدرِ احسان، صاحبِ فضلِ وکرم

رُوحِ رحمت، رُوحِ راحت، نوحِ قلمکِ ابتدا

قدتِ حق، فیضِ مطلق، ہادیِ انسانِ دجاں

خلقِ پرور، خلقِ گستر، شافعِ روزِ جزا

شاہِ اسرئیل، ماہِ اقصیٰ، آفتابِ چرخِ قرب

عرشِ منزل، عیشِ حاصل، محفلِ آرائے دنی

نورِ رُخس، فصلِ یزداں، راحتِ ذریحِ جہاں

شانِ شوکت، آنِ رفعت، منبعِ جو دو عطا

شمسِ رافت، میرِ رحمت، نیرِ برجِ شرف

نجمِ عرفان، رجمِ شیطان، واقعِ شرکِ دہلا

کون ہے جو اس محبوبِ عالی وقار کی عظمت بیان کر سکے:

جو کمال ہی کمال، جمال ہی جمال، خوبی ہی خوبی اور خیر ہی خیر ہے

جس کی ابتدا **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي** سے ظاہر

جس کی شانِ ظہور **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا** وَ دَا عِيَا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَ مِرَاجَا مُبِيرًا <sup>۱</sup> سے روشن  
جس کی عالمگیر بعثت **لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا** <sup>۲</sup> سے مبرہن  
جس کی سیر **سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبِيدِهِ** <sup>۳</sup> سے معزز  
جس کا قرب **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ** <sup>۴</sup> کا مصداق  
جس کی اطاعت **مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ** <sup>۵</sup> سے ثابت  
جس کے متبعین کو **يُخَيِّطُكُمُ اللَّهُ** <sup>۶</sup> کا وعدہ  
جس کا حکم **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ** <sup>۷</sup> سے نمایاں  
جس کی دولت **إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ** <sup>۸</sup> کی تفسیر  
جس کا علم و فضل **وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ**  
**عَظِيمًا** <sup>۹</sup> سے عیاں

---

۱۔ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ ۲۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیٹک ہم نے تمہیں بھیجا  
حاضر و ناظر اور خوشخبری دینا اور ڈرمانا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانا اور چکا و پنے والا آفتاب (الاحزاب)  
۳۔ جو سارے جہان کو ڈرمانے والا ہو (الفرقان) ۴۔ پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا (بنی  
اسرائیل) ۵۔ تو اس جلوے اور اس محبوب میں وہ ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم (الانجم) ۶۔ جس نے رسول کا حکم ما  
نا ہے شک اس نے اللہ کا حکم مانا (النساء) ۷۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا (آل عمران) ۸۔ تو اے محبوب ہمارے رب کی  
قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تمہیں حاکم نہ بنا کیں (النساء) ۹۔ اے محبوب بیٹک ہم نے تمہیں خیر کثیر عطا فرمایا  
(الکوثر) ۱۰۔ اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (النساء)

جس کا خصوصِ رافت بِالْمَوْمِنِينَ رَأَوْفٌ رَّحِيمٌ ۱۱ میں مذکور

جس کا عمومِ رحمت وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۱۲ کا مقصود

جس کی کتاب تَبَيَّنَا لَكُلِّ شَيْءٍ ۱۳ سے موصوف

جس کا دستور إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۱۴ سے مستند

جس کا دین دِينَ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۱۵ سے غالب

جس کا سینہ فیض تَعْلِيمِهِ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۱۶ کی شرح

اور جس کا ذکر وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۱۷ کا آئینہ دار ہے

جو آدم (علیہ السلام) کا وسیلہ ، نوح (علیہ السلام) کا ناخدا

ابراہیم (علیہ السلام) کا مقصود و دعا ، اسمعیل (علیہ السلام) کا نورِ نظر

موسیٰ (علیہ السلام) کا عنوانِ کلام ، یحییٰ (علیہ السلام) کا حاصلِ مناجات

یحییٰ (علیہ السلام) کا مبشر ، اور سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواب کی

تعبیر ہے۔

جو رب اکبر کا نائبِ اعظم ، انسان کا محسنِ اعظم

رسل و مملکت کا سہارا ، اور جگ کا داتا ہے۔

۱۱۔ مسلمانوں پر کمال مہربان (اثوب) ۱۲۔ اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت ہمارے جہان کے لیے (الانبیاء) ۱۳۔ ہر

چیز کا روشن بیان (النحل) ۱۴۔ بیگم ہم اس کے تمہاں ہیں۔ (النجر) ۱۵۔ اور سچے دین کے ساتھ بھیجا گا سے سب

دنوں پر غالب کرے (التغ) ۱۶۔ کیا ہم نے تمہارا سیدہ کشادہ نہ کیا (الانفراخ) ۱۷۔ اور ہم نے تمہارے لیے تمہاں

ذکر بلند کر دیا (الانفراخ)۔

اس کی شان کا بیان تو ایک طرف رہا، عرفان بھی ناممکن ہے۔ خود فرماتے ہیں:

يَا اَبَا بَكْرٍ لَمْ يَعْرِفْنِي حَقِيْقَةً غَيْرَ رَبِّي..... (مطالع المسرات)

ترجمہ: اے ابو بکر! مجھے حقیقت میں میرے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔“

یہ ہے وہ لاثانی اسلوبِ تحریر و نظم جس نے آپ کو مصنفین اور شعراء کی صف میں لاثانی بنا دیا تھا۔ چنانچہ عارفِ حقانی، عالمِ ربانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشبندی لاثانی علیا لرحمۃ میرت حضور نقشبندی لاثانی کے 'حرفِ اول' میں فرماتے ہیں:

”مصنف شیخ کریم کائیک خوار ہے اور اس تحریر سے اس نے گویا حق

نمک ادا کرنے کی کچھ کوشش کی ہے۔ سطر سطر بلکہ لفظ لفظ سے صدق

عقیدت عیاں ہے اور نقطے نقطے سے نکتے نکالے گئے ہیں۔ علمی

ذوق رکھنے والے احباب جن کی نظر سے ایسے تذکرے گذرتے

رہتے ہیں انشاء اللہ کو ای دیں گے کہ نقشبندی لاثانی کے فیض سے

دربار لاثانی کے اس مستانے (حضور مفکرِ اسلام) کا انداز بیان بھی

لاثنانی ہے۔ بظاہر وہ مرہدِ کامل علیا لرحمۃ کی کرامات بیان کر رہا ہے مگر

بباطن تو حید و رسالت، اسلام و ایمان اور مسلک سلف صالحین کے

خلاف ابھرنے والے چھنی دوسوں کا جواب بھی دیتا جا رہا ہے کہ

یہی اس کا مقصدِ حیات ہے۔“

بارہا درس قرآن کا سلسلہ آپ نے چلایا اور متعدد دفعہ اس کا دورہ کیا۔ درس

حدیث جو کہ مشکوٰۃ شریف سے آپ دیتے تھے، رمضان شریف میں آپ کا معمول تھا۔

اور ان دروس میں آیات کی تفسیر بیان کی جا رہی ہو یا حدیث، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے حسن و جمال اور فضل و کمال کی ہی باتیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ آپ کے تلامذہ بیان کرتے ہیں کہ کالج میں آپ اردو شاعری پڑھاتے تو بھی بات سرکار علیہ السلام کی ہی کرتے۔ اللہ رسول کے اسمائے حسنیٰ تحتہ سیاہ پر لکھتے تو مٹاتے ہوئے چاک کے ذرے نیچے نہ گرنے دیتے۔

**ذاکر بن مصطفیٰ علیہ السلام سے محبت والفت:** جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا ذکر کرتے چاہے تقریر کی صورت میں چاہے نعت کی صورت میں، آپ ان کو بہت عزت دیتے۔ ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتے، انہیں اونچی جگہ پر بٹھاتے۔ انعام و اکرام سے نوازتے۔ نیز ان کی تعریف و ستائش اور داد و تحسین میں کوئی کمی نہ چھوڑتے۔ اگر چہ منانے والا حسین و ادائگی کے ظاہری تقاضوں کو نباہ نہ سکتا۔

جناب محمد اقبال صاحب (چیمبرمین بزم نعت سیالکوٹ) راوی ہیں کہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں کینٹ ایریا میں ایک ڈاکٹر صاحب کے گھر ٹھہر گیا تھا۔ سخت سردیوں کے دن تھے۔ ایک نعت خوان صاحب نہایت خوبصورت انداز سے عقیدت و محبت کے ساتھ نعت شریف سنارہے تھے۔ آپ یہ سن کر اتنے بے خود ہوئے کہ جتنی رقم پاس تھی، سب بطور انعام اسے دے دی۔ اس کے بعد کبیل، پھر اپنا واحد سویٹر بھی اسے دے دیا۔ آخر میں صرف ایک رو مال بچا، وہ بھی اس شخص کو عطا فرما دیا۔ (سبحان اللہ)

آپ نے خود بلا مبالغہ سینکڑوں کو مقرر نعت خوان اور قاری بنایا۔ طلباء کو تقاریر کی تیاری کے لیے عموماً آپ اس عاجز کو حکم ارشاد فرماتے اور ساتھ ہی فرمادیتے کہ ان کو تیار کرنے کا مقصد یہی ٹوش نظر ہو کہ یہ دن رات اور ہر جگہ بس محبوب دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے حسن و جمال، جاہ و جلال، فضل و کمال اور جو دونوں کے تذکرے حرز جاں بنائے رکھیں اور یہ کہ ہر قسم کے مسائل کے حل کے لیے یہ اسوۂ رسول کی طرف رجوع کرنے کی عادت بنالیں۔

اگر حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمۃ کو معلوم ہوتا کہ آپ کی بارگاہ میں آنے والا در رسول کی حاضری دے کر آیا ہے تو آپ اس کے ہاتھ چومتے اور بسا اوقات اس کے پاؤں کو چھوتے اور باصرار ایسا کرتے اور فرماتے کہ جن پاؤں نے رب کے سب سے بڑے محبوب سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در اقدس کی خاک کو چھوا ہے مجھے انہیں چھو لینے دو۔ علامہ ابوالہیثم محمد نصر اللہ صاحب جو مدینہ شریف کے بہت بڑے عالم دین اور عاشق رسول ہیں اور بعد ازاں آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، آپ کے ایامِ علالت میں تیمارداری کے لیے لاہور ایک ہسپتال آئے تو آپ اس بات پر بھند ہوئے کہ اپنے پاؤں آگے بڑھاؤ، میں انہیں چومنا چاہتا ہوں کیونکہ انہوں نے رسول پاک سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گلی کی خاک کو چوما ہے۔

کوئی آپ کے سامنے آپ کی تعریف کرنا یا کوئی عالم یا خطیب آپ کا ذکر کرنا چاہتا تو سختی سے روک دیتے اور فرماتے بس رسول اکرم سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک سناؤ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضور نے بندہ پروری کا مظاہرہ کرتے ہوئے راقم الحروف کے غریب خانہ میں مٹھل میلا والنبی سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رونق بخشی۔ پھر مجھے تقریر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو میں نے والہانہ انداز سے آپ کا ذکر کرنا چاہا ہی تھا کہ آپ نے ڈانٹ دیا کہ تمہیں اپنا نہیں نبی پاک سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرنے کے لیے کھڑا کیا ہے، میری کیا حیثیت ہے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی آپ کسی صورت اپنا ذکر یا ستائش

پسند نہ فرماتے۔ اور یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ کے سامنے تقریر کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایک تو خدا نے آپ کو ظاہری اور علمی ہیبت ووجاہت ہی ایسی عطا فرمائی تھی کہ ہماری تو کیا حیثیت ہے، ہم نے بڑے بڑے علماء کو دیکھا ہے کہ آپ کے سامنے بیان کرتے وقت احتیاط کو مد نظر رکھتے تھے اور دوسرے آپ بعض حساس پہلوؤں پر بلاوجہ بولنے اور کما حقہ نہ بول سکنے کی شدید مذمت فرماتے تھے مثلاً واقعہ الک، جنگِ جمل، جنگِ صفین وغیرہم جن کو اگر اصل روح کے مطابق بیان نہ کیا جائے تو مخالفین کو عظمتِ رسول کے حوالے سے چہ گونیاں اور ہرزہ سرائی کرنے کا موقع ملتا ہے۔

یونہی سرکارِ دو عالم نورِ مجسم سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم پاک لیتے وقت القابات اور درود شریف کا التزام لازم تھا اور جوان امور کا خیال نہ رکھتا، اسے مناسب طریقے سے سمجھا دیا جاتا۔

**حضور ﷺ کی سنتیں عام کرنا:** نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کو عام کرنے میں آپ کی مثال نہ تھی۔ آپ خود اتباعِ سنت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتے تھے۔ آپ کا سونا جاگنا، کھانا پینا، ہنسنا بولنا غرضیکہ ہر فعل اتباعِ سنت کی غمازی کرنا تھا اور متعلقین کے لیے بھی اس کی پابندی لازم تھی۔ آستانہ عالیہ پر اکثر وقت حاضر رہنے والوں کے لیے تو اس کی تاکید نہایت سخت تھی۔ آپ نے جامعہ انوارِ لائانی کی بنیاد رکھی تو قرا و حفاظ کے علاوہ نعت خوانوں اور مقررین کی تعلیم و تربیت کا بھی باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ یہ سب اور دیگر عقیدت مند جو کہ سینکڑوں کی تعداد میں روزانہ تین وقت لنگر شریف سے مستفید ہوتے تھے، انہیں سنت کے مطابق کھانے پینے نیز دیگر سنتوں سے باخبر کیا جاتا تھا۔

## حضور مفکر اسلام قدس سرہ اعجاز اور اتباع شریعت

**اتباع شریعت:** اتباع شریعت سے مراد ہے حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ نظام کی پیروی۔ رب اپنے بندوں سے جن احکامات کی بجا آوری چاہتا تھا، اور جن امور سے روکنا چاہتا تھا، وہ سب اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتا دیئے اور پھر قرآن میں اعلان کر دیا:

وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.....

(پارہ ۲۸۔ سورہ حشر۔ کوشا)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ یعنی جو کچھ سرکارِ دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کرنے کا حکم دے دیں وہ کرنا اور جن کاموں سے روکیں ان سے رک جانا اتباع شریعت ہوا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا فرمودہ اس نظام کی پیروی کے لیے دل میں جو خلوص اور خشوع ہونا چاہئے اس کا اہتمام 'طریقت' ہے۔ گویا شریعت و طریقت دو متضاد راستے نہیں ہیں۔ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو کہ اس کی ظاہر و باطن کی حیثیتوں کے مطابق ہیں۔ علمائے کرام شریعت کے مسائل بتاتے ہیں تو اولیائے کرام طریقت کے ذریعے قلب و نظر کے تجربات دور کر کے شریعت کا مقصود حاصل کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص شریعت و سنت کے خلاف ہے وہ ولی نہیں کچھ اور ہے۔ کوئی ولی بلند سے بلند مقام پر ہی کیوں نہ پہنچ جائے، احکام شریعت کی پابندی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ بعض جاہل جو یہ بک دیتے ہیں کہ شریعت راستہ ہے، راستہ کی حاجت ان کو ہے جو مقصود تک نہ پہنچے ہوں،



ہم تو پہنچ گئے۔ سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں فرمایا:

صَدُّوْا لِقَدْ وَصَلُوْا وَلٰكِنْ اِلَى اَيْنَ اِلَى النَّارِ

یعنی وہ سچ کہتے ہیں بیشک پہنچے مگر کہاں، جہنم کی آگ میں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی یہ ارشاد عالیشان اہل طریقت کے ہاں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اِذَا رَأَيْتَ رَجُلًا يَطِيْرُ فِي الْهَوَاءِ اَوْ يَمْشِيْ عَلٰى الْمَاءِ اَوْ يَأْكُلُ النَّارَ وَتَرَكَ سُنَّةَ مَنْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاَضْرِبْهُ بِالنَّعْلَيْنِ فَاِنَّهُ شَيْطٰنٌ وَمَا صَدَرَ مِنْهُ فَهُوَ مَكْرٌ وَ  
اسْتَدْرَاجٌ..... (محمد انوار لائالی)

ترجمہ: جب تو کسی شخص کو ہوا میں اڑتا، پانی پر چلتا یا آگ کھاتا دیکھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی سنت کا تارک بھی ہو تو اسے جو توں سے مار کیونکہ وہ شیطان ہے اور جو کچھ اس سے صادر ہو مکر و استدراج ہے۔ اسی لیے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خلافِ پیمبر کے راہ گزید کہ ہرگز بہتولِ نحو اہد رسید

حضرت مولانا ہاشم کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس حال کو جس میں سرِ مو بھی شریعت اور اہلسنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ احوال شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت احوال کے تابع نہیں، کیونکہ شریعت قطعی وحی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف و الہام سے

ثابت ہوتے ہیں اور فرماتے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ بھی اسی شریعت کی پیروی کرتے۔۔۔۔۔ (زبدۃ القلما ص ۲۹)

سیدنا حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ خو فرماتے ہیں:

”ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن سنت کی خدمت میں قائم ہیں۔۔۔۔۔ (حضرات اقدس سلو ما)  
حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

اے برادر! در تفاوت مراتب فقرا اگر امروز خواہی کہ دریا بی بجانب شریعت اور نگاہ کن کہ شریعت معیار سنت۔ معیار فقر بر شریعت روشن میگرد۔۔۔  
(بحوالہ مقالات)

ترجمہ: اے بھائی اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے۔ اس کوئی پر فقیر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

شیخ ابو بکر طمستانی فرماتے ہیں:

الطَّرِيقُ وَاضِحٌ وَالْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ قَائِمٌ بَيْنَ أَظْهُرِنَا۔۔۔۔۔  
(بحوالہ مقالات)

ترجمہ: راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب و سنت ہمارے سامنے موجود ہیں۔

حضرت سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں:

”ولی وہ ہے جس کے افعال لگا تا رسنت و شریعت کی موافقت میں ہوں۔“

معلوم ہوا، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے خود بھی شریعت کی پاسداری کی اور اپنے حلقہ عقیدت میں داخلہ ہونے والوں کو بھی اتباع شریعت کا درس دیا۔ مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ فوائد القواد، عوارف المعارف، کشف الحجب، رسالہ قشیریہ، فتوح القلوب وغیرہم کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں، ہر صفحے پر کتاب و سنت پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اتباع شریعت کا بلند ترین درجہ یہ ہے کہ شرعی احکام انسان کی فطرت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور اس سے بے تکلف وہی افعال صادر ہوں جو رب اکبر جل جلالہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مطابق ہوں۔ شمس العارفین، بدر الکاملین، رفیع الدرجات، عظیم البرکات، سیدی و مرشدی حضور مقلد اسلام پر وفیسر محمد حسین آسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مقام بلند پر فائز تھے، جہاں آپ کا ہر فعل شریعت مطہرہ کا منظر و معیار بن چکا تھا۔ رخصت نہیں عزیمت، اور فتویٰ نہیں بلکہ تقویٰ ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہا۔ آپ کی عزیمت، آپ کا تقویٰ اور آپ کی استقامت ہی تھی جس نے آپ کو شریعت و طریقت کا امام بنا دیا تھا۔ یعنی آپ کو علم و فضل کے بھی تاجدار تھے اور اقلیم درویشی کے بھی شہنشاہ تھے۔

رب کائنات نے جن اعلیٰ اوصاف سے آپ کو نوازا تھا، ان میں سے ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ کو غصہ نہیں آتا تھا اور آتا تو تب، جب آپ دیکھتے یا سنتے کہ کسی نے اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑا ہے۔ آپ فرماتے کہ جس طرح پانی دریا کی حدود میں رہے تو نفع بخش ہے اور باہر نکل آئے تو طوفان بن جاتا ہے، یونہی بندہ اپنے رب کی قائم کردہ حدود و قیود کے اندر رہے تو یہ اللہ کریم کی برہان بن جاتا ہے اور اگر اپنے رب کی حدود کو توڑ دے تو شیطان بن جاتا ہے۔

**آداب نماز:** اللہ کریم نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے ہمیں جو نظام عطا فرمایا ہے اس میں سب سے اہم عبادات کا نظام ہے جس میں نماز کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن پاک نے **وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ** اور **وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** (بقرہ-۳۳) اور **حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ** (بقرہ-۲۳۸) وغیرہم الفاظ کے ساتھ بیاسی (۸۲) مرتبہ نماز (مع زکوٰۃ) کی تاکید کی ہے۔ اسی طرح سرکارِ دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے **صَلُّوا خَمْسًا** (ترمذی) **وَلَا تَشْرِكْ صَلَاةَ مَكْتُوبَةَ** (ابن ماجہ) نیز **جَعَلْتُ قُرْآنَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ** (منہات) وغیرہم فرما کر جہاں نماز کی شریعتِ اسلامیہ میں اہمیت کو اجاگر کیا وہاں اس سے پہلو تہی کرنے والے کے لیے **فَمَنْ تَرَ كَهَا فَهَذَا كَفَرٌ** (جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔ احمد ترمذی، منافی، ابن ماجہ) جیسے سخت الفاظ سے تنبیہ کی نیز **وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَابْنِ خَلْفٍ** (بے نمازی قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ احمد، دارمی، بیہقی) کے الفاظ کے ساتھ بے نمازی کو اس کے خوفناک انجام سے باخبر کیا ہے۔

یوں تو نمازیں اکثر لوگ پڑھتے ہیں لیکن نماز میں انہماک اور توجہ الی اللہ کی جو صورتحال اولیاء کرام میں پائی جاتی ہے وہ انہی کا خاصہ ہے۔ حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ نماز میں خجگانہ نہایت حسین اہتمام سے ادا کرتے تھے۔ اُدھر اذان ہوئی ادھر یوں نظر آنے لگے گویا سب سے لا تعلق ہیں کہ یہ بھی سرکارِ دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

وہ نہایت احتیاط سے کیا جاتا اور اس دوران یوں محسوس ہوتا کہ آپ کی مکمل توجہ اپنے رب کی طرف ہے۔ نہ خود بولتے نہ پاس کسی کو بولنے کی اجازت ہوتی۔ پھر بغیر کسی سے

بات کئے مسجد کی طرف جاتے۔ اپنا استقبال اور ادب آداب عام طور پر آپ کو پسند نہیں تھا مگر اقامت ہوتے ہی صفیں بناتے ہوئے اپنے لئے جگہ چھوڑنے یا ہاتھ وغیرہ چومنے کو اور بھی سخت ناپسند فرماتے اور بعض اوقات جلالی انداز سے سمجھاتے۔ الغرض جس حسین اہتمام، احتیاط و تقویٰ، آداب شریعت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور یاد و خدا میں غرق ہو کر نماز ادا کرتے، الفاظ اس کا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہیں۔ امام ربانی حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اکثراً دہراتے

”لوگ ریاضت و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت و مجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں۔ نیز فرمایا کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں“ (زبدۃ القلبات صفحہ ۲۸۸)

ایک موقع پر بڑے بڑے اولیائے کرام کی نمازوں کا ذکر کرنے کے بعد حضور مقرر اسلام ارشاد فرماتے ہیں:

”ہم حرص و ہوس کے بندے ہزارہا فکری و قلبی آلائشوں میں جکڑے ہوئے گنہگار ایسی عظیم نماز سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ ہمیں تو اس شاندار نماز کا کروڑوں حصہ بھی مل جائے تو کافی ہے۔ ہاں حتی المقدور کم از کم ہماری نماز کا ظاہر تو درست ہونا چاہئے۔ یعنی قیام، رکوع، سجدہ، قنومہ وغیرہ کے باطنی اور صوفیانہ آداب سے ہم آشنا نہ سہی، کم از کم

---

۱: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ہم سے باتیں کرتے اور ہم آپ سے باتیں کرتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ ایسے ہو جاتے، کھانسی میں بچانے بھی نہ ہوں۔

ظاہری آداب تو مکمل ہونے چاہئیں۔۔۔ امید کی جاسکتی ہے کہ نماز کا ظاہر اگر درست ہو جائے تو کبھی نہ کبھی باطن کی راہ بھی کھل جائے گی

“۔ (تقدیم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان)

وہ حضرات جو آپ کی بارگاہ میں حاضری دیتے، ان میں سے کوئی بے نمازی ہوتا تو کبھی نرمی اور کبھی سختی سے تلقین فرماتے۔ آپ حق بات کہنے میں نہایت بے باک تھے۔ متعدد دفعہ ایسا ہوتا کہ کوئی صاحب حیثیت ظاہری طور پر نہایت اعلیٰ وضع قطع کا مالک کسی حاجت سے حاضر ہوتا تو پہلا سوال نماز کا کرتے۔ اگر مستقل نمازی نہ ہوتا تو حسب ضرورت سختی سے کام لیتے۔ کسی قسم کے تعویذ کا خواہشمند ہوتا تو فرماتے سب سے بڑا تعویذ نماز ہے۔ یہ نماز آنے والی کتنی ہی بلاؤں، پریشانیوں اور بیماریوں کو دفع کرتی ہے۔ جب وہ پکا نمازی بننے کا وعدہ کرتا تو پھر تعویذ عنایت فرماتے۔ ننگے پاؤں پھرنے سے منع فرماتے تھے کہ دماغی بے چینی پیدا ہوتی ہے اور سجدے میں سرور نہیں ملتا۔ نماز میں بے سکونی رہتی ہے۔

**آداب روزہ و رمضان:** شریعت اسلامیہ میں روزہ کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ قرآن پاک نے مَحْتَبَ عَلَیْكُمْ الصَّیَام (البقرہ۔ ۱۸۳) اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ۔ ۱۸۵) فرما کر رمضان میں اس کی فرضیت کا اعلان کیا ہے۔ صوفیائے کرام علیہم الرحمۃ نے روزے کے تین درجے بیان کئے ہیں:

- ۱۔ ایک عام لوگوں کا روزہ کہ کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنا۔
- ۲۔ دوسرا خواص کا روزہ کہ کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کے علاوہ کان، زبان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضاء کو گناہ سے باز رکھنا۔

۳۔ تیسرا خاص الخاص کا روزہ کہ (پہلی دو شرائط کے علاوہ) مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا۔

حضور مفلکِ اسلام علیہ السلام کا روزہ اعلیٰ ترین درجے کا روزہ تھا۔ جو نیک صفت لوگ سالہا سال آپ کی خدمتِ اقدس میں رہے، سب بیک زبان کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی حضور قبلہ عالم کے ہاتھ، پاؤں، کان، زبان، آنکھ وغیرہ اعضاء کو خلاف شرع کاموں کا ارتکاب کرتے نہیں دیکھا (کہ اولیائے کرام، انبیائے کرام کی طرح گناہوں سے معصوم تو نہیں ہوتے البتہ محفوظ ضرور ہوتے ہیں) اور جہاں تک حالتِ روزہ میں شرعی حدود و قیود کا تعلق ہے تو مجھے یہ کہتے قطعی طور پر کوئی تذبذب نہیں کہ آپ سے بڑھ کر ان حدود و قیود کا لحاظ رکھنے والا اور کمال احتیاط کو پیش نظر رکھنے والا میری نظر نے کوئی دیکھا ہی نہیں۔ آپ کا روزہ دیکھ کر اسلاف کے روزوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ یہ بات بھی آپ سے سنی گئی کہ روزے (اور یونہی نمازیں وغیرہ) ہم نبی کریم روف رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سمجھ کر رکھتے ہیں۔ آپ کی راتیں نماز و ذکر اور کار میں بسر ہوتیں تو دن تصنیف و تالیف میں صرف ہوتے۔ پھر رمضان المبارک میں ان مصروفیات میں اور بھی شدت آ جاتی۔ عرصہ دراز سے آپ کا معمول مبارک تھا کہ رمضان شریف میں عصر تا مغرب درس حدیث ہوتا جو کہ مشکوٰۃ شریف سے ہوتا۔ نیز بعد از نماز تراویح مختصر اپنے رب اور محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں ڈوبا ہوا بیان ارشاد فرماتے۔ ان دو مصروفیات کے علاوہ دن رات یا تو تصنیف و تالیف کا معمول رہتا اور یا پھر خدا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں غرق ہو کر تسبیح و تہلیل اور درود شریف کا درود رہتا۔

رمضان المبارک میں ہونٹز وغیرہ نیز کھانے پینے والی اشیاء کی دکانوں کا دن

میں کھلا ہونا سخت گراں بہ طبیعت تھا۔ چنانچہ علاقہ شکر گڑھ کے بازاروں میں چند ہوٹلز کے کھلا ہونے کی خبر آپ کو ملی تو علاقے کے ممتاز سیاسی لیڈر اور حکومتی عہدیدار جو آپ سے عقیدت مند بھی تھے، کو آپ نے ان ہوٹلز کے بند کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور پھر آپ ان سے اس وقت ناراض ہو گئے جب انہوں نے ایسا کرنے سے نال منول سے کام لیا۔ جب وہ آپ سے ملنے آئے تو آپ نے ان کی خاصی سرزنش کی اور قطع تعلق کر لیا۔ اس کے مقابلے میں تحصیل ناظم جناب طارق انیس صاحب (جو بعد ازاں ایم این اے اور وفاقی وزیر مملکت بھی بنے) نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تو ان سے خاصے راضی ہوئے اور کئی مواقع پر ان کی تحسین فرمائی۔

بھٹو دور حکومت میں ایک شخص جو کہ چائے وغیرہ کی دکان کرتا تھا، رمضان شریف کے تقدس کو پا مال کرتے ہوئے روزانہ دکان کھولتا رہا۔ آپ نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔ پھر وہ ٹھیک عید کے دن پاگل ہو گیا اور آج تک پاگل ہی ہے۔ گویا رمضان کا تقدس پا مال کرنا ایک جرم اور اللہ کے ولی کی دلآزاری دوسرا، چنانچہ خدا کا غضب اسے لے ڈوبا۔ حقیقت یہ ہے کہ شرعی قوانین کی خلاف ورزی آپ کو کسی صورت گوارا نہ تھی۔ آپ اس کا تذکرہ کرتے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی مصلحت آڑے نہ آنے دیتے۔

**آپ کے حج و زکوٰۃ:** نماز روزہ کی طرح آپ کی زکوٰۃ اور حج کے احوال بھی نہایت ایمان افروز ہیں۔ جو کچھ پاس تھا سب تبلیغ دین کے لیے وقف تھا۔ کسی قسم کے مال و نقدی کے جمع کرنے کا تو سوال ہی کیا، اکثر اوقات قرض لے کر اشاعت و تبلیغ دین کے لیے خرچ کرنا پڑتا تھا۔ اور اگر زندگی میں کبھی زکوٰۃ دینے کی صورت بنی تو بخوشی دی اور



زیادہ سے زیادہ ادا کی۔ یونہی مدرسے کے طلباء کے لیے جو زکوٰۃ فنڈ قائم تھا اس کی رقم بھی نہایت احتیاط اور غور و فکر سے خرچ کی جاتی۔ اس فنڈ کے انچارج کو سختی سے تاکید تھی کہ جہاں شرعی طور پر یہ صرف کی جانی چاہئے وہیں خرچ کی جائے اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اور جہاں تک حج کا تعلق ہے تو آپ نے اپنی حیاتِ مقدسہ میں دو حج کئے۔ ایک اپنے پیر و مرشد قومِ زمانی، قطبِ ربانی، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت حضور نقشبانی لائٹانی علیہ الرحمۃ کی معیت میں ۱۹۷۶ء میں اور دوسرا ۲۰۰۰ء میں۔ آپ ایک عارفِ حقانی ہونے کے ساتھ ساتھ عالمِ ربانی بھی تھے اور شریعت کے باریک ترین تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ دورانِ حج جس طرح شرعی قاعدوں ضابطوں کی پاسداری آپ کرتے وہ آپ پر ختم تھا۔ جب بھی کسی صاحبِ حیثیت کو دیکھتے کہ ابھی تک حج کی سعادت سے محروم ہے، اسے قرآن و حدیث سے اس کی اہمیت بتاتے اور اکثر یہ حدیث پاک ضرور بیان فرماتے:

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحْجَّ فَلَا

عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا..... (مشکوٰۃ ص ۲۲۲)

ترجمہ: جو زادِ راہ اور سواری کا مالک ہو، جو اسے بیت اللہ شریف

تک پہنچا سکے اور وہ حج نہ کرے تو اس پر اس بات میں کوئی فرق

نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

جو لوگ خانہ کعبہ یا مسجد نبوی کے احرام میں (بزعم خود) پہلے سے ہی جوتے

اتار لیتے آپ ان کی اس حرکت کو ناپسند فرماتے کہ پھر انہیں گندے پاؤں کے ساتھ مقدس

مقامات میں داخل ہوتے تھے۔

**ہاتھ پاؤں چومتے احتیاط:** حضور قبلہ عالم علیہ السلام میں عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنے ہاتھ پاؤں چومے جانے کی آرزو کبھی نہیں کی۔ کبھی فرماتے کہ اس کی اجازت صرف اس لئے دے دیتا ہوں کہ پچھلوں کی سنت ہے۔ آپ فرماتے کہ بزرگان دین کے پاؤں چومنا جائز ہیں لیکن محبت و مستی کے عالم میں ہو تو پھر وگرنہ محض ریا سے ہو تو سراسر ناجائز۔ اگر قدم بوسی کرتے کوئی کھٹنے زمین پر رکھ دیتا تو منع فرماتے تاکہ لباس صاف رہے اور لباس صاف ہونا نماز کی ایک اہم شرط ہے۔ اسی طرح ماتھا، پاؤں یا ہاتھ کو لگانے سے نیز قبر کو لگانے سے بھی سختی سے منع فرماتے کیونکہ مسلم شریف کی ایک حدیث پاک کے مطابق جسے سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ”پیشانی کا زمین پر جمناسجدے کی حقیقت ہے“۔ یعنی ماتھا لگنے سے سجدے کی سی صورت بنتی ہے لہذا تنبیہ کر دیتے کہ جو ادب شریعت کے خلاف ہو، وہ مکر ہے۔

**شرم و حیا اور پردہ:** شرم و حیا مرد کا زیور ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تحسین فرمائی ہے۔ ایک موقع پر ارشاد ہوا:

الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ ..... (ترمذی شریف)

ترجمہ: حیا ایمان میں سے ہے اور ایمان جنت میں سے ہے۔

کہیں فرمایا:

الْحَيَاءُ خَيْرٌ مِّمَّا..... شرم و حیا زری بھلائی ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

اللہ نے آپ کو شرم و حیا کا جو ہر بھی وا فرمقدار میں عطا فرمایا تھا چنانچہ خواتین

خواہ وہ عمر رسیدہ ہی کیوں نہ ہوں، ان سے ملنا اور بات کرنا تو درکنار ان کی طرف نگاہ

تک نہیں کرتے تھے۔ متعدد مرتبہ یوں ہوا کہ کسی ضعیف العمر عورت نے سر آگے کیا کہ حضور دست مبارک پھیر دیجئے تاکہ اس کی برکت سے نجات پا جاؤں۔ تاہم آپ یوں رخ پھیر لیتے۔ گویا جانتے بھی نہ ہوں اور زبانی دعائیہ کلمات فرما دیتے۔ عورتوں کو بیعت فرماتے تو درمیان میں چارپائی کھڑی کرادی جاتی اور چادر وغیرہ کا ایک کونا انہیں پکڑا دیتے جبکہ دوسرا خود پکڑ کر پھر بیعت کرتے۔ آستانہ عالیہ میں مردوں کے آنے جانے کا راستہ اور تھا اور عورتوں کے لیے گزرگاہ علیحدہ تھی۔ اور اگر کوئی خاتون نادانگہی کی بنا پر مردانہ راستے سے گزرنے کی کوشش کرتی تو کسی بچے کو بھیج کر اس کے ذریعے راستہ سمجھا دیا جاتا۔ کبھی جلالی انداز بھی اختیار فرماتے۔ کم عمر لڑکیوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

خولجہ خان عالم رحمۃ اللہ علیہ باؤلی شریف والوں کے یہ کلمات کئی مرتبہ ہم نے

آپ کی زبان اقدس سے سنے کہ:

”زہر کی کئی قسمیں ہیں، بعض کے کھانے سے آدمی مرتا ہے تو بعض کے صرف بدن پر لگنے سے ہی بندہ جان دے دیتا ہے اور نامحرم عورتیں ایسا زہر ہیں جس کے چھونے بلکہ دیکھنے سے اس پر موت طاری ہو جاتی ہے (یعنی دل کی کیفیت تباہ ہو جاتی ہے)۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ چھوٹی نابالغ لڑکیوں کے متعلق کیا حکم ہے، تو فرمایا سانپ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب سے ڈرو“۔ (یاد رہے کہ عورت کا احترام سب کے نزدیک مسلم ہے، یہاں نامحرم عورتوں یا نوجوان لڑکیوں کو دیکھنا یا چھونے کو سانپ سے تعبیر کیا گیا کہ جیسے سانپ جسمانی موت کا سبب بن جاتا ہے یونگی نا

محرم کو دیکھنا چھونے میں ایک سالک کی قلبی و روحانی دنیا کی موت ہے)

حضور قبلہ عالم علیہ الرحمۃ نامحرم عورتوں کے پاس بیٹھنے، بات کرنے غرضیکہ ہر طرح سے بچنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ اور اسے (روحانی) موت قرار دیتے۔ اکثر خواجہ خواجگان حضرت بابا جی فقیر محمد چورانی علیہ الرحمۃ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے:

ماہد ضعیف جناں، ماہد ڈر ساں تس نہ ڈرسو

مریدین و متوسلین کی گزارشات پہ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو پہلے پوچھ لیتے کہ پردہ کا التزام کر لیا ہے؟ تسلی ہو جانے کے بعد قدم رنجہ فرماتے نو جوانوں کو بالخصوص نظر نیچی رکھنے کا حکم دیتے کہ حدیث پاک میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ اور ہر قسم کی آوارگی کی بنیاد بد نگاہی کو قرار دیا گیا ہے۔

**خلاف شرع سامان آرائش وغیرہ سے نفرت:** جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو خلاف شرع سامان آرائش مثلاً انسانوں اور جانوروں کی تصاویر یا مختلف جامداروں کی شکلوں والے کھلونوں کو وہاں سے ہٹا دیتے تھے۔

بعض لوگ اپنے مشائخ کی تصاویر گھروں میں دیواروں کے ساتھ لٹکاتے ہیں۔ اس خادمِ بارگاہ نے آپ سے سوال کیا کہ حضور اپنے پیر کی تصویر دیوار کے ساتھ لٹکانا کیسا ہے؟ فرمایا، اس کو تو دل میں ہونا چاہئے۔ اپنی تصویر کھنچوانا قطعاً پسند نہ تھا۔ ایک موقع پر ایک عقیدتمند کسی محفل میں آپ کی تصاویر کیمرے کے ساتھ کھینچتا چلا جا رہا تھا۔ ایک دو مرتبہ آپ نے منع فرمایا تاہم وہ اپنے ذوق کے مطابق لگا رہا۔ تب آپ نے جلال کے ساتھ فرمایا:

’کیمرا لے کر تو ڈروں گا تو پھر باز آؤ گے؟‘

بہاولپور کے اسکول میں زمانہ تدریس میں آپ ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر میں نہ جاتے تھے۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا، اپنے کمرے میں آپ نے جو تصویریں لٹکا رکھی ہیں، اتاریں گے تو آؤں گا۔

**خلاف شرع وضع سے نفرت:** آپ کو خلاف شرع وضع قطع سے سخت نفرت تھی۔

اس ضمن میں آپ نے تاحیات بہت تبلیغی کام کیا۔ مثلاً:

۱۔ چہرے سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آراستہ کرنے کا حکم دیتے اور جب کوئی داڑھی مبارک چہرے پر سجالتا تو نہ صرف اس کی تعریف کرتے بلکہ بسا اوقات انعامات سے بھی نوازتے۔ آپ کے نصیحت کرنے پر سینکڑوں لوگوں نے اس سنتِ رسول سے چہروں کو مزین کیا۔ نصیحت کا انداز بھی نہایت پیارا ہوتا تھا۔ آپ کے قریبی عزیز اور نہایت ہی متقی و درویش صفت جناب محمد ارشاد صاحب (ڈسکوی) بیان فرماتے ہیں:

میں ۱۹۶۸ء میں آپ کی بارگاہ میں آیا۔ آپ کی تحریک پر میں نے داڑھی تو رکھ لی تاہم سر کے بال بڑے بڑے انگریزی طرز کے تھے۔ ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا، ”ایک مسئلہ تو بتاؤ، کیا مسجد کے اوپر مندر بنانا جائز ہے؟“ میں نے عرض کیا، جناب کوئی مسلمان تو ایسا نہیں کر سکتا۔ فرمایا، ”تو کیا نیچے داڑھی اور اوپر بودے رکھنا جائز ہیں؟“ اس دلنشین انداز پر میں مبہوت رہ گیا اور پھر حکم کی تعمیل ہونے لگی۔

۲۔ کسی کا بچے سر پھرنا سخت ناکوار تھا کہ سر کو ٹوپی یا عمامہ شریف یا دونوں سے ڈھانپنا ہی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے (کنز العمال جلد ۳ ص ۳۳۔ جامع صغیر جلد ۲ ص ۲۳۷)۔ چنانچہ بازار یا سیر راہ کوئی بغیر ٹوپی وغیرہ کے نظر آتا تو کبھی نرم اور کبھی سخت لفظوں میں تلقین فرمادیتے۔

۳۔ خلاف شرع بڑی بڑی موٹھیں دیکھتے تو کتروانے اور پست کرنے کا حکم دیتے۔  
۴۔ نہایت تنگ لباس کہ جسم کی ہیئت واضح ہو اور نہایت کھلا لباس کہ کپڑے کا غیر ضروری استعمال ہونا پسند فرماتے اور اعتدال کی نصیحت کرے۔ آپ نے تمام عمر سنت کے مطابق سفید لباس پہنا اور دوسروں کو بھی اس لباس میں دیکھتے تو خوش ہوتے۔

۵۔ پینٹ شرٹ اور ٹراؤزر بنیان وغیرہ کو سخت ناپسند فرماتے، انہیں انگریزوں کا لباس قرار دیتے۔ ایک خادم کو ایک اچھی ملازمت کی پیشکش ہوئی لیکن پینٹ شرٹ کی پابندی کو لا زم ٹھہرایا گیا۔ آپ نے فرمایا، ایسی ملازمت کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں جس میں انگریزوں والا لباس پہننا پڑے۔ ہم تو وہ پہنیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنا ہے۔ اسی طرح نوجوانوں اور کھلاڑیوں کو ٹیکر وغیرہ میں دیکھتے تو سمجھاتے کہ مرد کے لیے کم از کم ناف سے لے کر گھٹنوں تک جسم چھپانا لازم ہے۔

۶۔ انگریزی لباس کے خلاف یوں تو ساری عمر آپ نے تحریک جاری رکھی۔ تاہم 2006ء میں یہ پورے عروج پر پہنچی جب سینکڑوں لوگوں نے پینٹ شرٹس اور ٹراؤزرز وغیرہ سے توبہ کرتے ہوئے نقشِ لائٹانی اسلامک یونیورسٹی میں ان کو نذر آتش کیا۔

۷۔ بہاولپور کے ہائی اسکول کے پی ٹی آئی صاحب لڑکوں کو پی ٹی کراتے تو ٹیکروں میں۔ آپ نے منع فرمایا کہ خلاف شرع ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جناب، پوری شلووار میں پی ٹی کرانے سے شلووار خراب ہوتی ہے۔ آپ نے بہتیرا سمجھایا، لیکن بجائے سمجھنے

کے انہوں نے برا منایا۔ بعد میں آپ نے اپنی مشہور نظم۔ کیسے ممکن ہے کہ خوفِ حق سے۔۔۔۔ لکھی۔ بعد ازاں اسمبلی میں اسی پٹی ٹی آئی کے سامنے اسے پڑھا گیا تو اس نے آپ سے معافی مانگی۔

**فحاشی کے خلاف اعلانِ جنگ:** کون نہیں جانتا کہ دورِ حاضر میں مغربی میڈیا

نو جوانوں کے ذہنوں کو تباہ کر رہا ہے اور مخربِ اخلاق سی ڈیز، کیسٹس، رساں وغیرہ نے روحانی موت سے انہیں ہمکنار کر دیا ہے۔ حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ نے ان کے خلاف بھی نہایت موثر آواز اٹھائی۔ کبھی مضامین کے ذریعے اور کبھی وعظ و نصیحت کے ذریعے انہیں سمجھایا اور ایک موقع وہ بھی آیا کہ جب ان چیزوں کے دلدادہ لاتعداد لوگوں نے نقشِ لائٹانی گٹر میں آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز وغیرہ کو اکٹھا کر کے ٹوڑ پھوڑ دیا اور آئندہ کے لیے ان کو ترک کرنے کا عزمِ مصمم کیا۔

وہ اخبارات جو فحش تصاویر شائع کرتے ہیں ان کے ایڈیٹرز کو آپ نے خود بھی خط لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوائے جن میں ان فحش حرکات پر ان کی سرزنش کی گئی نیز اگر کسی ایڈیٹر سے ملاقات ہوئی تو اسے بھی سمجھایا کہ پیسے کمانے کا یہ طریقہ قابلِ مذمت ہے۔

**شریعت کا باغی لائقِ عذاب ہے:** آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جہاں رب کی

شریعت کو بائیں پشت ڈال کر خلافِ شرع کاموں کا ارتکاب کیا جائے، گویا شریعت کا مذاق اڑایا جائے وہاں رب کے عذاب کے نازل ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک سکول میں ایک دیوبندی استاد تھا۔ داڑھی رکھی ہوئی تھی لیکن لڑکوں سے لڈی اور سپیرا ڈانس وغیرہ کرانا تھا۔ بار بار اسے سمجھایا لیکن

باز نہ آیا۔ بلکہ کہتا کہ سکولوں میں یہی کچھ ہوتا ہے، آپ نہیں دیکھ سکتے تو استعفیٰ دے دیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اچھا میں استعفیٰ دے دیتا ہوں۔ لیکن ایک ساتھی نے نہ دینے دیا کہ ہم کیوں استعفیٰ دیں، استعفیٰ تو یہ دے جو غلط کام کرتا ہے۔ بہر حال ایک روز پڑھاتے پڑھاتے اس استاد پر کچھ طاری ہوئی، کئی روز ایسا رہا۔ پھر وہ پاگل ہو گیا۔ اس حالت میں بیوی اور دیگر رشتہ داروں نے اسے چھوڑ دیا۔ بالآخر بیس، بائیس سال اسی بے بسی کے عالم میں رہنے کے بعد مر گیا۔ یعنی خلاف شرع بہبودہ حرکات کا مر تکب ہونے پر (نیز اللہ کے ایک دلی کونا راض کرنے پر) قدرت نے اس کی پکڑ کی اور اسی دنیا میں اس پر عذاب نازل ہوا۔

**حلال و حرام کی تمیز:** حلال و حرام کے معاملے میں بھی احتیاط و تقویٰ کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ قرآن و حدیث کی تصریحات اس بارے میں ہمیشہ سامنے رکھیں۔ چنانچہ کالج سے ریٹائرمنٹ پر پراویڈنٹ فنڈ کی مد سے پانچ لاکھ سے زائد کی خطیر رقم یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ یہ سود ہے۔

**شریعت کی اشاعت بذریعہ علماء:** حضور مقرر اسلام علیہ الرحمہ نے شریعت کی اشاعت اس طرح بھی کی کہ وہ لڑکے یا نوجوان جو آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے انہیں قرآن و حدیث کی تعلیمات نیز عربی گرامر اور مسائل فقہ سے روشناس کر کے پھر انہیں مختلف مقامات پہ بھیجا کہ جاؤ اور شریعت مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تدریس کرو اور لوگوں کے احوال کو شریعت کے تابع کرو۔ اور آفرین ہے ان نوجوانوں پر جنہوں نے اپنے شیخ کریم کے مشن کو اس طرح آگے بڑھایا کہ لاتعداد لوگوں کی اصلاح کی اور



انہیں علامانِ مصطفیٰ علیہ السلام کی صف میں لاکھڑا کیا۔ پھر آپ کی تقریر کیسی اثر نے متعدد علمائے کرام بھی تیار کیے جو محض گفتار کے ہی نہیں کردار کے بھی غازی ثابت ہوئے۔ مثلاً اسرارِ طریقت، رہبرِ شریعت صوفی محمد صدیق ضیاء صاحب انجینئر تریبلا ڈیم جنہوں نے ”بدعت کی حقیقت“ اور ”شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے افکار و نظریات“ جیسی مایہ ناز کتابیں تصنیف کیں۔

۲۔ عالم بے بدل، شیخِ طریقت جناب نورالمصطفیٰ رضوی صاحب (خانقاہ ڈوگراں) جن کے مضامین اور کتب بالخصوص حضور ﷺ کی نماز نے خاصی شہرت حاصل کی۔

۳۔ جناب ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری صاحب ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن (امریکا) جو علم و فضل سے خوب آراستہ ہیں۔ نیز اشعار بھی بہت عمدہ کہتے ہیں۔

۴۔ عظیم عاشقِ رسول محققِ اسلام حضرت علامہ ابوالبراکہ نعیم نصر اللہ صاحب (مدینہ شریف)۔ یہ حضور مفلکِ اسلام کی ظاہری حیاتِ مقدسہ کے آخری دور میں آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے۔ دورِ طالبِ علمی میں ہر سال مدینہ یونیورسٹی میں اقل آتے رہے۔ اور جب عالمِ شباب میں تصنیف و تالیف کے میدان میں آئے تو بڑے بڑے علماء کرام سے اپنا آپ منوایا۔ حضور مفلکِ اسلام جب دوسری مرتبہ حج کرنے گئے تو انہوں نے آپ کی بہت زیادہ خدمت کی تھی۔ جس کا آپ نے متعدد مرتبہ ذکر کیا۔

۵۔ مناظرِ اسلام علامہ حقیقات احمد قادری صاحب (علی پور چٹھہ)۔ آپ نے کئی مناظر لکھے اور آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آج تک کبھی کسی سے مناظرے میں نہیں ہارے۔ متعدد کتب بالخصوص ”رسول اللہ ﷺ کی نماز“ آپ کی علمی طاقت کی آئینہ دار ہیں۔

۶۔ شیرِ بیشہ اہلسنت علامہ غلام مصطفیٰ مجددی صاحب (شکر گڑھ)۔ جن کے شب و روز

تحقیق و تحریر میں بسر ہو رہے ہیں۔ بے شمار کتب تصنیف فرما چکے ہیں جنہیں ملک بھر میں  
جید علماء نے تعریف و تحسین کے کلمات سے نوازا ہے۔

۷۔ صدر مدرس جامعہ انوار لاٹانی علامہ محمد سعید قادری نقشبندی صاحب (فاضل خانقاہ  
ڈوگراں)۔

۸۔ سراپا اخلاص، درویش صفت نوجوان سکالر مفتی محمد شاہد آسی صاحب (فاضل مائیکل)۔  
یہاں حضور قبلہ عالم کی نگاہ کرم کے شہکار محض چند علمائے کرام کا ذکر کیا گیا ہے  
ان میں سے تقریباً سبھی اوائل عمری ہی میں آپ کے دامان کرم سے منسلک ہو گئے تھے۔  
مؤخر لڈ کر دو کے علاوہ تمام کئی کتب کے مصنف ہیں۔ (فی الحال ان دو کی مصروفیات  
درس و تدریس کے سلسلے میں از حد ہیں) تحریر و تقریر میں ایک دنیا ان کی عظمت کا لوہا مانتی  
ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ کی بالادستی کے لیے دن رات ایک کر  
رکھا ہے۔ ان کی تحریریں، ان کی تقریریں ان کے درس و تدریس سب اسلامی تعلیمات کی  
سر بلندی کے لیے ہیں۔ اور ایک زمانہ ان سے مستفید ہو رہا ہے۔

علماء تو علماء آپ عام لوگوں بالخصوص نوجوانوں کو دینی کتابوں کے مطالعے کی  
بہت رغبت دلاتے۔ آپ کے نزدیک ان کو فارغ رہنا ہی نہیں چاہئے بلکہ کچھ نہ کچھ  
مطالعہ کرتے رہنا چاہئے۔ ایک مرتبہ یہ عاجز آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھا۔ آپ  
ایک کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ اچانک آپ نے فرمایا، یہ کتاب پڑھی ہے؟ عرض  
کی، نہیں۔ فرمایا، تو پڑھو پھر، دنیا میں آئے کس لئے ہو؟

## حُبِّ اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم

ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عقل و فہم کی دولت عطا فرمائی ہے، وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ حُبِّ مصطفیٰ علیہ السلام و آلہما ایمان کی روح ہے:

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے

اسی میں ہوا اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت رکھی جائے۔ اس کے یاروں سے محبت، اس کے پیاروں سے محبت، اس کے وطن سے محبت، اس کی نگلی کے ذڑوں اور سنگ ریزوں سے محبت کی جائے۔ محبت کو تو اپنے محبوب کی نسبت سے غرض ہوتی ہے، جہاں اسے اس کی معمولی سی جھلک دکھائی دے، محبت بے چین ہو جاتی ہے۔ قیس عامری (مجنوں) نے کہا تھا:

أَمْرٌ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلِي

أَقْبَلُ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدَارَا

وَمَا حُبُّ اللَّيْلِ شَغَفَنَ قَلْبِي

وَلَكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ اللَّيْلَارَا

(عمدة القاری، جلد ۹، ص ۲۳۱)

”میں لیلیٰ کی ہستی کے پاس سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو۔ مجھے ان گھروں کے در و دیوار اور پتھروں کی محبت نے نہیں، بلکہ اس محبوب کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ و دیوانہ کر دیا ہے، جو کبھی یہاں

سکونت پذیر رہ چکا ہے۔“

جب عام محبت کا یہ دستور ہے تو جو جانِ محبت، جانِ ایماں، محبوبِ ربِّ رحماں اور سید الانس والجان ہیں، ان کے ساتھ محبت و عشق کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔ پھر جب عام محبت کے قانون کے مطابق محبوب سے متعلق ہر شے محبوب ہوتی ہے تو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبت کو کیوں نہ اس بظاہر ادنیٰ شے سے بھی محبت ہوگی جس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ اور جب نسبت رکھنے والی ادنیٰ شے کی محبت لازم ہے تو بتائیے، اہل بیتِ رسول کے ساتھ محبت و عقیدت کا کیا عالم ہونا چاہیے، جو بعد از انبیاء اس روئے ارض پر خدا کی مقدس ترین جماعت بھی ہے اور جسے خونی نسبت بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکمِ الہی یہ اعلان فرما رہے ہیں:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ..... (اشوری، ۲۳:۳۲)

ترجمہ:۔ آپ (ﷺ) فرمائیے! میں تم سے (اس دعوتِ حق پر) کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، بجز قرابت کی محبت کے۔

مفسر قرآن حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت دار کون ہیں، جن کی محبت ہم واجب ہے۔ فرمایا: عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَ ابْنَاهُمَا۔ (زرقانی جلد ۷ صفحہ ۲۰)

حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے: (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں)

أَحِبُّوا اللَّهَ لِمَا يَفْعَلُ بِكُمْ مِنْ نِعَمِهِ وَأَحِبُّونِي لِحُبِّ اللَّهِ  
وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي..... (ترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ  
سے محبت رکھو، اللہ کی محبت کی بنا پر اور میرے اہل بیت سے محبت  
رکھو، میری محبت کی بنا پر۔

نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے محبت، خدا اور رسول کی محبت کا  
تقاضا ہے۔ چند اور ارشادات سن لیجیے:

۱- عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ  
فِي قَلْبِ امْرَأٍ إِيمَانٌ إِلَّا بِحُبِّ قَرَابَتِي..... (ترمذی)

ترجمہ: عبدالمطلب بن ربیعہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
فرمایا کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا مگر میرے اہل بیت کی  
محبت کے ساتھ۔

۲- ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُبْغِضُنَا أَهْلَ الْبَيْتِ أَحَدٌ إِلَّا  
أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ..... (مشترک، زرقانی، صواعق)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ قدرت میں  
میری جان ہے، جس کسی نے بھی ہم اہل بیت سے بغض  
رکھا، اللہ نے اسے جہنم میں ڈالا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا علیؑ، سیدہ فاطمہؑ، امامین حسینؑ و علیہم الرضوان کے بارے میں فرمایا:

أَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَهُمْ وَ سَلَمٌ لِّمَنْ سَأَلَهُمْ..... (ترمذی)

ترجمہ:- جو ان سے لڑے، میری اس سے لڑائی اور جس کی ان سے سلح، میری اس سے سلح ہے۔

۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حج میں عرفہ کے دن اپنی ناقصوا پر خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ فرما رہے تھے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَوَكَّيْتُ فِيكُمْ مَا إِنِّي أَخْلَقْتُ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا  
كِتَابَ اللَّهِ وَ عِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي..... (ترمذی)

ترجمہ:- اے لوگو! میں نے تم میں وہ چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک انہیں تھامے رہو گے، گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہل بیت۔

۴۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَرْقَبُوا مُحَمَّدًا فِي أَهْلِ بَيْتِهِ..... (بخاری)

ترجمہ:- لحاظ کرو جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کے اہل بیت میں۔

یہاں امام شافعی علیہ الرحمہ کی بھی سن لیجیے:

يَا أَهْلَ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ حَبُّكُمْ  
عَفَاكُمْ مِنْ عَظِيمِ الْقَدْرِ أَنْكُمْ  
قَرَضٌ " مَنْ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ  
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَوةَ لَهُ

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ - اصواعن المحرقہ)

”اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت! اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ قرآن کریم میں آپ کی محبت کو فرض قرار دیا ہے۔ آپ کی قدر و منزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ جو شخص آپ پر درود نہ پڑھے، اس کی نماز ہی کامل نہیں ہوتی۔“

(یعنی نماز جو رب تعالیٰ کی عبادت ہے، مگر اس میں بھی ہر نمازی کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک پر درود بھیجنا لازم ٹھہرایا گیا ہے) غوث الاولیاء، قطب الاصفیاء، نائب مصطفیٰ، وارث مرتضیٰ، حضور شاہ جیلان و خواجہ بغداد رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک شعر ہے:

زغیر آل نبی حاجتے اگر طلبم روادار یکے از ہزار حاجاتم

ترجمہ:۔ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کی گدائی کو یا رحمت باری کو جوش میں لانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضور شہنشاہ لائٹانی علیہ الرحمہ کو اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کے ساتھ گہری عقیدت و موڈت تھی۔ بالخصوص سیدۃ نساء العالمین خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا از حد ادب و احترام کرتے۔

ایک دفعہ عربی کے زیر دست فاضل حضرت مولانا غلام غوث صاحب سکھو چکی مرحوم دربار علی پور شریف میں حاضر تھے۔ حضور شاہ لائٹانی علیہ الرحمہ نے ان سے فرمایا، مولوی صاحب! مجھے مائی صاحبہ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے حد عقیدت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْفَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي (یعنی فاطمہ میرا جگر پارہ ہے)، آپ فرمائیں اصل عقیدہ کیا ہونا

چاہئے۔ مولوی صاحب نے تائید کی اور عرض کیا کہ حضور! نواب صدیق الحسن بھوپالی جیسا شخص بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے:

جگر جگر است      رشتہ دگر است

آپ ماہ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کا عرس شریف منعقد کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ ایک بار فرمایا، لوگ عام انسانوں کا ختم دلواتے ہیں اور باعثِ ثواب سمجھتے ہیں، مگر جناب سیدہ کا جوکل صلحاء اور اولیاء سے بدرجہا افضل ہیں، عرس کیوں نہیں کرواتے۔ ایک دفعہ فرمایا "حضور مائی صاحبہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا ختم شریف دلایا کرو، اس سے کوئی کمی نہیں آتی، میں ذمہ دار ہوں۔" حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ کو اوصافِ اہل بیت سننے کا اس قدر شوق تھا کہ جہاں کہیں سے کوئی شعر یا منقبت وغیرہ سن لیتے، لکھوا لیتے۔ آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نوشتہ بر در حجت بخط سبز و جلی

شفیع روز قیامت محمد است و علی

(علیؑ کو رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:- جنت کے دروازے پر سبز اور واضح لکھا ہے کہ روز قیامت

حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی شفاعت کرنے والے ہیں۔

یہی صورت حال قیوم زمانی حضور نقیہ لاٹانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی اور یہی وصف جمیل

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت میں بھی بدرجہ کمال نظر آتا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے یہ اشعار بھی جھوم جھوم کر پڑھتے بارہا آپ کو سنا گیا:

إِلَى النَّبِيِّ ذَرِيعَتِي      وَهُمْ إِلَيْهِ وَسِيلَتِي



أَرْجُوا بِهِمْ أُعْطِيَ غُلَا ۖ بَيْدَ الْيَمِينِ صَحِيفَتِي

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کا دورنت نئے فتنوں کی بھرمار کا دور تھا۔ اسی دور میں بعض آل رسول اور محبت یزید کے نہایت مکروہ درس دیے جا رہے تھے۔ شہزادہ رسول، جگر گوشہ، بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سورج سے زیادہ چمکتی شہادت کا انکار کر کے یزید لعین کو جنتی ثابت کرنے کے لیے علماء دیوبند و نجد ایزدی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ چنانچہ محمود احمد عباسی کی ”تبرہ محمودی برہنات مودودی“، ابو یزید محمد دین برٹ کی ”خلافت رشید ابن رشید“، ابو عتیق محمد امین کی ”خادم کی معارف یزید“، ان کے علاوہ ”خلافت معاویہ و یزید“ اور ”مذہب اور سیاست“ جیسی کتابیں اسی غلیظ عقیدے کے پرچار کے لیے منظر عام پر آچکی تھیں۔ حضور مقلدِ اسلام ٹرپ اٹھے، آپ نے قلم اٹھایا اور ”امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت“ لکھ کر ان دشمنانِ ایمان و دین کی خوب خبر لی۔ آیات و احادیث کی روشنی میں شانِ اہل بیت اطہار بھی بیان کی اور دلائل و براہین کے ساتھ امام پاک کی قربانیوں اور حسین حنیف پر احسانِ عظیم کو بھی نہایت احسن انداز سے بیان کیا۔ نیز جس حدیث کو مخالفین یزید کے جنتی ثابت کرنے کے لیے دلیل بناتے ہیں، اصول حدیث کی روشنی میں اس کی فنی حیثیت پر بھی سیر حاصل بحث کی۔ یوں حق کھر کر سامنے آ گیا اور باطل کا چہرہ مزید سیاہ ہوا۔

حضرت سیدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا و علیہا، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایام شہادت نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منائے جاتے۔ باقاعدہ محافل ہوتیں اور عمدہ لشکر شریف کا اہتمام ہوتا۔ ان دنوں میں کثرت کے ساتھ گزرا کر ان مقدس ہستیوں

کے وسیلے سے ربّ کائنات کی بارگاہ میں ملت اسلامیہ کی سر بلندی کے لیے دعائیں کی جاتیں۔ بلکہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ایام وصال پر بھی یہی اہتمام ہوتا۔ بالخصوص حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے دن (۱۰ رمضان المبارک) اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دن (۱۷ رمضان المبارک) بھی یہی معمولات ہوتے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو اہل بیت رسول میں گرانے بلکہ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع شہزادے، شہزادیاں، حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق (جو سر بھی تھے)، حضرت عثمان غنی (جو داماد تھے) رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز قریبی رشتہ داروں کو بھی خاندان اہل بیت کے جزو قرار دے کر ان کے ایام منا کر ان کی سیرت کے حسین نقوش دکھانے کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان مقدس کے کسی فرد کے وسیلے سے بھی مانگی جانے والی دعا شرف قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

یونہی سادات کرام کے احرام میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ سید ہے تو اس کے ہاتھ چومتے، کبھی اس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے۔

یہ خادم ایک مرتبہ حاضر بارگاہ ہونے کے لیے روانہ ہوا تو ساتھ دس گیارہ برس کا ایک سید بچہ ہولیا۔ دیہات میں رہنے والا یہ بچہ ایک مانگ سے معذور تھا، رنگ نہایت سیاہ تھا، یعنی مجموعی طور پر وضع قطع ایسی تھی کی اس کے ساتھی لڑکے بھی اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے۔ لیکن جب ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور کو معلوم ہوا کہ بچہ گلہن سادات کا ایک پھول ہے تو اس کے ہاتھ چومے، اونچی جگہ پر بٹھایا، غرض

خوب تعظیم کی اور جب وہ بچہ رخصت ہونے لگا تو کچھ رقم بطور نذرانہ بھی دی۔ آپ کی یہی عادت مبارکنا حیات رہی۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدّس خاندان یعنی سادات کرام کا کوئی فرد اگرچہ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتا، تاہم پھر بھی اس کے ادب و احترام کا التزام ہوتا اور دیگر کو بھی سختی سے تاکید ہوتی کہ ان کی تعظیم سے سِرْمُوْاْخْرَافَ نہ برتا جائے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب جو کچھ عرصہ جامعہ انوار لائٹانی کے مدرّس رہے، یہ دوران کے علاوہ متعدد سید حضرات جو آپ کے مرید تھے، آپ کے اس طرز عمل سے مستفید ہوتے رہے۔ محافل کے اندر بھی سید حضرات کو خصوصی نشست پر بٹھایا جاتا تھا۔

آپ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے نہ جھکتے تھے کہ اس نے پیر بھی وہ عطا کیے جو سادات میں سے تھے۔ بلکہ حسنیٰ حسینیٰ تھے اور یہ بات آپ بڑے ہی سرور کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ یونہی پیران پیر حضور سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ آپ کو جو عقیدت و محبت تھی اس کا بیان ایک علیحدہ عنوان کا متقاضی ہے۔ محمد سجاد صاحب (کسراج) بیان کرتے ہیں کہ حضور کی غلامی میں آنے سے پہلے میں اہل تشیع تھا۔ تقریباً سات آٹھ سال سے زیادہ اہل تشیع رہا۔ پھر آپ کی بارگاہ میں گا ہے بگا ہے حاضری کی بددلت میں تائب ہونا گیا اور بیعت بھی ہو گیا تاہم رافضیت کے جراثیم کسی حد تک میرے اندر رہے۔ ان دنوں حضور جامع گلزار مدینہ میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ ایک دن میں حاضر ہوا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ اہل بیت علیہم الرضوان کی شان بیان کریں۔ اسی وقت آپ نے اہل بیت اطہار علیہم الرضوان پر گفتگو شروع فرمادی اور کچھ اس ادا اور تفصیل کے ساتھ کہ میرا دل خوب مطمئن ہو گیا اور رض کے جراثیم مکمل طور پر میرے اندر سے نکل گئے۔

## امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ارشادِ ربّانی ہے:

وَلَسَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ  
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ  
الْمُفْلِحُونَ ۝ (آل عمران-۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف  
بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ  
مرا دو کو پہنچے۔

’امر بالمعروف‘ کا ثواب اور ’نہی عن المنکر‘ کا ایمان سے مخصوص تعلق ہے،

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) - الدّٰلُ عَلَى الْخَيْرِ عَمَّا عَلَيْهِ

ترجمہ: نیکی بتانے والا (ثواب میں) نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔

(۲) - مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ..... (مخلوۃ شریف)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص بھی کسی برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ اسے

ہاتھ سے روکے، یوں نہ کر سکے تو اپنی زبان سے، یوں بھی نہ کر سکے

تو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

بعض علماء کا فرمان ہے کہ قوت کے ساتھ برائی ختم کرنا حکمرانوں کی ذمہ داری

ہے اور زبان سے علماء کی اور دل سے عوام کی۔ جبکہ بعض کافر مان ہے کہ جو بھی اس پر قادر ہو، اس پر لازم ہے کہ اسے بدلے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، ”اے رب تعالیٰ! جو اپنے بھائی کو دعوت دے، اسے نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے، اس کی جزا کیا ہے؟“ فرمایا، ”میں اس کی بات پر ایک سال کی عبادت لکھتا ہوں اور اسے جہنم کی آگ سے سزا دینے میں حیا آتی ہے۔“ (مکاشفۃ القلوب)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی فرمائی، ”میں تمہاری قوم میں چالیس ہزار نیک اور ساٹھ ہزار برے آدمیوں کو ہلاک کرنے لگا ہوں۔“ عرض کیا، ”اے رب تعالیٰ! یہ برے تو ٹھیک (قابل ہلاکت) ہیں، مگر نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کرتے ہیں؟“ فرمایا، ”وہ میرے نزدیک غضب کی وجہ سے غضبناک نہیں ہوئے، برے لوگوں کے ساتھ کھانا پینا رکھتے تھے۔“ (بروں کو نیکی کی تلقین نہیں کرتے تھے اور برے کاموں سے نہیں روکتے تھے)..... (مکاشفۃ القلوب)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے جس غنائے نفس، بلندی طمع، غیرت ملی اور جذبہ اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، وہ حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ چنانچہ ”تبلیغ دین اور اشاعت طریقہ“ اور ”اتباع شریعت“ میں تفصیلاً اور متعدد عنوانات کے تحت ضمناً بھی اس کا ذکر ہوا۔ آپ کے ملفوظات طیبات بھی اسی پر مشتمل ہوں گے۔ یہاں صرف چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

شاہ عبدالعزیز صاحب جب ابتدا میں حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں آئے تو داڑھی شرع کے مطابق نہیں تھی۔ ایک روز جناب ممنون احمد صاحب سے کہہ کر

آئے کہ حضرت صاحب سے دعا کراؤ کہ میں داڑھی رکھ لوں۔ ابھی ممنون صاحب نے کہا نہیں تھا کہ نماز (عصر) کے بعد حضور نے دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے، ”یا اللہ! شاہ صاحب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما“۔ بعد ازاں کچھ وعظ و نصیحت بھی فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق داڑھی رکھنے کا پختہ عزم کر لیا۔

جہاں حضور نہایت حلیم اور بردبار تھے، وہاں ایمانی غیرت اور اخلاقی جرأت سے بھی مالا مال تھے۔ داڑھی منڈوانا اور مونچھوں کا بطریق سنت نہ کٹوانا آپ کے نزدیک بہت فضول حرکت تھی۔ ایسے لوگوں کو کبھی سختی سے اور کبھی نرم الفاظ میں تہیہ فرمایا کرتے۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک جگہ پر سکھ بھی ہو، ہندو بھی ہو، انگریز بھی ہو اور وہیں ایک مسلمان بھی ہو، جو لباس ان کا وہی اس کا ہو، جو حلیہ ان کا وہی اس مسلمان کا بھی ہو تو بتاؤ اس مسلمان کی پہچان یا شناخت کیسے ہوگی؟ مسلمان تو اپنے نبی کی سنت کی اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔

جناب نیامت علی صاحب (پکالہ موڑ) بیان کرتے ہیں کہ بیعت ہونے کی غرض سے گھر سے نکلنے لگا تو گھر والی کہنے لگی کہ ہر بات مان لینا مگر داڑھی والی بات نہ ماننا (نعوذ باللہ)۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بیعت ہو گیا تو آپ نے پاس موجود محمد سرور صاحب سے فرمایا:

”بھائی سرور! (’بھائی‘ کے لفظ کا آپ اکثر استعمال فرماتے) نیامت صاحب کو داڑھی بہت اچھی لگے گی“۔ نہ جانے ان الفاظ میں کیا تھا کہ اس کے بعد میں داڑھی نہ منڈوا سکا۔

سب سے زیادہ زور نماز پر تھا اور کوئی بھی شخص تعویذ وغیرہ کے لیے آتا تو نماز کی پابندی کی سختی سے تلقین کرتے۔ یوں تو عمر بھر میں ہزاروں لوگوں کو آپ نے نمازی بنایا تاہم جب آپ تقش لانا ثانی نگر میں رونق افروز ہوئے تو باقاعدہ اس نے تحریک کی شکل اختیار کر لی اور ایسے ایسے لوگ جنہوں نے کبھی فجر کی نماز بھی نہیں پڑھی ہوگی، نماز پنجگانہ بلکہ باجماعت نماز پنجگانہ کے عادی ہو گئے۔ ایک مرتبہ سیالکوٹ کے ایک صاحب امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ پیش قیمت گاڑی میں حاضر بارگاہ ہوئے اور اپنے کسی مسئلے کے حل کے لیے دعا کی درخواست کی۔ اتفاق سے اذان ہو چکی تھی اور جماعت کا وقت تھا۔ آپ نے فرمایا 'نماز پڑھ لو'۔ کہنے لگا، جناب دور سے آیا ہوں، جلدی ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ یکدم جلال میں آ گئے، خاصی تیبہ فرمائی اور فرمایا 'جب نمازی بننے کا پکا ارادہ کر لو تو پھر آنا'۔ اس شخص نے اسی دم یہ عہد کر لیا۔ اس قسم کی ایک دوئیں سینکڑوں مثالیں ہیں۔

احکام شریعت کا یہاں تک احترام تھا کہ بظاہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے کی نگہداشت فرماتے۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی کو بائیں ہاتھ سے پانی پیتے یا کھانا کھاتے دیکھا تو ناراض ہوئے۔ اپنے تربیت یافتہ علماء کو خصوصی طور پر حکم ہوتا کہ لوگوں کو اسلامی آداب سے روشناس کرائیں۔

حضور خواتین کو پردے پہ بہت زور دیتے تھے اور آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ یعنی مائی صاحبہ کو حکم دے رکھا تھا کہ جو خواتین آئیں نیز جو بچیاں جا معاً نوار لانا ثانی (اللبينات) میں زیر تعلیم ہیں انہیں نماز روزہ کے علاوہ پردے کی بابت قرآنی احکامات خوب اچھی طرح واضح کریں۔

علی پور سیداں شریف میں سالانہ عرس مقدس (کیم، دواکتور) کے موقع پر بھی اگر مردوزن کا اختلاط نہیں ہوتا تھا تو یہ آپ کی مرہونِ منت تھا کیونکہ آپ کو آپ کے شیخ کریم نے نقابت کے فرائض سونپ رکھے تھے، چنانچہ بار بار اعلان کر کے خواتین کو مختص علیحدہ جگہ پر رہنے کی تاکید کی جاتی تھی۔

مردیہ رنگ برنگے برقعوں کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ بڑی چادریں یا پھر پرانی وضع کے برقعے پہننے کی تلقین فرماتے تھے۔

## ادب کی تلقین

حضور اکرم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَ لَمْ يُؤَقِّرْ كَبِيرَنَا وَ يَأْمُرْ

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ..... (ترمذی شریف)

ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں جو ہم میں سے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کی تعظیم نہ کرے۔ اور نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے۔

اس حدیث پاک میں لفظ 'کبیر' (بڑا) میں مشائخ، اساتذہ، والدین بلکہ

اپنے سے زیادہ عمر کے تمام مسلمان شامل ہیں۔

مخدوم الاولیاء، سیدی وسندی حضرت سید محمد بہاؤ الدین شاہ نقشبند بخاری قدس

سرد کا فرمان ہے:

الطَّبِيبُ كَمَثَلِ آدَبٍ... یعنی طریق (دین بالخصوص طریقت) سارے کا



سارا ادب ہے۔

اور امام ربانی حضور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

”الطَّرِيقُ كُلُّهُ اَدَبٌ، مثل مشہور راست، پہنچ بے ادب با خدا نہ سہ۔

(حالات مشارح مکتبہ دہلی ص 190)

یعنی طریقت ترا ادب ہے، مثل مشہور ہے کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا

اور حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ بھی فرماتے ہیں:

”الطَّرِيقَةُ كُلُّهَا اَدَبٌ“ یعنی طریقت ترا ادب ہے۔

حضرت مولانا روم رحمہ القیوم کے نزدیک حسن و عصمت کی ساری روئیں ادب

سے قائم ہیں اور بے ادبی کا نتیجہ سوا اتنا ہی کے کچھ نہیں:

بے ادب خود را نہ تہا داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق رو

از ادب پر نور گشت است این فلک

از ادب معصوم و پاک آمد ملک

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از فضل رب

حضور قبلہ عالم مفکر اسلام علیہ الرحمہ مجتہم ادب و حیا تھے۔ ادب خدا اور رسول صلی و علیہ

وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صورت حال تھی کہ کبھی بے وضو خدا کا اسم ذاتی ’اللہ‘ اور حضور نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی اسماء ’محمد‘ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم زبان مبارک پر نہیں لائے۔ بلکہ دیگر اسماء مقدسہ کے سلسلے میں بھی احتیاط

فرماتے۔ اس خادم کو اللہ کریم جل جلالہ نے بطریقِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور بدعائے شیخ کریم علیہ الرحمہ پہلا بیٹا عطا فرمایا تو نام رکھنے کے لیے عرض کیا۔ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ اہم شخصیات کے دنوں کی مناسبت سے نام تجویز فرماتے۔ چونکہ بیٹا حکیم ذوالحج کو پیدا ہوا تھا جو کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مہینہ ہے، آپ نے فرمایا خلیل کے آگے رب کا اسم پاک لگا لویا خلیل سے پہلے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا اسم مبارک۔ ساتھ ہی صراحت فرمادی کہ اس وقت میرا ذمہ نہیں، اس لیے ان کے اسماء پاک زبان پہ نہیں لیے۔ یوں محمد خلیل نام رکھا گیا۔

پھر قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے یا تعیتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور یونہی خطاب کرنے والے علماء کو بلند مقام پر متمکن کر کے انہیں سنا جاتا نیز مدرسے کے طلباء سے کوئی ذاتی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

ادبِ خدا و رسول کے سلسلہ میں یہ اہتمام بھی تھا کہ زمین پر ایسے کاغذ جن پر مقدس اسماء تحریر ہوتے ہیں نظر آتے تو فوراً اٹھا لیتے اور مناسب جگہ رکھ دیتے۔ باقی لوگوں کو بھی اس طرزِ عمل کو ملحوظِ خاطر رکھنے کی تلقین تھی۔ ایک مرتبہ (۱۹۹۹ء میں) گلیوں بازاروں میں مقدس اوراق کو بے حرمتی سے پچانے کے لیے شہر بھر میں کھبوں، درختوں کے ساتھ خوبصورت ڈبے بھی لگوائے۔ آپ قرآن پاک، کتبِ احادیث، دیگر دینی و درسی کتب، یہاں تک کہ سائنس و ریاضی کی کتب کے بھی احترام کا درس دیتے تھے، فرماتے اعداد اور ہندسوں کا بھی ادب ہوتا ہے۔ طارق محمود سالک صاحب شکر گڑھ کالج میں آپ کے شاگرد رہے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اپنی کتابیں پیٹھ پیچھے کیے کھڑا ہے۔ حضور نے اس کی کتابیں پکڑ کر اس کے سینے سے لگا

کر فرمایا، ”ان کا وہ مقام نہیں، یہ ہے“۔ اس دن کے بعد ہمارے سینے سے ہماری کتابیں جدا نہیں ہوئیں۔ لاتعداد مرتبہ آپ نے اس طرح سمجھا کر بے شمار لوگوں کو کتابوں کا ادب سکھایا۔ آپ کا یہ عمل بھی نہایت پاکیزہ ہے کہ سکولوں کالجوں میں تدریس کے دوران با وضو رہنا آپ کا شعار تھا۔

حضور ایک مرتبہ محترم شمس الدین نقشبندی صاحب کے ہاں لاہور تشریف لے گئے۔ صبح کا وقت تھا۔ نقشبندی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ وضو فرمانے لگے تو میں قریبی دکان سے نیا صابن پکڑ لایا جو سبز رنگ کا تھا۔ جب پیش کیا تو آپ خاصے برہم ہوئے کہ سبز رنگ کا صابن کیوں لائے ہیں۔ آپ کا موقف یہ تھا کہ بعد حضرت اہلکارنگ سبز ہے، اس اعتبار سے یہ رنگ مقدس ہوا، جبکہ سبز رنگ کا صابن استعمال کرنے کی صورت میں اس کا رنگ نالیوں میں جاتا اور بے ادبی ہوتی۔ چنانچہ میں جلدی سے گیا اور تبدیل کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دلی کا درجہ جس قدر بلند ہو، اسی قدر وہ ادب کے معاملے میں باریکیوں سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔ یہ بات اس سے قبل بیان ہو چکی کہ سبز قالین اور فرش میں سبز رنگ کا استعمال بھی آپ معیوب سمجھتے تھے کہ پاؤں تلے آنا اس مقدس رنگ کی تقدیس کے منافی ہے۔

آپ کے ادب شیخ کے حوالے سے کسی حد تک پہلے مذکور ہو چکا، یہاں یہ جان لیں کہ حضور بہت کم اپنے شیخ کا اسم شریف لیتے تھے۔ عموماً حضور نقشبندی لانا ثانی قدس سرہ العالی کہتے تھے۔ القابات کا خصوصی التزام ہوتا تھا۔ کبھی ان کی طرف اور بعد از وصال مزار شریف کی طرف پشت یا پاؤں نہیں کیے۔ کبھی ان کے حکم کے ہوتے ہوئے اپنی رائے ظاہر نہیں کی۔ علی پور شریف کی حاضری دینے کے بعد کوئی شخص خدمتِ اقدس میں آنا

تو ہاتھ جو متے کہ اس کے ہاتھوں نے مزار شریف کو چھوا ہے، اس میں تبرکات ہیں۔  
حقیقت یہ ہے کہ ادب کے مختلف انداز صوفیاء کا خاصا ہیں۔ مثلاً حضور شاہ  
لاٹانی علیہ الرحمہ کا یہ واقعہ حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ سے سنا گیا جو مقام ادب کو واضح گف کرتا  
ہے کہ ایک دفعہ خواجہ خواجگان حضرت بادا جی فقیر محمد چورانی علیہ الرحمہ (حضور شاہ لاٹانی  
علیہ الرحمہ کے شیخ کریم) نے قرآن پاک پڑھ کر اپنے ایک خادم کو رکھنے کے لیے دیا۔ اس  
نے وہ قرآن شریف دوسرے قرآن شریف کے نیچے رکھ دیا۔ حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ  
نے اسے کہا، اسے اوپر رکھو۔ کہنے لگا قرآن کریم سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ آپ نے  
جذبے میں آکر کہا، اس قرآن پاک پر غوث کی نظر پڑی ہے اور دوسرے پر ہم جیسے  
بندوں کی، لہذا اسے اوپر ہی رکھو۔

حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ کا یہ فرمان ہم نے آپ سے اکثر سنا:

”تین چیزوں کی حد نہیں، اول درجات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
والہ وسلم کی، دوم سیر سلوک کی، سوم ادب کی۔“

اس کی تشریح میں حضور نے فرمایا کہ پہلی بات تو بالکل ظاہر ہے۔ دوسری کی  
تشریح میں خود آپ (شاہ لاٹانی) نے فرمایا، ”سالک کی طبیعت نے جہاں تک پرواز کی  
، وہیں اپنی منزل مقرر کر لی، یہ اپنی اپنی استعداد پر منحصر ہے، لیکن سیر سلوک کی حد کوئی  
نہیں۔“ یہ بھی فرمایا، ”منزل فقر میں بہت بلند مقامات ہیں، سالک کو ابتدائی مقام طے  
کر کے ہی معہمانہ سمجھ لینا چاہئے، اپنی پرواز بلند رکھنی چاہئے۔ پھر یہ مقولہ سنایا ”دنیا دار  
نہ رجا مالوں تے

فقیر نہ رجا مالوں۔“ نیز فرمایا، ”رانجن پرے سو پرے۔“ پھر فرمایا، ”ان منازل کو

مراقبے سے طے کیا جاسکتا ہے۔“

تیسری بات یعنی ادب کی حد نہیں، اس کی تشریح حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ نے مثالیں دے کر فرمائی۔

پیر بڑھن شاہ کلانوری رحمۃ اللہ علیہ اور پیر امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں پیر بھائی تھے۔ ان کے پیر جناب حسین علی شاہ صاحب (بھورے والے) تھے، جن کا مزار مبارک مکان شریف میں ہے۔ ایک دفعہ پیر بڑھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی صاحبزادی کے لیے کچھ زیور بنوایا۔ جب زیور تیار ہو گیا تو زرگر نے اطلاع دی اور عرض کیا کہ حکم ہو تو لا کر وزن کر دوں۔ پیر صاحب نے فرمایا، نہیں، نہ اسے میرے سامنے لاؤ اور نہ ہی میرے سامنے اس کا وزن کرو، حضور کی صاحبزادی کا سنگار ہے، میں دیکھوں گا تو بے ادب ہو جاؤں گا۔ نیز فرمایا، ایک دفعہ مکان شریف کا خاکروب حضرت بڑھن شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ خاکروب آپ کی غیر حاضری میں چمڑے کے ایک بٹڈل پر ہی بیٹھ گیا۔ جب آپ باہر سے تشریف لائے تو خاکروب کو پتنگ پر عمدہ بستر بچھوا کے بٹھایا اور حاضرین کو فرمایا کہ اس چمڑے کی جوتیاں نہ بنوانا، ڈول بنوا کر کنویں پر ڈلوادینا کیونکہ پیر خانے کا مہمان اس پر بیٹھ چکا ہے۔

پھر فرمایا، حضرت خواجہ خان عالم رحمۃ اللہ علیہ باؤلی شریف والوں کی بیعت فخر المشائخ حضرت خواجہ نور محمد تیرا ہی رحمۃ اللہ علیہ (حضور شاہ لاٹانی کے دادا پیر یعنی خواجہ

---

۱۔ شہنشاہ عارفین شیخ محمد فرماتے ہیں کہ ذات باری و ما مالورنی ثم و ما مالورنی ہے۔

فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ کے والد ماجد اور پیر و مرشد (سے تھی۔ خواجہ نور محمد صاحب پٹھان تھے۔ ایک روز خان عالم صاحب گھوڑی پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راہ میں ہینگ بیچنے والے کچھ پٹھان ملے۔ آپ انہیں دیکھ کر گھوڑی سے اتر پڑے۔ ہمراہیوں نے عرض کیا کہ آپ نے سوار کی کیوں چھوڑ دی؟ فرمایا یہ آدمی میرے پیر کے ہموطن ہیں۔ لہذا میرا گھوڑی پر سوار رہنا بے ادبی ہے۔

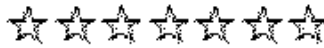
حقیقت یہ ہے کہ حضور ادب شیخ کی ان تمام رموز سے آشنا بھی تھے اور بدرجہ کمال عمل پیرا بھی۔ چنانچہ آپ نے ادب شیخ کے حوالے سے جو ادائیں یا اطوار اختیار کیے، ان پر عقل دنگ ہے۔ حضور نے اپنے شیخ پر جو مضامین قلمبند کیے ہیں، ان کا مطالعہ کریں تو ادب آداب کے نئے نئے قریب معلوم ہوتے ہیں، جو آپ سے قبل کے ادوار میں نظر نہیں آتے۔

آپ کی پیاری صفات میں سے یہ بھی ہے کہ بوڑھے حضرات کی عزت و احترام کا خیال رکھا جاتا تھا۔ نوجوان نسل کو سختی سے حکم تھا کہ بالخصوص والدین کو راضی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ بصورت دیگر ہمارے پاس اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خود حضور کا یہ طرز عمل تھا کہ اپنے پیر مرشد کی بارگاہ میں جانے کے لیے گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے مبارک قدم چومتے اور عرض کرتے کہ میرے لیے دعا فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پیر و مرشد کی آپ پر گہری نگاہ التفات کا ایک سبب والدین کی خدمت گزاری، اطاعت شعاری اور ادب و احترام کا یہ معاملہ تھا۔ اپنے والد محترم کی بھی دست بوسی کیا کرتے تھے۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ کسی کی بوڑھی ماں یا باپ اپنے بیٹے کی شکایت لے کر آتے جو عموماً بے ادبی یا حکم عدولی سے متعلق ہوتی، آپ اس

کی سرزنش کرتے، قرآن و حدیث سے والدین کا مقام سمجھاتے اور پھر والدین کے ہاتھ چومنے اور کبھی قدم چومنے کا حکم دیتے۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ والدین شکایت کرتے کہ بیٹا بہو کی طرف زیادہ ملتفت ہے اور ہماری پروا نہیں کرتا۔ آپ بیٹے کو والدین کو مقدم رکھنے اور راضی کرنے کا حکم دیتے۔

(حدیث پاک: يَا مُغْتَلِبُ الْمُتَغَابِرِينَ وَالْأَنْصَارِ مِنَ الْفُطُلِ رُوِّجَتْ عَلَى أُمَّهِ لِعَلَّيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ... (تواریخ ص ۵۸، تفسیر الغالین))

ترجمہ: اے مگر وہ جہاں پر یہ ہنسنا شروع کریں اپنی قوم کو اپنی برتری سے، اے انصاریوں اور ان کے گمراہوں سے لعنہ اللہ کی ہے۔)



## باب ہشتم

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز  
اور جذبہٴ حُبِّ الوطنی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بندۂ مومن کی ایک صفت اپنے وطن کے لیے اس کی والہانہ محبت اور جذبہٴ سرفروشی ہے۔ خود سرکارِ دو جہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيْمَانِ

وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔

اس ارشادِ نبوی کے مطابق جب وطن کی محبت ایمان ہے تو ماننا پڑے گا کہ جس قدر یہ محبت زیادہ ہوگی، مومن کا ایمان کامل ہوگا اور اگر وطن کی محبت مطلقاً نہیں تو دین و ایمان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں (اب ان لوگوں کے ایمان کی حقیقت کا اندازہ لگائیے جو کہتے ہیں کہ 'شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شامل نہیں ہوئے'۔ حالانکہ رہتے بھی اس ملک میں ہیں اور کھاتے پیتے بھی یہیں ہیں)۔ پھر کسی فرد یا

جماعت کا ہر وہ قول یا فعل جس سے اس بندہ مومن کے وطن کی توہین و تذلیل کا کوئی پہلو نکلتا ہو، اس کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے اور ایسے مجرم کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنا وہ اپنا مقدس فریضہ سمجھتا ہے۔

سیدی و سندی، وارثِ حبیبِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آئینہ کرامات و کمالات، بیکر و وسعت تصرفات، مفکرِ اسلام، علیٰ حضرت پر وفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ ایمان و ایتقان کی بلند ترین منزلوں پر فائز تھے چنانچہ اسی تناسب سے جذبہ حب الوطنی سے بھی از حد سرشار تھے۔ ہر اس شخص سے محبت تھی جو وطن عزیز کا دوست ہے اور ہر اس شخص کو قابلِ نفرت سمجھتے تھے جو اس کا دشمن ہے۔ چنانچہ جب 14 اگست 2004ء کو روزنامہ خبریں نے ڈاکٹر اسرار احمد کی پاکستان کے حوالے سے ہرزہ سرانیاں شائع کیں کہ پاکستان کھڑے کھڑے ہو گا تو آپ نے اسے سخت جواب دیتے ہوئے تنبیہ کی کہ

”ہمیں پاکستان سے اس لیے محبت ہے کہ ہمارے نزدیک یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبرک ہے۔ آج تک جس نے بھی اسے نقصان پہنچایا، کبیر کر دار تک پہنچا۔ آئندہ جو اسے میلی نظر سے دیکھے گا، مٹ جائے گا اس کا نام خدا روں میں لکھا جائے گا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ پاکستان پھلے پھولے اور پنڈت جی (ڈاکٹر اسرار) مرے تو ان کی قبر پر کتبہ لکھا جائے لعنۃ اللہ علی الذین“۔

حضورِ مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کو اس وطن کی مٹی سے جو پیار تھا، اس کی جھلکیاں چند

عنوانات کے تحت یہاں دکھائی جا رہی ہیں۔

**بانی پاکستان سے محبت:** بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح سے آپ کو گہری محبت والفت تھی کیونکہ یہ انہی کی بے مثال قیادت اور لازوال استقامت سے ممکن ہوا کہ آج ہم آزادی جیسی گراں قدر نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

”قائد اعظم جیسا شخص اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر مسلمانوں کو دیا تھا۔“

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

”خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسلمانوں کی قیادت کے لیے نامزد کیا اور انہوں نے شب و روز ایک کر کے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل فرمان کا حق ادا کر دیا۔“

قائد اعظم کے بے مثال تدبیر و فراست کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”قائد اعظم نے سیاست کے بڑے بڑے جغادری پہلوانوں کو چاروں شانے چت گرا دیا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے انہیں ناقابل تسخیر قوت بنا دیا۔“

آپ قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں شخصیات کو عام علماء سے سیرت و کردار نیز فہم دین کے اعتبار سے بہتر خیال کرتے تھے اور یہ کہ قوم کا جتنا درد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی خیر خواہی کا جتنا جذبہ جان کے اندر تھا اس دور کے باقی عوام و خواص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ قائد اعظم کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

”حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ مخلص اور راستباز تھے۔ انہیں نعرہ بازی

اور نمود و نمائش سے دور کا واسطہ نہیں تھا۔ وہ جو کہتے تھے، کر دکھاتے۔ اپنے تو کجا انہوں نے کسی غیر کو بھی دھوکا نہیں دیا تھا۔ دشمن تک ان کی استقامت اور عظمتِ کردار کے قائل اور گھائل ہیں۔ یقیناً انہیں وقت ملا تو پاکستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ افسوس انہیں وقت نہ ملا اور پاکستان کو قائم کیے ہوئے پورے تیرہ ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ آخرت کو سدھار گئے۔“

**مصوّر پاکستان سے الفت:** مصوّر پاکستان، کروڑوں پاکستانیوں کی خواہشات کے ترجمان حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا ذکر بھی حضور مقلدِ اسلام بڑے پیارا اور محبت سے کرتے اور قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ عظیم محاسن و اوصاف کی تعریف و ستائش کرتے۔ بالخصوص ان کی شاعری نے جس طرح خوابِ غفلت میں مدہوش مسلمانانِ ہندوستان کو جھنجھوڑا، لائقِ صد تحسین و آفرین گردانتے اور فرماتے:

”حق یہ ہے کہ حضرت اقبال نے جو کچھ کہا، اپنے انداز میں قرآن و سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔“

نیز فرمایا:

”اس بات پر حیرانی ہوتی ہے کہ اقبال کا سینہ رب نے کس قدر کھول دیا تھا۔ جن باتوں کو بیان کرنے لیے کئی مصنف پوری پوری کتاب لکھ دیتے تھے، اقبال اس سارے مضمون کو دو تین اشعار میں سمودیتے تھے۔“

حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ جناب اقبال کی سیرت کا نمایاں ترین وصف 'عشق رسالت' قرار دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

”حضرت اقبال علیہ الرحمہ کو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مثالی عشق تھا۔ آخری دور میں تو عشق اس ترقی پر تھا کہ جو نہی کسی نے حضور پر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک لیا، عاشق صادق کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری لگ گئی۔ وہ اسی عشق کو ملت کے مسائل و مصائب کا علاج اور حل سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسی دولت کو سینے سے لگائے رکھا اور اسی محبت کی تجلیات سے سینوں کو نور کرنے کی سعی محمود کرتے رہے۔ جو اب شکوہ کے یہ اشعار کہے یا نہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ واقعہ اس عاجز نے سجدہ دبا اپنے بابا حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العتوی سے

سنا، آپ فرماتے تھے:

”ایک دفعہ علی پور شریف میں کٹائی کے دنوں میں لوگ کٹائی کر

رہے تھے۔ حضور نقشب لائٹانی رحمۃ اللہ علیہ سامنے جلوہ گر تھے۔ میں

اپنی ڈیوٹی کے مطابق لوگوں کو پانی پلا رہا تھا کہ اچانک مجھے حضرت

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے وہ اشعار یاد آگئے اور میں نے انہیں گنگناتا

شروع کر دیا کہ

دوپہر کی آگ میں وقت درو دہقان پر  
ہے پسینے سے نمایاں میرے تاباں کا اثر  
کاٹ لیتا ہے مگر جس وقت محنت کا ثمر  
یا محمد علیؑ کہہ کے اٹھتا ہے وہ اپنے کام سے  
ہائے کیا تسکین اسے ملتی ہے تیرے نام سے

آپ نے پوچھا، بھئی کیا پڑھ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا، حضور! اقبال کے  
شعر پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، سناؤ۔ میں نے سنائے تو آپ بے حد خوش ہوئے  
اور فرمانے لگے، واہ اقبال کمال ہی کر دیا ہے۔“

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے آپ کی زندگی کے حالات کو خوب اچھی طرح  
پڑھا اور نچوڑ یہ نکالا کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے افکار و نظریات پر قرآن کی حکمرانی  
تھی۔ اپنے ایک مضمون میں آپ نے لکھا:

”مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا  
مسلمان تھا، اس کے منجھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا  
گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا، اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا  
گیا۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ  
قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود  
باقی ہی نہیں رہا۔ وہ جو کچھ سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا، قرآن کی نظر  
سے دیکھتا تھا۔ حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شے واحد تھے اور  
اس شے واحد میں وہ اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ اس دور کے علماء دین

میں مجھے کوئی شخص نظر نہیں آتا جو فحائیت فی قرآن میں اس امام

فلسفہ اور اس ایم اے، پی ایچ ڈی، باریٹ لاء سے لگا کھاتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں جبکہ ہر شخص اقبال و قائد کے افکار و نظریات کی من

چاہی بے سرو پا تاویلات کر رہا تھا، آپ نے کچھ اس حسنِ اہتمام سے اصل تصویر دنیا کے

سامنے رکھی کہ ان قائدین کی فکر اور تعلیمات نکھر کر سامنے آگئیں اور حق واضح ہو گیا۔

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کے ان اقوالِ مبارکہ کے علاوہ، ان دونوں سے محبت

پر شاہدِ عادل آپ کا یہ طرزِ عمل بھی ہے کہ عام گفتگو نیز تقاریر و تحاریر میں کثرت سے ان کا

ذکر کرتے، ان کے فرمودات کے حوالے دیتے۔ اقبال کے اشعار موقعِ محل کے مطابق

سناتے اور لکھتے نیز ان کے ایام وصال میں ان کے کارہائے نمایاں سننے اور سنانے کا

اہتمام کیا جاتا۔

پاکستان سے محبت: حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ کو سب سے بڑھ کر محبتِ خدا مصطفیٰ ہیں۔

علا فیصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور اسی محبت کا ایک نتیجہ ملک سے محبت ہے۔ کیونکہ یہ اس کا

حکم دیتے ہیں۔ آپ کو آج دنیا مقلدِ اسلام کے نام سے یاد کرتی ہے تو اس کی وجہ یہی

ہے کہ آپ عالمِ اسلام اور بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کے حوالے سے از حد حساس

تھے۔ ان کی سر بلندی کا کوئی پہلو سامنے آتا تو نہایت مسرور ہوتے، ان کے ساتھ ظلم و

زیادتی کی کوئی داستان سننے تو پریشان ہو ہو جاتے۔ آپ نے ملک بھر کا دورہ کیا اور

جہاں بھی گئے خدا و رسول کی محبت کے ساتھ ساتھ وطن کی محبت کے گن گائے اور لوگوں کو

اس کی بہتری کے لیے پر خلوص کوششیں کرنے پر ابھارا۔ جب محسوس کیا کہ میرے وطن

کے باسیوں کو معیاری تعلم و تربیت کی اشد ضرورت ہے تو جا بجا سکول کھلوادیئے، جب دیکھا کہ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی عقاید و نظریات کا تحفظ وقت کی آواز ہے تو متعدد مدرسے قائم کر دیئے۔ جب سرمایہ ملک و ملت یعنی نوجوانوں کو کلبوں اور کھیل کے میدانوں کی زینت بنے دیکھا تو شیران اسلام جیسی عظیم تنظیم کی بنیاد رکھ کر ہر لا الہ الا اللہ پڑھنے والے نوجوان کو ایک مشغلہ دیا کہ اپنا وقت ملک و ملت کی بھلائی کے کاموں میں صرف کریں۔ جب اپنی قوم کی بچیوں کا قیمتی وقت 'گپ شپ' اور 'ٹی وی ویکبل' کی نذر ہوتے دیکھا تو 'جامعہ انوار لائٹانی للینات' کے نام سے اخلاقی و مذہبی تربیت گاہیں قائم کرنا شروع کر دیں اور تاحیات یہ سلسلے آپ نے بڑی تگ و دو سے چلائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے وطن اور اس کے مکینوں کی حالتِ زار آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ چنانچہ ان کی فکری و نظریاتی، اخلاقی و مذہبی اور روحانی و مادی ترقی کے لیے آپ نے کام کیا اور خوب کیا۔ آپ ملک پاکستان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبرک سمجھتے تھے اور دن رات اس کی سر بلندی کے لیے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

”یہ ملک اسلام کے نام پر ملا تھا، اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ نبی پاک

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس کی حفاظت فرمائے گا۔“

جب بھی وزارت و نظامت کا کوئی امیدوار الیکشنز کے دوران آپ کی حمایت کا طالب ہوتا تو اس سے دو وعدے لیتے:

۱: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی جہاں تک ممکن ہو خدمت کروں گا۔

۲: ملک پاکستان اور اہل پاکستان کی بہتری کے لیے مقدر و بھر کوشش کروں گا۔

یہ وعدے لینے کے بعد پھر آپ ان کی حمایت و اعانت کا اعلان فرماتے۔ اسی طرح



اسمبلیوں کے اراکین اور دیگر عمائدین ملک کی اصلاح کے لیے نہایت پرمغز اور اصلاحی بیانات ارشاد فرماتے نیز قلم کے استعمال سے ان کی اصلاح احوال کرتے۔ غریب عوام کی بہبود رتی کی تلقین اور جہاں ضرورت محسوس کرتے سرزنش بھی کرتے۔ ماہنامہ مجلہ الجھيقہ کے اداريے اس بات کے گواہ ہیں۔

**پاکستان دشمنوں سے نفرت:** جن لوگوں یا طبقہ ہائے فکر نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی، آپ ان کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ طبقہ اہلحدیث اور دیوبند سے نفرت کی بڑی وجہ اگرچہ ان کی عداوت و بغضِ رسول تھی تاہم ایک وجہ بانیاں پاکستان اور خود پاکستان سے ان کی دشمنی بھی تھی۔ جس کے گواہ ان کے مندرجہ ذیل سخت اور غیر معیاری بیانات ہیں جو وہ قبل از قیام پاکستان سے نا حال دیتے آرہے ہیں:

”ہم پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔“

(خطبات احرار، ص ۹۹، رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۵)

”جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سو رہیں اور سو رکا گوشت کھانے

والے۔“ (جہنتان ص ۱۳۰)

”دس ہزار جینا (جناح) جو ہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں۔“

(حبیب الرحمن لدھیانوی کا بیان۔ جہنتان ص ۱۳۵)

”کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔“

(عطا اللہ شاہ بخاری کا بیان تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۸۸۲)

”لوگو جناح قائد اعظم نہیں کید (بمعنی مکر) عظیم ہیں۔“

(مولوی غلام غوث ہزاروی دیوبندی کا بیان)

اسی پیارے قائد اعظم کو حسین احمد دیوبندی اور مظہر علی احراری دیوبندی نے  
”کافر اعظم“ کہا۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت میں ۱۹۷۳ء)

”اس بات کا ہم کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ تقسیم ملک کی

جنگ سے غیر متعلق رہے۔“ (مولانا مودودی کا بیان۔ ترجمان القرآن نومبر ۱۹۷۳ء)

جب پاکستان دولخت ہوا تو اس سانحہ عظیم پر یہی احراری، دیوبندی، وہابی اور  
مرزائی بہت شاداں و فرحاں تھے۔ ان کے ہاں دیکھیں پک رہی تھیں اور جشن منائے  
جا رہے تھے۔ حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعض دوستوں کے ساتھ اپنے مطب میں بیٹھے  
ہوئے تھے اور ہر کسی کی آنکھ سقویٰ ڈھا کہ پراشک بار تھی۔ عین اس وقت احراری کا رکن  
جانناز مرزا جھومتا ہوا مطب میں داخل ہوا۔ اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور چہرے پر  
ایک عجیب قسم کی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ سلام نہ دعاء آتے ہی بولا: ”دیکھ لیا حکیم صاحب  
ہمارے بزرگوں کا کارنامہ، آپ کس پاکستان کی بات کرتے رہتے ہیں، ذرا سوچئے کہ  
ہمارے امیر شریعت (عطاء اللہ شاہ بخاری) کی روح آج کس قدر مسرور ہوگی؟ کہاں  
ہے آپ کا پاکستان اور بلا واپنے قائد اعظم کو۔“ (ماہنامہ نئی زندگی الہ آباد پاکستان نمبر میں ۱۸)

حضور مفکر اسلام نے تا حیات اس وہابی دیوبندی طرز فکر کی مذمت کی۔

بالخصوص جب مفتی محمود نے اسمبلی کے اندر ہرزہ سرائی کی کہ ”شکر ہے ہم پاکستان بنانے  
کے گناہ میں شریک نہیں ہوئے“ اور مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ ”پاکستان کا قیام اس  
صدی کا سب سے بڑا فراڈ ہے“ تو آپ بہت پریشان و مضطرب ہوئے اور تقاریر و تحاریر  
میں ان کی خوب خبر لی۔ آپ نے قوم کو بھی یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ جن لوگوں  
نے تحریک پاکستان اور قیام پاکستان میں حصہ لیا اور وہ جوان کی فکر کے وارث ہیں

، دراصل یہی سچے اور کھرے مسلمان تھے اور جو اس کے مخالفین تھے یا ہیں وہی غدار اور انسانیت کے ماتھے پر بدنماداغ ہیں۔ لہذا اب کسی عزت کے مستحق نہیں۔ یوں سمجھ لیں قدرت نے تحریک پاکستان کی صورت میں اپنا پرایا پرکھنے کا خوب موقعہ مہیا کیا تھا۔ آپ نے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”آئیے اپنے سینے میں قائد اعظم کی غیرتِ عشق بیدار کریں اور جو لوگ پاکستان کے مخالف رہے یا اب ہیں انہیں غدار سمجھیں۔ افسوس قوم کا حافظہ بہت کمزور ہے، اپنے رہنماؤں کو بھول جاتی ہے اور غداروں کو بھی فراموش کر دیتی ہے۔ آج ہمارے نصاب کی کتابوں میں جنگِ آزادی کے مجاہدین کی بجائے عموماً غداروں کو ”ہیرڈ“ قرار دیا جا رہا ہے اور پاکستان کے مخالفوں اور قائد اعظم کو ”کافرِ اعظم“ کہنے والوں کو پھر عظیم رہنما کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔“

اس تمام صورتحال کے برعکس جن مجاہدوں اور غازیوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور قربانیاں دیں ان کا اکثر بڑی محبت سے ذکر کرتے اور ختم وغیرہ دلاتے تو ان کو ایصالِ ثواب کرنا نہ بھولتے۔ یہاں تک کہ شہداء و مجاہدین کے تو سلسلے سے دعا کرتے اور کرواتے۔

اہل پاکستان کی موجودہ صورتحال اور حضورِ مغلبر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کا اضطراب و تاسف

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ اس ملک

کو اسلام کی تجربہ گاہ بنا تھا لیکن وجود میں آنے کے بعد یہاں کیا صورت حال رہی اور ہے حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی زبانی سننے اور اندازہ بھی کیجئے کہ آپ امت مسلمہ کی اس حالتِ زار پر کتنا کڑھتے تھے:

”پاکستان کی داستان بڑی دردناک ہے اس کے قیام کے قریباً ایک سال بعد ہی اس کے بانی حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ داغِ جدائی دے گئے۔ بعد میں جو لوگ آئے انہیں اپنے اقتدار کی فکر تو عموماً زیادہ رہی مگر قوم و ملت کے استحکام سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ جمہوریت اور مارشل لاء کی آنکھ مچولی رہی مگر جو بھی آیا ایک دو کے سوا، اس کے لوٹنے کو ہی مقصود ٹھہرایا اور اکثر و بیشتر مصائب و مسائل میں ہی اضافہ کیا، ان کے حل کی طرف توجہ نہ دی۔ بد تدبیروں کی بنا پر قوم پر قرضوں کا بوجھ بڑھتا رہا، بے روزگاری مسلط ہوتی گئی، دہشت گردی کا گراف بہت اونچا ہو گیا۔ بے حیائی اور فحاشی روز بروز عام ہوتی گئی۔ مملکت اسلامیہ کی فوج ہی غازیوں اور مجاہدوں کی فوج ہوتی ہے مگر اصل فوج کے ہاں جہاد کا تصور دھندلانا گیا اور بعض پرائیویٹ کمپنیوں نے جہاد کے نام پر جعلی کارنامے سنا سنا کر قوم کے اچھے خاصے طبقے کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ کاش حکمران طبقہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقشِ قدم پر چل کر ایمان و عشق کے تقاضے پورے کرنا اور اپنے ہی

محترم، رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو پیش نظر رکھتا۔ جب منکرین زکوٰۃ کو نظر انداز کرنے کی اپیل کی گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، دین مکمل ہو گیا، کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں آپ نے فرمایا میری جان جائے تو جائے مگر دین پر آنچ نہیں آنے دوں گا اور کسی صورت اس میں کمی بیشی قبول نہیں کی جائے گی۔

جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نافذ ہے اور یہی نافذ رہے گا۔ افسوس آج اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ ہمارے حکمران کس بے تکلفی سے اسلامی اخوت کے مقابلے میں سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگاتے ہیں اور خدا کے باغیوں کو خوش کرنے کے لیے سچا پکا مسلمان کہلانے کی بجائے لبرل مسلمان، کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ حکمرانوں کا یہ رویہ ایک مدت سے یہی ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ کے بعد شاید ہی کسی صدر یا وزیر اعظم کو اسلام یا پاکستان کا مفاد اپنے ذاتی اقتدار سے ملحوظ تر ہو۔ وطن عزیز میں زیادہ تر ان لوگوں کی خوشنودی کو اہمیت دی جاتی ہے جو پہلے دن سے ہی ہر اس کام کے خلاف ہوتے ہیں جس کا فائدہ پاکستان کو پہنچ سکے۔ کالا باغ ڈیم کیوں نہیں بن رہا؟ صرف اس لیے کہ خدار پسند نہیں کرتے۔ ریڈیو ٹیلی ویژن (وغیرہ) سے فحاشی کیوں پھیلائی جا رہی ہے؟ لبرل مسلمانوں کا

تقاضا ہے۔ بجلی اور مختلف اشیاء کی مہنگائی کس لیے؟ اس لیے کہ قرضے دینے والوں کی شرائط ہی اسی قسم کی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو صرف نوہینوں میں ہر قسم کی مشکلات پر قابو پالیا تھا اور یہاں نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود مشکلات میں کمی تو کیا، اضافہ ہی اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اب تو یہی دعا ہے:

زمانے کی ہوائیں ہیں نہایت حوصلہ فرسا

الہی بھیج کوئی رہنما صدیق اکبر سا“

یہ بیان کچھ طویل لیکن صورتحال کا جامع عکاس تھا، لہذا من و عن پیش کر دیا حضور مفکر اسلام رحمہ اللہ علیہ امت کے تمام مسائل کا حل خوفِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گروا دانتے جو کہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اور اس کا اظہار بڑے دلکش پیرائے میں کیا کرتے۔ چنانچہ آپ کی ایک خوبصورت تحریر سے ایک خوبصورت اقتباس ملاحظہ کیجئے (مثل سابق طویل مگر جامع و موثر بیان)

”وہ قوم جو توحید پر یقین بھی رکھتی ہو پھر بھی شرکوں کی خیرات سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہو اور خدا کے بندے ہو کر خدا کے منکروں پر انحصار رکھیں، اس سے زیادہ تکلیف دہ صورتحال کیا ہو سکتی ہے؟“

وہ قوم جو خدا کے سب سے سچے اور سب سے سچے، سب

سے بڑے اور سب سے آخری رسول، امام الانبیاء (علیہم

الصلوة والسلام) کی امت ہو کر اقوام عالم کی امامت کرنے کے بجائے ان کے قدم بقدم بھی نہ ہو بلکہ سب سے زیادہ عروج پر ہونے کے برعکس سب سے زیادہ پستی میں ہو، کتنے دکھ کی بات ہے۔ وہ قوم جس کے پاس عیب وریب سے پاک قرآن کریم جیسا آسمانی دستور ہو، جو تمام علوم کا سرچشمہ، ہدایات کا لا جواب منبع، دو جہاں کی خیر و فلاح کا داعی، افراد و اقوام کو تعزیرت سے نکال کر مہ و پروین پر کمندیں ڈالنے کا گر سکھانے والا ہے، پھر بھی ظن و تخمین میں کھوئی ہوئی ہو، کتنا پریشان کن ہے۔

وہ قوم جس کے آباؤ اجداد نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق سے سرشار ہو کر چار دانگ عالم میں حق کا پھریرا لہرایا تھا، بحر و بر پر حکومت کی تھی، دشت و کوہ جن کی اذان سے گونجتے تھے، اتنا شاندار اور تابناک ماضی رکھنے کے باوجود اپنے عقائد، اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کے بارے میں احساسِ کہتری کا شکار رہے، اس سے زیادہ خودناشناسی کیا ہو سکتی ہے۔

ذرا اپنی داستان پر غور تو کریں، کس میدان میں اللہ نے ہماری عزت نہیں رکھی، کس مشکل میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری دیکھیری نہیں فرمائی، کس موقع پر اللہ والے ہمارے کام نہیں آئے، قرآن پاک نے سچ فرمایا تھا:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ  
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ..... (المائدہ: ۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان  
والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور  
جھکے ہوئے ہیں۔ (کنز الایمان)

جب بھی اللہ کے حضور صدقہ دل سے گڑ گڑائے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
سے فریاد کی، اللہ والوں کی دہائی دی، شکست فتح میں بدل گئی، کفر و شرک کے لشکر بھاگ  
گئے، کھلی والے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام جیت گئے۔

جیت گئے اسلام کے غازی، ہار گئی آخر کفر کی بازی

جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم!

۱۹۶۵ء میں یہی ہوا تھا۔ اللہ والے کہاں نہیں پہنچے اور کس

کس محاذ کو انہوں نے نہیں سنبھالا۔ اسے فی الحال رہنے دیجئے، قیام

پاکستان پر ہی غور کیجئے۔ انگریز اور ہندو دونوں متحد اور دونوں بظاہر

طاقتور، ان کے مقابلے میں اہل ایمان کتنے تھے، نہایت قلیل، عقلاً

پاکستان کا بنانا ممکنات سے تھا۔ اسی وجہ سے مسلمانوں میں جو محض

عقل کے بندے تھے (اور عشق و ایمان سے اکثر محروم) وہ قائد

اعظم کا ساتھ دینے کو اپنے تاریک مستقبل کی ضمانت و علامت سمجھتے

تھے، مگر کیا ہوا؟ خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں

کی ہمت بندھائی اور پاکستان کی بشارت دی، اور یہ بشارت اس تو اتر

سے ہوئی کہ کوئی آدمی کسی وہم کا شکار ہی نہیں ہو سکتا تھا..... بہر حال

ہمارا اصل سرمایہ حیات سرکار و دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی ہے

۔ پاکستان بنا کر ہمیں اس ریشے کو مضبوط کرنا چاہئے تھا، مگر ہم سے یہ



نہ ہوسکا۔ جس اسلام کا بار بار نام لیا گیا تھا، یہاں اس کی حکومت ہونی چاہئے تھی، مگر افسوس ہمارے جھوٹے حکمرانوں نے اس طرف بھی توجہ نہیں دی۔ ہمیں قائد اعظم کے ارشادات کی روشنی میں اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہئے تھا، تاکہ دنیا اللہ کے دین کی برکات سے روشناس ہو اور زمانہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے کہ اسلام انسان کے لیے اور خصوصاً انسانیت کے لیے کتنا ضروری ہے۔ افسوس ہم کچھ بھی نہ کر سکے۔“

المختصر! مندرجہ بالا بحث کا ما حاصل یہ ہے کہ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کے سینہ بے کینہ میں پاکستان اور اہل پاکستان کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ اس ملک میں خوشحالی دیکھنا چاہتے تھے، صرف مادی نہیں بلکہ ایمانی و روحانی بھی۔ عقائد و نظریات کی خوشحالی، اخلاق و کردار کی خوشحالی۔ اکثر فرماتے، انشاء اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رحمت سے اچھا دور آنے والا ہے۔ اس مضمون کو آپ ہی کی ایک محسرت، ایک تمنا، ایک دعا پر ختم کیا جاتا ہے:

”کاش ملت آزاد ہوتی اور اپنا نفع و نقصان سوچ سکتی، کاش ملک کی حکومت جس نظریے کی بنا پر ملک بنا تھا اسے نافذ کر سکتی۔ کاش اس ملک میں ایک ایسی موثر قوت ہوتی جو حزب اقتدار اور حزب اختلاف کو بے راہ روی سے روک سکتی۔ کاش ایک اور اقبال کہیں سے آجائے، جو ملت کی رہنمائی کرے اور ایک اور قائد اعظم بھی نمودار ہو جائے جو ملت کو یک جان و یکدل کر دے۔“

## باب نمبر ۱۰

آخلاقِ حضورِ مَکِّیِّ اسلام

قدس سرہ العزیز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام دینِ کامل ہے۔ اس نے جو ضابطہ حیات دیا، وہ بھی ہر اعتبار سے جامع و مانع ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی عالمگیر اشاعت کے زیادہ تر دو سبب ہیں۔ ایک اس کی اپنی حقانیت اور دوسری مہلکین اسلام کا حسین اخلاق۔

اسلام میں حسین اخلاق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نبی مکرم، رسول مہتمم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا..... (ابو داؤد شریف)

ترجمہ: مومنوں میں زیادہ کامل ایمان والاء، ان میں زیادہ اچھے خلق والا ہے۔

بلکہ ہادی عالم، شفیع مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کو اسی حوالے سے پیش کیا ہے

۔ ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّمَا يُعِثُّ لِاتِّمِّمِ مَكَارِمَ الْإِخْلَاقِ..... (مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ:- میں تو اسی لیے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

خود حضور ربی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم صاحبِ خُلُقٍ عَظِيمٍ ہیں۔

إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ..... (پارہ ۲۹، سورۃ القلم، رکوع ۱)

ترجمہ:- اور بے شک آپ کی خوبو بڑی شان والی ہے۔

اور حضور ربی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت میں بھی بہترین وہی ہیں جو ان میں بہترین اخلاق والے ہیں۔

إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا..... (بخاری و مسلم)

ترجمہ:- تم میں سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق تم میں بہتر ہوں۔

اولیاء کرام اسی خُلُقٍ عَظِيمٍ کے مظہر ہیں، اسی لیے یہ اشاعتِ اسلام میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔

حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ، حُسنِ اخلاق کے جس ذرۃ علیا پر فائز تھے، ہمارے

تصور سے بالاتر ہے۔ تاہم مَا لَا يَذْرُكُ كُفْلَهُ لَا يَشْرُكُ كُفْلَهُ کے مصداق کچھ نمایاں تر پہلو پیش کیے جاتے ہیں۔

**زُہد و اتقا:** زُہد سے مراد ہے دنیا سے بے رغبت ہو جانا اور اتقا ہے خدا کی رضا

کے لیے تقویٰ اختیار کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے زُہد کے بارے میں یوں اشارہ فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ

رءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرہ۔ آیت ۲۰۷)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

یعنی اللہ کریم کے خاص بندوں کا وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنا تن من و دھن سب قربان کر دیتے ہیں اور اللہ کو یاد کرنے کے لیے جب وہ کسی چیز کو راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دیتے اور اپنی دنیا کو اس کی راہ میں بالکل لٹا دیتے ہیں تو اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

بندہ مؤمن کے سامنے سلطان کائنات، مختار شجھات حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ رہتا ہے۔ آئیے! زہد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جھلک حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی روشنی میں دیکھیے:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے بور یہ پر آرام فرما رہے تھے۔ اس کے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی بستر نہ تھا۔ بور یہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر نشان ڈال دیئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چمڑے کے ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (کتب سیرت کے مطابق جسم مبارک پر صرف ایک تہہ بند تھا، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے، ایک کونے میں کسی جانور کی کھال پڑی تھی اور کچھ مشکینہ کی کھالیں سر اقدس کے پاس کھوٹی پر لٹک رہی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے)۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ (آپ ﷺ اور) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی

امت پر فراخی فرمادے۔ فارس اور روم پر فراخی کی گئی ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتے۔ فرمایا، اسے ابن خطاب! تو ابھی تک ان خیالوں میں غلطاں ہے۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی لذتیں ان کو دنیا میں جلدی دے دی گئی ہیں۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا  
الْآخِرَةُ۔ (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، کیا تو راضی نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت۔

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا حَمَاهُ  
الدُّنْيَا كَمَا يَظِلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي مَقِيمَهُ  
الْمَاءَ..... (ترمذی شریف)

ترجمہ: رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کسی شخص سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح بچانا ہے جس طرح ایک تمہارا اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

حضور مفلک اسلام علیہ الرحمہ نے دنیا سے بے رغبت رہ کر سادگی کا جو انتہائی سبق

آموز اور ایمان افروز مظاہرہ کیا، وہ اتباع سنت کا ایک روشن باب ہے۔

**لباس:** حضور کے لباس میں سنت کے مطابق سفید شلوار قمیض، سفید کپڑے کی نقشبندی ٹوپی، ہاتھ یا کندھے پر سفید بڑا رومال (اسے بسا اوقات سر اقدس پر باندھ لیتے جس

سے چہرہ اقدس کی نورانیت دوچند ہو جاتی، اور پاؤں مبارک میں سادہ سی چپل (کالج دور میں کبھی براؤن رنگ کے بوٹ پہنے) کو یا آپ کی شخصیت مبارکہ سادگی کا ایک مرقع تھی۔ آپ نے سفید عمامہ شریف بھی گا ہے بگا ہے اور کچھ عرصہ متواتر استعمال فرمایا۔

عمر عزیز کے آخری حصے میں ہاتھ مبارک میں عصا ہوتا تھا۔ جبہ شریف صرف عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روز زیب تن فرماتے تھے۔ چند مرتبہ جمعہ المبارک کے خطاب کے دوران بھی استعمال فرمایا۔ رات کو عموماً تہہ بند باندھتے۔ کبھی روایتی جیکٹ یا واسکٹ وغیرہ نہیں پہنی۔ سردیوں میں کبھی ایک سویٹر، کبھی ایک چادر اور کبھی دونوں استعمال فرماتے۔ پیراہن میں یہ سادگی بچپن تا یوم وصال یعنی تمام عمر رہی۔ مگر اس سادگی میں بھی بلا کی ہیبت تھی کہ خود مر دم، بخود اور سنگدل، نرم دل ہو جاتے تھے۔ بڑی بڑی محفلوں اور تقریبات میں شرکت ہوتی تھی لیکن اسی وضع قطع کے ساتھ۔ ایک مرتبہ آپ ایسا سفید لباس پہن کر اپنے پیر و مرشد کی بارگاہ میں آئے جس پر ہلکی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا، 'لوجی! اب تو آسی صاحب بھی لکیروں والے کپڑے پہننے لگ پڑے ہیں'۔ آپ نے اس کے بعد ایسا لباس کبھی نہ پہنا جس پر کسی قسم کی لکیریں یا ڈیزائن بنا ہو۔ یونہی مشائخ کے لیے کلف لگے کپڑے سخت نا پسند فرماتے تھے۔

کالج میں آپ نے سیاہ اچکن اور جناح کیپ بھی پہنی ہے، جو سفید لباس کے ساتھ آپ کو خوب چیتی تھیں۔ یہ ہمارا قومی لباس بھی ہے اور وطن سے محبت کا آئینہ دار بھی، تاہم اپنے شیخ کے سامنے آپ نے اچکن اور جناح کیپ نہیں پہنی۔

جو لباس آپ زیب تن فرماتے وہ درمیانی قیمت کا ہوتا تھا۔ قیمتی لباس پسند نہ

فرماتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ قیمتی لباس یا جوتا نذر کیا گیا۔ فرماتے یہ زائد رقم جو خرچ کی گئی، کئی غریبوں کا تن اور پاؤں ڈھانپنے میں خرچ ہو سکتی تھی، چنانچہ کسی اور کو دے دیتے خود استعمال نہ فرماتے تھے۔

فضول خرچی سے روکنے کے لیے حضور اکثر اس آئیہ کریمہ کا حوالہ دیتے:

إِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ط..... (نساء: ۱۱)

ترجمہ:۔ بے شک اڑانے والے (یعنی فضول خرچ) شیطانوں کے

بھائی ہیں۔ (کنز الایمان)

غذا: لباس کی طرح آپ غذا کے معاملے میں بھی سادگی پسند تھے۔ مرغین کھانوں کی رغبت نہیں تھی۔ اتباع سنت میں کدو شریف مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ جناب حافظ محمد عمران صاحب کدو شریف کا تھیلا پکڑے ہوئے آئے۔ دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا، 'جلدی جلدی پکا کر لاؤ، ہم نے کدو شریف کھانا ہے'۔ نہایت قلیل غذا کھاتے تھے۔ اگر کسی نے چاول یا سالن وغیرہ زیادہ ڈال دیا تو کسی نوجوان کو دے دیتے کہ اسے زیادہ ضرورت ہے۔

لوگ دعوت کرتے تو عموماً انواع و اقسام کے کھانے سامنے رکھ دیتے۔ آپ سمجھا دیتے اور کبھی جلال میں آجاتے کہ آخر پیٹ کو گرم رکھنا ہی تو مقصود ہے تو پھر اس قدر اہتمام کی بجائے سادگی سے کیوں نہیں۔

ہر جمعہ المبارک کو نماز جمعہ کے بعد سے نماز عصر تک عُرس حضور نقش لانا فی علیہ الرحمہ کی ہفتہ وار محل کرواتے۔ اس کے بعد وسیع منگنر شریف ہوتا۔ جس میں چاول اور دال



ہوتی (جو بہت تپکی ہوتی تھی اور اس میں تھوڑا سا قیمہ بھی ڈالا ہوتا)۔ اس کھانے کو بھی حضور نہایت پسند فرماتے اور شوق سے تناول فرماتے تھے۔ لوگ بھی بہت محبت و رغبت کے ساتھ اسے کھاتے تھے۔

حضور مدد سے کے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی تلقین ہوتی۔ فرماتے، 'قرآن پاک پڑھنے والے ان بچوں کے ساتھ مل کر کھانا بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ حیاتِ مبارکہ کے آخری سال ڈیڑھ سال علالتِ طبع کے سبب ایسا نہ کر سکتے اور کمرے میں ہی تناول فرمایا کرتے تو بھی ان بچوں کی خوراک کا خصوصی خیال رکھتے۔

سائلین اور معتقدین کا جم غفیر ہر وقت حاضر بارگاہ رہتا تھا۔ لنگر شریف کے اوقات میں ان کو بھی شریکِ طعام کیا جاتا۔ حضور ان کے ساتھ بیٹھ کر لنگر شریف تناول فرماتے، علیحدہ اپنے لیے کبھی کچھ پسند نہ فرمایا۔ جب طبیعت مبارکہ بنا ساز رہنے لگی اور ڈاکٹر حضرات نے کھانے کا خصوصی خیال رکھنے کا کہا، پھر بھی وہی کھاتے جو دوسروں کے لیے اہتمام ہوتا۔ یہ بات بھی نہایت قابلِ ذکر ہے کہ آپ نے کبھی کھانے میں نقص نہیں نکالا۔ اتباعِ سنت میں کھانا تناول فرماتے تھے چنانچہ نمک مرچ وغیرہ کی کمی بیشی کبھی محسوس نہیں کی۔ محترم حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ کے حکم پر ہم نے چکھا تو نمک مرچ کا تناسب صحیح نہ ہونے کے سبب کھانا ڈشوار محسوس کیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ حضور ایسی صورت حال میں آپ اتنے اطمینان کے ساتھ کیونکر کھا رہے ہیں؟ آپ نے چونک کر فرمایا، 'میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا'۔

**رہائش:** رہائش وغیرہ کے سلسلے میں بھی آپ کو سادگی ہی پسند تھی۔ آپ کو عالیشان عمارات سے شغرتھا۔ بیکور (جہاں آپ کے ایام طفولیت گذرے) میں آپ کا مکان بالکل خستہ حال تھا۔ پھر حضور نقشب لائانی علیہ الرحمہ کے حکم پر اس کی حالت قدرے بہتر کی گئی۔ جب آپ کا خاندان پھگواڑی شریف منتقل ہوا تو یہاں کے مکانات بھی درویشانہ طرز بودوباش کے آئینہ دار تھے۔ اس دوران بغرض تعلیم و تعلم مختلف شہروں میں رہنا پڑا۔ کبھی ہاسٹلز میں اور کبھی کرائے کے مکانوں میں۔ بالآخر شکر گڑھ کے محلہ اسلام آباد میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ یہاں احباب و متوسلین کا ہجوم تصنیف و تالیف میں مانع ہوا تو عارف حقانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے چوہدری گلزار احمد صاحب ایس ڈی ادا پڑا کے ہاں دن کے کچھ حصہ میں ٹھہراؤ کا انتظام فرما دیا۔ چند سال یہی سلسلہ چلتا رہا۔ بالآخر ۱۹۹۶ء میں اہالیان فیصل ناؤن کے پر زور اصرار پر ان کے ہاں مستقل سکونت کا ارادہ کر لیا۔ ابتداء میں یہاں بھی تقریباً ایک سال کرائے کے مکان میں قیام رہا۔ یہاں آتے ہی پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ فیصل ناؤن کو ’نقشب لائانی نگر‘ بنا دیا۔ اسی عرصہ میں چوہدری گلزار احمد صاحب کے ہاں سے سکونت بھی موقوف ہو گئی۔ فروری ۲۰۰۰ء میں ذاتی مکان کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس دوران آپ کی مسلسل ہدایت تھی کہ سادہ ترین اور بقدر ضرورت عمارت کی تعمیر کی جائے اور نمود و نمائش اور اسراف سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

**اندازِ تکلم:** حضور کا اندازِ تکلم کسی قسم کے تہنچ یا بناوٹ سے پاک ہوتا تھا۔ اس انداز میں اس قدر روحانیت ہوتی کہ ایک ایک لفظ ’زندگی‘ بن کر دل میں اترتا جاتا۔ بے مقصد

بات چیت کا تو تصور ہی محال ہے۔ حضور شاہِ لاٹانی علیہ الرحمہ کا یہ قول سنایا کرتے کہ ضرورت سے زیادہ گفتگو انسان کے لیے منع ہے اور درویش کے لیے تو زیرِ قائل ہے۔ صوفی محمد حسین صاحب (ڑپئی والے) آپ کے پیر بھائی تھے۔ کبھی کبھار آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دینے آتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ عصر کے بعد مغرب تک خاموش رہا کرتے تھے اور اس دوران کسی سے ہمکلام ہونے کی بجائے ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ آپ ان کے اس طرزِ عمل کی تحسین فرماتے تھے۔ حضور کے حلقہ نشین بھی آپ کی صحبتِ بابرکت کے زیر اثر سیدھے سادے انداز میں گفتگو کرتے تھے۔

حضور خاموش ہوتے تو کسی کی جرأت نہ ہوتی لب کشائی کی کہ آپ کی خاموشی میں غضب کا جلال تھا۔ اگرچہ آپ کے لبہائے مبارکہ پہ تبسمِ رقص کر رہا ہوتا۔ اور محوِ گفتگو ہوتے تو کسی کی کیا مجال تھی کہ قطعِ کلام کرے۔ آپ کی گفتگو کے اتنی فیصد حصے کا موضوع عشقِ رسالت ہوتا تھا یا پھر ذکرِ شیخ اور باقی بیس فیصد میں تبلیغی سرگرمیوں کے لیے خدام کو ہدایات ہوتی تھیں۔

آپ ایسا کلمہ زبانِ اقدس پہ نہ لاتے جس سے کسی کی ولازاری ہوتی ہو۔ اندازِ گفتگو نہایت دل موہ لینے والا تھا۔ جو گفتگو سن لیتا، گرویدہ ہو جاتا۔ اپنوں کے لیے زبان کی چاشنی کا بیان ناقابلِ بیان ہے البتہ گستاخانِ انبیاء و اولیاء کے لیے اندازِ خاصیتِ دلخ ہوتا کہ یہ ایمان کی دلیل ہے (أَشْدَاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَرُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ)۔ آپ کی پُرسحر باتوں سے بلاشبہ ہزاروں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں۔ اور یہ اولیاء اللہ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ تکلم سے دنیا والوں کے قلوب و اذہان کو انقلاب آشنا کر دیتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے، ”زبان کی حفاظت سے دل پر اچھا اثر پڑتا

ہے۔“ اس سگ بارگاہ کی چند باتوں کے سبب ایک صاحب کو تکلیف ہوئی تو حضور نے دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی ارشاد فرمایا: ”بات کرتے وقت نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔“

### زہد و تقویٰ سے متعلق چند مزید واقعات:

☆ --- بہاولپور عرصہ مدرسہ کے دوران ایک مرتبہ لائین سے تیل ختم ہو گیا۔ آپ نے ایک شاگرد کو (کسی قریبی دکان وغیرہ سے) تیل لانے کو بھیجا۔ وہ بجائے دکان سے لانے کے ہاسٹل ہی سے لے آیا، چنانچہ جلدی آ گیا۔ آپ نے اتنی جلدی آ جانے کا سبب دریافت فرمایا تو عرض گزار ہوا کہ ہاسٹل سے لایا ہوں۔ فرمایا، نہیں لانا چاہیے تھا۔ پھر جب تک تیل کی قیمت کا اندازہ کر کے آپ نے اتنے پیسے ہاسٹل والوں کو ادا نہ کر دیئے، آپ کو چین نہ آیا۔

☆ --- شکر گڑھ ہائی اسکول میں بعض طلباء نے یہ کام شروع کر دیا کہ کہیں نہ کہیں سے کھوٹے سٹکے لے آتے اور انہیں دکانوں پر استعمال کرتے۔ جب یہ معاملہ زیادہ بڑھا تو آپ نے سمجھایا اور یہ اعلان کیا کہ جن کے پاس کھوٹے سٹکے ہوں وہ مجھے دے کر اصلی سٹکے لے جایا کریں۔ متعدد لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ کسی نے پوچھا کہ جناب آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا، ”یہ میرے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت کے بچے ہیں جو ایک حرام کام کا ارتکاب کر رہے تھے۔ میں انہیں حرام اور دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔“

خود نمائی سے پرہیز

حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ ریا، تکلف اور نمود و نمائش کو بہت برا جانتے تھے۔ آپ خود بھی سراپا اخلاص تھے اور اخلاص ہی کی قدر کرتے تھے۔ اپنی تعریف ذرہ برابر بھی گوارا نہ تھی۔ حضور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کے منہ پر اس کی تعریف کرنے کو بہت ناپسند فرمایا ہے۔ مردانِ کامل نفس کے جملہ حربوں سے باخبر ہوتے ہیں اور ایسے ہر موقع پر ہشیار رہتے ہیں۔ محافل و مجالس کے دوران بہت سے لوگ آپ کی شانِ اقدس کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتے، مگر آپ انہیں روک دیتے اور کبھی سختی کے ساتھ منع فرما دیتے۔

آپ کو ”صدر محفل“ یا ”صاحبِ دیوان“ کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر بیٹھنے کی عادت نہیں تھی۔ آپ کی آمد پر کسی کو اجازت نہیں تھی کہ سینکر پر آ کر لمبے چوڑے القاب بولے یا پیر طریقت وغیرہ کہے۔ فرماتے، ”میں تو اولیاء کا گدا ہوں“۔ یونہی کہیں جاتے تو ہمراہیوں کو پیر وغیرہ کے الفاظ سے اپنا تعارف کرانے سے منع فرما دیتے۔ سیالکوٹ میں ختم نبوت سیمینار کے موقع پر یہ سگ بارگاہِ تقریر کر رہا تھا کہ حضور تشریف لے آئے۔ مجمع کے تمام لوگ کھڑے ہو گئے اور نعرے لگنے لگے۔ اس عاجز نے آپ کی تشریف آوری کا اعلان القابات کے ساتھ کیا۔ بعد میں اس حرکت پر خاصی سرزنش ہوئی۔

ایک مرتبہ موضع چک نہالہ (جو شکر گڑھ کی سرحد پر آخری دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے) کے لوگوں نے آپ کو تشریف آوری کی دعوت دی۔ آپ متعدد افراد کے ساتھ جب گاؤں کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ گاؤں کے سینکڑوں مرد گھروں سے نکل کر اور عورتیں اور بچے چھتوں پر چڑھ کر آپ کی زیارت و استقبال کے لیے بے تاب ہیں۔ حضور کو اتنی شان و شوکت کے ساتھ اپنا استقبال کیا جانا منظور نہ تھا چنانچہ اور لوگوں کو

تو آگے روانہ کر دیا اور خود کار سے اتر کر موٹر سائیکل پر سوار ہو گئے۔ پھر سفید رومال سر  
قدس پر رکھا، جس نے چہرہ مبارک کو اطراف سے ڈھانپ لیا، یوں اس ہیئت کے ساتھ  
وہاں پہنچے کہ خود نمائی کی صورت نہ بنے۔ یہاں پورے گاؤں اور اردگرد کے دیہاتوں  
کے لاتعداد افراد بیعت ہوئے۔ لیکن حضور نے کسی موقع پر بھی انکساری و عاجزی کا دامن  
ہاتھ سے جانے نہ دیا اور متواضع رہ کر نماز روزہ وغیرہ کی ادائیگی کی لوگوں کو تلقین کرتے  
رہے۔ یہ ایک مرتبہ کی بات نہیں، بارہا ایسے مواقع آئے اور ہمیشہ حضور نے تواضع اختیار  
کی۔ یاد رہے کہ حضور کے وصال کے بعد اس گاؤں کا نام اہل دیہہ نے آپ سے  
والہانہ وابستگی کے باعث حضرت آسی نگر رکھ دیا ہے۔

ہمارے ہاں پیرا سے سمجھا جاتا ہے جس نے خوبصورت لباس زیب تن کیا ہو،  
بڑا سا عمامہ سر پر باندھا ہو، ہاتھ میں تسبیح ہو، مریدوں کا ہجوم ہمراہ ہو، آگے پیچھے گاڑیاں  
ہوں وغیرہ وغیرہ، یعنی خوب ٹھاٹھ باٹھ ہوں۔ مگر حضور کا عمومی انداز یہ تھا کہ کہیں تشریف  
لے جانا ہوتا تو سادہ سے لباس میں ایک دو اور کبھی محض تین افراد کے ساتھ ایک ہی  
سواری پر (حسب ضرورت کبھی موٹر سائیکل پر اور کبھی کار پر) تشریف لے جاتے کہ کسی پر  
بوجھ نہ ہو۔ تسبیح ہاتھ میں رکھنا مناسب نہ جانتے کہ نمائش کا پہلو نکلتا ہے، تاہم اکیلے  
ہونے کی صورت میں ایسا ہونا کہ اگر کبھی مسجد میں بیٹھے ذکر وغیرہ کرنا ہوتا تو تسبیح والے  
ہاتھ پر وہ بڑا سفید رومال رکھ لیتے جو آپ کے لباس کا حصہ تھا۔ اس طرح عام آدمی مطلع  
نہ ہوتا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔

ہفتہ وار حاضری نیز خاص تقریبات کے لیے دربار شریف (پیر خانے) جاتے  
تو یہاں سختی کے ساتھ ہدایت تھی کہ کوئی جوتا (مبارک) نہ پکڑے۔ نیز ہاتھ باندھ کر

سامنے کھڑے ہونے، ہاتھ چومنے یا کسی بھی ایسے فعل کو معیوب سمجھتے جس سے آپ کی تعظیم کا اظہار ہوتا۔ فرماتے، ”پیر خانے غلام بن کر حاضر ہونا ہوں، پیر بن کر نہیں“۔ پیر خانے لنگر شریف کھانے لگتے تو جو روٹی اوپر ہوتی، اسے کھاتے۔ اگر اٹھانے پر روٹی اُدھ جلی ہوتی تو بھی اسے ہی کھاتے۔ ایک مرتبہ کی روئیداد سننے۔ دربار شریف حاضری میں اس سگ بارگاہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ مزارات پر سلام کے بعد حضور تھوہہ نقشب لائانی علیہ الرحمہ نے لنگر شریف کے لیے ایک کمرے میں بٹھایا۔ یہ عاجز آپ کے دامانِ کرم سے ابھی نیا نیا وابستہ ہوا تھا، چنانچہ ادب آداب کی باریکیوں سے قطعی طور پر نا بلد تھا۔ لنگر شریف کھاتے ہوئے اس کم عقل نے ایک روٹی جو اٹھائی تو اس کا کچھ حصہ سیاہ دیکھ کر اسے چھوڑ کر دوسری اٹھانے لگا۔ حضور نے وہ پہلی ہاتھ سے لے کر خود کھانی شروع کر دی اور چہرہ اقدس پر سخت ناپسندیدگی کے آثار نظر آئے۔ اس ادا سے دراصل اس عاجز کی تربیت مقصود تھی کہ پیر کے ذر کا لنگر ظاہری صورت کے اعتبار سے جیسا بھی ہو، عقیدت و رغبت سے کھائے کیونکہ یہ وسیلہ صد برکات ہے۔ اس معاملے میں بے رغبتی کا اظہار غرور و تکبر کی علامت ہے نیز اس سے خود نمائی جھلکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سگ بارگاہ ساری عمر بیوقوفیاں ہی کرتا رہا اور وہ بندہ نواز، کریم آقا اپنی شانِ عنود درگزر سے کبھی پردہ پوشی اور کبھی اصلاح ہی فرماتے رہے۔

المختصر! آپ نے دنیا کے سامنے خود کو منوانے کی ہرگز کوشش نہیں کی اور پیر خانے آ کر تو اپنی ہستی کو بالکل ہی فنا کر دیا۔ ادھر پیر خانہ بھی تو لائانی تھا۔ جس نے اپنے اس

لائانی غلام کو اس دور کا لائانی پیر بنا دیا۔

## احترامِ آدمیت

آدمیت احترامِ آدمی یا خیرشوازمقامِ آدمی (اقبال)

جملہ ادیانِ عالم میں اسلام وہ آفاقی دین ہے جس نے سب سے پہلے اخوت و مساوات کا سبق دے کر انسانوں کو متحد کیا اور رنگ و نسل اور وطنیت کے تمام احصانام کو پاش پاش کر کے انہیں وحدتِ انسانی کی طرف بلایا۔ حضورِ اکرمؐ، نورِ مجسمؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ..... (شیخین)

ترجمہ: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

نیز فرمایا:

الْإِنْسَانُ أَخُو الْإِنْسَانِ..... (طبرانی شریف)

ترجمہ: انسان، انسان کا بھائی ہے۔

اسلام کا یہ اثر محض قصہ ماضی ہی نہیں، اب بھی ہر سچا مسلمان اسی شرابِ وحدت سے سرشار ہے۔ یوں تو احترامِ آدمیت اور مساواتِ انسانی کے نمونے آج پوری دنیا میں لگ رہے ہیں مگر اس کی صحیح عملی تفسیر دیکھنا، ہوتو آج بھی حضورِ رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے سچے غلاموں کی زندگی کا نقشہ دیکھئے اور ان کی خانقاہوں کی زیارت کیجئے۔

حضورِ مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ اسلامی تعلیمات کا منہ بولتا پیکر تھے۔ آپ کی خانقاہ میں آنے والے کسی شخص نے کبھی یہ منظر نہ دیکھا ہوگا کہ آپ چا رہائی یا کسی اونچی مندر پر



بیٹھے ہوں اور مریدین سامنے نیچے بیٹھے ہوں۔ بلکہ ان کے لیے کرسیوں یا چارپائی وغیرہ کا اہتمام ہونا تھا اور یہ بات تو روزمرہ کا معمول تھی کہ کوئی صاحب آئے اور دست بوسی کے بعد نیچے بیٹھنے لگے، آپ نے فوراً فرمایا، اوپر بیٹھو۔ اگر وہ پھر بھی زمین پر بیٹھنے کی کوشش کرتا تو کسی کو کہہ کر اسے بازو سے پکڑ کر کرسی وغیرہ پر بٹھا دیا جاتا۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ زیادہ لوگ آجانے کے سبب کرسیاں کم پڑ جاتیں، ایسی صورت میں چٹائی وغیرہ بچھا کر آپ خود بھی نیچے آکر ان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ آنے والا اپنی اس عزت افزائی اور قدر پر متعجب ہوتا۔ آپ کے 'خوانِ نعمت' کی داستان بھی سنئے:

آپ کے ہاں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بہت رہتا اور ہر وقت لنگر جاری رہتا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی لنگر شریف یا چائے پانی وغیرہ کے بغیر گیا ہو۔ تقسیم طعام کے بعد ہر ایک پر نظر فرماتے تاکہ کوئی محروم نہ رہ جائے۔ مسجد میں کوئی مسافر آتا تو کسی کو بھیج کر اسے بھی بلوا لیتے۔ امراء و فقراء سب ایک ہی صف میں بٹھائے جاتے۔ سب مہمانوں میں یکساں تقسیم ہوتا۔ کسی امیر یا رئیس کے لیے کوئی تخصیص نہ تھی۔ وہی ساہو بے تکلف کھانا سب کے لیے 'خوانِ نعمت' ہوتا تھا۔

محلہ اسلام آباد (شکر گڑھ) میں قیام کے دوران بھی جمعہ المبارک کے بعد عرس حضور نقشب لائانی کی مختصر محفل پھر نماز عصر اور اذان کے بعد بڑے پیمانے پر لنگر شریف کی تقسیم ہوتی تھی۔ اس ہفتہ وار محفل میں دو مفلوک الحال شخص اکثر شمولیت اختیار کرتے تھے۔ ایک کی پینائی نہ ہونے کے برابر اور دوسرے کا ذہنی توازن خراب تھا۔ نیز ان کا حلیہ بھی کچھ اس طرح کا ہوتا تھا کہ کوئی بھی ان کے قریب بیٹھنا پسند نہ کرتا تھا۔ حضور ان کو اپنے پاس بٹھاتے اور بعد از طعام چپکے سے ان کو کچھ نقدی بھی عطا کیا کرتے

تھے۔

آپ کے بھانجے اور موجودہ سجادہ نشین صاحبزادہ محمد عطاء الحق صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ نے آپ کے ہاں پرورش پائی تھی۔ ان کے بھی ماشاء اللہ تین صاحبزادے ہیں۔ ان تمام کو سختی کے ساتھ ہدایت تھی کہ آنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئیں اور تواضع و عاجزی اختیار کریں۔ الحمد للہ ان سب نے اس پر خوب عمل کیا اور عموماً صاحبزادگان کے لب و لہجے میں جو رعونت و خشونت ہوتی ہے، یہ سب اس سے پاک تھے اور ہیں۔

حضور نے مریدین سمیت کسی کے لیے کبھی تو 'کالفظ استعمال نہیں کیا۔ پنجابی میں گفتگو کرتے تو 'ٹسیں' اور اردو میں فرماتے تو 'آپ' کالفظ استعمال فرماتے۔ کبھی ایسے نام سے کسی کو نہیں پکارا جو اسے ناگوار گزرتا۔ ایک زمانہ آپ کے حسنِ خلق کا گردیدہ تھا۔ ہاں! اگر آپ کے نزدیک کسی کا مقام و مرتبہ ہوتا تو اس کی ذات برادری، امیری غریبی، عزت و شہرت یا عہدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ حسنِ قرأتِ قرآن، نعت کوئی، جذبہ تبلیغ دین یا زہد و تقویٰ جیسے اوصاف کے سبب ہوتا تھا، اور یہ اس قرآنی حکم کے عین مطابق تھا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ..... (الحجرات)

ترجمہ: بے شک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم

میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

**شفقت و رحمت**

حضور سرورِ دارین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْخَلْقُ عِيَالٌ لِلَّهِ فَاحْبِبِ الْخَلْقَ إِلَى اللَّهِ مِنْ أَحْسَنِ إِلَى عِيَالِهِ

(مخلوقہ شریفہ سیدی النجفی فی شعب الایمان)

ترجمہ: تمام مخلوق (گویا) اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ کے نزدیک سب

سے پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق سے اچھا سلوک کرے۔

کہیں فرمایا:

السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسْكِينِ كَالسَّاعِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ -

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی خبر گیری رکھنے والا اللہ کی راہ میں

سعی کرنے والے کی مانند ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي

حَاجَةٍ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ

كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ

سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ..... (بخاری و مسلم)

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم نہیں کرتا نہ اس کی مدد

چھوڑتا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے، اللہ

تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان سے کوئی غم

دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قیامت کے غم دور کر دے گا اور جو

شخص کسی مسلمان کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔

ایک صحابی نے عرض کیا: حضور میرا دل بہت سخت ہے، اس کا علاج ارشاد فرمائیں۔ فرمایا: یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا کر۔ الغرض کتب احادیث کا مطالعہ کریں تو بے شمار احادیث ملتی ہیں جن میں خلق خدا پر نرمی و مہربانی کی تلقین کی گئی ہے۔ اولیاء کرم علیہم الرحمٰن پر عمل پیرا ہو کر خدا وعدہ قدّوس کے محبوب و مقرب ہوتے ہیں۔

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ لوگوں پر اور بالخصوص بیواؤں، یتیموں اور غریبوں پر نہایت شفیق تھے۔ ان کی مالی معاونت اس طرح کرتے تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ضرورت مندوں کی امداد کے جو واقعات آج ہمیں کسی نہ کسی طرح سے معلوم ہوئے ہیں وہ گل واقعات کا عشر عشر بھی نہیں۔ کتنے ہی غریب ایسے ہیں کہ جن کی ضروریات کے لیے حضور نے کسی کے ذریعے رقم بھیجی اور اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی سخت تاکید کی۔ کتنی ہی بچیاں ایسی ہیں کہ ناداری کے سبب جہیز نہ ہونے کی وجہ سے گھر بیٹھی تھیں، مگر حضور کی مالی معاونت سے باعزت طریقے سے رخصت کی گئیں۔ یہ عاجز ذاتی طور پر متعدد بیواؤں اور مساکین کو جانتا ہے، جن پر حضور کبھی اس کی معرفت اور کبھی کسی اور کے ذریعے ماہانہ نقد رقم بھیجا کرتے تھے۔ (ناموں کا تذکرہ مناسب نہیں)۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور کسی محتاج یا ضرورت مند کی ضرورت کو دیکھتے تو بے چین ہو جاتے تھے، کبھی اپنی ضروریات کو نظر انداز کر کے ان پر مہربانی فرماتے، کبھی ادھار لینا پڑتا تو ادھار لے لیتے اور کبھی اس کی صورت یوں بنتی تھی کہ مختصر حضرات کے ذریعے نادار لوگوں کے باقاعدہ ماہانہ وظیفے لگا دیے جاتے تھے۔ آپ کی اسی مسکین

نوازی کا اثر ہے کہ آپ کے حلقہ ارادت میں بھی غریب لوگ زیادہ ہیں۔

آپ کی شفقت و رحمت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جامعات کے طلباء کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کی تلقین تھی۔ مارپٹائی کے ذریعے تعلیم کو ناپسند فرماتے تھے اور اشد ضرورت کی صورت میں اتنی سرزنش کی اجازت دیتے تھے جس سے طالب علم شرم محسوس کرے تاکہ اذیت۔ یونہی آپ کی زیر سرپرستی جتنے سکول، کالج اور دینی ادارے تھے، سب میں اساتذہ کو یہی تلقین تھی کہ حکمت اور مواظبتِ حسنہ کو مقدم رکھا جائے نہ کہ محض مارپٹائی کو ذریعہ تدریس بنایا جائے۔

وہ خدام جو سا لہا سال آپ کی بارگاہ میں رہے، گواہ ہیں کہ آپ کے لفظوں کی مٹھاس روح کی گہرائیوں تک اتر جاتی تھی۔ کبھی آپ کے طرز عمل نے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ اگر شاؤدنا و در حضور نے اصلاح کے لیے سخت لفظ استعمال کئے، تو بعد میں نوازشات کی انتہا کر کے اسے راضی بھی کیا۔

وہ لوگ جو اپنی بد عملی کی وجہ سے اور لوگوں کی نظر میں معتب تھے، آپ کی شفقت و رحمت سے دور نہیں تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ 'نفرت گناہوں سے کرو، گناہگاروں سے نہیں'۔ ایک مرتبہ نہایت مشفقانہ انداز سے فرمایا 'مجھے گناہگاروں سے محبت ہے'۔ اس فرمان کا سیاق و سباق کی روشنی میں منہوم یہ تھا کہ وہ گناہگار جو اپنے اعمال پہ سخت نام ہیں، البتہ دنیا انہیں ان کی حرکات کے سبب قابلِ نفرت جانتی ہے، میں انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے ناامید ہونے کی بجائے امیدوار ہونے کی ترغیب دیتا دلانا ہوں یا یہ کہ میں ان گناہگاروں سے محبت کرتا ہوں تاکہ میرے حسن سلوک سے وہ توبہ کریں اور شاہراہِ مستقیم پہ گامزن ہوں۔

شفقت و رحمت کے زیر عنوان آپ کی ایک اور ادا ملاحظہ ہو۔ راوی محمد اصغر صاحب (پھلواری) ہیں۔ سیالکوٹ جمعہ پڑھانے کے بعد آپ واپس شکر گڑھ تشریف لارہے تھے۔ میں اور میری موٹر سائیکل اس خدمت کے لیے مامور تھے۔ راستے میں موضع پنڈی بوہڑی بارش کے سبب بہت پھسلن تھی۔ چنانچہ موٹر سائیکل پھسل گئی اور ہم دونوں گر گئے۔ آپ کی بھی اور میری بھی دائیں ٹانگ پر چوٹ آئی۔ ہم خود کو سنبھال ہی رہے تھے کہ اتنے میں چوہدری محمد وقار ایڈووکیٹ صاحب جو محترم ڈاکٹر محمد گلزار صاحب کے برادر اکبر ہیں (اور یہ اپنے بھائی چوہدری محمد افتخار صاحب ڈی ای او ایجوکیشن سیالکوٹ اور اپنے جملہ خاندان سمیت آپ سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بالخصوص ڈاکٹر صاحب تو گویا آپ کے فیملی ڈاکٹر بھی تھے)، پیچھے سے اپنی کار پر آ گئے۔ وہ ہماری حالت دیکھ کر خاصے پریشان ہوئے۔ اور ہر چند کہ آپ کو کار میں بٹھانے پر بہت اصرار کیا، تاہم آپ کا موقف تھا کہ چونکہ اصغر کو بھی چوٹ آئی ہے، میں اسے اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے بھی درخواست کی تو فرمایا، اصغر میں تمہارے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا۔ (اصغر صاحب ان الفاظ کو بہت یاد کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ میں حضور مقلد اسلام قدس سرہ العوی سے یہ امید رکھتا ہوں کہ کل روز حشر بھی وہ مجھ سے یہی فرمائیں گے، اصغر! میں تیرے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا)۔ یہ واقعہ متعلقین پر آپ کی شفقت و رحمت کے پہلو کو سمجھنے میں مدد و معاون ہے۔

## انفاق فی سبیل اللہ

انفاق فی سبیل اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ  
لَهُمُ الْجَنَّةَ ... (التوبة)

ترجمہ: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

اس آیت سے مستفاد یہ ہے کہ مومن اپنی جان کا مالک ہے اور نہ مال کا۔ اس کے جان و مال دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ 'جان و مال' سے دستبردار ہو جانا اس لیے ضروری ہے کہ ان کی محبت راہِ حق میں اکثر رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جان عیش و آرام چاہتی ہے اور مال کی محبت خرچ کرنے سے روکتی ہے۔ بندہ مومن جب 'جان و مال' قربان کر کے رب کو راضی کر لیتا ہے، دونوں جہانوں کی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور یہ 'فنا' اس کے لیے 'بقا' اور 'بے نوائی' ہی 'نوا' بن جاتی ہے۔ مولائے روم فرماتے ہیں:

جاں وہی در راہِ حق جانہا وہند      ناں وہی در راہِ حق نا نہا وہند

ترجمہ:

تاجدارِ ولایت پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشب لائٹانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے پاس ایک بہت خوبصورت اور تیز رفتار گھوڑی تھی جو ہم سب کو یہاں تک کہ حضور شاہ لائٹانی علیہ الرحمہ کو بھی بہت پسند تھی۔ ایک دن فرمانے لگے، 'یہ گھوڑی ہم سب کو بہت پسند ہے لہذا یہی فی سبیل اللہ نذر کر دینی چاہئے۔'

ہم سب نے عرض کیا، حضور اس کے بدلے کوئی اور گھوڑی یا اس کی قیمت

خیرات کر دیں۔ مگر آپ نہ مانے اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۝

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

پھر وہی گھوڑی سرہند شریف بطور نذرانہ بھیج دی۔

حضور مفکرِ اسلام اپنے اسلاف کی روایات کے امین تھے۔ چنانچہ انفاق فی سبیل اللہ کے معاملے میں بھی آپ نے درخشندہ مثالیں قائم کیں۔ زرعی زمین اور نحوہ یا پنشن سے جو ملتا تھا، سب جامعہ انوار لائٹانی برائے طلباء اور جامعہ انوار لائٹانی برائے طالبات کے طلباء و طالبات کے قیام و طعام اور دیگر ضروریات کے لیے وقف تھا۔ یونہی آپ کانگر شریف نہایت وسیع تھا۔ جو خاص و عام سینکڑوں افراد کے لیے چوبیس گھنٹے جاری تھا۔ اس میں کم و بیش دو دن آنا روزانہ چلتا تھا۔

راہِ حق میں اہراقِ دم (خون بہانا) بھی آپ کو بے حد عزیز تھا۔ حدیث پاک کی رو سے ۱۰ اذی الحجہ کو بارگاہِ خداوندی میں یہی عمل مقبول ترین ہوتا ہے۔ آپ ہر سال ۳ یا ۴ بکروں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ نیز قیامِ سیالکوٹ کے دوران بلا ناغہ پیر خانے حاضری، دیگر شہروں سے کثرت کے ساتھ حاضری اور بعد وصال شیخ شکر گڑھ سے ہفتہ وار حاضری زر کیش خرچ کرنے کی متقاضی تھی۔ یہ کیش خرچ بھی محض رضائے خدا کے لیے ہوتا تھا۔

حضور رسال میں تین بڑی تقریبات منعقد کرواتے تھے۔ ایک جشنِ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (۱۲ ربیع الاول شریف)، دوسری بسلسلہ شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۰ محرم الحرام) اور تیسری عرسِ شہنشاہِ ولایت حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ (۲ ذی



الحجہ)۔ ان کے علاوہ خلفائے راشدین عظیم الرضوان، سیدہ خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، شہدائے بدر، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ، سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمہ، سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ، سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا یلوی علیہ الرحمہ نیز متعدد مشائخ اور قائد و اقبال علیہم الرحمہ کے مقدّس ایام پر تقریبات کا سلسلہ پورا سال چلتا رہتا تھا۔ ہفتہ وار عرسِ حضورِ نقشب لائانی کی تقریب (ہر جمعہ المبارک بعد نماز عصر تا نماز مغرب) اس کے علاوہ تھی۔ ان تمام کام کا انعقاد کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لکھو کھا روپیہ خرچ ہوتا تھا اور حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ بفصلِ خدا ومصطفیٰ (صلی و علیٰ نصلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) اور خطیر شیخ کریم خرچ کرتے تھے اور مقصد محض رضائے خدا و رسول (صلی و علیٰ نصلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کا حصول ہوتا تھا۔ پھر ان تقریبات میں قاری و نعت خواں حضرات نیز مقررین کو نقد رقم سے بھی خوب نوازا جاتا تھا۔

رمضان المبارک کے مقدّس مہینے میں پورا ماہ نمازِ عصر کے بعد درسی حدیث ارشاد فرماتے جو وقتِ افطار تک چلتا اور بعد میں افطاری کروائی جاتی۔ یہاں بھی سینکڑوں افراد موجود ہوتے تھے۔ اگرچہ روزانہ مختلف حضرات انتظامِ طعام کرتے تھے لیکن یہ سب کے سب آپ کے مریدین و معتقدین ہوتے تھے اور بعض افطاریاں خالصتاً آپ کی طرف سے ہوتی تھیں۔

المختصر! حضور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے قطعاً نہ بچکاتے تھے اور جو پاس ہوتا راہِ خدا میں بے دریغ لٹا دیتے تھے۔

## جو دو سخا

جو دو سخا یا سخاوت اور بخیل یا کنجوسی دو متضاد وصف ہیں۔ احادیث میں سخاوت اور بخئی کی تحسین کی گئی ہے جب کہ بخیل اور بخیل کی مذمت۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

السَّخِيُّ قَرِيبٌ "مَنْ اللَّهُ قَرِيبٌ" مَنْ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ "مَنْ  
النَّاسِ بَعِيدٌ "مَنْ النَّارِ وَ الْبَخِيلُ بَعِيدٌ "مَنْ اللَّهُ  
بَعِيدٌ "مَنْ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ "مَنْ النَّاسِ قَرِيبٌ "مَنْ النَّارِ.....  
(ترمذی شریف)

ترجمہ: سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے۔ اور کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، جہنم سے قریب ہے۔  
خود رحمت کائنات علیہا الصلوٰۃ والسلام کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:  
"ابو ذر! اگر احد پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو بھی کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، سوا اس دینار کے جو ادائے قرض کے لیے چھوڑ دوں"..... (بخاری شریف)

اولیاء اللہ کو قدرت نے سخاوت کا وصف وافر مقدار میں عطا فرمایا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ولایت و سخاوت لازم و ملزوم ہوں۔ حضور قبلہ عالم مفکر اسلام ﷺ اللہ تعالیٰ علیہ

سخاوت کا دریا تھے۔ آپ کا دستِ رحمت، ہر کرم تھا جو متواتر برستا اور اپنوں بیگانوں کو سیراب کرتا رہتا تھا۔ اتفاق فی سبیل اللہ اور دیگر عنوانات کے تحت اس کا کسی حد تک تذکرہ ہو گیا۔ چند جھلکیاں یہاں حاضر ہیں۔ اہل عقیدت آپ کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے تھے۔ ازراہ دلجوئی قبول فرمالتے مگر کبھی نقدی جیب میں نہیں ڈالی (حضور جیب میں روپے پیسے نہیں رکھتے تھے۔ کسی نہ کسی مقرب بارگاہ کے پاس ہوتے تھے جس کے ذمے لنگر شریف اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنا ہوتا تھا۔ کبھی تنخواہ لینے نہیں گئے۔ یہ کام بھی کوئی اور انجام دیتا تھا) فوراً کسی ضرورت مند کو دے دی، یا مولوی صاحبان یا طالب علم پاس ہوتے تو ان کو عنایت فرمادیے اور کبھی لنگر شریف کے لیے رکھ چھوڑتے تھے۔

بارہ ربیع الاول شریف کو مولوی اور درویش حضرات کو لاتعداد سفید سوٹ عطا فرمائے جاتے تھے۔ صدق و خیرات کے مختلف انداز سال بھر جاری رہتے تھے۔ افغانستان پر امریکی حملے ۱۱ ستمبر اور ۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء کے قیامت خیز زلزلے کے آذت زدگان کے لیے کثیر سرمایہ بمعہ جناس و اشیائے ضرورت روانہ کیں۔

سخاوت کے متعلق حضور دوسروں کو بھی بہت تلقین فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

”دوسروں کو دینا اگر چہ ریاضے ہو، دکھاوے کے دوسرے اعمال سے بہتر ہے۔“

کیونکہ کو دینے والے کو فائدہ نہیں ہوا (کیونکہ قرآنی حکم یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

لَا تُبٰطِلُوْا صٰلٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی... (البقرہ) کی رو سے احسان جملانے والا

اپنے اس عمل کو برباد کر رہا ہوتا ہے)، لینے والے کو تو ہو گیا اور پھر جب لینے والا دعا

کرے گا تو اس سے یقیناً دینے والے کو بھی فائدہ پہنچے گا۔“

حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے۔

ہادیٰ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خاص تاکید فرمائی ہے کہ ایک ہاتھ سے اس طرح دو کہ دوسرے ہاتھ کو خبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ سخاوت پوشیدہ کرتے تھے اور افشا کی بجائے اخفا کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ شکر گڑھ میں چند اہل ثروت افراد نے بیوہ عورتوں میں سلائی مشینیں دینے کی باقاعدہ تقریب کروائی۔ فرمایا 'کیا ہی بہتر ہوتا اگر چھپا کر یہ سب کیا جاتا'۔ یونہی وزراء کی طرف سے غریبوں کو کچھ دیتے وقت میڈیا میں اپنی سخاوت کا پرچار کرنے کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اس طرح ان کی تذلیل ہوتی ہے۔

## توکل علی اللہ

توکل علی اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اسباب کی بجائے مسبب و مؤثر حقیقی پر نظر رکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ..... (الطلاق)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا

يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوا حِمَاً صَاً وَتَرُوحُ بِطَاناً..... (ترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ

روزی دے گا تم کو جس طرح جانوروں اور پرندوں کو روزی دیتا

ہے، صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔

نیز فرمایا:

مِنْ مَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاَهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ..... (ترمذی شریف)

ترجمہ: آدم کے بیٹے کی نیک بختی یہ ہے کہ جو اللہ نے اس کے لیے مقدر کیا اس پر وہ راضی ہو۔

حضور قبلہ عالم مقلد اسلام ہنس مرزا عزیز ارشاد فرماتے ہیں:

”یاد رہے کہ کوشش چھوڑ دینا توکل نہیں بلکہ کوشش کر کے نتائج کو قدرتِ خدا سے وابستہ سمجھنا توکل ہے (السُّعْيُ مَعْنَى وَلَا خِمْامٌ مِنَ اللَّهِ)۔ خدا پر بھروسہ کرنے والا، بل جوتنے کے باوجود زمین کو نہیں، خدا کو رازق سمجھتا ہے۔ وہ کسی طاقت سے ہراساں نہیں ہوتا، اس کا ایمان تمام طاقتوں کے پیدا فرمانے والے پر ہے۔ راہ حق میں خرچ کرنے سے نہیں گھبراتا کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے لیے کافی ہے۔ دنیا و مافیہا سے بلند ہو کر، نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اپنے مالک سے دوستی لگانا ہے اور پھر ہر قیمت پر اسے نباہتا ہے۔“

مردانِ خدا کی سخاوت، استقامت، صداقت سب توکل کی مرہونِ منت ہیں۔ گویا تمام محاسنِ اخلاق کی بنیاد توکل پر ہے۔ حضور مقلدِ اسلام کا راہِ خدا میں بے دریغ خرچ کرنا اور ’کل‘ سے بے نیاز ہو کر ہر حاجتِ مند کی حاجت برلانا بھی توکل کے زمرے میں آتا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے کہ یہ سب بارگاہِ بسلسلہ ملازمت پریشان تھا۔ حضور کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اس موقع پر آپ نے خدا پر توکل رکھنے کے حوالے سے بڑی نادریاں ارشاد فرمائیں (اور واللہ! باللہ! باللہ! حضور کا ہر ارشاد نادر اور آپ زر سے لکھنے کے قابل ہوتا تھا، جو ارشاد فرماتے، روح کی گہرائیوں تک اترتا محسوس ہوتا تھا) بالخصوص یہ قرآنی الفاظ سنائے اور ان کی نہایت عمدہ تشریح کی، یہاں تک کہ پریشانی تسلی میں بدل گئی:

” وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ. (سورۃ الطلاق)

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال

دے گا، اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان نہ

ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

## فقر و استغنا

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر ادلی

ہو جس کی فقیری میں بونے اسدا للہی

جملہ ادیان عالم نے رہبانیت (دنیا والوں سے الگ تھلگ ہو کر ویرانوں میں

نکل جانا اور تاحیات اس عمل پر کاربند رہنا) کو مستحسن گردانا ہے۔ جب کہ اسلام نے اس

کے مقابلے میں فقر کی تحسین کی ہے۔ یعنی کائنات سے بے نیاز ہو کر رہنا، دنیا میں رہ

کر دنیا کو دل میں جگہ نہ دینا وغیرہ، اسی کو استغنا کہتے ہیں۔ اور فقیر وہ ہوتا ہے جو اللہ کریم

اور رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ دنیاوی مال و متاع اور

منصب و جاہ اس کی نظر میں بچے ہیں۔

فقر کے ہیں معجزات، تاج و سریر و سپاہ

فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ (اقبال)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فرمانِ عالیشان ہے:

الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

ترجمہ: تو نگری دراصل دل کی تو نگری ہے۔

یہاں حضور شاہِ لائٹانی علیہ الرحمہ کا ایک فرمان بھی سنئے:

”صوفی وہ ہے جس کا دل ماسوا سے مستغنی ہو کر اللہ کی جستجو میں

رہے۔ اگر اسے معمم حقیقی سے کچھ ملے تو لے ورنہ بے طلب ہو کر

بارگاہِ خداوندی میں آدابِ بجالائے اور راضی برضا رہے“

تاجدارانِ علی پور شریف سے فقیری کے تین اصول مروی ہیں جو انہیں باباجی

فقیر محمد چورانی رحمۃ اللہ علیہ نے بتلائے تھے:

” لَا طَامِعَ ، لَا جَامِعَ ، لَا مَانِعَ “

یعنی طمع مت کر، جمع مت کر، اور منع مت کر۔

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ بھی اپنے درویشوں کو یہ اصول بتلایا کرتے تھے۔

آپ کی اپنی ذاتِ اقدس اسی فقر و غنا کا پیکرِ لطیف تھی اور یہی بے نیازی تھی جس نے

آپ کو ”شمس العرفاء“ اور ”بدر الاولیاء“ بنا دیا تھا۔

۲۰ دسمبر ۱۹۹۷ء کو رات رشید پورہ شکر گڑھ کی مسجد نور میں محفل تھی۔ اسے مولانا

غلام مصطفیٰ مجددی صاحب منعقد کروا رہے تھے، جن کی رہائش مسجد سے قریب ہی تھی۔

ان کی رہائش گاہ پر حضور قبلہ عالم جلوہ افروز تھے۔ صوفی باصفا جناب محمد حسین صاحب نعت خواں کے علاوہ متعدد افراد بھی کمرے میں موجود تھے۔ حضور حسب مزاج نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر بڑے سرور کے ساتھ کر رہے تھے۔ تاہم خدا جانے صوفی صاحب کے دل میں کیا سمائی کہ وہ اپنی گھڑی پر جو یکدم رک گئی تھی، بار بار افسوس کرنے لگے اور آپ کے ارشادات کی طرف توجہ نہ رہی۔ آپ نے اصلاح کے لیے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں زمین و آسمان کی وسعتوں میں نہیں سماتا لیکن بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔ یعنی یہ دل خدا تعالیٰ کی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے تو جس شخص کا دل ایک گھڑی ہی کے گرد گھومتا ہو، اس کی فقیری کیا ہوئی۔“

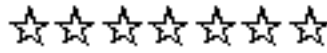
یہاں آپ نے حضور سیدنا غوث اعظم کا واقعہ بھی سنایا کہ جب ان کو سامان تجارت سے لدا جہاز غرقاب ہونے کی اطلاع دی گئی تو ان کے چہرہ مبارک پر کوئی تغیر نہ آیا۔ پھر جب جہاز کے سلامتی کے ساتھ نکال لیے جانے کی خبر ملی تو بھی چہرہ مبارک پر کوئی تغیر نہ تھا۔ فرمایا، چاہئے تو یہ کہ دنیاوی نفع و نقصان دل پر کوئی اثر نہ کریں۔ خوشی ہو تو ’محبوب‘ کے ذکر سے، تکلیف ہو تو ’محبوب‘ کی تکلیف (یا ناراضی) سے۔

جس مجلس میں آپ ہوتے، پھر وہاں دنیا کا کیا تذکرہ۔ بس حب خدا جل جلالہ اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نغمے گائے جاتے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ اس عاجز کے عرض کرنے پر کہ ”حضور فقیری کیا ہے؟“ آپ نے ایک مختلف جہت سے اس کی تعریف یوں فرمائی:

”اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفوں سے دشمنی اور دوستوں سے دوستی کا نام فقیری ہے۔ جن کاموں سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راضی



ہوں، وہ کرنا بلکہ استقامت حاصل کرنا اور ان کی ناراضی والے کاموں سے بچنا۔ نیز لوگوں سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات، ان کی عظمتِ شان بیان کرنا۔ لوگوں کو اسلام کے اصل عقائد کی تبلیغ کرنا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک پر قربان ہونے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا، اس دور میں میرے نزدیک فقیری یہ ہے، لوگوں نے نا جانے کس چیز کا نام فقیری رکھ لیا، ہوا ہے۔“



بابِ دہم

مذہبی تعامل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام دین تو حید ہے، اس نے خدائے بزرگ و برتر کے واحد ہونے کا اعلان ہی نہیں کیا، انسانوں کو بھی وحدت و اتحاد کا درس دیا ہے۔ متعدد آیات قرآنیہ وضاحت سے جمہور اہل اسلام کا ساتھ دینے کی تلقین اور اس سے جدا راہ چلنے کی مذمت فرما رہی ہیں۔ مثلاً:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ  
غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَ  
سَاءَ ثَمَلٌ مَّصِيْرًا..... (النساء۔ ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو مخالفت کرے رسول کی، اس کے بعد کہ روشن ہو گیا اس کے لیے ویسا راستہ اور وہ چلے مسلمانوں کی راہ کے خلاف تو اسی طرف ہم اس کو پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور پہنچائیں گے

اسے جہنم میں اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔“

نیز فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا  
آمَنَ السُّفَهَاءُ..... (البقرہ-۱۳)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسا در لوگ ایمان  
لائے ہیں تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔

گویا اپنی تھوڑی تعداد کو حق پر سمجھنا اور باقی پوری امت کو گمراہ سمجھنا بھی منافقین  
کی سوچ کا نمایاں پہلو ہے۔

افسوس صد افسوس! اسلام کا یہ عظیم پیغام خود اس کے فرزندوں کی ایک تعداد  
نے فراموش کر دیا اور تفرق و انتشار کی راہ اختیار کر لی۔ دراصل یہ ایسے دشمنوں کے زیر اثر  
تھے جو کسی قیمت پر بھی ملتِ اسلامیہ کو متحد دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

نہی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیب بین نگاہیں ان تمام فتنوں کو ملاحظہ فرما رہی  
تھیں جو صحیح قیامت تک امتِ مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لینے والے تھے۔ چنانچہ حضور  
اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہیں اشارۃً اور کہیں صراحتاً ان کا ذکر بھی فرما دیا نیز ان تمام  
سے بچ کر مرکز اسلام سے وابستہ رہنے کے لیے حق و صداقت یعنی صراطِ مستقیم پر چلنے  
والے گروہ کی علامات بھی ارشاد فرمادیں۔ چند ایک ارشاداتِ عالیہ سنئے:

(۱)۔۔۔ مَتَفَرِّقْ أُمَّتِي ثَلَاثًا وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي

النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا آتَا

عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (ترمذی حدیث: ۲۶۲۱ بونا و جلد ۲ ص ۲۷۵۔ کتاب

الذباب شرح الہجیر انفاظ)

ترجمہ: میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، ایک کے سوا سب ناری ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ (نجات پانے والا گروہ) کون سا ہے؟ فرمایا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔

(۲)۔۔۔ عَلَیْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ  
عَضُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ۔

ترجمہ: تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس پر دانٹوں کے کیلے جمادو۔

(۳)۔۔۔ مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَسَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَ  
مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ۔۔۔۔۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

ترجمہ: میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح جیسی ہے، جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے رہ گیا، ہلاک ہو گیا۔

(۴)۔۔۔ أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبَائِهِمْ اقْتَلَيْتُمْ إِهْتَكَيْتُمْ  
(مشکوٰۃ: جلد سوم، باب مناقب صحابہ)

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں جیسے ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پا لو گے۔

(۵)۔۔۔ أَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ أَوْلَاهُمَا كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ  
النُّورُ وَالْهُدَى

فَخُذُوا بِكِتَابِ اللَّهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ وَقَالَ أَهْلُ  
بَيْتِي أَذْكَرُكُمْ أَلَّةً فِي أَهْلِ بَيْتِي وَقَالَ ثَلَاثًا .....  
(صحیحین)

ترجمہ: اے مسلمانو! میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جانا  
ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو نور و ہدایت سے معمور ہے، اسے  
مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ اور فرمایا (دوسری چیز) میرے اہل  
بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا یا د دلانا  
ہوں۔ تم ن بار یونہی فرمایا۔

(۲)۔۔۔ اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي  
النَّارِ (ابن ماجہ: صفحہ ۲۹۲، ابواب اللقین، باب السواد الاعظم)

ترجمہ: بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو (اس سے) الگ ہو وہ  
الگ کر کے دوزخ ہی میں ڈالا جائے گا۔

ان چھ احادیث مبارکہ میں قرآن و سنت کو ثبت مان کر اہل بیت اور صحابہ کرام  
کے نقش قدم پر چلنے والوں کو سچا گروہ دانا گیا ہے۔ نیز یہ بھی واضح ترین علامت بتا دی کہ  
اس گروہ کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی (وہ سواد اعظم ہوگا)۔

اب ذیل میں وہ احادیث درج کی جاتی ہیں جن میں سواد اعظم کی مزید  
تشریح کی گئی ہے اور اس سے دور ہو جانے کو شیطان کے قابو میں آنے سے تعبیر کیا  
گیا ہے۔

(مولائے کائنات جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی سواد اعظم کی پیروی کی تلقین

فرمائی۔ (نور ابلاغ اہل تشیع کی کتاب)

(۱)۔۔۔ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَبْلَ شَبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ

مِنْ عُنُقِهِ۔۔۔ (مسلم: جلد دوم ص ۱۲۷، ترمذی: جلد دوم صفحہ ۱۱۰، احمد: جلد دوم صفحہ ۲۹۶)

ترجمہ: جو شخص باشت بھر بھی جماعت سے نکلا، اس نے اسلام کا پٹہ

اپنی گردن سے اتار دیا۔

(۲)۔۔۔ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ

(ابوداؤد: جلد دوم صفحہ ۲۹۹)

ترجمہ: جو جماعت سے باشت بھر چھڑا، اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن

سے اتار دی۔

(۳)۔۔۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذَنْبُ الْإِنْسَانِ كَذَيْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّادَةَ وَ

الْفَاصِيَةَ وَ النَّاحِيَةَ يَأْتِكُمْ وَالشُّعَابَ وَ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ

وَ الْعَامَّةِ..... (احمد)

ترجمہ: بے شک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے ریوڑ کا بھیڑیا

(ریوڑ سے) علیحدہ رہنے والی، کنارے والی یا بچھڑ جانے والی کا شکار

کر لیتا ہے (ایسے ہی شیطان جماعتِ مسلمین سے الگ رہنے والے

کا شکار کر لیتا ہے)۔ تم گھائیوں سے بچو، جماعت اور عام مسلمانوں

کے ساتھ رہو۔

(۴)۔۔۔ لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَ يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

فَإِنَّ مَنْ شَدَّ شُدًّا فِي النَّارِ..... (ترمذی: جلد ۷ ص ۳۹، ابواب اہلسنن،

باب فی لزوم الجماعہ - ابن ماجہ - ص ۲۹۲، ابواب انہوں

ترجمہ: میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ سو جو جماعت سے الگ ہوا، وہ الگ ہی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

در اصل یہ تمام احادیث متقدمہ ابتداء میں درج کی گئی آیت کریمہ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا نَزَلَ عَلَيْهِ الرِّسَالَةُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ کے الفاظ کا اعادہ بھی ملتا ہے۔ گویا سوادِ اعظم کا دوسرا نام سنت و جماعت سے متعلق ہوگا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو کمال ہی کر دیا اور قرآن وحدیث کی ترجمانی یوں کر دی کہ جہاں قرآن پاک کی آیت کریمہ ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَ تَسْوَدُّ وُجُوهٌُ ..... (آل عمران - ۱۰۶)

ترجمہ: جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔ اس کی تفسیر میں آپ نے یوں فرمایا:

تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَ تَسْوَدُّ وُجُوهٌُ أَهْلُ

الْبِدْعِ وَالضَّلَالَةِ..... (تفسیر ذمشر - تفسیر مظہری، تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر،

تفسیر خازن، تاریخ بغداد جلد ۷ ص ۳۷۹)

ترجمہ: جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اہلسنت والجماعت ہوں

گے اور جن کے چہرے سیاہ ہوں گے وہ اہل بدعت و ضلالت ہوں گے۔

علامہ شہرستانی نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے سچے گروہ

کا نام اہل سنت و جماعت ثابت کیا ہے۔



اب چند بزرگان دین (جن کی بات بذات خود دلیل کا درجہ رکھتی ہے) کے اقوال بھی سن لیجئے:

☆..... حدیث مبارکہ میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے، جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی بہتر گروہ دوزخی ہوں گے (ترمذی شریف)، بیان کر کے حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قَلَّا شُكُّ وَلَا رَيْبٌ أَنَّهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ...

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

ترجمہ: اس بات میں شک و شبہہ نہیں ہے کہ نجات پانے والی جماعت اہل سنت و جماعت ہیں۔

☆..... محبوب سبحانی، قطب ربیانی، غوث اعظم جیلانی قدس سرہ العزیز کا فرمان عالیشان ہے:

وَأَمَّا الْفِرْقَةُ النَّاجِيَّةُ فَهِيَ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ..... (غیۃ الطالبین)

ترجمہ: نجات پانے والا گروہ اہل سنت و جماعت کا گروہ ہے۔

☆..... امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”مفکرندوں پر پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت کے مطابق اپنے عقائد

درست کریں کیونکہ اہل سنت و جماعت ہی جنتی گروہ ہے۔ (مکتوبات، ۶۲۶، جلد اول)

☆..... خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اگر تمام احوال و واجیہ ہمیں عطا کر دیے جائیں لیکن

ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم

اسے سراسر خرابی سمجھتے ہیں اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کر دی جائیں اور ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقائد سے سرفراز کیا جائے تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔۔۔ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ)

☆..... علامہ طحطاوی علیہ الرحمہ کا قول مبارک ہے:

”فَعَلَيْكُمْ مَعَاشِرَ الْمُؤْمِنِينَ بِاتِّبَاعِ الْفِرْقَةِ النَّاجِيَةِ الْمُسَمَّاةِ بِأَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَإِنَّ نَصْرَةَ اللَّهِ تَعَالَى وَحِفْظَهُ وَتَوْفِيقَهُ فِي مَوَاقِفِهِمْ وَخِذْلَانَهُ وَسَخْطَهُ وَمَقْتَهُ فِي مَخَالَفِهِمْ... (الحجۃ الوہابیہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ تم نجات پانے والی جماعت جس کا نام اہل سنت و جماعت ہے کی اتباع کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حفاظت اور اس کی توفیق اہل سنت و جماعت کی موافقت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خذلان اہل سنت و جماعت کی مخالفت میں ہے۔

☆..... قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کا ارشاد ہے:

”ولی کی دیگر علامت یہ ہے کہ وہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے عقائد اہل سنت و جماعت سے واقف ہو“..... (انوار قدسیہ)

☆..... حضرت خواجہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ کا ارشاد مبارک ہے:

”کسی ایسے بندے کو جس کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ نہ ہو، اسے ولایت نہیں مل سکتی“..... (الابریز)

☆..... حضرت خواجہ خواجگان باقی باللہ قدس سرہ کا فرمانِ ڈیشان ہے:

”ہمارے طریقے کا دار و مدار تین چیزوں پر ہے:

۱۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا۔

۲۔ دوام آگاہی۔ (۳)۔ عبادت

لہذا اگر کسی کو ان تین چیزوں میں سے ایک میں خلل آجائے تو وہ

ہمارے طریقے سے خارج ہو جائے گا“..... (حالاتِ مشائخ نقشبندیہ)

☆..... حضرت مرزا جانِ جاناں علیا رحمہ فرماتے ہیں:

”عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ملتزم ہو کر حدیث و فقہ سیکھنا چاہئے“

(حالاتِ مشائخ نقشبندیہ)

☆..... قطبِ زماں خواجہ یعقوب چرخئی قدس سرہ نے فرمایا:

”واضح ہو کہ خواجہ خضر اور خواجہ الیاس کے نزدیک سب کے سب اولیاءِ کرام خواہ وہ

حاضر ہوں یا غائب، وہ سب مسلکِ اہل سنت و جماعت پر ہیں“..... (رسالہ اہالیہ)

ان تصریحات سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اہل سنت و جماعت کا راستہ ہی منزل

پر پہنچانے کا ضامن ہے اور یہی اسلام کی صحیح ترین تعبیر و تصویر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام

اکابرِ اسلام اہل سنت و جماعت کی تائید کرتے رہے ہیں اور تمام اولیاءِ کرام نے اہل

سنت کے عقائد و اعمال پر چلنے کو دنیا کی عظیم ترین دولت قرار دیا ہے۔ اس دور میں

بالخصوص آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف کے تاجداروں اور ان کے تربیت یافتہ

خلفانے جس انداز سے عقائدِ اہل سنت کی حقانیت کا اعلان کیا ہے اور اس ضمن میں جس

غیرتِ دینی کا مظاہرہ کیا ہے وہ فقیدِ المثل ہے۔

حضور شاہِ لاثانی قدس سرہ العزیز ایک سال سرہند شریف سے واپس تشریف لارہے تھے کہ بیمار ہو گئے۔ بخار کا بہت جوش تھا۔ آپ نے اپنے ایک خادم مولوی فضل الہی صاحب کو پاس بلا کر فرمایا، ”میں تمہیں کچھ وصیتیں لکھواتا ہوں، میری اولاد کو سنا دینا کہ صاحبزادگانِ فدائین، خادمِ حسین، غلامِ رسول تینوں اپنا مذہب اہل سنت و جماعت رکھیں اور اپنی اولاد کو بھی اس مذہب پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہیں۔“

قیومِ زمانی حضور نقشبندی لاثانی علیہ الرحمہ بھی اپنے جدِ امجد کی طرح حقانیتِ اہل سنت کے قائل تھے۔ اعلیٰ حضرت مجتہدِ دمامۃ حاضرہ امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر خیر نہایت محبت سے فرماتے تھے اور آپ کے ترجمہ قرآن اور دیگر تصانیف کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ پھر آپ کے صاحبزادے عارفِ حقیقی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب تقیہ نقشبندی لاثانی علیہ الرحمہ مسلکی غیرت سے اس قدر مالامال تھے کہ ایک مرتبہ شکر گڑھ کی جامعہ مسجد غوثیہ کے معاملات میں بد عقیدہ لوگوں نے رخنہ اندازی کرنا چاہی اور انتظامیہ کے اراکین کو آپس میں لڑانا چاہا تو آپ نے نہایت جلال کے ساتھ دو ٹوک انداز میں تنبیہ کر دی کہ مسجد کے دروازے پر لکھ کر لگا دو کہ یہاں کسی بھی بد عقیدہ کا داخلہ منع ہے۔

☆☆☆☆☆☆

## حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کا مذہبِ تعالیٰ

کسی شخصیت کے مذہبِ تعالیٰ سے مراد ہے، اس کا مذہب اور مذہبِ پالیسی۔

جہاں تک حضور مفلکہ اسلام علیہ الرحمہ کے مذہب کا تعلق ہے، آپ تمام اولیاء اللہ کی طرح اہل سنت و جماعت یعنی سنی العقیدہ تھے اور وہی کامل ہونے کی حیثیت سے اس عقیدے میں آپ کو ایسی پختگی حاصل تھی جسے 'اطمینان قلب' کہا جاتا ہے۔ پھر اولیاء کرام علیہم الرحمہ کی اکثریت فقہ حنفیہ پر عمل پیرا رہی ہے اور حضور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کے سبب حنفی کہلاتی رہی ہے۔ حضور مفلکہ اسلام بھی حنفی ہیں اور سختی سے اسی کے پابند رہے۔

دور حاضر میں اسلام دشمنوں کی سازشوں کے نتیجے میں انگریزی حکومت کے زیر سایہ بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے۔ جب اسلامی معاشروں میں ان کی شنوائی نہ ہوئی تو انہوں نے اہل سنت و جماعت اور حنفی کہلانے کی کوشش شروع کر دی (جیسے اہل دیوبند اور سپاہ صحابہ نے)۔ لہذا ضروری تھا کہ اصل اہل سنت کی کوئی پہچان ہوتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح گھی پہلے صرف گھی تھا، لیکن جب ڈالڈا اور دوسری بنا پستی قسمیں ایجاد ہو گئیں تو اصلی گھی کو پہچان کے لیے دیسی گھی کہا جانے لگا۔ یونہی جعلی اور بنا پستی سنیوں کے ظہور کے بعد اصل اہل سنت کی پہچان لفظ 'یلوی' سے ہونے لگی ورنہ ہمیشہ سے اکابر اسلام کا یہی مذہب رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے غیرت تو حید اور حمیت عشق کی بنا پر خداوند کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں کسی کی پروا نہیں کی اور تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَتَبَّلَا (یعنی سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو) کی عملی تفسیر بن کر خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے لڑتے رہے تو قدرت نے ان کو یہ عروج بخشا کہ ان کا عقیدہ کو یا حقانیت کا معیار قرار پا گیا۔

میرے حضور قبلہ عالم قدس سرہ عقیدہ تاسنی حنفی اور طریقہ نقشبندی قادری چشتی

سہروردی ہونے کے باوجود بریلوی کہلانے میں کوئی پس و پیش نہیں فرماتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے جب حضور کی بارگاہ میں حاضری کا آغاز کیا تو ایک دن عرض گزار ہوا کہ حضور ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ فرمایا، ”ہم اہل سنت و جماعت (سنی) بریلوی ہیں۔“

حضور علیہ السلام سے دلی محبت رکھتے تھے۔ ان کو علیہ السلام، مجدد و ملت یا مجدد دین و ملت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ اور جملہ تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے مرشد کریم حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ دربار کے حضور تھے۔ اس لیے آپ کا علیہ السلام سے محبت کرنا بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ علیہ السلام کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں بڑی عزت حاصل تھی۔ علیہ السلام کے ساتھ ہمارے شیخ کریم کی محبت اس واقعے سے بھی ظاہر ہے جب دربارِ علی پور سیدائیں شریف میں خانوادہ بریلی کے ایک شہزادے صاحبزادہ تو صیف رضا خاں صاحب تشریف لائے تھے۔ یہ واقعہ خود حضور کی زبانی سنئے:

”اس روز حضور تشریف لائے تھے۔ اس سرہ کو بعض وجوہات کی بنا پر عوام سے الگ تھلگ رہنا تھا۔ چنانچہ ہم خدام بھی اپنے اپنے کام میں محو تھے۔ اچانک چار بجے کے قریب حضرت نے اس سگ بارگاہ کو اپنے حجرہ مقدسہ میں بلا بھیجا۔ فقیر حاضر ہوا تو آپ بہت خوش و خرم تھے۔ ارشاد ہوا، علیہ السلام کے خاندان کے صاحبزادے آئے ہوئے ہیں، ان کی زیارت کرنی چاہئے۔ عرض کیا، کہاں ہیں؟ تو فرمایا، قالین والے کمرے میں۔ یہ کمرہ گویا معزز ترین مہمانوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وہاں حاضر ہوا تو صاحبزادہ موصوف کے علاوہ حضرت علامہ صوفی محمد علی صاحب نقشبندی، علامہ الطاف

محمی الدین صاحب سیالکوٹی اور ان کے ایک شاگرد تشریف فرما تھے۔ سرکار نقشب لائانی قدس سرہ نے ان کی خوب مہمان نوازی کرنے کے بعد روانگی کے وقت صاحبزادہ صاحب قبلہ کو پانصد روپے اور صوفی صاحب کے سوا باقی دونوں ساتھیوں کو ایک ایک سو روپے پیش کئے۔ یہ قافلہ محبت حضرت امیر ملت محدث علی پوری علیہ الرحمہ کے دربار کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں میری (حضور مقرر اسلام کی) بھی آپ بیٹی سننے۔ چند روز قبل اخبارات میں اطلاع آچکی تھی کہ بریلی شریف سے صاحبزادہ صاحب فلاں تاریخ کو لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔ اعلیٰ حضرت سے محبت کی وجہ سے دل بہت بیقرار تھا کہ میں بھی لاہور جا کر استقبال کروں مگر پھر دربار شریف کی روزانہ حاضری خلل کے پیش نظر ایسا نہ کر سکا۔ مرہد کامل کی بندہ نوازی دیکھئے، اپنے دربار کی حاضری کے دوران قبلہ صاحبزادہ صاحب کی زیارت اس انداز سے کرا دی کہ لاہور میں بھی ممکن نہ ہوتی۔“

یہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ محبت و تعلق کی بنا پر ہی تھا کہ ایک مرتبہ (۸۴-۱۹۸۳ء میں) آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخصیت تشریف فرما ہے۔ اس پر تو رکی بارش ہو رہی ہے اور اس کے پیکر سے چاروں طرف نورے کی طرح نور کا چشمہ جاری ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہیں اور انہیں یہ مقام نور اس لیے حاصل ہوا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا

نیز یہ بات بھی بتائی گئی کہ اعلیٰ حضرت کو آپ کے شیخ حضور نقشب لائانی (قدس سرہ) سے بھی

محبت ہے اور (آپ کی) کتاب انوارِ لائانی، بھی آپ کو پسند ہے۔

پاکستان میں اولیاءِ کرام کے بڑے بڑے مشہور آستانے ہیں اور غالباً سب نے اپنے اپنے بزرگوں کی سوانحِ عمریاں شائع کی ہیں مگر صفحات پر صفحات پڑھتے جائیں، شاید ہی کہیں اعلیٰ حضرت کا ذکر ملے اور ذکر کہیں ملے بھی تو شاید ہی کہیں آپ کو وہ اندازِ ذکر ملے جو حضور مقلدِ اسلام نے اپنایا ہے۔

حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ بد عقیدہ لوگوں کے اجتماعات میں شامل ہونے کو سخت نا پسند فرماتے تھے۔ ہمارے بعض علماء وہابی، دیوبندی یا شیعہ شیعوں پر جا کر اظہارِ خیال کرتے تو

آپ برا مناتے اور ان کو سمجھاتے۔ اگر کوئی اپنی صفائی میں کہتا کہ میں نے کوئی بات اپنے عقیدے کے خلاف نہیں کہی اور نہ اپنے مذہب کو چھپایا، پھر بھی آپ مطمئن نہ ہوتے اور سختی سے منع فرما دیتے۔ ہاں ایسے مشترکہ جلسے جو پبلک کی طرف سے منعقد کئے گئے ہوں اور ان میں سب اہل مذاہب کو خطاب کی دعوت دی گئی ہو (آج کل ان کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے) اپنی جماعت (اہل سنت) کی نمائندگی کو آپ جائز بلکہ ضروری سمجھتے تھے۔ ایسا ایک واقعہ سیالکوٹ میں آپ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ہوا یہ کہ ایک شخص نے گھنڈہ گھر سیالکوٹ کے احاطہ میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو ایک ہی جلسے میں اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ وہ شخص دراصل دیوبندی تھا اور مولانا محمد علی کاندھلوی دیوبندی کا عقیدتمند اور تعلقدار تھا۔ وہ پڑھے لکھے حضرات کے سامنے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء سے خطاب کرا کے بزمِ خویش کاندھلوی صاحب کی علمی برتری کا مظاہرہ کرانا چاہتا تھا۔ ہر فرقے کے علماء کو دعوت دینے کے بعد آخر میں سنی بن کر صوفی محمد علی نقشبندی



کے پاس آیا اور جلسے میں شمولیت پر زور دیتا رہا۔ آپ وہاں موجود تھے۔ اس کی باتوں سے محسوس ہوتا تھا کہ اگرچہ بظاہر شمولیت پر بڑا زور دے رہا ہے مگر بہ باطن خود بھی چاہتا ہے کہ علماء اہل سنت نہ جائیں تاکہ رات جلسے میں یہ ظاہر کر کے کہ میں نے مختلف طریقوں سے اہل سنت کو مائل کیا مگر وہ علمی لوگوں کے سامنے خطاب کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ بہر حال صوفی صاحب نے انکار کر دیا اور وہ بظاہر مایوس اور باطن کامیاب ہو کر واپس چلا گیا۔ اب آپ نے صوفی صاحب سے فرمایا کہ جلسے میں ضرور جانا چاہئے تھا ورنہ یہ شخص بڑے موثر طریقے سے تمام مکاتب فکر کے عوام الناس کی موجودگی میں اہل سنت کو رسوا کرے گا۔ صوفی صاحب کچھ نرم ہوئے۔ یہ باتیں کمشنر روڈ پر تسلیم ہسپتال کے باہر ہو رہی تھیں۔ جبکہ اسی ہسپتال میں سید فضل حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ (جو بس کے ایک حادثے کی زد میں آکر اسی ہسپتال میں زیر علاج تھے) کی عیادت کے لیے حضور نقشب لانا ثانی علیہ الرحمہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ صوفی صاحب کو اندر طلب کیا گیا تو انہوں نے باہر کی روداد بھی خدمت اقدس میں پیش کر دی۔ حضور نے جلسے میں شامل ہونے کا فیصلہ دیا اور باہر آ کر آپ کے سامنے اس بات کی یہ کہہ کر توثیق کی کہ اسی صاحب بھی ساتھ جائیں گے۔ چنانچہ آپ صوفی صاحب اور قاری عبدالرحمن صاحب (سابق خطیب سیالکوٹ)

جلسہ گاہ پہنچتے تو آپ کے خدشات کے عین مطابق ایک مقرر اہل سنت ہی کے خلاف بول رہا تھا۔ آپ کا پہنچنا ہی اس کی گفتگو کی تردید تھی۔ چنانچہ وہ کھیانا سا ہو کر بیٹھ گیا۔ تمام عوام و خواص پر آپ کی ہیبت اس طرح سے چھا گئی کہ زبانیں ہی گنگ ہو گئیں۔ پھر ان کے مفسر قرآن مولوی کاندھلوی صاحب اسٹیج پر آئے مگر ایسے ناکام

ہوئے کہ باید و شاید۔ تقریر شروع کی تو چار منٹ کا عربی خطبہ اور بمشکل تین منٹ کا اردو خطاب۔ وہ اصل خیالات کو چھپانے کے لیے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرنے لگے تو کسی نے نعرہ رسالت لگا دیا۔ مولینا پوری طرح بوکھلا گئے۔ اب نعرے کے خلاف اول فول کہنا شروع کر دیا۔ چند جملوں کے بعد ہی بیٹھ گئے بلکہ بھاگ گئے۔ سب سے آخر میں حضور کا خطاب تھا۔ کانڈھلوی صاحب ایک موقع پر ایسے جملے کہہ چکے تھے جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ میلاد، یومِ بدر اور یومِ فتحِ مکہ کی توہین چکیتی تھی۔ چنانچہ آج آپ کو مولینا کے ایمان شکن رویے پر تبصرہ کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ قابلِ غور وجہ ت بات تھی کہ مشہور شاعر پروفیسر اصغر سوڈانی، ملک محمد سلیمان مرحوم سابق ایم این اے نے بھی اپنی اپنی باری جوتے اتار کر ادب و تعظیم کا مظاہرہ کیا مگر کانڈھلوی جیسے مفسر قرآن اور ان کے ہمنوا بارلش علماء نے یہ اہتمام بھی نہ کیا، جس کا بہت سے لوگوں نے نوٹس لیا۔ بہر حال خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور پیر و مرشد کی دعا و توجہ سے آپ منہج پر چھا گئے اور اہل سنت کے بارے میں عوام و خواص نے گہرے تاثرات لیے۔ چنانچہ چند روز تک لوگوں کی طرف سے مبارکباد کا سلسلہ چلتا رہا۔

بہر حال یہاں معاملے کی نوعیت اور تھی وگرنہ حضور اس بات کے خلاف تھے کہ سنی علماء بد مذہب لوگوں کی منہج پر جائیں اور یوں اپنے لوگ بھی مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جائیں۔

مومن کی سب سے بڑی متاع حیات ایمان ہے اور ایمان حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے تو سب سے زیادہ اہتمام بھی اسی دولت یعنی ایمان و حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پچانے کا ہونا چاہئے اور اس اہتمام کا اہم تقاضا یہ ہے کہ

گستاخوں سے دور رہا جائے اور اپنے عزیزوں کو بھی دور رکھا جائے۔  
مولائے روم علیا رحمہ فرماتے ہیں:

دُور شُوا از اِختِلاطِ یارِ بَد  
یارِ بَد بَد تَر بُود از مَارِ بَد  
مَارِ بَد تَنہا ہَمی بِر جَانِ زَنَد  
یارِ بَد بَر دینِ و بَر اِیمانِ زَنَد  
ترجمہ: برے یار سے راہ و رسم مت رکھ کیونکہ برایا برے سے سناپ  
سے بھی برا ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ براسناپ صرف جان پر حملہ کرتا  
ہے مگر برایا روین و ایمان پر یلغار کرتا ہے۔

اور حضرت امام ربانی مجتہد والفقہ ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:  
”بدعتی کی صحبت کی خرابی، کافر کی صحبت کی خرابی اور نقصان سے زیادہ ہے۔“

(دستِ بول، ص ۱۰۱۔ مکتوب نمبر ۵۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی بھی سننے فرماتے ہیں:

”بزرگے فرمود صد ہزار مہ گورگ گورنہ در مہ گور  
سفندان آن نکند کہ یک شیطان کند و صد ہزار  
شیطان آن نکند کہ یک ہم نشین بد کند (و صد ہزار  
ہمنشین بد آن نکند کہ یک نفس در تن آدمی زاد  
کند)..... (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ)

ترجمہ: ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ایک لاکھ بھوکے بھینڑیوں کا

ریوڑ بکریوں کے ریوڑ میں ایسا نقصان نہیں کرنا جیسا کہ ایک شیطان کرتا ہے اور ایک لاکھ شیطان وہ نقصان نہیں کر سکتے جو ایک برا ہمنشین کرتا ہے۔ (اور لاکھ برے ہم نشین وہ نقصان نہیں کرتے جو آدمی کے بدن میں ایک نفس کا نقصان ہوتا ہے)

المختصر! بد عقیدہ لوگوں کی صحبت انسان کے لیے زہر قاتل ہے لہذا خصوصاً عوام کو اس سے ضرور بچنا اور بچانا چاہئے اور بد عقیدہ لوگوں کی سلج پر علما کا جانا بھی عوام کے لیے غلط لوگوں سے میل جول اور ان کی باتیں سننے کا دروازہ کھولتا ہے، لہذا یہ بھی درست نہیں۔ حضور بزرگانِ سلف کی طرح اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے تھے لہذا سختی سے روکتے تھے۔

علاوہ ازیں آپ بد عقیدہ لوگوں سے پڑھنے کو بھی برا سمجھتے تھے۔ کسی طالب علم کے بارے میں معلوم ہوتا کہ گمراہ لوگوں سے یا ان کے مدرسے میں زیرِ تعلیم ہے تو اس کی اور اس کے باپ کی توبہ کرواتے، کبھی کانوں کو ہاتھ لگواتے، فرماتے اس سے نہ پڑھنا بہتر ہے۔ کیونکہ ان کی صحبت بد ایمان کے لیے سُم قاتل ہے۔ خود ہی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَانظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ۔۔۔ (مسلم)

ترجمہ: بے شک یہ علم (بھی) دین ہے سو دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو۔

(کیونکہ جس سے تم علم حاصل کرو گے لامحالہ اس کا عقیدہ اپناؤ گے)

بظاہر یہ معاملہ نہایت عجیب نظر آتا ہے کہ اولیاءِ کرام جو اپنی زندگی ذکر و فکر میں گزارتے ہیں، جن کے دل انتہائی نرم ہوتے ہیں، جن کے صبح و مسا سو زوگد از اور آہ و بکا

کے لیے وقف ہوتے ہیں، جو کبر و غرور سے کوسوں دور اور عاجزی و انکساری کا پیکر ہوتے ہیں، جن کا وجود مسعود عالم کے لیے پیامِ رحمت ہوتا ہے، آخر گستاخوں اور بد عقیدہ لوگوں پر اتنے سخت کیوں ہوتے ہیں۔ دراصل اس کی بنیادی وجہ بھی عجز و انکسار، غیرتِ ایمانی اور خلقِ خدا پر رحم کا جذبہ ہی ہے۔ وہ خدا اور رسول کے دشمنوں کو برداشت کرنا مہر و مردت نہیں بلکہ بے غیرتی خیال کرتے ہیں۔ اور ایمان کے بارے میں بے غیرت یا بے حس ہونا عرفان ہی سے خالی نہیں کرنا بلکہ خود ایمان کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ کسی شخص کو کھلم کھلا کفریہ عقائد کا پرچار کرنے دینا، اس پر رحم ہے نہ اوروں پر۔ یہاں رحم یا عجز و انکسار گناہ ہے کہ مقابلے میں عام آدمی نہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹکر لینے والا ہے۔ اور خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمنوں پر رحم کرنا خدا و رسول سے دشمنی مول لینا ہے، لہذا ان ناپاک لوگوں سے خود بھی بچ کر رہنا ضروری ہے، لوگوں کو بچانا ضروری ہے ورنہ اپنا حشر بھی انہی دشمنانِ خدا اور رسول کے ساتھ ہونے کا احتمال ہے۔ کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے:

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ..... (بخاری: مسلم)

ترجمہ: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت کرنا رہا۔

بلکہ قرآن کا بھی اعلان ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمامِهِمْ..... (سورۃ )

ترجمہ: جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

الْمُخْتَصِر! حضور بد عقیدہ لوگوں کی صحبت، قربت اور تلمذ سے بچنے کی بہت تلقین

فرماتے تھے، یہاں تک کہ ان کی کتابوں کے مطالعے سے بھی روکتے تھے۔ اس کی تعلیم

آپ کو اپنے پیرخانے سے ملی تھی۔ چنانچہ ۱۹۷۶ء میں حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ اپنے تیسرے اور آخری سفر حج و زیارت پر گئے تو اپنے اس مرید صادق کو بھی ہمراہ لے گئے۔ وہاں مسجد حرام میں ایک روز سعودی حکومت کا نمائندہ مختلف لوگوں کی علمی قابلیت کا جائزہ لے کر انگریزی، عربی، فارسی اور اردو میں وہابی مذہب کی کتابیں تقسیم کر رہا تھا۔ جس کو جس زبان میں ماہر دیکھتا، اسی زبان کی کتاب پیش کر دیتا۔ حضور مفکر اسلام کی قابلیت دیکھ کر کہنے لگا، 'مرکز میں آکر پورا سیٹ حاصل کر لیجئے۔ چنانچہ وہاں اس نے چالیس پتالیس کتابیں دے دیں۔ آپ یہ لے کر رہائش گاہ آئے تو حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ نے ان کتابوں کو دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ تاہم جب آپ نے عرض کیا کہ محض تردید کی نیت سے انہیں وصول کیا تو بہت خوش ہو کر فرمانے لگے، ہاں یہ نیت ٹھیک ہے۔ یعنی حضور نقشب لائٹانی اور حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ دونوں، بد عقیدہ لوگوں کی کتابیں خصوصاً مبتدویوں کے لیے زہرِ ہلاہل سمجھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کتابوں کے معاملے میں آپ بہت احتیاط پسند تھے۔ کوئی تقریظ لکھنے کو کہتا تو جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ پوری کتاب میں کوئی جملہ بھی قابل اعتراض نہیں ہے، آپ تقریظ نہیں لکھتے تھے۔ عموماً لوگ ساری کتاب کا مطالعہ کئے بغیر، ایک دو صفحات پڑھ کر تقریظ لکھ دیتے ہیں اور پوری کتاب کی ذمہ داری سے یوں لکھ کر سبکدوش ہو جاتے ہیں

”کتاب کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، ماشاء اللہ خوب لکھی ہے“

حضور کو یہ طرزِ عمل ہرگز پسند نہیں تھا۔ تقریظ لکھنے سے پہلے حرف بہ حرف کتاب کا مطالعہ فرماتے تھے۔ آپ کے اسی حسن احتیاط کی بدولت شیخ کریم کو آپ پر حد وچہ

اعتماد تھا۔ چنانچہ ان کی خدمت اقدس میں کسی کتاب کے لیے تقریظ کا کہا جاتا تو وہ عموماً آپ سے کتاب کا یا اس کا مطالعہ کرنے کا فرماتے، آپ مطمئن ہوتے تو شیخ کریم کتاب کے حوالے سے ضروری باتیں کرنے کے بعد تقریظ تحریر فرماتے۔ مثلاً مولانا محمد ضیاء اللہ قادری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصنیف 'سیرتِ غوثِ الثقلین' کے نئے ایڈیشن کے لیے حضور نقشب لائٹانی سے تقریظ حاصل کرنا چاہی تو پہلے آپ نے کتاب حرفاً حرفاً پڑھی۔ آپ نے اسے اس موضوع پر اردو میں بہترین تصنیف قرار دیا تو حضور نے مختلف مقامات سے جزوی مطالعہ کے بعد تقریظ لکھ دی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور نقشب لائٹانی نے ہی اپنے اس مریدِ کامل کی تربیت کی تھی اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دی تھیں۔ انہیں آپ پر بہت اعتماد تھا۔ چنانچہ کسی بھی معاملے میں آپ کا اظہارِ اطمینان ان کی تسلی کا موجب ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آستانہ عالیہ پر آنے والی جملہ ڈاک کا جواب بھی آپ کے ذمے تھا اور حکم تھا کہ کسی کو اس وقت اپنے پاس مت بیٹھنے دینا۔ آخری دو ایک سال میں جب حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ نقاہت زیادہ محسوس فرمانے لگے تو ایک دن ارشاد ہوا:

”ڈاک کا جواب خود سے دینا، اگر کوئی پوچھنے والی بات ہو تو پوچھ لینا“

روضہ لائٹانی کے ارد گرد کی چار دیواری میں احادیث اور اشعار لکھوانے کا موقع آیا تو کاتبوں سے فرمایا، 'آسی صاحب جو لکھوائیں، لکھ دینا'۔

حضور کو جہاں غلط قسم کی کتابوں سے احتراز تھا، وہیں اچھی کتابوں کی نشاندہی بھی فرماتے اور گاہے بگاہے ان کی تقسیم بھی۔ ترجمہ قرآن علیہ حضرت علیہ الرحمہ کا پسند تھا۔ تفاسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی تفسیر نعیمی اور پیر

کرم شاہ صاحب ازہری علیہ الرحمہ کی تفسیر ضیاء القرآن تجویز فرماتے۔ (مفتی احمد یار خان نعیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت تعریف فرماتے۔ ان کے ساتھ ملاقات کا واقعہ محبت کے ساتھ سناتے کہ میں ان سے ملنے گیا تو انہیں نہایت سادہ لباس میں سادہ سے گھر میں پایا نیز یہ کہ ان کا زہد و فقر لائق تقلید تھا)۔ کتب سیرت میں سیرت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ضیاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور جمعہ کی تحسین فرمائی۔ 'مرقاۃ شرح مشکوٰۃ' بھی آپ کے زیر مطالعہ رہنے والی کتب میں سے تھی۔ اصلاح عقائد کے لیے مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی کتب اولاً

'شانِ حبیب الزمیں اور پھر 'جاء الحق' خریدنے اور مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے۔ فقہی مسائل کے لیے اولاً فتاویٰ فیض الرسول اور پھر بہار شریعت یا کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کا فرماتے۔ تصوف میں کشف المحجوب، مکتوبات مجتہد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام غزالی کی تصانیف، بستان العارفین، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ و جمعہ کتب پسندیدہ تھیں۔ سکولوں، کالجوں کے طلباء کے لیے ابتداء علامہ جلال الدین امجدی کی اسلامی تعلیم تجویز فرماتے، خطبات کے سلسلے میں خطبات برطانیہ، الخطیب، واعظ، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب کی کتب کا خصوصیت سے تذکرہ فرماتے۔ جناب عبد الصبور بیگ منشور ہزاروی کی 'شہید کربلا' و دیگر کتب، علامہ عقائد احمد نقشبندی کی 'رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور بے شمار کتابیں لوگوں کو حسب حال مطالعہ کرنے کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔

عقیدہ اہل سنت پر اطمینان و پختگی کے باوجود آپ نے حکمت و مواظبہ حسنہ بالخصوص حسن اخلاق کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مبلغین کے لیے اشتعال انگیزی اور



زبان کی سختی و درشتی آنجناب کو سخت ناپسند تھی۔ اپنے عقیدے کی حفاظت پر تو بہت زور دیتے تھے مگر خواہ مخواہ بدامنی و انتہا رپھیلانے کو بھی ناروا و نامناسب خیال فرماتے تھے۔ اپنے تربیت یافتہ علماء کو بھی تاکید تھی کہ شگفتگی کے ساتھ مدلل طریقے سے اصلاح احوال کی جائے۔ صوفیاء کرام علیہم الرضوان نے جو اسلام کی تبلیغ فرمائی ہے، نرمی اور شفقت ہی کے سہارے فرمائی ہے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی سنت بھی یہی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

فَمَا رَحْمَةٌ مِّنَ اللَّهِ لَئِن لَّهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظًا

الْقَلْبِ لَا نَفِضُوا مِنْ حَوْلِكَ م..... (آل عمران۔ ۱۵۹)

ترجمہ: تو کیسی اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم! تم

ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ

ضرورتاً تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔ (کنز الایمان)

انسانی نفسیات سے دلچسپی رکھنے والے افراد جانتے ہیں کہ غیرت و حمیت کے

خلاف انسان کو باتیں سننے کی عادت ہو جائے تو آہستہ آہستہ غیرت و حمیت ہی ختم ہو

جاتی ہے۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص کو کوئی ماں کی گالی دے تو وہ شدید غصے

میں آکر اسے قتل کرنے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔ مگر وہی شخص آوارہ منش لوگوں کے پاس

رہنا شروع کر دے جہاں بات بات پر ایک دوسرے کو ماں بہن کی گالی دینا معمول ہو تو

وہ چند روز کے اندر اندر ہی ایسا روشن خیال ہو جاتا ہے کہ اس گالم گلوچ سے اسے کوئی

تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ موجودہ دور میں یورپ، امریکہ اور اس کے غیر مسلم یا مسلم

حواری اسی طرح سے مسلمانوں کو بے غیرت کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی رُشدی ملعون کے

ذریعے، کبھی کپڑوں جوتوں پر کلمہ شریف لکھوا کر۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے توہین آمیز گستاخانہ خاکوں کی اشاعت اور قرآن کریم کی بے حرمتی کے صحت و واقعات بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ میرے حضور ان تمام فتنوں سے آگاہ تھے چنانچہ وقتاً فوقتاً مختلف تقریبات کے مواقع پر ہزاروں نوجوانوں کی تربیت کر کے ان سے حلف لئے گئے کہ ادھر کسی بد بخت کے منہ سے گستاخی رسول کا کلمہ نکلے یا شعائر اسلامی کا مذاق اڑائے ادھر اس کا سرتن سے جدا کر دیا جائے۔ آپ فرماتے تھے کہ اس قوم میں جناب علم دین جیسے غازی پیدا ہوتے رہنے چاہئیں ورنہ قوم تباہ و برباد ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ سیالکوٹ میں ایک نوجوان وہ ناپاک جملے تقریر کے دوران سنا رہا تھا جو مرزا قادیانی خبیث نے حضور سیدہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا علیہا کی گستاخی میں کیے ہیں (نعوذ باللہ) تو آپ نے اسے الگ لے جا کر پوچھا، اگر کوئی شخص تمہاری ماں بہن کے بارے میں ایسی بکواس کرے تو کیا جلسہ عام میں اس کا من و عنق ذکر کرو گے؟ اس نے کہا، نہیں۔ تب آپ نے فرمایا، تمام کائنات کے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی (صاحبہ) ہی کو اس قابل سمجھا کہ ایک شیطان لکھنا اور دوسرا اعلانیہ سنا تا پھرے؟ اس نوجوان نے توبہ کر لی۔

یونہی علماء و نجد و دیوبند کی وہ عبارات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں صریحاً گستاخیاں پائی جاتی ہیں، آپ جلسہ عام میں سنانے کے خلاف تھے اور اگر کوئی سنانا چاہتا تو منع فرما دیتے۔ ہاں کسی اور انداز اور الفاظ میں دردمندانہ اور غیورانہ لہجہ اپنا کر مقصد بیان کرنے کی رخصت دیتے تھے جس سے اہل سنت کا ان سے فرق واضح ہو جائے۔ اور خواہ مخواہ کی چھیڑ خانی سے بھی روکتے تھے۔

دور حاضر میں علماء و مشائخ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حُب اہل بیت کے بہانے بعض اصحاب رسول (مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہم) سے بغض رکھتا ہے اور ان پر غلط سے غلط الزام لگانے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ ان میں بعض کم نظر پیر وہ بھی ہیں جو اپنی مخصوص محفلوں اور چیلوں میں اصحاب ثلاثہ کی عظمت و شان کو دبانے اپنے خیال میں حُب اہل بیت (رضی اللہ عنہم) کا ضروری تقاضا جانتے ہیں۔ ایسے مصنفین بھی ہیں جو تحقیق کے نام پر صحابہ کرام کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلا رہے ہیں۔ یہ سب چھپے ہوئے رافضی ہیں۔ ان کے دھوکے سے بچنا اس لیے مشکل ہے کہ عموماً معمولات اہل سنت پر عامل ہیں۔ یعنی گیارہویں، عرس، میلاد شریف وغیرہ مستحسن افعال بجالاتے ہیں۔ یہ لوگ ہر اس محدث، مجتہد، فقیر، اور مجدد کے خلاف ہیں جس نے اپنے اپنے وقت میں فتنہ رافضی کی خوب خبر لی۔ جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضور سیدنا مجدد الف ثانی (رضی اللہ عنہم) وغیرہم۔ یہاں تک کہ اسی جرم کی بنا پر اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لیے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ حضور قبلہ عالم مقلد اسلام علیہ الرحمہ اس قسم کے باریک فتنوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور ان کے خانوادے کی اپنی دور کے فتنوں کی سرکوبی کے لیے خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے اپنے تلمیذ خاص اور حضور تھوہہ نقشب لاثانی کے خلیفہ مجاز صوفی محمد صدیق ضیاء صاحب دامت برکاتہ (انجینئر تربیلا ڈیم) سے شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات، لکھوائی جبکہ حضور سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ناقدین کو حضرت سیدنا مجدد الف ثانی کی مجتہدیت و قیامت خود تحریر فرما کر منقوڑ جواب دیا۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ قیمتی شعر کئی بار آپ سے سنا گیا:

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ (سَلَى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ)

فَلَيْشَهِدَ النَّفْلَانِ إِنِّي رَافِضٌ

ترجمہ: اگر آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا نام رِفْض

ہے تو جنت و انس کو وہ رہیں میں بھی راضی ہوں۔

حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ کا یہ قول بھی آپ نے صحیحہ دبا رارشا فرمایا:

”اگر حُب اہل بیت رضی اللہ عنہم کا نام شیعیت ہے تو میں بھی شیعہ

ہوں اور اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی گستاخی کا نام شیعیت ہے تو

میری تو بے ہزار بار تو ہے۔“

حضور شاہ لاٹانی کوش مبارک پر دست مبارک رکھ کر اپنی بریت کا بار بار اظہار

فرماتے تھے۔ الغرض صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں حضور مفکر اسلام قدس سرہ کا

عقیدہ وہی تھا جو اکابر اہل سنت مثلاً حضور سیدنا مجتہد والفقہ ثانی کا تھا۔ آپ ایسی مؤثر

روایات کا بیان کیا جانا پسند فرماتے تھے جن میں اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام

علیہم الرضوان کی باہمی محبت والفت کا بیان ہو یا جن میں ایک دوسرے کی شان و عظمت کا

اعتراف ہو۔ چنانچہ کیم محرم کو جو شہادت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دن ہے، یہ

عاجز خصوصیت کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور باقی خلفاء کی اہل بیت علیہم الرضوان

سے اور اہل بیت علیہم الرضوان کی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء راشدین کے

ساتھ جو محبت تھی، اسے بیان کیا کرتا تھا تو حضور نہایت مظلوظ ہوتے اور داد دیا کرتے تھے

اور خود بھی ایسی روایات سنایا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنے دور کے تمام فتنوں سے باخبر تھے اور یہ آپ کی حکیمانہ تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ ان گنت بد عقیدہ لوگ اپنی بد عقیدگی سے تائب ہو کر اہل حق اہل سنت میں شامل ہوئے۔ آپ کے تربیت یافتہ مبلغین کی وساطت سے یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اب یہاں مختلف عنوانات کے تحت آپ کا موقف بیان کیا جائے گا۔ یعنی چند متنازعہ فیہ مسائل جن کو دراصل اس دور میں متنازعہ بنا دیا گیا ہے وگرنہ ان کو متنازعہ فیہ لکھتے ہوئے قلم کانپ اٹھتا ہے۔ ان کے حوالے سے حضور مفسر اسلام کا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے حضور کی ان عنوانات پر کتابیں بھی موجود ہیں جن سے آپ کا موقف واضح ہوتا ہے۔ تاہم یہاں ان کتابوں سے حوالہ جات عموماً پیش نہیں کیے گئے بلکہ مختلف انداز سے اسے بیان کیا گیا۔

## مقام رسالت کی عظمت:

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا اقرار بندۂ مومن کے نزدیک سب سے اہم ہے۔ حضور سید کمال ختمِ رسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا انکاری کائنات کا سب سے بڑا جھوٹا اور بے ایمان دھنسد ہے۔ قرآن پاک کے مطابق تمام انسان دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مومن ۲۔ کافر

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ..... (الکہف)

ترجمہ: تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

گویا ایمان ہی اصل فرق ہے۔ اب مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی ایک طویل حدیث کا آخری جملہ ملاحظہ فرمائیے:

## مُحَمَّدٌ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی انسانوں میں فرق ہیں۔

دنوں کی تطبیق یوں ہوگی کہ خود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اہل کفر و ایمان کے درمیان فرق ہے۔ جو بلا چون و چرا ان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر ایمان لایا وہ مومن اور جس نے ڈرہ بھر بھی لیت و لعل سے کام لیا وہ کافر۔ اسی بات کو حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ یوں بیان فرماتے ہیں:

خلاصہ ہے یہی سب داستانِ کفر و ایمان کا

کرے انکار جو کافر، انہیں جو جان لے مومن

مگر اس حقیقت کے باوجود کچھ لوگوں نے اقرار رسالت تو کیا مگر تعظیم رسالت سے انحراف کر گئے، جو انتہائی بد فعل ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ اسلام زبانی اقرار (اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ) کے ساتھ ساتھ قلبی تصدیق (تَصْلِيْقٌ بِالْقَلْبِ) کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ دل سے تصدیق کرتے تو تعظیم تو غیر ضرور کرتے۔ (وَتَعُوْزُ زُوْةٌ وَتَوْقُرُوْةٌ)

دشمنانِ دین و ایمان کی نظر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور عام انسانوں میں صرف وحی و جہ امتیاز ہے۔ ان کی کتابیں ان ناپاک الفاظ سے بھری پڑی ہیں کہ ان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اور ہم میں یہی فرق ہے کہ ان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آئی اور ہم پر نہیں، ورنہ ہم اور نبی بالکل برابر ہیں (نعوذ باللہ۔ حالانکہ یہ فرق بھی معمولی نہیں تھا اگر وہ غور کرتے)۔ اس کا جواب حضور مفلکِ اسلام یوں دیتے ہیں:

”ان عقل کے دشمنوں کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر وحی فرق ہے تو اس

(فرق) کے تحت تمام لوازماتِ وحی بھی آجائیں گے۔ یعنی ہر شخص  
'وحی' کا متحمل کہاں ہو سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی کے مطابق پہاڑ بھی یہ  
بو جھ نہیں اٹھا سکتے:

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ  
خَشْيَةِ اللَّهِ..... (احشر)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے دیکھتا جھکا ہوا،  
پاش پاش ہونا اللہ کے خوف سے۔

اسی لیے دوسرے مقام پر فرمایا:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ..... (الانعام)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

گویا نبوت کے لیے مخصوص صفات کی ضرورت ہے۔ خدا اسی کو  
نبوت و رسالت سے مشرف فرماتا ہے جس میں پہلے اس کے  
لوازمات (یا ضروری صفات) پیدا فرماتا ہے۔“

حضور، ان دشمنانِ دین کی عداوتِ رسول سے سخت نالاں تھے، چنانچہ اپنے

کلام میں ایک جگہ اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

نبی کی شان سے نجدی کو چوہ ہے  
مزا جا ہی یہ وحشی بلندی ہے  
بہت سی خوبیاں ہیں نجدیوں میں  
فقط ایمان کی ان میں کمی ہے

حضور مقرر اسلام علیہ الرحمہ کے دور میں نجد و دیوبند کی فکر اپنے عروج پر تھی۔ شان رسالت میں تنقیص کی ناپاک کوششیں کافی زوروں پر تھیں۔ آپ بھی اپنے حکمت بھرے انداز سے اصلاح احوال کے لیے ڈٹ گئے۔ یہ آپ کا فیضانِ نظر و تربیت ہے کہ آپ کے دامانِ کرم سے وابستہ ہونی والی ایک کثیر تعداد نہ صرف یہ کہ اس فتنے سے محفوظ و مامون رہی بلکہ عشقِ رسالت کی نقیب بن گئی۔

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد شریف منانے کے انکار میں ابوالکلام آزاد کی تحاریر نہایت دلآزار ہیں۔ پھر ۱۹۹۷ء میں جب ان تحریروں کو دوبارہ شائع کیا گیا تو حضور رٹپ اٹھے اور آپ نے ”میلاد شریف اور بعض روایات“ کے نام سے کتاب لکھ کر ابوالکلام آزاد کی زہریلی تحریر کا خوب تعاقب کیا اور علمی دلائل سے اس کی فکر کا خوب رد کیا۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

میں اپنے برادرِ طریقت ڈاکٹر غلام حسین صاحب (نا رو وال شم لاہور) کے ساتھ اسی موضوع (آزاد اینڈ کمپنی کی طرف سے واقعات و رہاصاتِ میلاد کا انکار) پر تبادلہ خیالات کر رہا تھا تو فرمانے لگے، حضور نقشب لائانی ابھی ابھی جلوہ افروز ہو کر فرماتے ہیں:

”ان (منکرین) سے پوچھو کیا ولادتِ باسعادت کے وقت رونما ہونے والے ارہاصاتِ گمانِ فضلِ اللہ علیہ عظیماً ﴿ترجمہ: اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ سورہ نساء آیت ۱۱۳ کا آخری حصہ﴾ سے باہر ہیں؟ اگر باہر ہیں تو اس فضلِ عظیم کی حد کیا ہے؟



(کون سے کمالات اس کے دائرے میں ہیں کون سے نہیں؟)۔

گویا شیخ کریم نے آپ کے مضمون کی غائبانہ تائید بھی فرمائی اور علمی دستگیری بھی کی۔ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا:

”یہ فیصلہ اسلام کر چکا، قرآن کر چکا، کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وہم کی بارگاہ میں (بظاہر) ہلکی سی گستاخی دے ادبی کرنا دنیا کی سب

سے بڑی لعنت ہے۔“

## عدائے غائبانہ اور استمداد و توسل:

اسلام کی تعلیمات سے بے بہرہ لوگ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یا علیؑ یا غوث وغیرہ کہنے والوں کو شرک تک کہہ دیتے ہیں جو کہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ یا رسول اللہ کو شرک ٹھہرانے والے نماز میں التحیات میں ’اَیُّهَا النَّبِيُّ‘ کیا سمجھ کر کہتے ہیں؟ جبکہ ’اَیُّهَا النَّبِيُّ‘ کا معنی بھی یہی ہے۔ یاد رہے کہ مستعانِ حقیقی فقط اللہ کریم کی ذات ہے جبکہ اللہ کے نبی اور ولی محض اللہ کی دی ہوئی طاقتوں سے سننا و رد و کرنے پر قادر ہیں۔ مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بنا کر نہادند کے مقام پر بھیجا۔ پھر ایک روز حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے، ”يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ“ کہ اے ساریہ پہاڑ کو پشت پر لے لو۔ (فَيَنْتَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يَصِيحُ يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ)۔ کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے پکارنے والے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی آواز سنی جو

کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لے لیا۔ خدا نے ان کو شکست دے دی۔ یہ حدیث پاک جس میں مدینہ شریف سے میلوں دور ایک دوسرے صحابی کو نما کی گئی ہے، اور اللہ نے اتنی دور اس آواز کو پہنچا بھی دیا، نماز کے غائبانہ کے جواز پر ایک دلیل ہے۔

اور بخاری شریف جلد دوم کتاب المناقب باب ذکر العباس بن عبدالمطلب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى  
بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِيِّنَا  
ﷺ فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ  
فَيَسْقُونَ

جب لوگ قحط سے دوچار ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے۔ وہ کہتے، 'اے اللہ! ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وسیلے سے بارش مانگا کرتے تھے اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محترم چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، پس ہم پر بارش برسا۔ راوی کا بیان ہے کہ بارش ہو جاتی۔

یہ حدیث پاک استمداد تو اسل کے جواز پر بہترین دلیل اور ثبوت ہے۔

پس کسی نبی یا ولی کو 'یسا' کے صیغے سے پکارنا اور استمداد کرنا صحابہ علیہم السلام

کی سنت بھی ہے اور ہر دور کے اولیاء اللہ کا معمول بھی رہا ہے۔ احادیث و روایات اس

سے بھری پڑی ہیں فتوے کی چھری کس کس پر چلے گی۔ یہاں تو صرف حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ کا نقطہ نظر اور طرزِ عمل دکھانا مقصود ہے۔

حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہؐ کے جواز کے حامی تھے اور آپ کے وظائف کا حصہ تھا۔ بلکہ تہجد کے وقت نہایت سوز و گداز سے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہوئے اس طرح کے شعر پڑھا کرتے تھے جن میں 'یا' کا استعمال ہو۔ مثلاً:

غریبم یا رسول اللہ! غریبم

ندارم در جہاں جز تو حبیبم

(میں غریب ہوں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں غریب (دلاجار)

ہوں۔ سوائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، جہاں میں میرا کوئی

حبیب نہیں)

دلائل الخیرات شریف درود شریف کی مشہور کتاب ہے۔ حضور تقش لا ثانی علیہ الرحمہ کی طرف سے آپ کو اس کی خصوصی اجازت تھی۔ اس میں کتنے ہی درود شریف حرفِ خدا کے ساتھ ہیں۔ مثلاً:

إِنَّا نَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَاشْفَعْ لَنَا يَا نِعْمَ الرَّسُولَ الطَّاهِرُ

ترجمہ: ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی طرف آپ (صلی

اللہ علیہ وسلم) کا وسیلہ پیش کرتے ہیں لہذا ہماری شفاعت فرمائیے،

اے کیا ہی اچھے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

دلائل الخیرات شریف کے مقدمے میں یہ حدیث پاک بھی آئی ہے:

أَسْمَعُ صَلَاةَ أَهْلِ مَحَبَّتِي وَ أَعْرِفُهُمْ

(میں اپنے اہل محبت کا درود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں)

درود مستغاث بھی حضور کے معمولات میں شامل تھا۔ اس میں اس درود پاک کی تکرار آئی ہے:

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

حضور جب کبھی حاجی امداد اللہ مہاجر کی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مشہور اشعار پڑھتے تھے جن کی روایف میں 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم' آتا ہے تو فرماتے کہ پیر صاحب تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہنے کے قائل ہیں مگر ان کے مرید (علماء و دیوبند) اس پہ چھین بے چھین ہوتے ہیں۔ ان اشعار میں یہ شعر بھی ہے:

جہاز امت کا حق نے دے دیا ہے آپ کے ہاتھوں

بس چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

پھنسا ہوں جس طرح گردابِ غم میں ناخدا ہو کر

مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

یونہی صاحبین امت سے استمداد و توسل کے بھی آپ قائل تھے، یہ سمجھتے

ہوئے کہ یہ خدا و رسول کی نیابت میں ان کے فضل سے مدد کرنے پر قادر ہیں۔ یہ واقعہ

آپ کی زبانی سنا گیا کہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں جب آپ بحیثیت لیکچرار

تعینات تھے۔ ایک پرنسپل صاحب نہایت سخت طبیعت کے مالک تھے۔ کسی بات پر

انتہائی غصے کی حالت میں انہوں نے چڑا اسی کو آپ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ اس نے آ کر

آپ کو پیغام پہنچایا اور صورت حال بھی عرض کر دی۔ آپ نے تیسرا میلہ شیخ

عبدالقادری جیلانی شیئاً لیلہ" (جس میں حضور غوث پاک سے استمداد کیا گیا ہے) کہتے ہوئے دفتر کے اندر قدم رکھا۔ اب یہ ہوا کہ پرنسپل صاحب کو اصل بات تو یاد نہ رہی، تا خوب آؤ بھگت کی اور حال احوال پوچھا۔ ایسا بار بار ہوا۔ یعنی پرنسپل صاحب آپ کو بلاتے مگر نظر پڑتے ہی سب کچھ بھول جاتے اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے کے بعد رخصت کر دیتے۔ چڑا سی نے جو تیرانی کے ساتھ یہ سب دیکھ رہا تھا دوسروں سے اس بات کا ذکر کیا۔ وہاں کالج میں ایک غیر مقلد لیکچرار بھی تھے۔ اس نے آکر ایسا ہونے کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے مذکورہ بالا وظیفہ اسے بتا دیا۔ اس غیر مقلد نے خود کوئی دفعہ اسے آزمایا اور بالآخر یقین کر لینے کے بعد اپنے عقائد سے تائب ہو کر عقائد اہل سنت کا گردیدہ ہو گیا۔

یونہی ایک مرتبہ آپ کی تعیناتی کسی دور دراز شہر (ہوئی۔ دربار شریف سے دوری آپ کو کوارانہ تھی۔ آپ نے اپنے شیخ حضور نقشبندی علیہ الرحمہ کو خط میں مسئلہ بیان کر کے لکھا کہ "میرا یقین ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے، آپ اسے پڑھ رہے ہیں، تاہم کارروائی پوری کرنے کے لیے میں اسے پوسٹ کر رہا ہوں"۔ بعد ازاں یہ ہوا کہ خط لکھتے ہی (پوسٹ کرنے سے بھی قبل) مسئلہ حل ہو گیا۔ یہاں بھی استمداد ہی کی ایک صورت اور اس کے ثمرات ہیں۔

یہ خوبصورت اشعار بھی حضور کی زبان حق تر جان سے اکثر سنے گئے جو حکیم خواجگان کا بھی حصہ ہیں۔ پہلے دو اشعار میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور تیسرے شعر میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے استمداد و توسل کیا گیا

اے شاہِ نقشبند ، نقشے مرا بہ بند  
نقشے چناں بہ بند کہ کویند نقشبند  
ہیٰ اللہ! خواجہ مشکل کشا  
ما ہمہ محتاج تو حاجت روا  
یا مجدد الف ثانی غوثِ اعظم جوہرِ ما  
مالکِ ملکِ ولایت، صاحبِ تمیزِ ما

اب یہاں حضور مقلدِ اسلام کے اپنے اشعار قلمبند کیے جاتے ہیں، جن میں استمداد کیا گیا ہے۔ ان اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی گئی ہے۔

المدد اے چارہ ساز بیکساں  
دل اسیرِ نرغہ اغیار ہے  
اے مزگی، اے شہنشاہِ کریم  
اک سوال دیدہ بیدار ہے

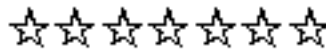
حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی باگاہ میں ملتس ہیں: ('یا غوث' کے نام سے آپ کی ایک منقبت کے چند اشعار)

مرا مایہ ، ترا سایہ رحمت  
سواتیرے کرے گا کون پورا  
پریشاں کر رہے ہیں نفس و شیطان  
انھیں غفلت کے پردے، دل ہوشیار  
دل دیدہ بھی اس سے آشنا ہوں  
خدا کے فضل سے اس کو بنادے  
مرا دلی نعمت ہے یا غوث  
مرا دلی نعمت ہے یا غوث

مری دولت تری نسبت ہے یا غوث  
تمناؤں کی جو کثرت ہے یا غوث  
مسلط قلب پر غفلت ہے یا غوث  
بڑی مدت سے یہ حسرت ہے یا غوث  
جو تیری دید کی لذت ہے یا غوث  
بہت بگڑی ہوئی قسمت ہے یا غوث  
تو مرا دلی نعمت ہے یا غوث

دو عالم میں رہے گا شاد آسی اگر شامل تری رحمت ہے یا غوث  
اپنے شیخ حضور نقشب لاثانی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں استغاثہ ملاحظہ ہو: (یہ اشعار منقبت نقشب  
لاثنانی محبت آپ کی سے چنے گئے ہیں)

تقش لاثانی ، محبت آپ کی بے نوا پر ہے عنایت آپ کی  
آپ ہیں محبوب محبوب خدا کیابیاں ہو آقا عظمت آپ کی  
دل کا ذرہ ذرہ ہو مہر منیر جلوہ فرما ہو جو طلعت آپ کی  
تقویٰ قلوبہ کی کھیتی سبز ہو ہو اگر باران رحمت آپ کی  
سیدی، سندی، ملا ڈی، مرشدی بات ہی کیا اعلیٰ حضرت آپ کی  
جھولیاں لائے ہیں خالی ہم فقیر جھولیاں بھرنا ہے عادت آپ کی  
یوں لگا غم کی گھٹائیں چھٹ گئیں میں نے جب بھی کی ہے مدحت آپ کی



## مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر:

قرآن وحدیث کے مطابق علم غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس کے سوا  
کسی اور کو نہیں۔ جبکہ علم غیب عطائی (خدا کی عطا سے) اس کے نبیوں کو ہے اور نبیوں

کے تو شمل سے اولیاء کو بھی اُن کی شان کے لائق ملا ہے۔ دلائل بے شمار ہیں۔ حاضر و ناظر کا مفہوم بھی اس کے قریب قریب ہے (یعنی ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی مانند دیکھنا، دور و قریب کی آوازیں سننا، ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرنا، صد ہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرنا یہ سب خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے جو اس قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہو، حاضر و ناظر ہونا ہے اور علم غیب کے بغیر یہ ممکن نہیں)۔ علم غیب کی ان دونوں قسموں اور حاضر و ناظر کے حوالے سے دلائل قرآن و حدیث لاتعداد ہیں اور کتب عقائد ان سے بھری پڑی ہیں۔ تاہم محض چند درج کیے جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ صرف اشارہ کرنا مقصود ہے، بحث نہیں اور پھر اپنے حضور کا اس ضمن میں نقطہ نظر واضح کرنا منشاء ہے۔

لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط..... (سورۃ الکہف۔ آیت ۲۶ سے چند الفاظ)

ترجمہ: اسی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب۔

(علم غیب ذاتی کا اثبات)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ O..... (سورۃ التکویر۔ آیت ۲۳)

ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (علم غیب عطائی کا ثبوت)

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا O..... (سورۃ النج۔ آیت ۸)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں بھیجا، حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنانا۔

(حاضر و ناظر ہونا)

عنوان حضور مقلد اسلام بحیثیت پور کامل کے تحت حضور مقلد اسلام کی توجیہ، علم

اور تصرف پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے، اسے ایک بار پھر پڑھ لیں اور اس سے یہ نتیجہ بھی



نکال لیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ایک ولی کا یہ مقام ہے تو خود اس محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے تصرفات و علم کا کیا مقام ہوگا۔ اس سے متعلق کچھ وضاحت کرامات کے بیان میں بھی آئے گی، یہاں صرف ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے: (جو کہ اگست ۲۰۰۱ء کو رونما ہوا)

محمد سردر صاحب بیان کرتے ہیں کہ بیعت ہونے کے بعد قدم قدم پر اس کی برکات محسوس کرتا رہا۔ ایک مرتبہ مرد دو ال (شکر گڑھ) سے مسافر لے کر اپنی ٹیکسی میں لاہور جا رہا تھا۔ مزنگ چونگی سے پہلے ایک پٹرول پمپ کے قریب ایک موٹر سائیکل مزدے سے ٹکرائی۔ ایک نوجوان اپنی عینک اٹھا رہا تھا۔ عین اسی لمحے میری کار وہاں پہنچی۔ یہ سب کچھ آنا فانا ہوا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ کاروائیں کرتا تو نوجوان کچلا جاتا، بائیں کرتا تو گاڑیوں سے ٹکرا جاتا۔ بریک لگتے لگتے بھی وقت لگتا ہے۔ بہر حال میری پوری کوشش کے باوجود کار نوجوان پر چڑھ دوڑی اور قریب تھا کہ وہ کچلا جاتا، یکا یک یوں محسوس ہوا جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے اس نوجوان کو اٹھا کر ایک طرف کھڑا کر دیا

---

۱۔ شاہد کے معنی حاضر و ناظر پہ اعتراض کرنے والے بھی، از جنازہ کی دعائیں صحیحہ ناظرینا میں شاہد کا معنی

حاضر و ناظر کرنے پہ مجبور ہیں۔

ہے۔ تاہم معمولی سی ٹکرا سے لگی۔ کچھ نوجوان مجھے مارنے کو دوڑے۔ لیکن جونہی مجھ پر نظر پڑی، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بہر حال اس نوجوان کو ہسپتال لے جا کر طبی امداد دلائی اور رات اڑھائی بجے فارغ ہوا۔ صبح حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمایا، سردر صاحب! آگئے ہو؟ زیادہ پریشانی تو نہیں ہوئی

تھی، چوٹ تو نہیں آئی تھی؟ فکر نہیں کرنی چاہئے۔ آپ نے دوبار فرمایا اور اس دوران آپ مسکرا رہے تھے۔ میرا خیال یقین میں بدل گیا کہ وہ طاقت جس نے ڈیڑھ سو کلو میٹر دور حادثے سے بچایا، نوجوان کو اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیا اور لوگوں کو مجھے مارنے سے روک رکھا، وہ آپ ہی کی ذاتِ اقدس تھی۔ اور میرے سارا واقعہ بیان کرنے سے پہلے ہی آپ کا آگاہ ہونا اور بیان فرمانا، یہ سب آپ کا عظیم تصرف اور کمالِ علم تھا۔ میں نے عرض کیا، حضور کوئی پریشانی نہیں ہوئی آپ کے صدقے۔

## نور و بشریت اور اختیار و تصرف:

’روشن خیالی‘ کے اس دور میں بعض افراد کے دل اتنے تاریک ہیں کہ نبی اکرم نور مجتسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض اپنے جیسا بشر اور اپنی طرح بے اختیار سمجھنے سے بھی نہیں چوکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بشر بھی ہیں مگر بے مثال بشر، خیر البشر، سید البشر۔ نور بھی ہیں تو اصل نور، جانِ نور۔ ان کی بشریت بھی عام نہیں بلکہ ہر صیبِ بشریت سے پاک ہے اور ان کا نور، خدا کے نورِ ذات سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح نہیں کہ خدا کا نور اس کا مادہ ہو بلکہ اس کے فیض سے۔ قرآن فرماتا ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿۱۵﴾..... (سورۃ المائدہ، آیت ۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر جلالین کے مطابق نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب مبین سے مراد قرآنِ عظیم ہے۔

اب مشہور حدیث پاک ملاحظہ کیجئے:

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي..... (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ - عارض النبوة)

ترجمہ: خداوند کریم نے سب سے اول میرا نور پیدا فرمایا۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے از روئے حدیث اسی مضمون کو مکتوب نمبر ۱۰۰ اختر

سوم میں بیان کیا ہے۔ آپ کا استدلال اس حدیث پاک سے ہے:

خُلِقْتُ مِنْ نُورِ اللَّهِ

یعنی میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔

اور جہاں تک حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات و تصرّفات کا تعلق ہے تو یہ

آپ کے معجزاتِ قاہرہ سے ظاہر ہے۔ یاد رہے، حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سب سے

بڑے خلیفہ ہیں اور خلافتِ بغیر اختیار و تصرّف کے ممکن ہی نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

الرَّأْيُ قَدْ كَسِبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ

إِلَى النُّورِ هَبْ أذن رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ

الْحَمِيدِ..... (سورۃ المائیم - آیت ۱)

ترجمہ: ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو

اندھیریوں سے اجالے میں لاؤ ان کے رب کے حکم سے اس کی

راہ کی طرف جو عزت والا سب خوبیوں والا ہے۔

اندھیرے سے مراد کفر و ضلالت جبکہ اجالے سے مراد نور ایمان ہے۔ تہذیب کریمہ کے

مطابق دولتِ ایمان و ہدایت کا ملنا نبی کے اختیارات سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَيَجْعَلُ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ وَيَضَعُ  
عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ.....

(سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۵۷)

ترجمہ: اور سٹھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی  
چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے  
پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔..... (کنز الایمان)

خیال رہے کہ ربّ کائنات نے صرف چند چیزیں سؤر، مردار، وغیرہ حرام  
فرمائیں باقی تمام خباثت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام فرمائے۔ یعنی  
کتا، بلی، گدھا وغیرہم۔ معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب اختیار و تصرف ہیں کسی  
چیز کو حرام و حلال قرار دینے میں۔ نیز ایک جگہ قرآن نے فرمایا:

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ..... (سورۃ القمر۔ آیت ۱)

ترجمہ: پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند

چاند کو شق (دو ٹکڑے) کروینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا تصرف ہے

۱۔ تفسیر قرطبی، تفسیر روح المعانی و دیگر کے مطابق اجماعی قمر متواتر ہے اور قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ صحیحین کے  
علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ شک و شبہہ کی گنجائش ہی نہیں۔

در سورج پلٹانے سمیت اس قدر تصرفات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوئے کہ شمار  
میں نہیں آسکتے۔ ہمیں یہاں صرف اپنے شیخ کریم کے نظریات بتانا ہیں۔ اس کے لیے  
دلائل الخیرات، درود مستغاث اور درود تاج کی طرف آئیے جو کہ آپ کے اوراد و  
وظائف کا حصہ تھے۔ دلائل الخیرات شریف کی ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے یہ اسماء گرامی بھی آتے ہیں:

مُخْتَارٌ (صاحب اختیار)۔۔۔ وَكَيْلٌ (کارساز)۔۔۔ كَافٍ (کافی)۔۔۔  
مُكْتَفٍ (مکتفی)۔۔۔ مَيِّدُ الْكُونِينِ (کونین کے سردار اور فریادرس  
)۔۔۔ شَافٍ (شفا دینے والے)۔۔۔ غَوَّثَ "اور غوث" (فریادرس)

یہ اور اس طرح کے بہت سے اسماء اور صیغہ ہائے درود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ  
والہ وسلم کے اختیارات کا اعلان کرتے ہیں۔ نیز دلائل الخیرات شریف میں ہی نور،  
سراج، مصباح وغیرہ اسماء آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نورانیت کا اعلان کر رہے  
ہیں۔ درود مستغاث (جو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانِ حق  
ترجمان سے مترشح ہے اور اس کا ورد صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین اور تمام کاملین  
محققین و متاخرین سے چلا آتا ہے) میں یہ الفاظ بھی دیکھئے:

نُورُ اللّٰهِ (اللہ کا نور)، مَيِّرُ اللّٰهِ (اللہ کے نورانی  
بندے)، سِرَاجٌ (چراغ)، اِسْرٌ (حکم دینے والے)، نَبِيٌّ "مُخْتَارٌ" (مختار  
نبی) وغیرہم۔

یونہی درود تاج میں نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نور ہونا  
ظاہر ہے تو صاحب التاج وَالْمِعْرَاجِ وَالْبَرَقِ وَالْعَلَمِ سے اختیار نیز دَافِعِ  
الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَوْضِ وَالْآلَمِ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب تاج و  
معراج اور براق والے اور جھنڈے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے  
بلاء و بابت، قحط، مرض اور دکھ دور ہوتے ہیں) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکل کشائی کا اظہار  
ہے۔ ان مذکورہ اوراد و وظائف سے حوالہ جات دینے کا مقصد یہ ہے کہ یہ آپ کے

عقیدے کے بارے میں حتمی دستاویزات ہیں۔

آپ کے نعتیہ کلام میں دیکھئے، اس میں بھی صد ہا مقامات پر نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کے اختیار و تصرف اور نورانیت کا اعتراف ہوا ہے:

محبوب خدا اے صلحِ علیٰ زندہ بھی ہے اور مختار بھی ہے  
کونین میں وہ حصّہ ف بھی، دارین کا وہ سردار بھی ہے  
ہر حکم ہے اس کا حکمِ خدا، ہر بات ہے اس کی وحی الہ  
ہر نام اس کا اے نامِ خدا تسکین کا لالہ زار بھی ہے

تمہارا نام تسخیرِ دو عالم      تمہارے نام جاگیرِ دو عالم  
تمہیں نورِ خدا کہتے ہیں مومن      تمہیں ہوا صلحِ تنویرِ دو عالم  
تمہارے حسن کی خوباریوں سے      چمک اٹھی ہے تقدیرِ دو عالم

توں ایس رب دانور مدینے والڑیا

ظلمت کر دے دور مدینے والڑیا

(مطلع) نقشِ لائانی و اصدق آسی نوں

کر دے نور و نور مدینے والڑیا

انبیاء و اولیاء کے تصرفات کے حوالے سے ”توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات“ ایک

لاجواب تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے اس موضوع پر کمال لکھا۔

## مقام صحابہ و اہل بیت (رضی اللہ عنہم):

حضور اکرم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ علیہم الرضوان کی عزت و عظمت کو کون بیان کر سکتا ہے جن کی شان میں متعدد آیات اتریں۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے) کا تمغہ امتیاز جنہیں بارگاہِ خداوندی سے عنایت ہوا۔ اُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (یہی ہیں ٹھیک ٹھیک مومن) کی ڈگری جنہیں ملی اور سُخَّلَا وَوَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَى (یعنی اللہ نے سب سے اچھا وعدہ کیا) کی بشارت جنہیں دی گئی۔

اسی طرح اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی شانِ رفیع کا ذکر قرآن حکیم کے متعدد مقامات پر آیا ہے۔ قرآن نے وَنُظِّهَرُكُمْ تَطْهِيرًا (اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے) کا اعلان انہی کے لیے کیا ہے۔ اپنے رسول کے ذریعے إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (مگر اہل قرابت کی محبت) کہلوا کر انہی کی محبت کو واجب قرار دیا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی سے وفا داری پر محبت کی خوشخبری سنائی ہے۔

جہاں تک حضور قبلہ عالم کے اس ضمن میں نقطہ نظر کی بات ہے تو حضور بعد از انبیاء صحابہ کرام علیہم الرضوان ہی کے مرتبے کے قائل تھے اور اُمِّتِ مِصْطَقِي عَلِيٍّ صَاحِبِهَا اَصْلُوهُ والسلام میں ان کے ممتاز ترین مقام پر فائز ہونے کا اثبات کرتے تھے جیسا کہ قرآن و حدیث کی تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا ہے جس میں آج کل کے نام نہاد مؤرخ و محقق نکتہ چینی کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے حضور کا اس بارے میں عقیدہ وہی تھا جو حضرت شیخ مجتہد رضی اللہ عنہ کا۔ شیخ مجتہد رضی





بنا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ضرور مقبول ہے۔“  
حضور نے مولانا مودودی کے خلاف مضامین لکھے تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ  
موصوف نے اپنی کتاب 'خلافت و ملوکیت' اور دیگر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ جمیع صحابہ کی عزت و عظمت پر رکیک حملے کیے ہیں۔  
بہر حال حضور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ چنانچہ ایک  
نہایت ممتاز آستانے کے ایک 'پیر' صاحب (جن سے آپ کا گہرا تعلق تھا) نے جب  
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعد ازاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان  
غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے دریدہ ذہنی سے کام لیا، تو اول تو آپ نے ان سے  
بالمشافہ مل کر انہیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو تاحیات ان سے  
کنارہ کسی اختیار کی۔ اب ان صاحب نے جا بجا آپ کے خلاف تقریریں شروع کر  
دیں۔ آپ نے اپنی ذاتِ اقدس پر حملوں کی کوئی پروا نہ کی البتہ ان کے مارگزیدہ علاقوں  
میں جا کر فضائل صحابہ علیہم الرضوان سنانے کے لیے محافل کا انعقاد کرواتے رہے اور ان  
کے سحرِ خطابت سے مسحور کوئی شخص آپ کو ملتا تو قرآن و حدیث سے صحابہ کے مقام و  
مرتبہ کو اجاگر کرتے۔

یونہی آپ کا نبی کریم رءوف رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت سے جوشِ محبت  
کا اظہار الفاظ سے بالاتر ہے۔ آپ اہل بیت کے تمام افراد کی محبت و الفت کو سرمایہ  
نجات قرار دیتے تھے اور اس میں بھی حسبِ عادت حضرت شیخ مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے  
ایک فرمان کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں:

”اس فقیر کے والد جو ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے، اکثر اوقات اہل بیت

کی محبت کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ یہ فقیر آپ کے وصال کے وقت حاضر خدمت تھا۔ جب والد ماجد کا آخری وقت آیا اور اس عالم دنیا کا شعور کم رہ گیا تو فقیر نے محبت اہل بیت کی یاد دلائی اور اس کے متعلق پوچھا تو (بیجو دی میں) فرمایا، میں اہل بیت عظام کی محبت میں مستغرق ہوں، اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے۔“

..... (مکتوب ۳۶، دفتر دوم)

حضور کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجج ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، شہزادے، شہزادیاں، نواسے، نواسیاں، سر، داماد سب اہل بیت میں داخل تھے۔ سب کا اکرام بڑھ چڑھ کر فرماتے تھے۔ سب کے ایام وصال پر آستانہ عالیہ پر تقریبات کا اہتمام ہوتا تھا۔ اور ان کے فضائل سنانے والوں کو خوب نوازا جاتا تھا۔ ان کے وسیلے کو دعا کی قبولیت کی سند ٹھہرایا جاتا تھا۔

جو بد بخت قبیلہ محض سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شہزادوں ہی کو اہل بیت گردانتا تھا اور باقی کو بالخصوص ازواج مطہرات کو اس سے خارج قرار دیتا تھا، آپ نے اس کی خوب پکڑ کی۔ اس کے اس عقیدے کے مدارک کے لیے دلائل کے انبار لگا دیئے۔ چنانچہ اس فکر کے حاملین کو ہر دور میں آپ سے عناد رہا اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ تاہم آپ نے ان کی رتی بھر پروا نہ کی اور تاحیات جملہ اہل بیت کی محبت کی خوشبو سے ایک جہاں کو معطر کرتے رہے۔

آپ کو حضور امام الانبیاء، حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی پیاری صاحبزادی صاحبہ

مخردومہ کائنات، ملکہ فردوس بریں، نورِ حسیم رحمۃ للعالمین سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کمالِ الوقت و عقیدت تھی۔ دوران کے لختِ جگر، نورِ دیدہ، بتول، جگر کوشہ رسولِ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یومِ شہادت (۱۰ محرم الحرام) پر تو سوز و گداز کا ایک عجیب عالم ہوتا تھا۔ ذکرِ شہادتِ امامِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتے وقت آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل بہ رہی ہوتیں۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا کہ جسمِ پاک کا رداں رداں سو گوار و غمناک ہے۔ پھر جب آپ ذکرِ شہادت کرتے تو کس آنکھ میں تاب ہوتی کہ اشکوں کا سیلاب روک سکے۔

آپ نے گستاخانِ اہلِ ہیئت کی خوب خبر لی۔ آپ کی تحاریر اور تقاریر اس بات پر شاہد ہیں کہ ان کے عقائدِ باطلہ کے رد میں آپ کا برقِ بارقلم کس طرح ان پر بجلیاں گراتا رہا اور زبانِ اقدس انہیں جہنم کی آگ کی خبر دیتی رہی۔

آپ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہ جھکتے تھے کہ آپ کے پیر کامل بھی حضورِ ربی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی آل کا ایک فرد تھے یعنی ساداتِ کرام میں سے تھے اور وہ بھی حسنی حسینی سید۔

**تصویرِ شیخ:** تصویرِ شیخ (یا رابطہ شیخ) سے مراد شیخ کی صورت کا اپنے سامنے یا دل کے اندر نگاہ رکھنا ہے خواہ شیخ سامنے نہ ہو۔ جب رابطہ کا غلبہ ہوتا ہے تو مرید اپنے تئیں عین شیخ دیکھتا ہے اور اس کے لباس و صفت سے موصوف پاتا ہے اور جدھر دیکھتا ہے شیخ ہی کی صورت دیکھتا ہے اسے فنا فی الشیخ کہتے ہیں جو فنا فی اللہ کا مقدمہ ہے۔

درود یوار چو آئینہ شد از کثرت شوق

ہر کچائے نگر م روے تراے ہنم

ترجمہ: کثرتِ شوق سے درو دیوار آئینے کی مانند ہو گئے ہیں۔ جدھر دیکھتا ہوں، تیرا ہی چہرہ دکھائی دیتا ہے۔

رابطہ صحبت کی طرح مستقل طریق وصول الی اللہ کا ہے اور انصباغ و انعکاس کے لیے کافی ہے کیونکہ رابطہ سے شیخ کے ساتھ نہایت مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے اس کے باطن سے اخذ فیوض کرتا ہے۔ اسی واسطے حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں:

سایہ رہبر بہ است از ذکر حق

اس سایہ رہبر سے اشارہ طریقہ رابطہ کی طرف ہے جس سے مرا صورتِ شیخ کا آئینہ دل میں محفوظ رکھنا ہے۔ مبتدی کے لیے طریقہ رابطہ ذکر سے مفید تر ہے اگرچہ ذکر بذاتِ خود شرافت و فضیلت رکھتا ہے۔ اس کی تشریح حضرت مجدد علیہ الرحمہ یوں فرماتے ہیں:

”پچارہ مرید چونکہ عالمِ سفلی میں گرفتار ہے، اس سبب سے عالمِ علوی سے مناسبت نہیں رکھتا تا کہ حضرت باری سے بغیر واسطہ کے فیوض و برکات اخذ کرے۔ اُسے دو جہت والا واسطہ درکار ہے جو عالمِ علوی سے بہرہ ور ہو کر مخلوق کی دعوت و ارشاد کے لیے عالمِ سفلی کی طرف متوجہ ہوا، ہوا اور پہلی مناسبت کی وجہ سے عالمِ غیب سے فیوض اخذ کر کے دوسری مناسبت کی بنا پر لائق مریدوں تک پہنچائے۔ اس لیے طالبِ رشید شیخ کے ساتھ جتنی زیادہ مناسبت رکھے گا، اُس کے باطن سے اتنا ہی فیض یاب ہوگا اور جو چیزیں شیخ کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے والی ہیں، رابطہ اُن میں سب سے بڑا

ہے۔“ (مکتوبات۔ ج ۱۔ مکتوب ۷۸)

نیز فرمایا:

”صاحبِ اس معاملہ مستعد نامِ المناسبت ست“ (فیروزیم۔ مکتوب نمبر ۳۰)

یعنی صاحبِ طریقِ رابطہ، صاحبِ استعداد اور کاملِ مناسبت کا حامل ہوتا ہے۔

حضرت مجددِ پاک ہی فرماتے ہیں:

”اگر بوقتِ ذکرِ الہی بے تکلف پیر کی صورت ظاہر ہو تو اسے بھی دل میں لے

جائے اور دل میں بٹھا کر ذکر کرے۔“ (مکتوبات۔ مکتوب ۱۹۰۔ فیروز اول)

المختصر! خدا تعالیٰ کے ذکر کے لیے جس خشوع و خضوع کی ضرورت ہے، تصور

شیخ اس میں بہت مدد ہے اور اس کی روحانیت مرید کے ذوق و شوق اور استعداد میں

اضافہ بھی کرتی ہے۔ نیز شیطان کے مکر سے محفوظ بھی رکھتی ہے۔ مخالفین اسے بھی کم از کم

شرک ضرور کہتے ہیں۔ حالانکہ اس کی اصل قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ مثلاً:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِه ج وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُوْهَانَ رَبِّه .....

(سورۃ یوسف۔ آیت ۲۳)

ترجمہ: اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ (یوسف علیہ

السلام) بھی عورت کا ارادہ کرنا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

یہاں یہاں یا دلیل سے کیا مراد ہے؟ صدرِ فاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ

اس کی تفسیر میں یہ روایت درج کرتے ہیں:

”جس وقت زلیخا آپ کے درپے ہوئی، اس وقت آپ نے اپنے

والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ انگشتِ مبارک

وَمَدَانِ اَقْدَسِ كَيْ نَحْنُ دَبَا كَرَا جَتَابِ كَا اِسَارَهٗ فَرَمَاتِي هِيْنَ“.....

(تذکرہ اعرقان۔ ص ۳۳۹)

گویا والدِ کریم کے تصور نے اجتناب گناہ کی تحریک کو اور بھی تقویت دی اور یہی اصل ہے تصور شیخ کی۔

اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ..... (توبہ: ۱۱۹)

ترجمہ: اور چھوڑو گناہوں کے ساتھ ہو..... (کنز الایمان)

کیونیت اور صحبت دو قسم پر ہے۔ کیونیت ظاہری اور کیونیت باطنی۔ طریق رابطہ کیونیت باطنی کا نام ہے۔ طریق رابطہ (تصور شیخ) کے ثبوت میں یہ حدیث بھی دلیل ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُحَكِّي نَبِيًّا.....

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا

کہ گویا میں دیکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کہ

آپ حکایت فرماتے ہیں حال ایک نبی کا جملہ انبیاء کے۔

اس حدیث کا یہ جملہ ”گویا میں دیکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف“ اس حالت (غائب کو خیال نظر سے مثل حاضر کے دیکھتا) کی طرف اشارہ ہے، جو حقیقت ہے طریق رابطہ اور تصور شیخ کی۔ یہ حالت کبھی خود بخود طاری ہو جاتی ہے اور کبھی تکلف کے ساتھ پیدا کی جاتی ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے طریق رابطہ کے ثبوت پر دلائل

پیش فرمائے ہیں۔ (مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب نمبر ۱۶۵)

القول الجلیل (مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ) کی ایک عبارت بھی ملاحظہ ہو:

إِذَا غَابَ الشَّيْخُ عَنْهُ يَخْبِلُ صُورَتَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ بِوَصْفِ

الْمَحَبَّةِ وَالتَّعْظِيمِ فَتُفِيدُ صُورَتَهُ مَا تُفِيدُ صُحْبَتَهُ

یعنی جب شیخ غائب ہو تو اس کی صورت اپنے پیش نظر محبت و تعظیم

کے ساتھ تصور کرے۔ جو فائدے اس کی صحبت دیتی تھی اب یہ

صورت دے گی۔

یونہی شفاء العلیل میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا ایک قول ہے:

”حق یہ ہے کہ سب راہوں سے یہ راہ زیادہ قریب تر ہے۔“

حضور قبلہ عالم مقلد اسلام علیہ الرحمہ تصور شیخ کے بہت حامی تھے۔ آپ کا اپنا عمل

یہ تھا کہ فرماتے جب کسی چیز پر دم کرنا ہوں تو حضور تقش لانا ہی علیہ الرحمہ کا تصور کر

لیتا ہوں۔ کسی درویش کو کسی مریض کے ہاں دم کے لیے بھیجنا ہوتا تو تلقین فرمادیتے کہ

سورہ فاتحہ (اور کبھی سورہ اخلاص، سورہ ناس، سورہ قلقل وغیرہم) پڑھ کر، اول آخر درود

شریف پڑھ کر، چند بار یا قبلہ عالم حضور تقش لانا ہی ھجی اللہ پڑھو اور حضرت صاحب

(حضور تقش لانا ہی) کا تصور کر کے پھونک مارو، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔

حضور کا ایک لاجواب ارشاد سننے اور سردہننے:

”کوئی شخص اس وقت تک بارگاہ رب العزت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ نہ بنائے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک بارگاہ رسالت تک

نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اپنے پیر تک نہ پہنچے/ پہنچانے (رابطہ)۔ اور کوئی بھی شخص اس وقت تک اپنے پیر کو نہیں پہچان سکتا جب تک کہ تمام لوگوں کو پیر کے علاوہ مردہ خیال نہ کرے اور الحمد للہ حضور تشریف لانا تانی قدس سرہ ہمارے پیر ہیں“ (یعنی میری نظر میں بھی ایسا ہی ہے)۔ (۱۳ دسمبر ۱۹۹۷ء)

رشید پورہ شکر گڑھ میں مولانا غلام مصطفیٰ مجددی صاحب کے مکان میں جبکہ کافی تعداد میں ارادتمند موجود تھے، آپ نے رابطہ شیخ کی افادیت یوں بیان کی:

”قلب کا تزکیہ شیخ کی مدد (درباطہ) کے بغیر نہیں ہو سکتا چاہے جتنا بھی زور لگا لو“۔ (۲۰ دسمبر ۱۹۹۷ء)

ایک مرتبہ کسی بزرگ کا سالکین راہ طریقت کے لیے یہ قول بھی سنایا:

”تصور شیخ اپنے دل میں جھوڑا سا ہی جما کر تو دیکھ، اگرچہ یہ کام مشکل ہے لیکن پھر دیکھنا کہ تمہاری نسلیں بھی یاد کریں گی“۔

البتہ تصور مرشد سے قلب و جاں پر اگندہ تخیلات سے صاف و طاہر ہو جاتے ہیں اور حیدر انسانی انوار الہی سے معمور ہو جاتا ہے۔ انسان عالم عقلی سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو دنیا ئے فانی کی محبت سے یکسر الگ کر لیتا ہے کہ اس حسین جہاں آراء کا دیدار نصیب ہو جائے، اور یہ پیش خیمہ ہے ذات باری و مصطفوی کے عرفان کا۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی      شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی  
ترجمہ: اس چاند سے پلک جھپکنے کے برابر بھی غافل نہ ہو۔ شاید کہ وہ نگاہ کریں اور تو اس سے بے خبر رہے۔

حضور مفکر اسلام قدس سرہ رابطہ شیخ اور تصور شیخ کے اس منہبوم سے پوری طرح



آگاہ اور اس کی افادیت کے قائل تھے۔ یوں تو لاتعداد سالکانِ راہِ طریقت اس مختصر ترین راستے (شارٹ کٹ یعنی تصویرِ شیخ) سے ہو کر بلند ترین منازل تک پہنچے ہیں اور اس ضمن میں مختلف النوع ادائیں اپنائیں تاہم تصویرِ شیخ کا کمال اور منفرد ممتاز ترین انداز حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کی اس ادا سے نمایاں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے غلام مرشد صاحب کو ایک خاص کیفیت میں اپنی حیاتِ مبارکہ میں کسی کو نہ بتانے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا، 'میں کبھی کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میں ایک سیاہ۔۔۔ ہوں اور میری گردن کی رسی میرے مرشد کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جیسے اجدھر چاہتے ہیں، اسے ہلاتے ہیں۔'

یاد رہے کہ راقم الحروف کے لیے مذکورہ بالا بات نقل کرنا اتنا آسان نہیں تھا، تاہم اگر اسے بیان نہ کیا جاتا تو آپ کی ذاتِ اقدس کے اس منفرد پہلو پر پردہ رہتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض لوگ لفظ 'سگ' کے استعمال پر چہیں بہ چہیں ہوتے ہیں تاہم بڑے بڑے بزرگوں نے خود کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اپنے مرشد کا سگ کہا ہے۔ گویا یہ اکابرین کی سنت ہے۔ مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی 'گلستانِ اُردو' بوستانِ ملاحظہ فرمائیے۔

حضور کا یہ قول بھی نہایت لطیف ہے کہ "میری توفیق یہ آرزو ہے کہ حضور (تھم لائانی) آپ کو دیکھتا رہوں جبکہ جملہ مسائل آپ حل کریں۔ جو شخص جیسی بھی حاجت لے کر آئے، اسے آپ پورا کریں۔"

## زیارتِ قبور:

زیارتِ قبور کے حوالے سے اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ ابتداء میں اس کی

اجازت نہ تھی، کیونکہ عرب کے دور جاہلیت میں شرکانہ رسم و رواج سے یہ عمل آلودہ تھا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیدہ توحید خوب اچھی طرح صحابہ کرام کو ذہن نشین کرا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کی طرف سے شرک کا ذرہ برابر بھی ڈرنہ رہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حدیث پاک ملاحظہ کیجئے:

عَنِ ابْنِ بَرِيَّةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ  
فَزُورُوهَا..... (مسلم شریف، کتاب الجنائز حدیث ۲۲۵۷)

ترجمہ: حضرت بریدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں) ان کی زیارت کرو۔

ابن ماجہ میں اس عبارت کے بعد یہ الفاظ نبوی بھی ہیں:

فَإِنَّهَا تَزْهَدُ فِي الدُّنْيَا وَتَذَكُرُ الْآخِرَةَ

ترجمہ: اس لیے کہ وہ (زیارتِ قبور) دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت یاد دلاتی ہے۔

اس طرح کی متعدد احادیث کتب احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ جن سے صالحین امت کے علاوہ والدین کی قبور کی زیارت کو باعث حصول رحمتِ خداوندی قرار دیا گیا ہے۔

حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ زیارتِ قبور کے سلسلے میں یہ اہتمام فرماتے تھے کہ سال میں ایک مرتبہ ملتان شریف، اُنچ شریف اور دیگر مزارات پر جایا کرتے تھے۔ پیر

خانے کی بلاناغہ حاضری میں حضور شاہ لاثانی و علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پر حاضری بھی شامل تھی۔ بلکہ پھر یوں ہوا کہ آپ کی ہمیشہ محترمہ جو نہایت صالحہ و عابدہ و زاہدہ اور مستجاب الدعوات خاتون ہیں، نے خواب میں ایک ہستی کی زیارت کی اور پہچان لیا کہ حضور شاہ لاثانی ہیں۔ جنہوں نے فرمایا کہ یہ ادھر ادھر کیوں پھرتے ہیں، ان کا کام تو میرے ذمہ ہے۔ چنانچہ اب علی پور سیداں شریف کی حاضری پر اکتفا کیا جانے لگا۔ البتہ چورہ شریف جو حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ ہی کا پیر خانہ اور ملک پاکستان میں نقشبندی انوار و تجلیات پھیلا نے کاسب سے بڑا مرکز ہے، میں سالانہ عرس کے موقع پر حاضری آپ کا معمول تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ جبکہ عرس پاک کے دنوں میں آپ کی طبیعت مبارکنا ساز تھی، فرمایا کہ اس مرتبہ جانے کا ارادہ نہیں تھا تاہم جب حاضری کی نیت کر لی تو طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی۔ گویا نہ تو آپ کی طبیعت مبارک نے شیخ المشائخ حضرت بادا جی چورہ ہی علیہ الرحمہ پر غیر حاضری کو برداشت کیا اور نہ صاحب مزار اس بات پر راضی تھے۔ یہ بات آپ کے اس مضبوط روحانی تعلق کی آئینہ دار ہے جو آپ کو آفتاب چورہ شریف سے تھا۔

البتہ عرس مقدس کے دنوں میں خواتین کا مزارات پر حاضری دینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ اختلاط مردوزن کا خدشہ اور بے پردگی کا احتمال ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ سیالکوٹ کالج میں پڑھائی کے دوران ایک مرتبہ میں حضرت امام علی الحق علیہ الرحمہ کے دربارہ انوار پر حاضر ہوا تو اپنے فلسفہ زدہ استاد پروفیسر تجمل حسین راٹھور (ایم اے انگلش) کو رات گئے وہاں دیکھا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ ان کے مزاج سے قطعی طور پر یہ بات لگانہ کھاتی

تھی۔ میں نے کہا، ”سر آپ ادھر کیسے؟“ تو کہنے لگے، ”آسی صاحب! مجھے یہاں سکون ملتا ہے۔“

## عرس و ختم

ایصالِ ثواب شرعاً جائز بلکہ سنت ہے۔ احادیث متواترہ اس پر شاہد ہیں۔ عرس و ختم اسی (ایصالِ ثواب) کی دو شکلیں ہیں۔ عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخِ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا۔ احادیثِ رسول اور اقوالِ فقہاء اس کے جواز میں بہت ہیں۔ مثلاً شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے:

رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ  
كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأَحَدٍ عَلَيَّ رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ  
ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر سال  
شہداءِ احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

تفسیر کبیر اور تفسیر دُرِّ مَنْشُور میں ہے:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ  
عَلَيَّ رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ قَبُولُ سَلَامٍ، عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ  
فَبِعَمِّ عَقْبِي الدَّارِ وَالْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةَ هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے

تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اولیاء کرام نے اپنی تصانیف میں اپنے مشاہدات سے بھی ان کے فوائد تحریر فرمائے ہیں۔ حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ کا فرمان ہے، ”اللہ پاک نے قسم اٹھائی ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ کے وصال کے دن ختم دے خواہ ایک ہی مسکین کو کھانا کھلائے، اس کا رزق کم نہ ہوگا۔“ (انوار لاٹانی)

حضور مفکر اسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسلاف و علماء حق کی طرح عرس و ختم کے جواز کے حامی تھے۔ (زیارت قبور میں اس کی تفصیل آچکی، یہاں مزید اتنا دیکھ لیں کہ ہر سال ۲ ذی الحجہ کو اپنے شیخ قیوم زمانی حضور نقشب لاٹانی علیہ الرحمہ کے یوم وصال پر اپنے آبائی گاؤں پھگواڑی شریف اور نقشب لاٹانی نگر میں سکونت کے بعد وہاں عرس مبارک کی تقریب کا انعقاد کرواتے تھے۔ جس میں جید علماء کرام اور نعت خوان حضرات آتے اور نہایت ایمانی، وجدانی اور نورانی مہل پاک ہوتی۔ عارف حقانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب فقہ نقشب لاٹانی نقشب نغیس اس کی صدارت فرمایا کرتے تھے۔

حضور جہاں بھی رہے ہر نماز جمعہ کے بعد تا نماز عصر عرس حضور نقشب لاٹانی کی ہفتہ وار مختصر محفل کرواتے رہے۔ اور بعد نماز عصر بڑے پیمانے پر لنگر شریف کی تقسیم ہوتی۔ (حضور اس لنگر شریف کو بہت پسند فرماتے تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے نیز کثیر برکات کا حامل گردانتے) یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یونہی سال بھر میں کثیر تعداد میں اعراس اور ختم کی تقریبات میں آپ کی شرکت اس بارے میں آپ کے موقف کا ثبوت و اظہار ہے۔

## نذر شرعی و عرفی:

اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے، نذر شرعی نہیں، نذر عرفی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ۔ جیسے کوئی اپنے استاد سے کہے، جناب یہ آپ کی نذر ہے۔ یہ بالکل جائز ہے۔ جس سے منع کیا گیا وہ نذر شرعی ہے۔ اس میں جس کے نام کی نذر مانی جائے، اسے معبود سمجھا جاتا ہے۔ معبود سمجھ کر نذر ماننا نذر شرعی ہے اور یہ غیر اللہ کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ البتہ نذر عرفی میں کوئی قباحت نہیں۔ (کتاب علماء اہلسنت اس کی تفصیل سے بھری پڑی ہیں)۔

حضور مقلد اسلام کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ یعنی آپ نذر عرفی میں قباحت نہ سمجھتے تھے۔ اپنے شیخ اور دیگر بزرگان دین کو نذر پیش کرنا آپ کے اطوار میں سے تھا۔ کئی افراد کو ان کے مسائل کے حل کے لیے اپنے شیخ کے مزار پر نذر ماننے کی تلقین فرماتے اور یہ افراد بھی اس عمل کو نفع بخش پاتے۔ حضور شاہ لاثانی قدس سرہ کا یہ واقعہ بھی آپ سے سنا گیا جو نذر عرفی کے حوالے سے آپ اور آپ کے اسلاف کے نقطہ نظر کو واضح کرتا ہے:

”موضع چندر کے میں فٹھی غلام غوث صاحب اور ان کے دو ساتھیوں پر لوگوں نے مقدمہ دائر کر دیا اور عدالت نے تینوں پر فرد جرم عائد کر دی۔ فٹھی صاحب کی والدہ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کے لیے التجا کی۔ آپ نے فرمایا ’بی بی! حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے روضے پر پچیس روپے نذر مانو تا کہ خداوند کریم آپ کے طفیل تمہارے لڑکے کو بری کر دے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا (یعنی یہ نذر مانی کر اگر میرا لڑکا رہا ہو گیا تو پچیس روپے بطور شکرانہ سر بند شریف پیش کروں گی)۔ جب فیصلے کا دن آیا تو دوسرے دو مجرموں کو پچیس

کچیس روپے جرمانہ ہو گیا اور منشی صاحب صاف بری ہو گئے۔ گویا آپ کے تصرف نے  
جرمانے کو نذرانے میں تبدیل کر دیا۔

باب گیارہواں

معمولاتِ مبارکہ

فوائد و فضائلِ ذکر



گر تو خواہی زہِ مستن با آمد

ذکر اُدکن، ذکر اُدکن، ذکر اُد

(اگر تو باعث جینا چاہتا ہے تو اس کا ذکر کر، اس کا ذکر کر، اس کا ذکر کر)

اس میں ہرگز شک نہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مگر اس کا اشرف

المخلوقات ہونا اس جوہر ملکوتی پر منحصر ہے جسے دل کہتے ہیں:

دل چہ باشد مطلع انوارِ حق      دل چہ باشد منبع اسرارِ حق

دل و درآتِ ذاتِ ذوالجلال      در دل صافی نماید حق تعال

ترجمہ: دل کیا ہے؟ انوارِ حق کا مطلع۔ دل کیا ہے؟ اسرارِ حق کا منبع۔

دل ذاتِ ذوالجلال کا آئینہ ہے۔ پاک و صاف دل میں تو اللہ

تعالیٰ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

دل عالمِ باقی سے ہے جب کہ باقی جسم اس عالمِ فانی سے مناسبت رکھتا ہے۔

نبی کریم روفد جیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ

وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.....

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: بے شک (انسانی) جسم میں ایک گوشت کا ٹوٹھڑا ہے کہ

جب وہ سنور جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ

جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خیر دار وہ (پارہ گوشت) دل

ہے۔

دل کو سنوارنے یا ٹھیک کرنے کی کیا صورت ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سنئے:

لِكُلِّ شَيْءٍ صَفَالَةٌ وَ صَفَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ..... (یعنی شریف)

ترجمہ: ہر چیز کو پاک کرنے والی کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو پاک کرنے والی چیز یا وحدا تعالیٰ ہے۔

اللہ کریم نے قرآنِ پاک میں سلسلہٴ نبوت کے اجراء کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں ان میں ایک واضح مقصد تزکیہٴ نفوس ہے۔ فرمایا: **تَزَكِّيْكُمْ** (وہ تمہیں پاک کرتے ہیں)۔ چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا: **اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ** (الناشر)۔ یعنی تم تو ذکر (یا نصیحت) ہی سنانے والے ہو۔

نبی کی نیابت میں ولی کا بھی یہی منصب ہے۔ جسے قرآن نے یوں ارشاد فرمایا:  
**فَالْمَلٰٓئِكَةُ يَذٰكُرُوْنَ**۔ یعنی یہ (دلوں میں) ذکر ڈالنے والے ہیں۔

الْمُخْتَصِرُ! نبی اور ولی، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو پاک اور بیدار رکھتے ہیں اور اس بیدار دل کی یہ خاصیت ہے کہ بقولِ اقبال:

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراری

میں آدم کے حق میں کہیا ہے دل کی بیداری

**ذکر اللہ کے فوائد:** اللہ کریم جل شانہ کے ذکر کے فوائد کا احاطہ کرنا انسانی

طاقت سے باہر ہے۔ تاہم کتاب و سنت کی روشنی میں چند پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ اللہ کا ذکر کرنے والا ہر دلعزیز بن جاتا ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُون ۝... (پ ۲ البقرہ ۱۵۶)

ترجمہ: تم میری یاد کرو، میں تمہارا چہ چا کروں گا اور میرا شکر ادا کرتے  
رہو، میری ناشکری نہ کرو۔

اور حدیثِ مصطفوی ہے:

وَمَا أَقْبَلَ عَبْدٌ عَلَى اللَّهِ بِقَلْبِهِ إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ قَلْبَ الْوَبِ

الْمُؤْمِنِينَ تَنَاقُذًا إِلَيْهِ بِالْوَدِّ وَالرَّحْمَةِ... (ترمذی شریف)

ترجمہ: کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف  
متوجہ ہو جائے (ذکر دیا کرے)؛ مگر اللہ تعالیٰ مومنین کے قلوب کو  
اس کی طرف محبت اور مہربانی کے ساتھ متوجہ اور مطہج کر دیتا ہے۔

یا در ہے کہ ذکر کی تین اقسام ہیں۔

ذکرِ لسانی: جس میں تسبیح، تقدیس، ثنا وغیرہ شامل ہیں۔

ذکرِ قلبی: خداوندِ قدوس کی نعمتوں کو یاد کرنا، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کے دلائل

قدرت میں غور کرنا، علماء کا استنباطِ مسائل کرنا اس میں داخل ہے۔

ذکرِ بالجوارح: یعنی اعضا کا اطاعتِ الہی میں مشغول ہونا جیسے حج کے لیے سفر کرنا۔

یا در ہے کہ نمازِ ذکر کی ان تینوں اقسام پر مشتمل ہے۔ بہر حال ذکر کسی بھی شکل میں کیا

جائے،

اللہ کریم ذاکر و خالقِ خدا میں ہر دلعزیز کر دیتا ہے۔

(۲)۔ کامیابی کی ضمانت: اللہ تعالیٰ کے ذاکر کو دین و دنیا میں مکمل کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس مکمل کامیابی کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى..... (سورۃ الاحقاف)

ترجمہ: بے شک کامیاب ہو جو سترہا ہو اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یہ الفاظ موجود ہیں:

وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝..... (پ ۲۸ ج ۱۰۔ پ ۱۰ انفال ۳۵)

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

(۳)۔ بخشش اور اجر عظیم: ارشادِ ربانی ہے:

وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذِّكْرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً

وَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝..... (الاحزاب۔ ۲۲)

ترجمہ: اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان

سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

(۴)۔ اطمینانِ قلب: انسانی دنیا کا ایک بڑا مسئلہ اطمینانِ قلب ہے۔ اطمینانِ قلب نہ

تو کثیر مال و دولت سے متعلق ہے اور نہ جاہ و منصب یا کثرتِ وسائل و ثنوی سے۔ حتیٰ

کہ جبہ دستار اور علم و فضل بھی حقیقی سکون کے ضامن نہیں۔ اس قدر عجیبہ مسئلے کا دو لفظی

حل قرآن نے ان الفاظ میں پیش کیا:

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝..... (الرعد۔ پ ۱۳)

ترجمہ: سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

(۵)۔ ذکر خدا زندگی بخش ہے: اس حقیقت کا اعلان زبانِ نبوت سے یوں ہوا:

مَذَلُّ الْإِنِّى يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالْإِنِّى لَا يَذْكُرُ مِثْلَ الْحَىِّ وَالْمَيِّتِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: اپنے رب کو یاد کرنے والے اور یاد نہ کرنے والے کی مثال

زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔

(۶) شرح صدر: ارشادِ عالیشان ہے:

أَقَمَّنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ط

قَوْلٌ "لِلْفَسِيَّةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ط أَوْلَيْكَ فِي ضَلَالٍ

مُبِينٍ ۝..... (الزمر: ۲۲)

ترجمہ: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے

رب کی طرف سے نور پر ہے، اس جیسا ہو جائے گا جو سنگدل ہے تو

خرابی ہے ان کی جن کے دل یاد خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں۔

وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(۷)۔ ذاکر جیتے جی اپنا ٹھکانہ جنت میں دیکھ لیتا ہے:

حضرت مالک سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

ذَا كُرَّ اللَّهُ فِي الْغَافِلِينَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ

الْفَارِسِ وَذَا كُرَّ اللَّهُ فِي الْغَافِلِينَ كَمُضْنِ أَخْضَرَ فِي

شَجَرِ يَابِسٍ وَفِي رِوَايَةٍ مِثْلَ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَاءِ فِي

وَسَطِ الشَّجَرِ وَ ذَاكِرُ اللَّهِ فِي الْغَافِلِينَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِي  
بَيْتٍ مَظْلَمٍ وَ ذَاكِرُ اللَّهِ فِي الْغَافِلِينَ يُرِيهِ اللَّهُ مَقْعَدَهُ فِي  
الْجَنَّةِ وَهُوَ حَيٌّ وَ ذَاكِرُ اللَّهِ فِي الْغَافِلِينَ يُغْفَرُ لَهُ بِعَمَلِهِ  
كُلِّ فَصِيحٍ وَ أَعْجَمٍ وَ الْفَصِيحُ هُوَ أَدَمُ وَ الْآعْجَمُ  
الْبَهَائِمُ

ترجمہ: غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے  
بھاگنے والوں میں لڑنے والا اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا  
ایسا ہے جیسے خشک درخت میں سبز شاخ اور ایک روایت کے مطابق  
درختوں کے درمیان ایک سبز درخت اور غافلوں میں اللہ کا ذکر  
کرنے والا ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں روشن چراغ اور  
غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے کہ اللہ اسے زندگی میں اس  
کا جنتی ٹھکانہ دکھا دیتا ہے۔ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے  
کو فصیح اور کوئے کی گنتی کے برابر بخش دیا جاتا ہے۔ فصیح سے مراد  
انسان اور کوئوں سے مراد چوپائے ہیں۔

(۸)۔ معیت خداوندی: خداوند قدوس کے ذکر کا ایک اور بہت بڑا فائدہ دیکھئے۔

حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَنَا مَعَ عَبْدِي إِذَا ذَكَرَنِي وَ تَحَوَّكْتُ بِهِ شَفَاتَهُ..... (بخاری شریف)

ترجمہ: میں اپنے بندوں کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے

اور اس کے دونوں ہونٹ میری وجہ سے حرکت کرتے ہیں۔  
ایک اور حدیث جس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اسی مضمون کی  
مؤید ہے:

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ  
اللَّهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عِبَادِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي  
فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي  
فِي مَلَأَ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأَ خَيْرٍ مِنْهُمْ..... (بخاری و مسلم)  
ترجمہ: کہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ  
فرماتا ہے کہ میں بندے کے گمان سے بھی زیادہ قریب ہوں جو  
وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے  
پاس ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، میں اس  
کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا  
ہے تو میں اسے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

### (۹)۔ بہترین عمل ذکر خدا تعالیٰ ہے:

سیدنا ابو ذر و رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
و سلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا:

أَلَا أَنْبَأُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعُهَا فِي  
دَرَجَاتِكُمْ وَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَ خَيْرٌ لَكُمْ

مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ  
قَالُوا بَلَىٰ قَالَ ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى..... (ترمذی، ابن ماجہ، احمد)

ترجمہ: کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمام اعمال سے بہتر ہو اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو اور تمہارے تمام درجات میں بلندتر ہو اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اچھا ہو اور اس حال سے بھی افضل ہو کہ تم اپنے دشمنوں کا سامنا کرتے ہوئے ان کو قتل کرو اور وہ تمہیں شہید کریں۔ صحابہ نے عرض کیا، کیوں نہیں (حضور ضرور ارشاد فرمائیے)۔ فرمایا (وہ بہترین عمل) ذکر اللہ ہے۔

(۱۰)۔ ذکر کا منشاء بھی بد بختی سے محفوظ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ذکر خدا تعالیٰ کی عظمت نہایت پیارے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اس حدیث پاک کا آخری حصہ دیکھیے:

قَالَ قِيْقُولُ فَأَشْهَدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُولُ مَلَكٌ  
مِّنَ الْمَلَائِكَةِ فِيهِمْ قَلَانٌ لَّيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ  
هُمْ الْجَلَسَاءُ لَا يَشْفِي جَلِيسُهُمْ..... (بخاری شریف)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے، کہ میں تم کو گواہ بنا تا ہوں کہ میں نے ان (ذاکرین) کو بخش دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ان فرشتوں میں سے



ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی ہے جو کسی کام سے وہاں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ذکر کرنے والے وہ ہیں کہ ان کا ہمنشین بھی بدبختی سے محفوظ رہتا ہے۔

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

هُمْ الْقَوْمُ لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيئُهُمْ

ترجمہ: ان ذاکرین کے طفیل ان کا ہمنشین بھی بدبختی سے محفوظ رہتا ہے۔

(۱۱)۔ ادائے شکر:

ایک حدیث قدسی ذکر خدا تعالیٰ کو شکر خدا ٹھہرا رہی ہے:

إِذَا ذَكَرْتَنِي شَكَرْتَنِي وَإِذَا نَسَيْتَنِي نَسِيتَنِي

ترجمہ: (اے میرے بندے) جب تو نے مجھے یاد کیا تو گویا میرا شکر

ادا کیا اور جب تو مجھے بھول گیا تو گویا تو نے کفرانِ نعمت کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے ذکر کو اپنا شکر قرار دیا وہاں قرآن میں شکر کی جزا عطا ہے حساب ٹھہرائی۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ..... (سورہ ابراہیم۔ پ ۱۲)

ترجمہ: اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

(۱۲)۔ ذکر باعث نزول سکینہ و رحمت:

سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ  
غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ  
اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ..... (سلم شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کوئی قوم ذکر  
کے لیے نہیں بیٹھتی مگر ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان کو رحمت  
ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا  
ذکر اپنے قریبی فرشتوں میں فرماتا ہے۔

## ذکر کے درجات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑی شرح و وسط سے  
اپنے مکتوبات میں ذکر کے درجات بیان فرمائے ہیں۔ یہاں ان کی تحریر سے استفادہ  
کرتے ہوئے محض چند باتیں گوش گزار کی جا رہی ہیں۔  
قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَإِذْ تَمْكُرُونَ بِكَ إِذْ أَنْسَيْتَ..... (سورہ الکہف)

ترجمہ: اور یاد دکر اپنے رب کو جب تو بھول جائے۔

اہل ذکر ان الفاظِ قرآنی کا مفہوم ذرا مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں اور وہ  
یہ کہ ذکرِ خدا کرنے والے کو چاہئے کہ سب کچھ ذہن سے نکال کر اپنے رب کو یاد کرے۔  
گویا ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہوا۔ ”اور ذکر کر اپنے رب کا جب تو (ماسوا کو) بھول جائے۔“  
یہ ذکر کا پہلا درجہ ہے۔

اگلی منزل یہ ہے کہ ذکرِ خدا کی محویت میں انسان اپنے آپ کو بھی بھول جائے۔ اس اعتبار سے آیت کا ترجمہ ہوگا:

”اور یاد کر اپنے رب کو جب تو اپنے آپ کو (بھی) بھول جائے“

علیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ دعا کو ہیں:

ایسا گمادے ان کی ولا میں خدا ہمیں

ڈھونڈا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

یہ ذکر کا **سراج** ہے۔

ذکر میں محویت کا اگلا مقام یہ ہے کہ ’ذکر حق‘ ذکر کے رگ دریشہ میں یوں

سما جائے کہ اسے ذکر کا بھی احساس نہ ہو۔

یہ ذکر کا **انجمنی** ہے۔

### ذکر کون سا ہو اور کیسا ہو؟

اس سوال کا جواب اس مختصر سی مثنوی میں دیا گیا ہے جو حضور شاہ لائٹانی علیہ الرحمہ

نے اپنے خلیفہ سجاد مولوی فضل الہی مرحوم کو لکھوائی تھی:

جو فرمادے تجھ کو پیر	اس پر چلے تو ہو فقیر
آدھی رات اٹھ بیٹھے سالک	چار کوٹ کا ہو دے مالک
پڑھے تہجد نال نیازے	دل حاضر اور نال گدازے
کلمہ پاک کا کرے تکرار	ایک ہزار یا تین ہزار
اللہ اللہ اتا کہے	اللہ ہے اور آپ نہ ہے

پرسش اس کی پیروں پاوے  
سنت عصر کی ترک نہ کرے  
جو لکھنے میں رسم نہ آوے  
تو کوئی میداں سوکھڑے  
عارف ہووے پورا پورا  
عارف ہووے تو ایسا ہووے  
ادب صورت کا پورا ہووے  
تا دوڑاوے عرش پہ گھوڑا

یہ جو فرمایا اللہ رہے اور آپ نہ رہے، ذکر میں فنا ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد بقاء ہے۔ غفلت کے تمام پردے چاک ہو چکے، حجابات اٹھ چکے، دل زندہ و بیدار ہو چکا، اب عارفِ کامل بالکل غیر محسوس طور پر یاد حق میں لگن ہے۔ بظاہر وہ بازار میں چل رہا ہے، کھیتی باڑی میں مشغول ہے، احباب سے مصروف گفتگو ہے، سانلوں کے مسائل حل کر رہا ہے مگر ان تمام حالتوں میں اس کے ذکر کا تاثر نہیں ٹوٹتا۔ دنیا کے تمام مشاغل ان کی باطنی توجہ اور قلبی دروہی دوسری ذکر میں حائل نہیں ہونے پاتے۔  
گویا اس آیتِ قرآنی پر ان کا عمل ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلٰهِيْكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ  
ذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝  
..... (المائدہ - پارہ ۱۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مال، تمہاری اولاد، کوئی چیز تمہیں  
اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ  
نقصان میں ہیں۔

دوسری جگہ یوں ارشاد ہے:

رِجَالٌ لَا تُلٰهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ..... (النور - ۳۷)

ترجمہ:

## ’اہل اللہ‘ کا ’ذکر اللہ‘

کو صورتاً ہماری اور اہل اللہ کی عبادات و انداز ذکر ایک سے ہیں، تاہم معنوی طور پر کیف و سرور، خشوع و خضوع اور ذوقِ حضوری کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ ہم ان کی عبادات کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے لطائف بیدار ہوتے ہیں۔ ان کے جسم کا رواں رواں مجو ذکر ہوتا ہے۔ یہ دولت دوسروں کو کہاں میسر ہے۔ اولیاءِ نقشبند طاہر کی چلہ کشی اور خلوت گزینی پر باطنی تنہائی کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ دوسروں کے درمیان رہ کر بھی دوسروں سے الگ رہنے کی مشق کرواتے ہیں۔ وہ کمال اسے ٹھہراتے ہیں کہ تھر دریا میں بھی دامن تر نہ ہونے پائے۔ مولینا حاجی قدس سرہ فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ بر اندازہ پنہاں، بحر م قافلہ را

از دل سا لک رہ جاذبہ صحبتِ شاں می بر دوسرے خلوت و فکر چلہ را

ترجمہ: نقشبندیہ عجب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ راستے سے قافلے کو

حرم تک لے جاتے ہیں۔ دل سے راہ جذب پر چلنے والوں کی

صحبت میں آ کہ یہ خلوت کے دوسوں اور چلوں کی فکر کو ختم کر دیتے

ہیں۔

کاشف اسرارِ حقانی خواجہ خواجگان حضرت خواجہ عبدالخالق مجدد دانی رحمۃ اللہ علیہ

نے نقشبندی طریق عمل کے طور پر جو آٹھ نکات وضع کیے ہیں، ان سے بھی مقصود دائمی

حضور ہے۔ یعنی انسان ہر حال اور ہر کام میں توجہ ذکرِ خدا اور رضائے خدا کی طرف

مہذول رکھے۔ وہ کلمات یہ ہیں: (تشریح دیکھئے 'انوار الہامی' کے آخر میں)

(۱)۔ ہوشِ ذر دم (۲)۔ نظر بر قدم (۳)۔ سفر و وطن (۴)۔ خلوت و راجحمن (۵)۔

یا دکرد (۶)۔ بازگشت (۷)۔ نگہداشت (۸)۔ یا دداشت

وہ 'ذکر' جس میں عوام و خواص شریک دکھائی دیتے ہیں، الفاظ و معانی کی یکسانی کے

باوجود اس کی کیفیت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ نماز ہی کو لیجئے۔ اسے معراج

المؤمنین قرار دیا گیا ہے۔ ہماری نماز کی صورت کچھ یوں ہوتی ہے:

برزباں تسبیح و ردل گاؤخر ایں چنین تسبیح کے دارداثر؟

اہل حضور کی نماز کیسی ہوتی ہے، سنئے:

خلف بن ایوب علیہ الرحمہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز میں کھڑے

تھے کہ انہیں بھڑنے کاٹ لیا۔ خون نکلا مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر کار ابن سعید آئے اور

انہوں نے بتایا تو حضرت خلف بن ایوب نے کپڑا ڈھویا۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ کو

بھڑکاٹ رہی تھی اور خون بہہ رہا تھا مگر آپ کو معلوم نہیں ہو رہا تھا، یہ کیا قصہ ہے؟ فرمایا:

”جو شخص ملکِ حبار کے سامنے کھڑا ہو، اس کے پیچھے موت کا فرشتہ ہو، بائیں

طرف جہنم ہو اور پاؤں کے نیچے پل صراط ہو، وہ کیا ایسی باتیں سمجھ سکتا ہے۔“

یونہی کسی نے حضرت حاتمِ اصم علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ آپ کس طرح نماز ادا

کرتے ہیں تو فرمایا:

”جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں مکمل وضو کرتا ہوں۔ جس جگہ نماز پڑھنے کا

ارادہ ہوتا ہے، وہاں آتا ہوں۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر اعضاء میں سکون حاصل کرتا ہوں۔ پھر

نماز میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور میرا حال یہ ہوتا ہے کہ کعبہ میرے سامنے ہوتا ہے، پہلے صراط پاؤں کے نیچے، جنت دائیں طرف، دوزخ بائیں طرف اور موت کا فرشتہ پیچھے کھڑا محسوس کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ پھر خوف و امید کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہوں۔ پھر تکبیر بالاعتظیم کہتا ہوں اور باادب قیام کرتا ہوں اور قرأتِ خوف زدہ حالت میں اور رکوع بالتواضع اور سجود بتضرع اور جلسہ حلم اور وقار سے اور سلام شکر کے ساتھ وباللہ التوفیق۔ (مکالمہ انقلاب - کشف الکجوب، اردو ترجمہ۔)

یہ ہے ہم عام لوگوں اور ان مقبولانِ بارگاہِ رب العزت کی عبادات میں فرق۔ ہم حرص و ہوس کے بندے، ہزار ہا فکری و قلبی آلائشوں میں جکڑے ہوئے گنہگار روح عبادت سے بے بہرہ اور یہ صاحبانِ اخلاص و تقویٰ عبادات کے حسن ظاہر کے ساتھ ساتھ حسنِ باطن سے بھی مالا مال۔

حضور شاہِ لائٹانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا: ”میاں وقت نکال کر خدا کا ذکر بھی کیا کرو۔ وہ کہنے لگا، حضور وقت ہی نہیں ملتا۔ آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور فرمایا میں نے ایک سو گیارہ بار اپنے رب کا نام ورد کر لیا ہے سو چئے! جو ایک سانس میں اتنی بار رب کا نام لے سکتے ہیں، ان کے اوراد و وظائف کی وسعت کیا بیان ہو سکتی ہے۔“

سیدی و سندی حضور مفکر اسلام قدس سرہ النورانی اسی خانقاہِ لائٹانی کے تربیت یافتہ بلکہ حسنِ تربیت کا شاہکار تھے اور افعال و افکار میں انہی کے نقوش کے آئینہ دار۔ تو آئیے! حضور کے روزمرہ کے معمولات کی طرف جو آپ کے مقرب ترین حلقہ نشینوں بالخصوص آپ کے قریبی عزیز اور خلیفہ مجاز حضور تھے نقوشِ لائٹانی جناب حاجی عبدالرزاق

نقشبندی سے معلوم ہو سکے اور بعض سے یہ عاجز ذاتی طور پر آگاہ ہے۔

## بدر الاولیاء کی رات

جو مردانِ پاکباز بارگاہِ قدس کے حاضر باش بندے ہیں، ان کے لیے ہر شب، عہب وصل ہے۔ دنیا خوابِ غفلت میں بہوش ہے، تو یہ دیدارِ یار میں مدہوش ہیں۔ سارا جگِ محوِ استراحت ہے اور ادھر اپنے رب سے راز و نیاز ہو رہے ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ کے بیان ہو رہے ہیں اور يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ کے پیغامات کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ اہل دنیا کی 'تہائی' سے جان نکلتی ہے اور یہ اہل وصل 'تہائی' پر جان دیتے ہیں۔ چنانچہ اوروں کے لیے عہب تیرا ان کے لیے عہب وصل قرار پاتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ان کی دنیا ہی اور ہے۔ ادھر فرش پر عابد اپنے معبود کی یاد میں ہے، ادھر عرش پر معبود اپنے

'عابد' کا ذکر فرما رہا ہے۔ (فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ)۔ ادھر سے مناجات کی جارہی ہیں، ادھر سے عنایات ہو رہی ہیں۔ حدیثِ پاک میں وارد ہے (راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں):

(قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأَعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ..... (بخاری و مسلم - مکتوٰۃ، باب التحریض علی قیام اللیل، فصل اول)



ترجمہ: (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ) ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، جس وقت ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔

۔ افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر

کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

سیدی و سندی حضور مفکر اسلام تیس سرہ النونانی رات کے تھوڑے حصے میں آرام فرماتے تھے۔ تاہم دل بیدار اپنے کام میں مشغول رہتا۔ بعض بزرگ خدام کے مطابق حضور کو ہم نے کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھا، جب بھی رات حاضری کا شرف نصیب ہوا، عبادت میں مشغول دیکھا۔ علامہ عقبات احمد نقشبندی صاحب کا فرمان ہے کہ تین سال مجھے شرف باریابی رہا، کبھی سوتے نہیں دیکھا۔ جبکہ صوفی با صفا ڈاکٹر محمد سلیم صاحب کے مشاہدہ کے مطابق حضور نے عمر عزیز کے آخری چالیس برس سو کر نہیں دیکھا۔ واللہ اعلم

اس سبب بارگاہ کو آستانہ عالیہ پر کبھی کبھار رات رہنے کا شرف حاصل ہوتا۔ چنانچہ ہم نوجوان خواب غفلت میں مدہوشی سے قبل آپ کو بیدار پاتے اور رات کو جس کی بھی آنکھ کھلتی، حضور کو چارپائی سے غائب پاتا۔ ملاحظہ صحن یا کمرہ خاص میں مصلے پر نظر آتے۔ بہت سے احباب اس طرف گئے ہیں کہ سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی نیت سے چند گھنٹیاں سو لیتے اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی اٹھ جاتے۔ چارپائی پر

لیٹنے سے قبل بیٹھ کر قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر دیکھتے (کبھی یہ کام بعد نماز ظہر یا عصر سر انجام دیتے)۔ قبلہ رخ بیٹھ کر ۱۰۰ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جاتی۔ سورہ اخلاص، فلق اور ناس پڑھ کر دونوں ہاتھ ملا کر ان پر پھونک مارتے اور پھر پورے جسم پر ملتے۔ یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔ اکثر چشمان مبارک میں تین تین سلائی سرمہ ڈالتے اور اس دوران سورۃ الکوثر کی تلاوت کرتے جاتے۔ استراحت سے قبل عموماً حسم اقدس پر سرسوں کے تیل کی مالش کراتے۔

حضور تہجد کی نماز پڑھنے کی سب کو تلقین فرماتے تھے۔ آپ تہجد کے لیے یہ اہتمام فرماتے کہ اولاً غسل فرماتے، پھر صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے۔ ازاں بعد حضور قلب کے ساتھ نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ پہلے ۲ نفل تحیۃ الوضوء، جن میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین دفعہ سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ اس کے بعد ۶ نفل تہجد کے، جن میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک مرتبہ قل ھو اللہ شریف ملاتے۔ دوسری رکعت میں دو مرتبہ، اس طرح ہر رکعت میں ایک مرتبہ بڑھاتے جاتے (کبھی اس کا الٹ بھی کیا جاتا، یعنی پہلی رکعت میں ۶ مرتبہ سورہ اخلاص اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک کم کرتے جاتا)۔ پھر ۲ نفل اس احسانِ عظیم کے شکرانے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہونا نصیب ہوا۔ ۲ نفل اپنے شیخ کریم کے لیے اور ۲ نفل خاندانِ شیخ کے لیے بھی ادا کرنا معمول تھا۔ درود ہزارہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِّائَةِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ کم از کم ۱۱۱ مرتبہ اور کبھی ۳۰۰ یا ۵۰۰ مرتبہ نہایت ادب و احترام سے مدینہ شریف کی طرف رخ کر کے

پڑھتے تھے۔ کبھی مفرد اسم مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ لیتے، بلکہ ہمیشہ  
سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہتے اور تلقین فرماتے۔ نماز میں درود ابراہیمی میں جہاں  
اسم مقدس 'محمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اسم پاک 'ابراہیم علیہ السلام' آیا ہے، ان آٹھ  
مقامات پر 'سیدنا' یا 'سیدنا و مولانا' پڑھنے کو مستحب گردانتے۔ تہجد کے بعد طویل مراقبہ  
فرماتے جو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بھی جاری رہتا۔ اس دوران کمرے کا دروازہ بند ہوتا۔ دوران  
مراقبہ سانس کی آواز بھی نہیں آتی تھی۔ استغفار (اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ  
اَتُوْبُ اِلَيْهِ) ۱۰۰ مرتبہ صبح اور آخری دور میں ۱۰۰ مرتبہ بعد نماز عشاء بھی پڑھا جاتا رہا۔  
طویل دعا بھی مانگی جاتی جس میں اللہ کریم سے حج عالم اسلام، پاکستان اور تمام  
عزیزوں کے لیے خیر و عافیت طلب کی جاتی نیز متعلقین کے لیے بلندی درجات مانگی  
جاتی۔ بہت سی مناجات اور اشعارِ رسوز لہجے میں پڑھتے تھے۔ جیسے:

بادشاہ! جرم مارا درگزار ما گنہگاریم تو آمرزگارا

تو نکوکاری و مابد کردہ ایم جرم بے انداز مابدا کردہ ایم

ترجمہ: اے بادشاہ! ہمارے جرم کو معاف فرما۔ ہم گناہگار ہیں، تو

بخشنے والا ہے۔ تو بھلائی کرتا ہے، ہم برائی کرتے ہیں۔ ہم نے

بے اندازہ جرم کیے ہیں۔

(اس شعر میں بیحد ہے مگر آپ کا معمول یہی تھا)

(اور بھی متعدد قطععات شامل دعا تھے)

کلمہ طیبہ، تیسرا کلمہ، درود تاج، درود مستغاث، دلائل الخیرات شریف اور شیخ

کی طرف سے تلقین کردہ دیگر وظائف بعد نماز تہجد یا فجر اور کبھی دیگر اوقات میں پڑھے جاتے۔

یہاں یہ بات نہایت قابل ذکر ہے کہ اوراد و وظائف اور فرائض و نوافل کے دوران (اور کبھی ان کے علاوہ بھی) سینہ مبارک سے دل کی دھڑکن کی آواز خاصی بلند ہوتی۔ ہانڈی ابال کھاتے وقت جو آواز دیتی ہے، اس آواز کا گمان ہوتا تھا۔ اور یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر سے مشابہہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی ایسا منقول ہے۔

یہاں یہ بات بھی احاطہ تحریر میں لانے کے لائق ہے کہ بالخصوص نماز اور بالعموم دیگر وظائف کی ادائیگی کے دوران آپ کا جسم مبارک از حد لطیف اور نرم ہو جاتا تھا۔ چہرے کی نورانیت آفتاب و ماہتاب کو شرماتی اور گہناتی تھی۔ سراپا سے بلا کا عجز و نیاز جھلکتا تھا۔ اس دوران معلوم ہوتا، گویا کسی کو پہچانتے بھی نہیں ہیں یا لا تعلق ہیں۔ جب محویت کے عالم میں ہوتے تو (اہل نظر کے نزدیک) معلوم ہوتا تھا کہ فنا فی الذات ہیں یا عالم بالا کی سیر فرما رہے ہیں۔ درود شریف بکثرت پڑھتے۔ آپ کی بارگاہ میں بیٹھنے والا یا دور دراز سے متوجہ ہونے والا اپنا دل منور اور فیض کی کرنوں سے پر نور پاتا۔

☆☆☆☆☆☆

## شمس العرفاء کا دن

حضور مقلد اسلام علیہ الرحمہ کی اپنی ایک تحریر کا اقتباس یہاں بر محل ہے۔

”ہمارا زمانہ وقت کی گردش سے بنتا ہے مگر مرنے والا اس زمانے کی سرحد سے باہر اور صبح و شام کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کی دنیا اس چاند سورج کی محتاج نہیں۔ نیل و نہار اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں مگر اس کی پرواز کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ (۱) وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو)

رات، صرف اس کی ہاد ہوئے واقف اور لذت گیر ہے تو دن صرف اس کی بزم آرائی کو دیکھتا اور اس سے فروغ پاتا ہے۔ وہ رات کی خلوت میں ہدایات لیتا ہے اور دن کی جلوت میں اہتمام خشک وتر کرتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ رات کو اپنے خدا کی رحمت سے اپنا دامن طلب بھرتا ہے اور دن کے وقت دوسروں میں منہ شینہ کی مستیاں تقسیم کرتا ہے۔ فجر کی اذان سے بندہ مومن کے دن کے پروگرام کا آغاز ہوتا ہے۔“

حضور صبح کی دو سنتوں کے بعد ایک سو گیارہ بار سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ  
سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهُ پڑھنا حضور شاہِ لائانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سنت بتاتے تھے۔ حدیث نبوی میں اس کی بڑی فضیلت ارشاد ہوئی ہے۔

۱۔ اقبال فرماتے ہیں: نندہ دل سے نہیں پوشیدہ خیرِ تقدیر  
خواب میں دیکھتا ہے ماموں کی تصویر  
اور جب بائگ اداں کرتی ہے بیدار سے  
کرتا ہے خواب میں دیکھیں ہوئی دنیا خیر

ع۔ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ عَلَى النَّاسِ قِيْلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ خَبْرَتَانِ إِلَى الرَّحْمَانِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ..... (فقاری و مسلم)

ترجمہ: دو کلمے ہیں جنہاں پر پکے پھلکے میزان میں بھاری اور تیس کو چاند سے ہیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ..

نماز فجر باجماعت کے بعد مراقبہ فرماتے (اور اس کا التزام ہر نماز کے بعد دعا مانگنے سے پہلے تھا)۔ سورۃ کافرون ۱۰۰ مرتبہ، سورۃ اخلاص ۲۰۰ مرتبہ، سورۃ قلق ۱۰۰ مرتبہ اور سورۃ ناس ۲۰۰ مرتبہ پڑھتے تھے۔ سورۃ مزمل ۵۰۔۷۰ مرتبہ بھی اس وقت کے

وطنائف کا حصہ تھی۔ قرآن پاک اور درودِ مستغاث بھی عموماً اسی وقت پڑھے جاتے۔  
قرآن پاک نہایت غور و خوض اور فکر کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ تمام اور ادو  
وطنائف سے فارغ ہو کر پانی جو ایک بوتل میں پاس رکھا ہوتا اور اجوائن، کالی مرچ جو  
ایک ڈبے میں ہوتیں، پر اپنی شفا بخش پھونکوں سے دم فرماتے تھے۔

نماز اشراق (نیز نماز چاشت، ادا بین وغیرہ) کی ادائیگی بھی سنتِ مصطفیٰ علی  
صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ہوتی تھی۔ اس کے بعد ہلکا پھلکا ناشتہ تناول فرماتے  
۔ (یونہی رات کا طعام بھی سادہ اور ہلکا ہوتا۔ کبھی کئی پہر کچھ تناول نہ فرماتے۔ کدو شریف  
مرغوب تھا۔ مرغن غذاؤں سے دور رہتے۔ شہد پسند تھا)۔ ناشتے کے بعد کالج میں اپنے  
فرائض کی انجام دہی کے لیے تشریف لے جاتے۔ نیت محض نو جوانانِ ملک و ملت کی  
اصلاح و تطہیر کروار ہوتی۔ اللہ! اللہ! ولایت کے درجہ علیاء پر فائز ہونے کے باوجود  
حکلف و محنت سے رزقِ حلال کا اہتمام فرماتے اور بظاہر درس و تدریس اور خلقِ خدا سے  
میل ملاپ چلتا رہتا مگر دل اپنے رب کی طرف متوجہ رہتا۔ (رجالہ لا تلہیہم  
تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنِ ذِکْرِ اللّٰهِ النور: ۳۷)

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو

ہمع محفل کی طرح جدا سب کا رفیق!

یا در کھئے! دنیا کو اگر دین کے تابع کر دیا جائے تو سراپا خیر بن جاتی ہے۔ حضور  
قبلہ عالم نے ایسا ہی کیا تھا۔ آپ خود فرماتے تھے کہ ”اگر خدا اور رسول (صلی و علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم کی رضاؤں نظر رہے تو دنیا کے یہ کام کرنا ’مجاہدہ‘ کی حیثیت رکھتا ہے“۔ آپ

غلاموں کو بھی یہ مجاہدہ سکھاتے تھے یعنی دنیا میں مصروفیت کے ساتھ ساتھ اللہ ورسول کی خوشنودی سامنے رکھیں اور دل میں دنیا کو آنے نہ دیں اور یا خدا کو جانے نہ دیں۔ عرصہ مذہب سے فراغت (ریٹائرمنٹ) کے بعد یہ وقت بھی مطالعہ اور تحریر و تحقیق کی نذر ہونے لگا۔ متوسلین و متعلقین کی آمد و رفت کا سلسلہ تو سارا دن بلکہ رات گئے تک جاری رہتا تھا۔ سالکین کو توجہ دینا، حاضرین کے مسائل سننا اور ان کا حل کرنا، کبھی کسی کو دم کرنا اور کسی کو تعویذ مرحمت فرمانا، دور دراز محافل پہ تشریف لے جانا، تبلیغی دورے کرنا غرضیکہ کونا کون مصروفیات کو احاطہ تحریر میں لانا ایک دشوار امر ہے۔

**قیلولہ:** قیلولہ دوپہر کے وقت کچھ دیر سو جانے کو کہتے ہیں۔ یہ سنت ہے اور اس سے رات کی عبادت کے لیے جاگ اٹھنے میں مدد ملتی ہے۔ حضور سیدنا محمد والف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ دوپہر کو کچھ وقت سنت سمجھ کر سونا کئی نفل عبادات سے افضل ہے۔

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ قیلولہ فرماتے تھے تاہم اس کا دورانہ مختصر ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ چند گھنٹیاں آنکھ لگا لینے سے ہی سنت رسول کی پیروی ہو جاتی ہے۔

ظہر کی نماز باجماعت کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر زیر مطالعہ ہوتا تھا۔ بالخصوص جب درس قرآن کا سلسلہ سالہا سال جاری رہا تو خاصا طویل مطالعہ کیا جاتا رہا۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمہ قرآن کنز الایمان اور تفسیر نعیمی عموماً پسند فرماتے تاہم دیگر تراجم و تفاسیر سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا۔

پھر نماز عصر کی ادائیگی کے لیے وضو کیا جاتا۔ مسواک کا استعمال بھی کئی نمازوں کے وضو

کے دوران کیا جاتا تھا۔ ابتداء نماز عصر کے بعد شام تک آپ خاموش رہا کرتے تھے اور یہ خاموشی پر جلال اور ہیبتناک ہوتی تھی۔ کسی کو مجال نہ تھی کہ پاس گفتگو کرے۔ اور اس دوران تیسرا کلمہ یا درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حاضرین کو بھی زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کے لیے ارشاد فرماتے تھے۔ تاہم ۱۹۹۷ء سے آپ کا معمول مبارک تھا کہ غلاموں کو دائرے میں بٹھا کر درمیان میں بڑی سفید چادر بچھا کر کھجوروں کی گٹھلیوں پر ختم مجددیہ، ختم خواجگان شریف اور ختم حضور نقشب لائانی پڑھا جاتا تھا۔ یہ تمام ختم حضور نے بوقت تہجد تنہا بھی پڑھے ہیں۔ ختم خواجگان کے بارے میں آپ حضور شاہ لائانی علیہ الرحمہ کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ یہ درویش کا لشکر ہے اور کوئی دعا ایسی نہیں جو اس کے طفیل قبول نہ ہو۔ اگر کوئی مہم یا سنگین واقعہ درپیش ہوتا تو اس کے لیے سات روز تک ختم خواجگان مع حلقہ یاراں پڑھا جاتا۔ اللہ کریم اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل مشکل آسان فرمادیتا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

ختم مجددیہ: پہلے ۷ بار سورۃ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درودِ خضریٰ، پھر ۵۰۰ بار لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہر سو کے شروع میں سبحان اللہ و الحمد لله ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اور سو کے اختتام پر العلی العظیم بھی ملایا جاتا، پھر ۷ بار سورۃ فاتحہ اور آخر میں ۱۰۰ بار درودِ خضریٰ۔

ختم خواجگان شریف: ۷ بار سورۃ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، پھر ۹ بار سورۃ اَلَمْ نَشْرَحْ مَعَ نَسْمِ اللّٰهِ شَرِيفٍ، پھر ۱۰۰ بار سورۃ اَخْلَاصِ مَعَ نَسْمِ اللّٰهِ شَرِيفٍ، پھر ۷ بار سورۃ



فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درود شریف (مذکور)، پھر ۷ بار سورۃ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درودِ مختصری، پھر ۵۰۰ بار حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، ہر سو کے بعد عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، پھر ۷ بار سورۃ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درودِ مختصری۔

### حتم حضور نقشِ لائانی علیہ الرحمہ:

اس کے علاوہ وہ وظائف یا دعائیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں، کا وقتاً فوقتاً التزام رہتا تھا اور حل مشکلات کے لیے تیر بہدف گردانتے تھے۔

حضور قبلہ عالم عموماً بروز پیر، بدھ اور جمعہ المبارک لباس تبدیل فرماتے تھے۔ نماز جمعہ اور کہیں تشریف لے جانے سے قبل بھی لباس تبدیل فرماتے۔

دن بھر کے مختلف اوقات میں نیز شام کے بعد بھی خواہ شمشد افراد داخل طریقہ ہوتے تھے۔ بعض کو نماز تہجد کے بعد بھی داخل طریقہ کیا۔ سلسلہ کی تعلیم کبھی خود سکھاتے اور زیادہ تر کسی مقرب بارگاہ کو ارشاد ہوتا۔ بروقت بیعت یہ باتیں تلقین فرماتے:

(۱) نماز تہجد کی ادائیگی: تہجد کے نفل چھ، آٹھ یا بارہ رکعتیں ارشاد فرماتے۔ دو دو رکے کم از کم چھ رکعات۔

(۲) قرآن پاک: پانچ، سات رکوع یا جتنا روزانہ پڑھا جاسکے، مقرر کر لینا۔ وہ طلباء جو قرآن پاک حفظ کر رہے ہوتے تھے، ان کے لیے باقی اور دو وظائف کی بجائے حفظ قرآن پر اکتفا کرنے کا ارشاد فرماتے۔

(۳) مراقبہ: ہر نماز کے بعد دو زبانو حالت میں بائیں طرف سر جھکا کر، آنکھیں بند کر کے لیکن دل کی طرف توجہ رکھتے ہوئے سانس کے ساتھ (آواز کے ساتھ نہیں) اللہ، اللہ

کا ذکر کرنا۔

(۴) استغفار: اسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ ۱۰۰ مرتبہ پھر یا نجر کے بعد اور ۱۰۰ مرتبہ عشاء کے بعد۔

(۵) درود ہزارہ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مَّاءَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ کم از کم ۱۱۱ مرتبہ ۳۰۰۰ مرتبہ یا ۵۰۰ مرتبہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۶) ذکرِ اسمِ ذات: ہر وقت

(۷) زبان کی حفاظت کرنا

(۸) نظر کو پاکیزہ رکھنا

(۹) اسلامی حلیہ، سنت کے مطابق

(۱۰) عبادت اور وظائف میں محنت

☆☆☆☆☆☆

باب بارہواں

كرامات و تصرفات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## کرامت کیا ہے؟

علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الکرامة هي ظهور امر خارق للعادة على يد عبد ظاهر

الصالح ملتزم المتابعته نبی من الانبياء معترنا بصحيح

الاعتقاد والعمل الصالح غير مقارن بدعوى النبوة

یعنی خوارق عادت و واقعات کا ظہور ایسے شخص سے ہو جو ہر طرح نیک، راسخ العقیدہ اور انبیاء میں سے کسی کا تلمیح ہو۔ نیز نبوت کا دعویٰ نہ کرے تو کرامت کہلاتا ہے۔ (وسائل ابن

عابدین۔ جلد ۲، ص ۲۷۸)

کرامات و تصرفات کا مسئلہ مردِ کامل کی عظمت کے تصور سے وابستہ

ہے۔ بالفاظِ دیگر، آپ اولیاء اللہ کے روحانی کمالات کا فلسفہ جاننا چاہیں تو پہلے یہ دیکھیں

کہ اسلام نے آدمی کو کیا مقام بخشا۔ دنیا بھر کے فلسفی، سائنسدان اور ماہرینِ نفسیات نے اپنے اپنے علم و فضل کے بل بوتے پر مقامِ آدمیت بیان کرنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ بالخصوص متقدمین میں افلاطون و ارسطو اور متاخرین میں ڈارون اور فرامڈ جیسوں نے بہت سارا مگر ان سے بات نہیں بنی اور ان کی تو جیہات نامکمل و ناقص ہیں۔

یہ صرف اور صرف مفتاحِ خزائنِ رحمت، مصباحِ محافلِ عظمت یعنی حضورِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسانِ عظیم ہے، جنہوں نے انسان کو کائنات کی ذلیل ترین پستیوں سے نکال کر اسے اس کے مقامِ خلافت سے آگاہ کیا اور بندۂ مولا بنا کر خواجہ کائنات بنا دیا۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی  
گھلے ہیں علاموں پر اسرارِ شہنشاہی

## مقامِ خلافت یا نظریہ عظمتِ انسان

انسان ساری کائنات کا خلاصہ ہے۔ اپنے وجود و نمود میں ساری کائنات سے بڑھ کر اس کی شان کا مظہر ہے۔ یہ عجائباتِ تخلیق کا گنجینہ اور اسرارِ ہستی کا دہینہ ہے۔ اگر یہ اطاعت کے راستے پر چلے اور خود شناسی سے خدا شناسی تک پہنچ جائے تو اپنی شان کے لائقِ خلافتِ الہیہ کا مستحق۔ کائنات کی جاندارو بے جان مخلوقات خدا کی قدرت کی نشانیاں تو ہیں، خلافت کی مستحق نہیں بلکہ ان کی تخلیق کی غرض و غایت ہی خلیفۃ اللہ کی خدمت ہے۔ یعنی اللہ کا پاک اور مطہج بندہ، اللہ تعالیٰ کا خلیفہ یا نائب اور وائسرائے ہے اور باقی تمام حتیٰ کہ جن اور فرشتے بھی اس کے ماتحت اور خادم ہیں۔ جو شانِ اطاعت

میں جتنا بلند ہے، اس کا مقامِ خلافت اسی قدر فزوں تر ہے۔ اور اتنا ہی جہاں میں  
حصّرف و مختار کیا گیا ہے۔

یا در ہے! خلیفۃ اللہ، اللہ کی حکومت میں شریک نہیں، اس کے اقتدار و اختیار  
میں ساجھی نہیں بلکہ محض اس کے فضل، عطاء، مرضی اور تقدیر سے اسے جہاں پر حاکم  
و تصرف بنایا گیا ہے۔ اللہ احکم الحاکمین ہے۔ مالک الملک ہے۔ جسے چاہے ملک  
دے، جتنا چاہے دے (تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تَذِلُّ مَنْ تَشَاءُ) تو اس نے جناب آدم علیہ  
السلام اور ان کی اولاد کو مخصوص صلاحیتوں سے نوازا اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق انہیں  
عظمتیں اور حکومتیں بخشیں۔ یہ ہے اسلام کا نظریہ خلافت یا نظریہ عظمتِ انسان۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں  
یہ گنبدِ افلاک ، یہ خاموش فضاں  
یہ کوہ ، یہ صحرا ، یہ سمندر ، یہ ہوائیں!  
تھیں پوشِ نظر کل تو فرشتوں کی اداں  
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

ظاہر ہے ایسے انسان جو قدرت کا قلابہ گردن سے اتار کر کفر و سرکشی کی راہ  
اختیار کریں اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں، اس عظیم منصب کے اہل نہیں ہو  
سکتے۔ انہیں تو اولیٰک كما لا نعام بل هم اضل (یعنی وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ  
ان سے بھی گئے گزرے) کی وعید ہے۔

’خلافت‘ کی مزید تشریح کے لیے سورۃ البقرہ پارہ ۱ و اذ قال ربک  
للملئکۃ سے وما کنتم تکفرون ۵ تک قصہ آدم (علیہ السلام) کا مطالعہ کیجئے اور پھر

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی تفسیر دیکھئے:

”یعنی پیشک میں زمین میں ایک ایسا خلیفہ بنانے والا ہوں جو میری نمائندگی کرے اور زمینی اشیاء میں تصرف کرے اور چونکہ آسمانی اسباب میں تصرف کے بغیر زمینی اشیاء میں تصرف کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اس لیے خلیفہ کے عناصر زمین سے پیدا ہونے اور عالم کون و فساد میں اس کے ساکن ہونے کے باوجود اس میں آسمانی روح بھی پھونکوں گا۔ تاکہ اس (آسمانی) روح کے باعث آسمان کے ساکنوں اور ستاروں کے موٹکوں پر بھی حکمرانی کرے اور انہیں اپنے کام میں لائے۔۔۔ اور اس خلیفہ کو خلافت دینے کا طریقہ یہ ہوا کہ خدا نے اُس کی روح کو اپنی صفات کا نمونہ عطا فرما دیا۔“

نیز آپ فرماتے ہیں:

منظور خلافتِ حقیقتِ وحدانیہ بیشتر کہ در جمیع

افراد میں نوعیت و احوال خلقاء میں فرمودند

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت سے نوع انسانی کی خلافت بھی مقصود

ہے۔ مقامِ خلافت کے سزاوار اپنے اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے دو گروہ ہیں:

۱۔ انبیاء کرام علیہم السلام ۲۔ ان کے سچے متبعین یعنی اولیاء عظام علیہم الرحمہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو خلافت دینے کی حکمت حضرت علامہ عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سے سننے فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین کی آباد کاری، انسانوں کی سیاست، ان کے نفوس

کی تکمیل اور ان میں اپنے امر کے نفاذ کے لیے انبیاء علیہم السلام کو خلیفہ بنایا۔ خدا تعالیٰ کو ان

کی نیابت کی ضرورت نہیں تھی البتہ عام مخلوق جن پر انہیں خلافت بخش گئی، بلا واسطہ

خدا تعالیٰ سے فیض لینے اور اس کے کامر کے حصول سے قاصر تھی۔“

## انسان کی لطافت و طاقت:

کائنات میں جتنے عناصر ہیں، ان میں قوت و ضعف یکساں نہیں اور یہ طاقت بقدر لطافت ہے۔ یعنی جو جتنا لطیف ہے اتنا ہی قوی ہے اور اتنا ہی اللہ رب العزت کی بارگاہ کے قریب ہے۔ اور جو جتنا کثیف ہے اتنا ہی ضعیف ہے اور اتنا ہی اللہ کریم کی بارگاہ سے دور ہے کہ کثافت کو اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں ہو سکتی۔ اب اس معیار پر دیکھتے جائیے:

سب سے پہلے مٹی کو لیتے ہیں۔ یہ صورت ہی نہیں طبع میں بھی کثیف ہے۔ قرآن نے اسے ذلیل نہیں بلکہ ذلول (یعنی زیادہ ہی ذلیل) فرمایا۔ (هُوَ الْاِذِي جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ ذُلُولًا)۔ پتھر میں کچھ صفائی آئی تو اس میں اتنی ہی طاقت بھی آ گئی۔ مگر اس سے زیادہ لوہے میں قوت ہے کیونکہ صیقل ہو سکنے کی بنا پر لطافت میں ان پر بازی لے گیا۔ نیز اس کی کدالیں پتھر کو توڑ دیتی ہیں۔ آگ میں طاقت لوہے سے زیادہ ہے کیونکہ یہ لوہے کو جلا کر سیال مادہ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ آگ کے لوہے سے لطیف تر ہونے کی بنا پر ہے۔ پھر آگ اگر لطیف المادہ ہے تو پانی لطیف الصورت بھی ہے۔ چنانچہ اسے آگ پر گرا دو تو اس کی خیر نہیں۔ مگر یہ پانی ہوا کے آگے کمزور ہے۔ ہوا کے جھکڑ بڑے بڑے سمندروں میں ہجان بپا کر دیتے ہیں۔ وہ وہی شدتِ لطافت ہے۔

اب آئیے! ان تمام عناصر کے جامع، انسان پر غور کیجئے۔ لوہا، آگ، پانی،



ہوا، یہ سب اس کے آگے بے بس ہیں۔ انسان لوہے کے اوزاروں سے پتھر توڑتا، بھٹیوں میں لوہا جلاتا، پانی سے آگ بجھاتا اور ہوا سے پانی اڑاتا ہے۔ اسی نے آگ اور پانی کوڑا کر بھاپ اور پانی کو پانی سے ٹکرا کر برق جیٹا رکی۔ اس بے پایاں طاقت سے اس کی لاجواب لطافت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ زبردست لطافت اس کے بدن میں نہیں روح میں ہے۔ اسے اس بے نظیر لطافت کے سبب صفات باری کا منظر کہا جائے تو ناروا نہیں کہ اس سے عرفان حق کی راہیں کھلتی ہیں۔ مختصراً دیکھئے:

۱۔۔۔۔۔ جیسے ہمارا بدن تدبیر روح کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا حالانکہ روح نظر نہیں آتی، اسی طرح کائنات بھی تدبیر خداوندی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اگرچہ اس کا مدبّر (خدا) بھی نظر آنے سے پاک ہے۔

۲۔۔۔۔۔ بدن میں ایک ہی روح ہو سکتی ہے تو کائنات کا خدا بھی ایک ہی ہو سکتا ہے بصورت دیگر نظام تباہ ہو جائے۔ (لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَةُ اللَّهِ لَفَسَلَتَا)

۳۔۔۔۔۔ روح بالوں کی سیاہی، دانتوں کی سفیدی اور جسم کے رنگ میں موجود ہو کر بھی خود بے رنگ و بے جہت ہے۔ خالق کائنات کا نور بھی رنگارنگ جلووں میں بزم آرائی فرما کر خود کیف و کم اور جہت و رنگ سے بالاتر ہے۔

۴۔۔۔۔۔ جس طرح تمام جسم میں موجود ہونے کے باوصف، روح کا سب سے زیادہ تعلق دل سے، پھر دماغ سے، پھر جگر و معدہ سے اور پھر باقی اعضاء سے ہے، اسی طرح تجلیات ربانی کا ظہور، کائنات بھر کو متحرک کرنے پر بھی سب سے زیادہ عرش اعظم، بیت المعمور، کعبہ مقدّسہ، حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت المقدس سے متعلق ہے۔

۵۔۔۔۔۔ بدن کو روح کی ضرورت ہے مگر روح کو کسی اور روح کی ضرورت نہیں۔ اس سے

بے حد زیادہ عالمین کو خدا کی ضرورت ہے مگر اسے کسی اور خدا کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی روحانی لطافت میں ترگی کا انحصار کس بات پر ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کا انحصار مادیت سے گھلو خلاصی پہ ہے۔ جوں جوں انسانی روح روحانی اخلاق اپنا کر، صفاتِ خداوندی کے پرتو سے شصف ہوتی جائے گی، لطافت و قوت میں بڑھتی جائے گی۔ غور کیجئے تو روحانی اخلاق کی بنیاد ان چار اصولوں پر ہے۔ ایثار، تواضع، انخفا، قناعت۔ ان سب کا عملی اظہار انفاق فی سبیل اللہ (یعنی صدقہ وغیرہ) سے ہوتا ہے۔

صدقہ عناصرِ اربعہ مٹی، آگ، پانی اور ہوا کے جبلی اخلاقِ بخل، غرور، اغترار و شہرت پسندی اور حرص و ہوا کی کدورتیں نکال کر دل کو غنا و طہارت سے بھر دیتا ہے۔ جب یہ دل ہر طرح سے غنی اور پاک و صاف ہو جاتا ہے تو اس کی وسعتوں میں عالمِ ششجہات بھی سما جاتا ہے۔ ملکوت سے لائوت تک اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔

چرخ است حلقہ در دولت سرائے دل  
عرش است پر دہ حریم کبریائے دل  
گر گے زیر پوستِ نجون تو تشناست  
یوسف شود ز پر تو نور صفائے دل  
ما خود چہ ذرہ ایم کہ نہ مجمل سپہرا!!  
رقص الجمل کنند زبا تک درائے دل

ترجمہ: آسمانِ دل کے دولت سرائے کے دروازے کا حلقہ

(یا کڑی) اور عرش، دل کے حرمِ ربانی کا پردہ (ہی تو) ہے۔ وہ

بھیڑیا (نفس) جو درپردہ تیرے ہی خون کا پیاسا ہے، قلبی نورِ صفا کے پرتو سے یوسف جمال بن جائے گا۔ ہم خود تو ذرّۃٴ نا چیز ہیں، مگر سب آسمان اس جرسِ دل کی آواز پر قصہ الجمل کرتے ہیں (یعنی اونٹ کی طرح مستانہ وارنا پتے ہیں)۔

جب یہ صورت حال ہو تو پھر اس پاک دل کو دنیا بھر میں کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اب سننے حدیثِ پاک، جسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْأَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيمًا فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ  
بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ شِدَّةِ  
الْجِبَالِ فَقَالُوا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدَّ مِنَ  
الْجِبَالِ قَالَ نَعِمَ الْحَدِيدُ فَقَالُوا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ  
شَيْءٌ أَشَدَّ مِنَ الْحَدِيدِ قَالَ نَعِمَ النَّارُ فَقَالُوا يَا رَبِّ هَلْ  
مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدَّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعِمَ الْمَاءُ فَقَالُوا  
يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدَّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعِمَ  
الرِّيحُ فَقَالُوا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدَّ مِنَ  
الرِّيحِ قَالَ نَعِمَ ابْنُ آدَمَ تَصَدَّقْ صَلَاقَةً يَمِينِهِ يُخْفِيهَا مِنْ  
شِمَالِهِ (ترمذی شریف)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا، وہ کانپنے اور ڈولنے لگی۔ تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور انہیں زمین پر جم

جانے کا ارشاد فرمایا۔ فرشتے پہاڑوں کی شدت (دقت) پر حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی قوی ہے؟ فرمایا، ہاں! لوہا ہے۔ عرض کیا، پروردگار! تیری مخلوق میں لوہے سے بھی قوی تر کوئی چیز ہے؟۔ فرمایا، ہاں! آگ ہے۔ عرض کیا، اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں آگ سے بھی کوئی چیز زیادہ قوی ہے؟۔ فرمایا، ہاں! پانی ہے۔ عرض کیا، اے پروردگار! تیری مخلوق میں پانی سے بھی کوئی قوی ہے؟۔ فرمایا، ہاں! ہوا ہے۔ پھر عرض کیا، یا رب! کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ قوی کوئی ہے؟۔ فرمایا، ہاں! آدم کی اولاد ہے جو دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدق دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہو۔

### مقرَّبینِ بارگاہِ خداوندی پر نوازشات

اد پر کی بحث کا ما حاصل یہ ہے کہ انسانِ کامل (مقرَّبِ خدا یا ولی اللہ) اپنی لطافتِ روحانی کے سبب کائنات کی ہر مخلوق سے قوی تر ہے۔ اب یہاں بخاری شریف کی حدیثِ مقدسی دیکھئے۔ اسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ

عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ  
سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي  
يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي آغَطْتُهُ  
وَلَكِنِ اسْتَعَاذَنِي لَا عَيْدَنَّهُ

ترجمہ: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کے خلاف  
اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اور میرے بندے نے فرائض سے زیادہ  
محبوب چیز کے ساتھ میری نزدیکی نہیں ڈھونڈی۔ اور میرا بندہ  
نوافل کے ساتھ میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبوب  
بنالیتا ہوں اور پھر جب اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی  
بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں  
جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ  
چکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر  
وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کر دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ  
سے پناہ مانگے تو البتہ میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

الْعَبْدُ إِذَا وَاطَّبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ إِلَى الْمَقَامِ الَّذِي  
يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا فَإِذَا صَارَ نُورًا  
جَلَّالِ اللَّهِ تَعَالَى سَمْعًا لَهُ سَمِعَ الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَإِذَا  
صَارَ ذَلِكَ النُّورَ يَدًا لَهُ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي الصَّعْبِ

وَالسَّهْلِ وَالْيَعِيدِ وَالْقَرِيبِ .

ترجمہ: بندہ جب ہمیشہ اطاعت میں لگا رہتا ہے تو اس مقام تک پہنچتا ہے جس کی نسبت اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں خود اس کے کان، آنکھ ہو جاتا ہوں تو جب جلال الہی کا نور اس کا کان ہو جاتا ہے تو بندہ نزدیک اور دور سب سنتا ہے۔ اور جب وہ نور اس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو بندہ دور و نزدیک سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو بندہ سہل و دشوار، دور و نزدیک میں تصرف کرتا ہے۔

پھر خدا کے نور سے دیکھنے والے کو کسی آلے کی احتیاج کیونکر ہو، وہ تو تحت و بالا اور شرق و غرب کو اسی روشنی سے ملاحظہ فرما رہا ہے۔ خدا کے نور سے سننے والا برق و بخارات کا ممنون کیوں ہو، وہ تو سننے میں 'آواز' کا بھی محتاج نہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نطق آب و نطق باد و نطق گل

ہست محسوس حواس اہل دل

یعنی اہل دل تو پانی، ہوا اور مٹی کی باتیں (یا فریادیں) بھی سنتے ہیں۔

## معجزات و کرامات کی اہمیت:

خداوند قدوس کی عطا کردہ قوتوں کا ظہور انبیاء کرام علیہم السلام سے ہو تو معجزہ ہے اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ سے ہو تو کرامت۔ ولی کو کرامات اپنے نبی کی سچی اطاعت ہی

کے طفیل عنایت ہوتی ہیں، لہذا ولی کی کرامت نبی کا معجزہ بھی ہوتی ہے۔ معجزہ ہو کہ کرامت، بنیاد خرق عادت پر ہے۔ دونوں سے عظمتِ خدا و رسول عیاں ہوتی ہے، مقامِ مقربین کا اظہار ہوتا ہے اور عقیدہ و ایمان میں پختگی آتی ہے۔ ظاہر ہے جب ایک نبت پرست، بتوں کو بھی نبی کا کلمہ پڑھتے دیکھے گا، شمس و قمر اور اجرام فلکی کو موسیٰ حقیقی ماننے والا، انہیں خدا کے محبوب بندے کے اشارہ ابرو پر قہر کرنا دیکھے گا اور زمانے ہی کو سب کچھ سمجھنے والا (دہریہ) اسے نبی کے سامنے مجبور و بے بس پائے گا تو لامحالہ اللہ جل شانہ کی خالقانہ عظمتوں کا قائل ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ فطرتِ سلیم کا کچھ نہ کچھ حصہ اسے ملا ہو۔ یونہی جو شخص خدا کو مانتا ہے نہ اس کے رسول کو جانتا ہے، رسول کے مطیع و فرمانبردار کی طاقت کا کرشمہ اسے خدا کا بھی قائل کر دے گا، رسول کا بھی۔ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

دور جدید میں کمالاتِ ولایت کے انکار نے بہت سے فتنوں کو ہوا دی ہے۔ یہ عام تجربہ ہے کہ جو لوگ ولی کے کمالات سے منہ پھرتے ہیں وہ 'نبی' میں بھی وحی کے سوا کسی کمال کے قائل نہیں۔ پھر ان کی کم نظری دیکھیں کہ انبیاء و اولیاء کے کمالات کو تسلیم کرنے کے ڈانڈے شرک سے جا ملائے۔ حالانکہ مومن اللہ ذوالجلال کو قادرِ مطلق، موسیٰ حقیقی اور تمام طاقتوں کا مالک مانتا ہے۔ جبکہ اس کے مقبول و مقرب بندوں کو فقط اس کی صفات کا مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ)۔

## قرآن پاک اور کرامت:

یاد رہے کہ کرامات و صہراتِ اولیاء کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ قرآن

کا اعلان سنئے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَىٰ مَا..... (الحجرات۔ آیت ۱۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ کرامت (عزت) والا ہے وہ جو تم میں زیادہ متشی ہے۔

قرآن پاک ہی کی رو سے اولیاء اللہ سب متشی ہیں:

إِنَّ أَوْلِيَاءَهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ..... (الانفال۔ آیت ۳۳)

ترجمہ: اس کے اولیاء تو پرہیزگاری ہیں (کنز الایمان)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

إِلَّا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝.....

(یونس۔ آیت ۶۳، ۶۴)

ترجمہ: سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ وہ

جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

تو جو دلی ہے، متشی ہے اور جو متشی ہے اپنے مرتبے کے مطابق صاحب کرامت ہے۔

قرآن حکیم نے اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات بیان کیے ہیں تو اولیاء کرام علیہم السلام

کی کرامات کا واضح بیان بھی اس میں موجود ہے۔ یہاں صرف چند کرامات کو ملاحظہ کیجئے

(تمام کو بیان کیا جائے تو مضمون خاصا طویل ہو جائے):

..... قرآن حکیم میں جناب سلیمان علیہ السلام کی اُمت کے ایک ولی کی کرامت کو بڑے

اجتہام سے بیان کیا گیا۔ پس منظر یہ ہے کہ سب کی ملکہ بلقیس دربار سلیمانی میں حاضر



ہونے کے لیے اپنی راجدھانی سے روانہ ہو چکی ہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی یہ خواہش ہے کہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کا تخت یہاں موجود ہو۔ چنانچہ آپ اپنے ارادے کا اظہار فرماتے ہیں تو

قَالَ عِفْرِيْتُ " مَنْ الْجِنُّ آتَا إِلَيْكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ... قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي قَدْ..... (المنزل)

ترجمہ: ایک بڑا جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخواست کر دیں اور میں اس پہ قوت والا امانتدار ہوں۔ (پھر) اس نے عرض کیا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے، پھر جب سلیمان نے تخت اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک مہینے کی راہ سے چشم زدن سے پہلے ساتویں ایوانِ مقفل میں سے یہ تخت لانے والے حضرت آصف بن برخیا تھے جو گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ولی تھے۔ قیاس فرمائیے کہ جناب سلیمان علیہ السلام کی امت کے ولی کا یہ مقام ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ولی کی شان کیا ہوگی۔

۲..... قرآن نے ہمیں جناب مریم رضی اللہ عنہا کی کہانی بیان کرتے ہوئے یہ خبر بھی دی کہ جب جناب زکریا علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے تو گرمیوں کے موسم میں سردیوں والا پھل اور سردیوں کے موسم میں گرمیوں والا پھل دیکھتے (وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا)۔ چنانچہ پوچھتے، يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا یعنی اے مریم! یہ میوے تمہارے

پاس کہاں سے آئے؟ وہ جواب دیتیں، هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط (ال عمران آیت ۳۷)۔ یعنی وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ اب مریم رضی اللہ عنہا خلیفہ بنیں تو نہیں تھیں کہ کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آپ ولیہ تھیں۔

۳..... سورۃ الکہف کی آیات ۲۹ تا ۲۵ کا مطالعہ کیجئے، جن میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف اور ان کے کتے کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اہل انجیل کی حالت آہتر ہو گئی۔ ان پر دقیانوس بادشاہ تھا جو بڑا جاہل اور بت پرستی پہ مجبور کرتا تھا۔ اصحاب کہف وہاں سے بھاگے اور قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہوئے۔ وہاں سو گئے اور تین سو برس سے زیادہ عرصہ تک اسی حالت میں رہے۔ بادشاہ نے معلوم کر لیا اور غار کا دہانہ بند کرادیا کہ مر جائیں۔ اللہ نے ان کو زندہ رکھا۔ خدا کی قدرت سے وہ کرۂ زمین بدلتے رہے:

وَنُقَلِّبُہُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشَّمَالِ قِ وَ كَلِّمُہُمْ

بَاسِطٌ ذُرَّاعِیْہِ بِالْوَصِیْدِ ط..... (الکہف۔ آیت ۱۸)

ترجمہ: اور ہم ان کی وہی بائیں کرۂ زمین بدلتے ہیں اور ان کا کتہ اپنی

کلنیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کی چوکھٹ پر۔ یہ تمام کام عادات

کے خلاف ہیں اور ظاہر ہے کہ کرامت ہے اصحاب کہف کی

۴..... سورۃ کہف ہی میں جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب خضر علیہ السلام کا واقعہ درج ہے:

فَاَنْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا قَالَا

اَخْرَقْتَهَا لِنُفْرَقَ اٰھلہَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْءًا اٰمْرًا

..... (الکہف۔ آیت ۷)

ترجمہ: دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو  
حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے  
فرمایا کہ کیا تم نے اس لیے توڑ دیا کہ کشتی والے ڈوب جائیں۔

اس آیت میں حضرت خضر علیہ السلام جو کہ غالباً کسی قوم کے ولی ہیں، کی یہ  
کرامت بیان ہوئی کہ انہوں نے کشتی کو توڑ ڈالا مگر کشتی نہ ڈوبی۔

۵..... وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا..... (الکہف: آیت ۸۲)

ترجمہ: اور خضر (علیہ السلام) نے کہا کہ اس دیوار کے نیچے دو تہیموں کا  
خزانہ ہے اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

اس آیت میں جناب خضر علیہ السلام کی یہ کرامت بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے دیوار کے  
نیچے کا دہنیہ معلوم کر لیا۔ خیال فرمائیے! ولی دیوار کے نیچے کی خبر رکھتا ہے تو اب اگر کوئی یہ  
کہے کہ نبی کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں (جیسا کہ نے کہا) تو وہ بد بخت نہیں تو  
اور کیا ہے۔

یہاں ہم نے قرآن سے اولیاء کی کرامات کا ذکر کیا ہے، وہ بھی محض پانچ  
آیات سے، اگر مزید آیات سے اس مضمون کو بیان کیا جاتا یا پھر احادیث سے کرامات  
اولیاء پر روشنی ڈالی جاتی تو نہایت ضخیم کتاب تیار ہو جاتی، تاہم انہی پر اکتفا کیا جاتا  
ہے۔ (مصنیف لہذا میں دیگر مقامات پر، اس ضمن میں لاتعداد آیات و احادیث بیان  
ہوئی ہیں)۔

سائنس اور کرامت

مکرمین کمالاتِ محبوبانِ خدا نے جدید سائنسی کمالات پر غور نہیں کیا۔ اگر ریڈیو اور ٹیلی ویژن دور تک آواز پہنچا سکتے ہیں اور شکل دکھا سکتے ہیں تو آخر محبوبانِ خدا جو خدا کے نور سے دیکھتے اور سنتے ہیں، کی بے پناہ قوتِ سماعت و بصارت سے انکار کیوں؟ مقامِ حیرت ہے کہ برقی لہروں کی قوت پر یہ ایمان اور خدا کے نور کی طاقت سے یکسر انکار:

۱۔ خامہ انگشتِ بدنداں ہے اسے کیا لکھنے

ناطقہ سر بگمیاں ہے اسے کیا کہنے

نورِ خدا کی عظمت کے انکار نے اس طبقے کو نورِ تو حید سے محروم کر دیا ہے، ورنہ جو چیزیں خود دلِ انہلِ تو حید ہیں، ان سے کیوں پھرتے۔ ذرا غور فرمائیے، ایک آدمی چند گز تک دیکھ سکتا ہے، دوسرا چند فرلانگ تک، تیسرا اس سے بھی آگے اور ایک وہ ہے جس کی نظر کائنات کی سرحدیں چھو رہی ہے۔ اگر چند گز یا چند فرلانگ تک دیکھنے سے شرک نہیں ہوا تو کتنا عالم تک دیکھنے سے کیسے شرک ہوا؟۔ بتائیے! شرک کا فتویٰ دیکھ سکتے پر ہے یا فاصلے پر؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک ہی کام ایک فاصلے تک تو حید کے منافی نہ ہو، ذرا آگے بڑھے تو منافی ہو جائے۔ یاد رکھئے! اگر مطلقاً دیکھنا شرک نہیں تو دور دور تک دیکھنا بھی شرک نہیں۔ شرک اس صورت میں ہوگا جب یہ دیکھنا، ہننا خدا کے فضل و قدرت کے بغیر مانا جائے اور ہمارے نزدیک تو محبوبانِ حق کے تمام کمالات کا باعثِ خدا کا نور، ارادہ اور لطف و کرم ہے۔

۲۔ بیاں میں نکلتے تو حید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں سچا نہ ہو تو کیا کہئے

حیرت بالائے حیرت ہے کہ جس انسان کو قرآن نے وَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا

بَصِيرًا (اور ہم نے اسے سمجھ بھیر بنایا) فرمایا، دور حاضر کے نام نہاد مفتی اس کی 'سماعت و بصارت' کے درپے ہیں۔ حالانکہ ربّ کریم نے وَجَعَلْنَاہُ (اور ہم نے اسے بنایا) فرما کر تمام شکوک و شبہات اور اعتراضات والزامات کو ختم فرمادیا کہ جب انسان کو سماعت و بصارت کی بے پناہ طاقتیں عطا فرمانے والا میں خود ہوں تو کیا اپنے طرز فکر و عمل سے تم میرے قادر مطلق ہونے کی نفی کر رہے ہو؟

یہاں کتابِ حلیم جدید کا چینج سے ایک ضروری اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”پھر یہ مخصوص ذرائع ادراک صرف مشینی آلات تک محدود نہیں بلکہ حیوانوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فطرت نے خود ذی حیات اشیاء کے اندر ایسی طاقتیں رکھی ہیں۔ بے شک عام انسان کے حواس بہت محدود ہیں مگر جانوروں کے حواس کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کتا اپنی متحسس ناک سے اس جانور کی بوسنگھ لیتا ہے جو راستہ سے نکل گیا۔ چنانچہ کتے کی اس صلاحیت کو جرائم کی کفایت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چور جس نالے کو توڑ کر کمرے میں گھسا ہے، اس نالے کو جاسوسی کتے (Scott Dog) کو سونگھایا جاتا ہے اور اس کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ سینکڑوں انسانوں کے درمیان ٹھیک اس شخص کو تلاش کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے جس نے اپنے ہاتھ سے نالے کو چھوا تھا۔ کتنے جانور ہیں جو ایسی آوازیں سنتے ہیں جو ہماری قوتِ سماعت سے باہر ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جانوروں میں اشراق (Telepathy) کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ایک ماہ پتنگے (Moth) کو کوٹھے میں کھلی کھڑکی کے پاس رکھ دیجئے، وہ کچھ مخصوص اشارے کرے گی۔ یہ اشارے اسی نوع کے نر پتنگے حیرت انگیز

فاصلے سے سن لیں گے اور اس کا جواب دیں گے۔ جھینگرا اپنے پاؤں یا پیرا ایک دوسرے پر رگڑتا ہے۔ رات کے سناٹے میں آدھے میل دور تک یہ آواز سنائی دیتی ہے، یہ چھ سوٹن ہوا کو ہلاتا ہے اور اس طرح اپنے جوڑے کو بلاتا ہے۔ اس کی مادہ جو بظاہر بالکل خاموش ہوتی ہے مگر پراسرار طریقہ پر کوئی ایسا بے آواز جواب دیتی ہے جو رتک پہنچ جاتا ہے۔ نر اس پراسرار جواب کو جسے کوئی بھی نہیں سنتا حیرت انگیز طور پر سن لیتا ہے اور ٹھیک اسی سمت میں اس کے مقام پر جا کر اس سے مل جاتا ہے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک معمولی ٹڈے (Grasshopper) کی قوتِ سماعت اس قدر تیز ہوتی ہے کہ ہائیڈروجن کے ایٹم کے نصف قطر کے برابر کی حرکت تک کو وہ محسوس کر لیتا ہے۔“

فرمائیے! جانوروں کی قوتِ سماعت و بصارت پر ایمان لانے والے انسان کو اشرف المخلوقات مانتے ہوئے بھی اس کی قوتوں سے انکاری کیوں؟

## خرقِ عادت کے متعلق یورپی علماء کی رائے

۱۸۶۹ء میں لندن میں ایک بڑی مجلس خرقِ عادت کی تحقیقات کے لیے منعقد ہوئی، اس مجلس کے ارکان یہ تھے:

سرجان لیک ممبر پارلیمنٹ (صدر انجمن)، پروفیسر ہکسلی (طبیعیات کا سب سے بڑا عالم)، لوئیس (فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم)، الفریڈ ویلز (ڈارون کا ہم عصر اور مسئلہ ارتقاء میں براہِ کار شریک)، مارگن (مجلسِ علوم ریاضیہ کا صدر)، جان کوکس (امپیریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر) اور بہت سے فضلا۔ ۱۸ ماہ تک تحقیقات

کے بعد جو رپورٹ مرتب کی گئی، اس کے بعض فقرے یہ ہیں:

”مجلس نے اپنی رائے کا مدار صرف ان تجربوں پر رکھا جو مجلس نے برائی العین مشاہدہ کیے اور جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجلس میں ۴/۵ چار ختم ممبر ایسے تھے جو شروع میں ایسے واقعات کے سخت منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات میں فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے۔ لیکن نہایت دقیق اور مکثر تجربوں کے بعد ان کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور واقعی ہیں۔“

پھر ۱۸۹۹ء میں برطانیہ اور امریکہ میں ہنریوب اور ہوڈسن کی صدارت میں قائم کردہ مجلس نے بارہ سالہ تحقیق کے بعد ان (خرق عادت) واقعات کی صحت کا اعتراف کیا۔ ہوڈسن نے کہا:

”میں نے اور پروفیسر ہنریوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کیں۔ ہم دونوں دہریہ تھے اور کسی شے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ تحقیقات سے ہماری یہ غرض تھی کہ مدعیانِ روحانیت جو شعبدہ بازیاں کرتے ہیں، ان کی پردہ دری کی جائے۔ لیکن آج میں اس بات کا قائل ہوں کہ مردوں سے بات چیت ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق ایسے دلائل ظاہر ہو چکے ہیں کہ اب شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی۔“

ڈاکٹر جارج سکسٹون روحانیت کا مخالف تھا۔ اس نے صرف اس غرض سے کہ مدعیانِ روح کی شعبدہ بازیوں کا پتا لگ جائے، اس طرف توجہ کی اور پندرہ برس تک اس تک دو میں رہا لیکن بالآخر اسے کہنا پڑا:

”میں نے خاص اپنے گھر میں جہاں میرے احباب کے سوا اور کوئی موجود نہ

تھا، بغیر کسی درمیانی واسطہ کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا۔ جن لوگوں سے بات چیت ہوئی وہ ہمارے مرے ہوئے عزیز و اقارب تھے۔“

رسل ویلز (ڈارون کا ہم پلہ) اپنی کتاب ”عجائبِ روح“ میں لکھتا ہے:

”میں محض دہریہ تھا اور اپنے اس مذہب پر بالکل قانع۔ مجھ کو ذرا بھر بھی خیال نہ تھا کہ میں روح کا معترف ہو سکوں گا۔ یا اس بات کا قائل ہو سکوں گا کہ اس عالم میں مادہ کے سوا اور بھی کوئی چیز اثر پیدا کر سکتی ہے۔“

ان کے علاوہ پروفیسر ایسٹ (امریکی سائنس دان، سائنس دان، صدر)، زولز (مشہور جرمن ہیئت دان، اوراقِ علمیہ کا مصنف)، ویلبر فیشر، وینڈنٹ نے بھی طویل تحقیقات کے بعد روح کے ساتھ عجیب و غریب کرشموں کا اعتراف کیا۔ ۱۸۹۱ء میں ایک علمی کانفرنس میں پروفیسر لودج (ایک بڑا ریاضی دان) نے اپنے لیکچر میں روحانیت کا اعتراف کیا۔

۲۲ جون ۱۸۹۵ء میں پروفیسر دروناش نے ایک کانفرنس میں تقریر کرتے کہا:

”یہ خرق عادات جو اس وقت ہم نے مشاہدہ کیے اور جن کے ذکر سے ان لوگوں کو طیش آ جاتا ہے جو اپنے آپ کا عالم خیال کرتے ہیں اور جزئی مباحثِ علمیہ پر گفتگو کیا کرتے ہیں، انہی متواتر مشاہدات کے سلسلہ میں داخل ہیں جو ایک مدت سے ہمارے تجربے میں آرہے ہیں اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے۔“

۱۸۹۳ء میں بمقام میلان ایک بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے ممبر الگرینڈرگز الوف، جیوفانی، کارل دوپل، جرمنی کے مشہور ڈاکٹر جیوزوب جیروزا، فزیکل سائنس کے پروفیسر شارل ریشیہ، فرانس کے طبی کالج کے پروفیسر وغیرہم تھے۔ ان کی رپورٹ یہ تھی:



”جن خرق عادات کو ہم نے مشاہدہ کیا، ان میں کسی قسم کی شعبہ بازی اور چالاکی نہیں تھی اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ مسائلِ علمیہ میں داخل کیے جائیں۔“  
اس قسم کی صدہا شہادتیں ہیں۔ ہم بوعلی سینا کی رائے پر اکتفا کرتے ہیں۔ انہیں بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار رہا لیکن جو صوفیاء کرام اس زمانہ میں موجود تھے، ان کی کرامات اس کثرت سے ان کے مشاہدہ میں آئیں کہ بالآخر ان کو اعتراف کرنا ہی پڑا کہ خوارق عادات و کراماتِ صوفیاء سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔

**ماحصل:** حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم السلام کی خدا داد قوتیں دراصل اطاعتِ الہی کے ثمرات ہیں۔ جو لوگ ان کی مخصوص طاقتوں کا انکار کرتے ہیں، انہیں گویا ایمان، نبوت اور اطاعتِ الہی میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی۔ یہ عقل و دین کے دشمن اپنے اپنے بغض کے مطابق صَمَّ بُمْكُمْ عُمَى فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ کے مصداق ہیں۔

اب آخر میں امام الاولیاء سیدنا غوثِ اعظم الشیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ارشادِ عالیشان اور پھر سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ علیہ کے ایمان افروز فیصلے پر اس بحث کو سمیٹا جا رہا ہے۔

**سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشادِ پاک:** اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں فرمایا:

اے ابنِ آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں کسی چیز کو کہتا ہوں کُنْ (یعنی ہو جا) تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو میری اطاعت کر، میں تجھے یہ شان دے دوں گا

کہ تو بھی کسی چیز کو شکن کہے گا تو وہ ہو جائے گی۔“

**سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:** ’کشف المحجوب‘ کا ایمان افروز اقتباس  
ملاحظہ کیجئے:

”اور اللہ تعالیٰ نے برہان نبوت کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کرام کو اس  
برہان کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ مسلسل آیات و حجج صداقت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ  
والسلام پیوستہ طریق پر ظاہر و باہر رہیں۔۔۔۔۔ ان چار ہزار اولیاء کرام میں جو ارباب حل  
و عقد ہیں، جنہیں سرہنگان درگاہ حق تعالیٰ کہا جاتا ہے وہ تین سو نفوس قدسی ہیں جنہیں  
اصطلاح تصوف میں اخیر کہتے ہیں اور چالیس وہ ہستیاں ہیں جنہیں ابدال کہتے ہیں  
اور سات وہ ہیں جنہیں ابرار کہتے ہیں۔ چار وہ ہیں جنہیں اوتاد کہتے ہیں۔ تین وہ ہیں  
جنہیں نقیب کہتے ہیں۔ ایک وہ ہے جو قطب کہلاتا ہے، اسے غوث بھی کہتے ہیں۔“

(نوٹ: اس تمام مضمون کی تیاری میں قرآن و کتب حدیث کے علاوہ تصنیف  
لطیف انوار لائانی، اور کسی حد تک ’شان اولیا‘ سے استفادہ کیا گیا ہے) اس طویل تمہید  
کے بعد اب حضور سیدی مقلد اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات پیش کی جاتی ہیں۔

## حضور مقلد اسلام قدس سرہ کی کرامات

اولیاء اللہ علیہم الرحمہ ہر شے پر اتباع شریعت کو اولین ترجیح قرار دیتے ہیں۔ ان  
کے نزدیک استقامت کرامت سے افضل ہے (الْإِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكِرَامَةِ) ان کے  
ہاں سبب پاک کی پیروی اس حد تک کرنا کہ شرع مطہر کے باریک ترین تقاضے بھی ملحوظ  
رکھے جائیں، خود سب سے بڑی کرامت ہے۔ میرے حضور قبلہ عالم قدس سرہ العزیز نے

جس طرح شریعتِ مطہرہ کے باریک ترین تقاضوں کو ٹھونڈا خاطر رکھا اور اتباعِ سنت کی جو درخشندہ مثالیں قائم کیں اور اشاعتِ دین کے سلسلہ میں جو صعوبتیں برداشت کیں اور اس ضمن میں استقامت و عزیمت کا جو عظیم الشان مظاہرہ کیا وہی آپ کی عظیم ترین کرامات ہیں۔ اور ان کرامات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ یہاں نامور عالمِ دین علامہ ڈاکٹر رضاء الدین صدیقی صاحب (ڈائریکٹر ادارہ 'زاویہ' لاہور) کا ایک خوبصورت بیان بھی ملاحظہ فرمائیے:

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں استقامت بالمدین عطا فرمائی تھی، یہ توفیق خداوندی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ پہلے زمانے میں بھی محدث ہوا کرتے تھے اور میری امت کا محدث عمر ہے تو اس امت میں بھی محدث ہوتے ہیں۔ محدث اسے کہتے ہیں جو صاحبِ الہام ہو۔ صاحبِ الہام وہ ہوتا ہے کہ اللہ کی توفیق سے خیر کی کوئی بات اس کے دل میں القا ہو۔ اور جب وہ کوئی بات کرے تو پھر اس کی بات پوری بھی ہو تو آپ یہ دیکھیں کہ قبلہ آسی صاحبِ دین کی ترویج و اشاعت کے لیے جہاں بھی جاتے تھے، خیر و برکت ہوتی تھی (یعنی آپ صاحبِ الہام تھے، جس کا درجہ کشف و کرامت سے کہیں بڑھ کر ہے)۔ یقیناً یہ توفیقِ الہی ہے۔۔۔ آسی صاحب، صاحبِ استقامت انسان تھے۔ یاد رکھیے کہ جو لوگ معاملات کو ایک تسلسل کے ساتھ جاری رکھتے ہیں اور اپنے موقف پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں، ان میں کبھی لچک نہیں آتی، ایسا بجز توفیقِ خداوندی کے نہیں ہوتا۔ ایسا شخص تائبِ الہی میں ہے، حفاظت و سیادتِ الہی میں ہے۔۔۔“

بہر حال حضور مفلکِ اسلام قدس سرہ النوانی کی چند دیگر کرامات یہاں ہدیہ قارئین

ہیں۔ یاد رہے کہ آپ سے کثیر تعداد میں کرامات کا ظہور ہوا۔ ان سب کا احاطہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ پھر آپ کسمانہ حال کا بہت خیال رکھتے تھے۔ 'اتھنا' کے طریق پر جس طرح آپ گامزن نظر آئے، کم از کم اس دور میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

۱۔ حاشیہ: حضرت سیدنا محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کرامت چھپانے کو لازمی قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "کرامت ظاہر کر کے کتو رسوا نہ ہو جا"۔ حضرت سیدنا محمد والف باقی قدس سرہ کا بھی یہی نظر یہ ہے۔ آپ کے نزدیک بعض اولیا کو اپنی کرامات کا علم بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود ان سے لانا ہو جاتی ہیں۔ اکثر ان کا ارادہ بھی نہیں ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کرامت کو چھپانا لازم یا بہتر ہے تو پھر اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کی کرامات کیوں ظاہر ہوئیں۔ اس کی چند حکمتیں یہ ہیں۔

۱۔ کرامت سے دلالت دینی ظاہر ہوگی، یہ دوسرے لوگوں پر رحمت خداوندی کا ظہور ہے۔ یعنی اللہ چاہتا ہے کہ عام لوگ ان اولیا کو اپنی طرح سمجھ کر کہیں ان کے بے ادب و نافرمان نہ بنیں اور ان کو موقع فیض نہ ملیں۔

۲۔ کرامت سے شہرت کا خطرہ ہوتا ہے اور شہرت کئی الجھنوں اور رکاوٹوں کا موجب ہے۔ جب اس نقطہ نظر سے دینی کرامت چھپانا ہے تو اس کو بڑی مہنت ہے۔ سب اللہ خود اس کی کرامات کو ظاہر کرویتا ہے اور الجھنوں اور رکاوٹوں کا خطرہ بھی ٹل جاتا ہے۔ اس مقام کے اولیا سراپا کرامت ہو جاتے ہیں اور ان کے ارادے سے نہیں بلکہ اللہ کریم کے ارادے سے کرامتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔

۳۔ شہرت جو کہ مرئی ہوتا ہے، اپنے زیر اثر بیت مرید کو ربانی انعامات و نوازشات کا مشاہدہ کرنا ہے۔ تاہم اس کے فوق و شوق میں اضافہ و اور شہرت کے بارے میں اس کے اعتقاد و کھوت بہت بھی ملے۔ (جو اس کی کامیابی کے لیے ضروری ہے)۔

۴۔ کبھی اسلام کے وفات کے لیے بھی ایسا کرنا پڑتا ہے جیسے حضور نبی پاک رضی اللہ عنہ نے ایک پیرائی کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضور پاک ﷺ کی انصافیت ثابت کرنے کے لیے مردہ زندہ کیا (چنانچہ پیرائی مسلمان ہو گیا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں اولیا کی ہیرت، خصوصاً کرامت کا بڑا حصہ ہے۔

۵۔ ان کرامتوں سے اسلام و قرآن کے وفات کے ساتھ اسلامی مملکتوں کی حفاظت و مضبوطی بھی ممکن رہی ہے۔ مثلاً 1965ء کی جنگ میں اناج و نقد سر کی امداد کے بے شمار واقعات اس کا ثبوت ہیں۔

کبھی بھی اپنے مراتب بلند اور کرامات و تصرفات کسی پر ظاہر کرنے کی کوشش

نہیں کی بلکہ انہیں چھپانے کی پوری پوری سعی فرمائی۔ مگر قدرت کا اپنا نظام اور انداز بھی تو ہے۔ آپ اپنی کرامات پر پردہ ڈالتے رہے، کرامتیں عطا فرمانے والا انہیں واضح کاف

کرتا رہا۔ آپ تصرّفات سے بچتے رہے، حصّہ فِ حقیقی خود انہیں کونا کون طریقوں سے نوازتا رہا۔ انہوں نے ہمیشہ عاجزی و انکساری کو اپنائے رکھا مگر بڑائی دینے والے رب اکبر نے انہیں 'شمس العرفا' اور 'مقلِّدِ اسلام' کہلوا دیا۔ آپ کی ایک ایک کرامت میں کئی کئی کرامات کا ظہور ہوتا مگر مجال تھی کسی کی کہ کسی بھی طریقے سے آپ کی کرامت کو بیان کر پاتا۔ دھر کسی نے یہ حرکت کی ادھر آپ نے مخصوص انداز سے سرزنش فرمادی یا کبھی بات نال دی یا کوئی اور بات چھیڑ دی۔ قدرت نے بھی اس بلند اہمیتی کا خوب صلہ دیا۔ مثلاً کثیر تعداد میں کرامات کا ظہور۔ اس صورت میں خود اندازہ کیجئے کہ ان کو کون اور کیسے لکھتا۔ پھر کرامات دیکھنے والوں میں سے کتنے ایسے ہوتے ہیں جو کرامت کو مختلف زاویوں سے دیکھنے والے، ہر پہلو کو سمجھنے والے اور کما حقہ بیان کرنے کی قدرت رکھنے والے ہیں؟ پھر زبانی بیان کرنا کچھ اور ہے اور معرضِ تحریر میں لانا کچھ اور۔ خیال فرمائیے! حضور مقلِّدِ اسلام قدس سرہ کے لاکھوں ارادتمند و طین عزیز کے طول و عرض میں اور بیرون ملک موجود ہیں مگر یہاں سینکڑوں کی بھی نہیں صرف چند ایک کی بیان کردہ کرامات کا ذکر ہے۔ چنانچہ یہ مختصر مواد ہی سہی تاہم مشنت نمونہ از خروارے کا حکم رکھتا ہے۔ مستند و معتبر ترین باتیں ہی نذر قارئین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کرامات کی اچھی خاصی تعداد اوراقِ گذشتہ میں مذکور ہو چکی ہے۔ عنوان کی مناسبت سے دوبارہ انہیں یہاں تحریر کیا جا سکتا تھا تاہم تکرار کو مناسب نہیں سمجھا گیا۔ ملاحظہ فرمائیے، چند عنوانات کے تحت چند کرامات و تصرّفات حضور مقلِّدِ اسلام قدس سرہ:

### بادلوں پہ حکومت

☆..... یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور نے 'شبان بزم لائٹانی' بنا کر اور نو جوان علما کے وفد تشکیل دے کر مختلف علاقوں کی طرف بھیجے گا بڑے پیمانے پر اہتمام فرمایا تا کہ دور دراز کے دیہاتوں میں لوگوں کی اصلاح احوال کی تدابیر ہوں۔ ۱۳ اگست ۲۰۰۰ء کو مولانا غلام مرشد صاحب کو مع دو ساتھیوں کے موضع ساؤلہ (شکر گڑھ) بھیجا۔ یہاں پورا گاؤں بلکہ اردگرد کے دیہات سے خاصی بڑی تعداد میں عوام الناس اکٹھے تھے۔ نہایت بہترین

اصلاحی تقاریر ہوئیں بہت سے لوگوں نے نمازی بننے اور شعائر اسلامی پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ تبلیغی وفد ان تبلیغی فتوحات پر خاصا مسرور تھا۔ واپسی پر جب پکالہ موڑ کے قریب پہنچے تو ایک رکن نے کہا کہ اہل دیہہ بارش کے لیے پریشان ہیں اور ان کی شدید خواہش تھی کہ بارش ہو۔ غلام مرشد صاحب بڑے جذبے کے ساتھ بولے کہ ہم جس مردِ کامل کے غلام ہیں، ان کے طفیل اللہ کریم آج ضرور بارش نازل فرمائے گا اور پھر اسی مستی کے ساتھ اپنے شیخ کی طرف توجہ کر کے نزولِ بارش کی التجا کی۔ غلام مرشد صاحب اور ساتھی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ جب دعا و مناجات شروع کیں تو دھوپ تھی۔ پھر اثنائے دعا میں بادل بھی آگئے اور بوند ابارندی بھی شروع ہو گئی۔ کرم و رحمت کی اس صورتحال پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر غلام مرشد صاحب عرض گزار ہوئے، اے

(۱)۔ فرضی نام (ان کی اپیل پر)

مالک و مولا، جن کے طفیل دعا کی ہے اور جنہیں وسیلہ بنایا ہے، وہ کوئی معمولی شخصیت تو نہیں، کھل کر بارش ہو۔ پھر یکا یک اتنی تیز بارش ہو گئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔

سچ فرمایا تھا سچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے:

بِهِمْ تَغَاثُونَ وَ بِهِمْ تُرَزَقُونَ وَ بِهِمْ تَمْطَرُونَ

(جامع الحدیث والحدیث، ۱۷۹۵ء، الامام مع النعمان ابن الجعفی، تصغیر و ترمیم، ۱۰۹/۶، ۱۰۹ء، ص ۱)

حجرتی ۱۰۹/۶، ۱۰۹ء، ص ۱ (مترجم: رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ان ہی (اولیاء) کی بدولت تمہاری فریادیں سنی جائیں

گی، ان کے سبب رزق پاؤ گے اور ان ہی کی برکت سے بارش ہو

گی۔

☆..... صوفی تنویر احمد صاحب، حضور مقلد اسلام قدس سرہ کے نہایت منظور نظر خادم ہیں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول شریف کا دن تھا۔ شکر گڑھ میں حضور قدس سرہ کی قیادت میں میلا دشریف کا جلوس رواں دواں تھا۔ سخت گرمی کا دن تھا، تاہم جب جلوس موضع دین پور پہنچا تو آپ کے سر اقدس کے عین اوپر بادل سایہ نکلن ہو گیا۔ جس نے تمام شرکاء جلوس کو بھی اپنے سایے میں لے لیا۔ اب جدھر حضور تشریف لے جاتے، بادل ادھر ہی چلتا۔ یوں تمام لوگ آپ کے زیر سایہ خاصے آرام میں رہے۔ اور بہت سے لوگوں نے اس صورتحال کو محسوس بھی کر لیا کہ آپ کی برکت سے ہی ایسا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ عالی شان کی صداقت بھی مزید واضح ہو گئی کہ:

تَعِشُوا فِيْ اَكْنَا فِيْهِمْ..... ( )

ترجمہ: ان (اولیاء اللہ) کے پاس تم عیش میں رہو گے۔

☆..... ایسے ہی ایک واقعہ کے راوی جناب حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) بھی

ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ سخت گرمی کے موسم میں حضرت صاحب کو راولپنڈی جانا تھا۔  
ناسازی طبع کے سبب آپ کا اتنی گرمی میں جانا ہمارے لیے پریشان کن تھا۔ تاہم ہماری  
حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ آغاز سفر ہی میں ایک بادل ہمارے اوپر سایہ  
فلقن ہو گیا جس نے گرمی کے احساس تک سے ہمیں بے نیاز رکھا۔ اور جب راولپنڈی  
پہنچے تو بارش شروع ہو گئی۔ **قَلْبُہُ اَلْمَد**

☆..... حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) ایک اور واقعہ سناتے ہیں کہ میں شکر گڑھ  
حضور کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ مطالعہ فرما رہے تھے۔ ان دنوں بارش کی اشد ضرورت  
تھی۔ اور میں دعا کے لیے عرض کرنا چاہتا تھا۔ تاہم آپ کی جلالت کے پیش نظر مناسب  
وقت کے انتظار میں تھا۔ اچانک آپ نے ایک کتاب پکڑنے کا فرمایا۔ وہ پکڑائی تو زیر  
مطالعہ کتاب مجھے رکھنے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے رکھی تو حکم ہوا کہ دیکھو بادل آئے ہیں؟  
(آپ بند کمرے میں تھے جہاں سے باہر کے موسم کا اندازہ کرنا بظاہر ممکن نہیں تھا۔ جب  
میں آپ کے کمرے میں داخل ہوا تھا تو شدید دھوپ تھی)۔ میں نے دیکھا تو واقعی بادل  
چھا چکے تھے۔ زوا تو وقف کے بعد فرمایا، دیکھو بوند باندی شروع ہوئی۔ دیکھا تو شروع ہو  
چکی تھی۔ پھر حکم ہوا کہ دیکھو بارش ہو رہی؟ دیکھا تو حسب ارشاد پایا۔

☆..... حضور کے خاندان کی ایک انتہائی بزرگ شخصیت نے یہ واقعہ راقم کو بیان کیا۔  
سیالکوٹ (رنگ پورہ) قیام کے دوران یہ معاملہ پیش آیا۔ جون جولائی کی سخت ترین  
گرمی نے کثیر خلق خدا کو پریشان کر رکھا تھا۔ حضور ادا بیگی جمعہ کے لیے تشریف لے جا  
چکے تھے۔ جمعہ و دیگر معاملات سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو اہل خانہ نے خبر دی  
کہ متعدد مرد و عورت پریشان حال بارش کے لیے دعا کی التجا لے کر آئے تھے۔ آج بارش



ہونی چاہئے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اللہ اللہ! ان ہاتھوں کا اٹھنا نہ جانے رب کریم کو کتنا پسند تھا کہ ابھی نیچے نہیں ہوئے تھے کہ کالے بادل آگئے۔ پھر بارش بھی ہونے لگی۔ اور اس قدر ہوئی کہ آٹھ دن ہوتی رہی اور گلیاں پانی سے بھر گئیں۔ تب لوگ آ کر پھر عرض گزار ہوئے کہ جناب اب بارش رک جانی چاہئے تاکہ ہم اپنے معمولات کو سرانجام دے سکیں۔ چنانچہ نبی کریم رءف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس نائب نے جو نبی دعا کی، بارش کا سلسلہ فوراً رک گیا۔

### جنات پہ حکومت

☆..... جناب سہیل انجم صاحب پرنسپل نقی لائٹانی پبلک اسکول حضور کے مخلص ترین خدام میں سے ہیں۔ بیان فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان کو جنات تنگ کرتے تھے بلکہ مکمل طور پر اس پر قابض تھے۔ اس کے گھر والے اسے لے کر بہت جگہوں پر گئے تاہم مسئلہ حل نہ ہوا۔ بعد ازاں لاہور کے ایک صوفی صاحب کا شہرہ سن کر بغرض علاج نوجوان کو اس کے پاس لے گئے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ جس کا اس قسم کا مسئلہ کہیں حل نہ ہو تو ان کے پاس آ جائے، فوراً مقصد پورا ہوگا۔ یہاں وقتی طور پر جنات نے پیچھا چھوڑ دیا تاہم گھر آتے ہی وہی صورتحال۔ جناب سہیل صاحب راوی ہیں کہ میں ازراہ ہمدردی اس نوجوان کو حضور مقلد اسلام قدس سرہ کی بارگاہ میں لے آیا۔ آپ نے کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا، وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ سب حیران کہ مرض کہاں گیا اور ہنوز یہ شخص بالکل ٹھیک ہے۔

اس طرح کے لاتعداد واقعات ہیں۔ عموماً حضور سورہ ناس، سورہ قلق اور سورہ

کافرون پڑھ کر دم کرتے تھے، لا علاج مریض شفا بخش پھونکوں سے وہیں مستیاب ہو کر واپس جاتے تھے۔ کبھی محض توجہ ہی کافی دشانی ہوتی تھی۔

☆..... چودھری محمد عالم صاحب ایڈووکیٹ حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ کے حلقہ ارادت سے متعلق تھے۔ حضور مقلد اسلام قدس سرہ اپنے شیخ کریم کی طرح ان پہ نہایت مہربان تھے۔ چودھری صاحب کے بیٹے الحق عالم آغاز شباب میں ہی خدات وغیرہ کے ستم کا شکار ہونے لگے تھے۔ جب کبھی وہ زیادہ تنگ کرتے، ان پر مرگی کی طرح کا دورہ پڑتا تھا۔ اور آرام اس صورت میں آتا جب حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ کی تصویر مبارک دیکھ لیتے یا حضور مقلد اسلام قدس سرہ کی بارگاہ میں ان کو لایا جاتا۔ یہاں آتے ہی یہ اصل حالت میں واپس آ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ریلوے لائن نزد محلہ رشید پورہ یہ جا رہے تھے تو جنات نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ یہ تکلیف سے بے حال ہو گئے۔ پھر اسی وقت جنات کی چیخ و پکار کی آواز آنے لگی۔ وہ کہتے تھے، 'ہائے ہمیں آسی صاحب نے مار دیا، ہائے ہمیں آسی صاحب نے مار دیا'۔ پھر ان کے چلوانے سے ہی معلوم ہوا کہ حضور نے تمام کو مار دیا اور صرف ایک وہاں سے بری حالت میں بھاگ گیا۔ اس کے بعد کبھی ان کو یہ مسئلہ نہیں ہوا۔

☆..... جناب عرفان صفدر صاحب (نارووال) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اللہ رکھا میرے جاننے والوں میں سے تھا۔ میرا ہمز بن گیا۔ ایک دن اسی ناطے سے مجھے بتانے لگا کہ جنات دمؤکلات اس کے تابع ہیں اور ان کے ذریعے وہ کسی بھی شخص کے بارے میں معلوم کر لیتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ میں نے اس کی بات کو جھوٹ خیال کرتے ہوئے بطور آزمائش پوچھا کہ میرے بھائی سہیل صاحب کہاں ہیں۔ اس نے اپنے

مؤکلات سے دریافت کر کے بتا دیا کہ فلاں جگہ پر ہیں۔ تاہم میری تسلی نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ شکر گڑھ کے محلہ فیصل ناؤن (نقش لانا ٹی ٹور) کی مسجد کے ساتھ والہ رہائش گاہ میں مقیم ہستی کون ہے؟ (درحقیقت میں نے اپنے شیخ کریم حضور مقلد اسلام قدس سرہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس نے اپنے مؤکلات کو معلوم کرنے کا کہا۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں حضور پر وفیسر محمد حسین آسی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) رہتے ہیں اور جس جگہ رہائش پذیر ہیں وہی تو ہمارا پرانا ڈیرہ ہے اور انہی کے حکم پر ہم اس جگہ کو چھوڑ کر ادھر آ گئے تھے۔ اب وہاں نور ہی نور نظر آتا ہے۔ مزید بتایا کہ ان کے کمرے میں فلاں جگہ لوح قرآنی رکھی ہے، فلاں جگہ چار پائی رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ (یہ سب باتیں درست تھیں اور واقعاً ان چیزوں کی جگہ یہی ہوتی تھی) میں نے کہا، اچھا اپنے مؤکلات سے کہو کہ حضور سے میرا سلام عرض کریں۔ چنانچہ انہوں نے سلام عرض کرنے کے بعد کہا کہ حضور فرماتے ہیں کہ اس سے کہو کہ آنا کب ہے۔ میں نے گھبرا کر عرض کیا کہ سرکار جب آپ بلائیں گے تو فرمایا، 'آجاؤ اب'۔ اللہ رکھا صاحب کہنے لگے کہ تمہیں کسی موقع پر بھی فکر مند ہونے کی کبھی بھی ضرورت نہیں، تمہارے سر پر وہ ہستی ہے جو نور ہی نور ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے پہلے حضور نے علی پور شریف جاتے ہوئے بھی یونہی فرمایا تھا کہ کب آنا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا سرکار جب آپ بلائیں گے۔ پھر جب میں اس واقعے کے بعد حاضر بارگاہ ہوا تو آپ کے چہرہ اقدس پر نا پسندیدگی کے آثار تھے، اگرچہ آپ نے لفظوں میں اظہار نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپ کو اپنے تصرفات کا ظاہر ہونا یا کرنا ہرگز پسند نہ تھا۔

ممکن ہے کوئی شخص 'حضرت انسان' کے گردہ جنات (اور مؤکلات وغیرہ) پر

حاکم ہونے اور ان میں تصرّفات کرنے پر معترض ہو، اسے چاہئے کہ قرآنی حکم و لَقَدْ  
كُتِبَ عَلَيْنَا لِيُنذِرَ الَّذِينَ كَفَرُوا (اور ہم نے اولادِ آدم کو سب پر بزرگی عطا فرمائی) نیز یہیں ماہِ جلد  
دوم میں حدیث نمبر 1745 کو ملاحظہ کیجئے جس میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے  
کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

الْمُؤْمِنُ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ بَعْضِ مَلَائِكَةٍ

ترجمہ: یعنی مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض فرشتوں سے بھی زیادہ افضل ہے۔  
جب بندہ مومن، بعض فرشتوں سے بھی افضل ہے تو حیات کس شمار میں؟ اور جب اللہ کا  
مقرب جنات سے افضل تو اس کے خدا داد تصرّفات بھی ان سے زیادہ۔

### زمیں پر حکومت

☆..... صوفی تنویر احمد صاحب وہ خوش نصیب خادم ہیں کہ حضور کہیں آنے جانے کے  
لیے ایک عرصہ ان کی خدمات لیتے رہے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور (جبکہ  
بلسلسلہ مدرس کورنمنٹ ڈگری کالج شکر گڑھ جاتے تھے) کالج جانے کے لیے تیار  
تھے۔ (مئی ۲۰۰۰ء کی بات ہے)۔ وقت دیکھا تو آٹھ بج کر پچپن منٹ، جبکہ نو بجے کالج  
لگتا تھا۔ میں موٹر سائیکل سمیت حاضر بارگاہ ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لیٹ ہو  
چکے ہیں۔ چنانچہ میں نے گھڑی پہ وقت دیکھ کر فوراً موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور تین کلومیٹر  
کا فاصلہ جس میں دو کلومیٹر کا کچا اور ناہموار راستہ تھا، طے کر کے جب کالج پہنچے اور میں  
نے گھڑی دیکھی تو اب بھی وقت آٹھ بج کر پچپن منٹ ہی تھا جبکہ گھڑی بھی بالکل ٹھیک  
تھی۔

☆..... عرفان صفدر با جوہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آستانہ عالیہ سے اجازت لے کر موضع ڈومالہ (شکر گڑھ سے تقریباً ۵۰ کلومیٹر دور) کے لیے روانہ ہوا۔ مجھے جلد پہنچنا تھا، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ اس صورتحال نے مجھے پریشان کر دیا۔ خیراڈے پر پہنچا تو فوراً ایک گاڑی مل گئی۔ وقت دیکھا تو تین بج چکے تھے۔ پھر جہاں پہنچنا تھا پہنچ کر گھڑی پہ نظر پڑی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ابھی سواتین ہی بجے تھے حالانکہ یہ سفر دو گھنٹے کا تھا۔ ایسا تین مرتبہ ہوا۔ ایک دفعہ تو موٹر سائیکل پر آستانے سے روانہ ہوا تو رات عشا کے بعد پہنچنے کا احتمال تھا۔ کیونکہ راستے میں موٹر سائیکل خراب ہو گئی تھی۔ مگر جس شیخ کے در کی حاضری دیتا تھا انہوں نے مجھے کبھی پریشان ہونے دیا نہ رسوا ہونے دیا چنانچہ اب کی بار بھی نگاہ شیخ کے طفیل شام کی اذان کے دوران بخیر و عافیت گھر پہنچ گیا۔ قَلْبُهُ لِحَمْدِ

یہ واقعات دلیل ہیں اس بات کی کہ اللہ والے چاہیں تو زمین کی طنائیں کھینچ لیتے ہیں۔ اور الحمد للہ ہمارے حضور خداوند کریم کے فضل و کرم سے زمین پر بھی مصروف تھے (اور ہیں) اور وقت پر بھی۔ اور اولیاء اللہ زمین پر حاکم کیوں نہ ہوں جبکہ قرآن پاک کا اعلان ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ..... (الانبیاء۔ پارہ ۱۷۔ آیت ۱۰۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

### پانسوں میں تہرّف

☆..... حضور کی اس عظیم الشان کرامت کے راوی جناب رانا محمد ارشاد صاحب

(ڈسکہ) ہیں جو حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ انومانی کے قرینی عزیز (موجودہ سجادہ نشین کے بہنوئی) اور نہایت مٹھی انسان ہیں۔ خود ان سے یہ واقعہ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ انومانی کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا۔ رانا صاحب بیان کرتے ہیں:

”ایک دن حضور قدس سرہ کی والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا اور ان کی ایک عزیزہ پھلواری شریف سے شکر گڑھ تشریف لارہی تھیں۔ راستے میں نالہ بئیں میں والدہ کریمہ علیہا الرحمہ کا جوتا گر پڑا۔ بہتیرا تلاش کیا مگر ناکامی ہوئی۔ چنانچہ پریشانی لاحق تھی۔ اچانک ایک طرف سے حضور آتے نظر آئے۔ قریب آ کر بولے، بو بو جی! السلام علیکم۔ پھر بغیر کچھ دریافت کیے پانی میں دو چار قدم چلے۔ اس دوران شلواری گھٹنوں سے نیچے رہی کہ شرع شریف کا حکم ہے۔ نیچے جھک کر ہاتھ پانی میں ڈالا۔ جب باہر نکالا تو جوتا ہاتھ میں تھا۔ والدہ کریمہ علیہا الرحمہ کے قدموں میں رکھا اور عرض کیا کہ اب تشریف لے چلیں۔“

### حکومتوں میں تصرف

☆..... ایک حکومت نے جب نظامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والہ کے نفاذ کا نعرہ لگایا تو حضور جملہ مشائخ کرام کی طرح نہایت مسرور تھے۔ تاہم بعد میں جب اس نے نال مٹول سے کام لیا تو بہت نالاں تھے۔ راقم الحروف اس واقعے کا عینی شاہد ہے کہ سالانہ عرسِ علی پور شریف کے موقع پر یکم اکتوبر کی رات کو ایک ممتاز آستانے کے پیر صاحب کے ساتھ بند کمرے میں اس صورتحال پر تبادلہ خیال ہوا۔ آپ دو کے علاوہ صرف یہ سگ بارگاہِ وہاں موجود تھا۔ اس خاص باہمی گفتگو میں اس حکومت کے چند دن میں ختم ہونے اور اس سے اگلی حکومت نیز اس سے بھی بعد میں آنے والی حکومت کی خصوصیات بیان ہوئیں۔ پھر

یونہی ہوا اور ہفتے عشرے میں حکومت الٹ دی گئی۔

### دلوں میں تصرف

☆..... صوفی تنویر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب بھی حضور نے کہیں تشریف لے جانا ہوتا تھا، میں جہاں کہیں بھی ہوتا، دل میں بے چینی و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور میرا دل مجبور کرتا کہ آپ کی بارگاہ میں پہنچا جائے۔ (ان دنوں کہیں آنے جانے کے لیے آپ انہی کی خدمات لیتے تھے) دہلی پر رہائش کے دوران ایک دن صبح سویرے حسب معمول سیر کے لیے کھیتوں کی طرف روانہ ہوا اچانک بارگاہ شیخ میں حاضری کے لیے دل کا یہی اضطراب شروع ہو گیا۔ ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ میں نے آپ کی آواز مبارک واضح طور پر سنی، فرما رہے تھے، اب آ بھی جاؤ۔ چنانچہ جلدی سے موٹر سائیکل سنبھالی اور نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں چھوٹا بھائی نعیم ملا جو کہنے لگا کہ جلدی پہنچو، حضرت صاحب یا فرما رہے ہیں۔ اس طرح دل نے جو محسوس کیا اور کانوں نے جو سنا، اس کی مزید توثیق ہو گئی۔ میلوں دور سے عین دن کے اجالے میں اپنے کانوں سے شیخ کی آواز نے رگ و پے میں وجد و مستی سی بھر دی تھی۔ (۲۰۰۰ء)

☆۔۔۔ انہی کا بیان ہے کہ یونہی ایک مرتبہ میں اپنے سرال (موضع جہاں) تھا۔ سرال والوں نے کھانے کا ٹھیک ٹھاک انتظام کیا ہوا تھا۔ لیکن اچانک وہی بے چینی شروع ہو گئی اور دل کہنے لگا کہ جلد سے جلد حضور کی بارگاہ میں پہنچو۔ چنانچہ سب کچھ چھوڑ کے فوراً حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمانے لگے، آگئے ہو؟ دربار شریف جانا ہے۔ (۲۰۰۰-۰۷-۰۳)

☆۔۔۔ محترم شمس الدین نقشبندی صاحب (لاہور) فرماتے ہیں کہ جب حضور

(۲۰۰۳ء میں) میو ہسپتال زیر علاج تھے تو تقریباً دس دن ہمارے گھر رہائش پذیر رہے۔ یہیں 'نعماتِ میلاذ' لکھی اور میں نے اسے پرنٹ کر دیا۔ ایک دن میں دفتر گیا تو میرا دل سخت پریشان تھا۔ ایک عجیب پریشانی نے مجھے بے چین و بے حال کر دیا تھا۔ حالانکہ نہ مجھے پیسے کا کوئی مسئلہ تھا، نہ کوئی بیماری۔ گھر آیا تو مجھے دیکھ کر فرمایا، 'نقشبندی صاحب، ادھر آئیں'۔ میں حاضر بارگاہ ہوا تو فرمانے لگے کہ آپ میرے اہل خانہ ہو۔ پھر آپ نے چند اور نام بھی لیے۔ فرمایا تم لوگ میرے اہل خانہ ہو اور میرا گھر حضور شہنشاہِ لاثانی کا گھر ہے۔ بس پھر کیا تھا، اس فرمانِ عالیشان نے مجھے ایسا قلبی سکون دیا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بعد وہ پریشانی مجھے آج تک نہیں ہوئی۔

### دلوں کے ارادے ہیں اُن کی نظر میں

مشہور حدیث پاک ہے، 'مؤمن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اللہ کی توفیق سے بولتا ہے'۔ (اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ وَ يَنْطِقُ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ - جامع صغیر) حضور مقلدِ اسلامِ قدس سرہ انورانی اس دور میں اس حدیثِ پاک کی بہترین عملی تفسیر تھے۔ چنانچہ اللہ کے نور کی برکت سے حاضرین و غائبین کے دلی ارادے اور مخفی حالات سب ان کے روبرو تھے۔ محض چند واقعات یہاں درج کیے جا رہے ہیں:

☆..... عرفان صفدر باجوہ صاحب (نارووال) جامع مسجد گلزار مدینہ (شکر گڑھ) کے صحن میں راقم الحروف کے ساتھ کھڑے تھے۔ حضور خاصے فاصلے پر کمرے کے اندر رونق افروز تھے۔ عرفان صاحب کو ایک مسئلے کا جواب مطلوب تھا اور ابھی وہ راقم سے



بیان کر رہے تھے کہ حضور اندر سے اٹھ کر باہر تشریف لائے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کا مسئلہ سمجھانا شروع کر دیا۔ عرفان صاحب ہکا بکارہ گئے کہ دل کی بات جو ابھی پاس موجود شخص سے بھی پوری بیان نہیں کی، مگر حضور نے اتنی دور سے کیسے سمجھ لی اور پھر اس کا تسلی بخش جواب بھی عنایت فرما کر میری تفتی کر دی۔

☆..... ایک دفعہ حضور شیخوپورہ سے شام کے بعد واپس پہنچے۔ جناب محمد سہیل انجم صاحب، جناب محمد نعیم صاحب کے علاوہ محدث و افراد موجود تھے۔ حضور ان سے گفتگو فرما رہے تھے، اس دوران سہیل صاحب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کی بابت عقیدہ دریافت کیا۔ آپ جواب ارشاد فرما رہے تھے۔ نعیم صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسی روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے اثبات میں ایک حدیث سنی تھی۔ میرے دل میں یہ خیال ہمت سے پیدا ہوا کہ آپ اس حدیث کو بھی بیان فرمائیں۔ ابھی یہ خیال پیدا ہوا ہی تھا کہ آپ نے یہی حدیث پاک سنائی شروع کر دی۔ آپ سناتے گئے اور میرا دل آپ کے رعب و جلال سے کاغذ پتھر رہا۔ (۲۰۰۰-۱۷۰۵)

☆..... غلام مرشد صاحب بیان کرتے ہیں:

چند اشخاص آپ کے پاس حاضر ہوئے ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا تھا اور اس نے آپ سے اس بچے کا نام رکھنے کی گزارش کی۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کا نام 'علی' رکھا جائے۔ ادھر یہ خیال پیدا ہوا ادھر آپ نے فرمایا، 'علی'۔

☆..... انہی صاحب کا بیان ہے:

ایک مرتبہ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ختم خواجگان ہو رہا تھا۔ حضور اس میں شریک

نہیں تھے۔ جب ختم اختتام پذیر ہوا اور دعا کا مرحلہ آیا۔ آپ کا طریقہ تھا کہ خود شریک نہ ہوتے تو عموماً دعا کے لیے کسی اور سے کہتے۔ میرے دل میں آیا کہ آج دعا کے لیے آپ ہمایوں بخش صاحب سے کہیں۔ اسی وقت ارشاد ہوا، 'مولوی ہمایوں دعا کرے۔ حالانکہ میری یادداشت کے مطابق اس سے پہلے حیم خواجگان کے بعد کی دعا کے لیے آپ نے ان سے کبھی نہیں فرمایا تھا۔

☆..... محمد توقیر شاہ صاحب (لاہور) کی روایت ہے:

میں آپ کی خدمتِ اقدس میں حسب معمول حاضر ہوا تو لنگر شریف کھایا جا رہا تھا۔ حضور نے مجھے فرمایا کہ کھانا کھا لو۔ میں نے کہا کہ کھا کے آیا ہوں۔ حالانکہ میں نے کافی دیر پہلے کھایا تھا اور اب بھوک خاصی ستا رہی تھی۔ آپ نے دو تین مرتبہ فرمایا لیکن میں نے یہی جواب دیا۔ تب آپ کو یا ہوئے، مجھے معلوم ہے کہ تم کھا کے نہیں آئے، چلو کھانا کھاؤ۔ چنانچہ میں اپنے جھوٹ پر شرمندہ شرمندہ سا، لنگر شریف کھانے میں شریک ہو گیا۔ (۲۰۰۵-۰۲)

☆..... محمد بشارت صاحب، جنہیں کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں باقاعدہ رہنے کا شرف حاصل ہوا، راوی ہیں:

۶ مارچ ۲۰۰۱ء کو عید الاضحیٰ تھی اور عید کے دوسرے روز میں آپ کی اجازت کے بغیر باہر پھرنا رہا۔ کافی دیر سے واپس آیا اور آپ کی ناراضی کا ڈر تھا۔ پریشانی ذہن پر مسلط تھی۔ حاضر ہوا تو آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے توجہ نہ دی تو میں اور ڈر گیا۔ کچھ سمجھ نہ آئی کہ آپ ناراض ہیں یا نہیں؟ پھر دل میں خیال آیا کہ اگر آپ کھانے میں سے کچھ عنایت فرمائیں گے تو یہ آپ کی رضامندی کی دگر نہ ناراضی کی علامت ہو

گی۔ اچانک آپ نے حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) سے کھانا لانے کا ارشاد فرمایا۔ وہ اندر سے آکر عرض گزار ہوئے کہ حضور کھانے میں ذرا دیر ہے۔ فرمایا، اچھا! میں نے بھی بشارت کو کھلانا تھا تا کہ یہ خوش ہو جائے۔

☆..... جناب ماسٹر ثار احمد صاحب (پرنسپل کورنمنٹ ہائی سکول) کا بیان ہے:

جن دنوں حضور شہر کی سب سے بڑی اور مرکزی مسجد جامع مسجد نور میں درس قرآن دیا کرتے تھے، مجھے بھی کبھی کبھی حاضری کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ سخت سردیوں میں آپ کی طبع مبارک نا ساز ہو گئی تو آپ نے چند دن اپنے وقتخانے پر درس دیا۔ میں نے بعض احباب کے ساتھ شرکت کی۔ بعد ازاں آپ ہم سے تا دیر باتیں کرتے رہے۔ مغرب و عشا کی نمازیں سب نے ادا کیں، البتہ میں نے عشا گھر جا کر پڑھنے کی ٹھانی۔ رات کے دس بج گئے تو سردی اور نیند کے سبب میں نے دل میں ارادہ کر لیا کہ گھر پہنچتے ہی لحاف میں گھس جانا ہے اور نماز نہیں پڑھنی (نعوذ باللہ)۔ جب ہم سب جانے لگے تو باقیوں کو تو اجازت مل گئی لیکن مجھے آپ نے فرمایا کہ ثار صاحب تشریف رکھیں۔ میں بیٹھ گیا تو فرمانے لگے، ثار صاحب دل کی بات نہیں مانتی، نماز پڑھ کر سونا ہے۔

☆..... انہی کا بیان ہے کہ اپنی حیاتِ مقدسہ کے آخری ایام میں آپ نقشِ لائانی اسلامک یونیورسٹی، نقشِ لائانی نگر میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ میں اور میرا دوست ماسٹر محمد ادریس اختتام درس کے قریب چپکے سے جا کر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے دعا فرمانا شروع کی۔ میں گھر سے یہ نیت لے کر آیا تھا کہ اپنے بڑے بھائی کے لیے آپ سے دعا کراؤں گا۔ تاہم چونکہ میں کافی عرصہ کے بعد آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا

تھا لہذا اس طویل غیر حاضری پر شرمندگی کے سبب اپنا منہ عابیان نہ کر پا رہا تھا۔ ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ آپ باوا زینلند اثنائے دعا میں کہنے لگے، 'یا اللہ! کچھ لوگ شرمندگی کے باعث اپنا منہ عابھی بیان نہیں کر سکتے، ان کی خواہش پوری فرما۔ میرا یقین پختہ ہو گیا کہ نگاہِ ولایت سے کچھ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔

☆..... مولانا محمد نعمان صاحب (ڈلیال) کا بیان ہے:

جن دنوں میں مدینہ مسجد (شکر گڑھ) حفظ کرنا تھا، میری آنکھیں خراب رہنے لگیں، جس کی وجہ سے میں خاصا پریشان تھا۔ ایک روز دیگر طلبہ مجھے کہنے لگے کہ تم حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ کے مرید ہو، لہذا انہی سے عرض کرو۔ اب میرے ذہن میں یہ بات پیٹھ گئی کہ آج ضرور حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اور آرام لے کر آنا ہے۔ ابجے فارغ ہو کر آستانہ عالیہ حاضر ہوا۔ ذہن میں وہی خیال تھا کہ 'آرام لے کر جانا ہے۔ آپ کی بارگاہ میں پہنچ کر سلام عرض کرنے ہی لگا تھا کہ فرمانِ عالی شان ہوا، 'مولوی نعمان آرام لین آیاں ایں؟' میں ابھی اپنے مرہدِ کامل کی اس ادا پر محو حیرت تھا کہ حکم ہوا، 'علامہ صدیق ضیا صاحب (انجینئر تریبلا ڈیم اور خلیفہ مجاز حضور تقیہ نقشب لائانی) سے دم کراؤ۔' علامہ صاحب آج ہی یہاں پہنچے تھے۔ (بہت دفعہ یوں ہوتا کہ آپ دم کرنے کے لیے کسی اور سے فرمادیتے، دراصل اپنی کرامت کی پردہ پوشی مقصود ہوتی تھی)۔ بہر حال حکمِ عالیہ کی تعمیل کی۔ اللہ نے مجھے بطفیل پور کامل آرام عطا فرمایا اور آج تک میری آنکھوں میں وہ تکلیف نہیں ہوئی۔

☆..... محمد اصغر صاحب (موضع پھگواڑی) حضور کی نگاہِ التفات سے مسحور و خنور شخص

ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں سیالکوٹ (موضع دریو) کے ایک سرکاری سکول

میں پڑھاتا تھا، ایک فیکٹری میں میری رہائش تھی۔ میں اس رہائش سے مطمئن نہیں تھا۔ جب میں نقش لائٹانی نگر حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو نیت یہ تھی کہ حضور سے عرض کروں گا کہ حافظ ندیم ظفر صاحب (۱) (جو حضور کے مخلص ترین خدام میں سے تھے) سے فرمائیں کہ وہ اپنے اسکول میں میری رہائش کا انتظام کر دیں۔ میں نے سلام و دست بوسی کے بعد ابھی اتنا ہی عرض کیا تھا کہ جناب رہائش کی بڑی پریشانی ہے، آپ فرمانے لگے، جاؤ حافظ ندیم ظفر سے میری طرف سے کہو کہ میں آپ کے اسکول میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں بہت خوش ہوا کہ بات بن گئی۔ چنانچہ حافظ صاحب کے پاس سیالکوٹ آیا۔ سلام و دعا کے بعد انہوں نے پہلی بات یہی کی کہ اصغر صاحب بڑے پریشان لگتے ہو، کہیں رہائش کا مسئلہ تو نہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں اور ساتھ ہی حضور کا پیغام بھی دے دیا۔ وہ کہنے لگے، لو یہ کون سا مسئلہ ہے، جب تک مرضی رہو یہاں۔ یوں میرا مسئلہ حل ہو گیا اور یہ بات مجھے نہایت مسحور کر گئی کہ ہمارے حضور بجز تعالیٰ دلوں کے حالات بھی جانتے ہیں اور کسی بھی شخص کے دل پر آپ کی گرفت ایسی ہے کہ جو چاہیں کہلوالیں۔

---

(۱)۔ سیالکوٹ میں بہت سے لوگ آپ کے دروہلت سے وابستہ ہوئے۔ ان میں ندیم ظفر صاحب کے علاوہ محمد عارف صاحب (نقشب لائٹانی اسکول والے)، محمد عارف صاحب (سرکاری ٹیچر)، ڈاکٹر محمد نعیم صاحب، صوفی محمد اقبال صاحب، محمد اقبال چیمبر مین صاحب، ڈاکٹر قمر نائش صاحب، حافظ قاری عامر صاحب کے نام نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے نام ہیں۔ متعدد تصدیق خدائیں جاننا ضروری ہیں۔

## ملازمت مل گئی

☆۔۔۔ خالد رسول صاحب (شکر گڑھ) بیان کرتے ہیں:

میں نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ملازمت کے حصول کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کر دی۔ ایک ہفتے کے اندر آرمی (کھاریاں) میں معقول مشاہرے پر ملازمت مل گئی۔ پھر دورانِ ملازمت ایک رات خواب میں تشریف لا کر ارحم مسحور کن انداز میں فرمایا،

’یا رنمازتے پڑھیا کر۔ چنانچہ اس دن سے میں نمازہ خجگانہ بھی نہایت اہتمام کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ کو یادین بھی مل گیا اور دنیا بھی۔ قَلْبُكَ الْحَمْدُ۔ (۲۰۰۱-۱۱-۰۹)

☆..... راقم الحروف کے والد جناب غلام محمد صاحب آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس کی ملازمت کے لیے درخواست گزار ہوئے۔ ارشاد ہوا، ’ساری دنیا کماتی ہے، اسے رہنے دیں دین کی طرف‘۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ جناب گھر کا نظام نہیں چلتا۔ فرمایا چھوٹا بیٹا (سجاد محمد حاجی) کیا کرتا ہے؟ عرض کیا، حال ہی میں ایئر فورس کے لیے ٹیسٹ دے کر آیا تھا لیکن سلیکٹ نہیں ہو سکا۔ فرمایا، ’اگر وہ ہو جائے تو؟ عرض کیا، جناب ایک ہی ہو جائے، ہو تو۔ فرمایا، ’اللہ کرم کرے گا‘۔ پھر چند روز کے بعد کی بات ہے کہ آپ وضو فرما رہے تھے اور یہ سب بارگاہِ تولیہ لیے پاس کھڑا تھا۔ وضو کرنے کے بعد فرمایا، چھوٹے بھائی کا کیا بنا تھا؟ (حالانکہ آپ کو اچھی طرح علم تھا)۔ عرض کیا، حضور رہ گیا تھا سلیکشن سے۔ فرمایا، ’اوت نہیں سوء اللہ مہربانی کرے گا‘۔ دل نے کواہی دی کہ اب بھائی کی تھری یقینی ہے۔ چنانچہ گھر واپس آ کر بھائی کو پیشگی مبارکباد دے دی۔ پھر غالباً اگلا ہی دن تھا جب پیرخانے جاتے ہوئے ڈاکیا ملا اور اس نے وہ خط دیا جس میں بھائی کا تھرا رنامہ تھا۔ یوں نگاہِ شیخ نے کام بنا دیا۔

☆..... محمد آفتاب صاحب کا بیان ہے:

جس دن میں نے حضور کی بیعت کی، دل میں ایک خواہش نے انگڑائی لی کہ کاش عرس مبارک میں بحیثیت چوکیدار کھڑا ہونا نصیب ہو۔ چنانچہ جب عرس مقدس آیا تو یہ خواہش پوری ہو گئی۔ پھر یہ آرزو پیدا ہوئی کہ جس طرح یہاں چوکیداری کر رہا ہوں، پٹرولنگ پولیس میں بھرتی ہو کر خلقِ خدا کے لیے یہی کچھ کروں۔ میرا یقین تھا کہ میرے شیخ میرے اس خیال سے آگاہ ہیں۔ اور پھر میری مراد برآئی، دعائے شیخ نے دنوں میں اس مشکل کام کو آسان بنا کر مجھے میری مرضی کے مطابق پٹرولنگ پولیس میں ملازمت دلا دی۔

☆..... انہی صاحب اور ان کے دوست امرا احمد سبحانی صاحب کا بیان ہے:

محمد کاشف صاحب (آفتاب صاحب کے بھائی) بسلسلہ ملازمت پریشان تھے۔ ہم نے حضور کے پاس حاضری، بیعت اور ملازمت کے لیے عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ جس پر انہوں نے عمل کیا۔ محض چند دن بعد انہیں ایک جگہ انٹرویو کے لیے طلب کیا گیا۔ کاشف صاحب کا کہنا ہے کہ جب میں انٹرویو کے لیے کمرے میں داخل ہوا تو حضور کی ہیبت مبارک نظر آنے لگی۔ اب یوں ہوا کہ مجھ سے سوالات پوچھے جاتے رہے اور میں آپ کو دیکھتے ہوئے باسانی بغیر کسی پریشانی کے جوابات دیتا رہا۔ پھر مزید چند دنوں بعد مجھے ملازمت دے دی گئی۔ میری صرف اتنی اہلیت کام آئی کہ میں حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کا غلام تھا۔

## دفع امراض

اولیاء اللہ نظر سے، کبھی دعا سے اور کبھی توجہ سے بیماریاں دور کرتے

ہیں۔ جسمانی امراض سے روح و قلب کی بیماریاں شدید تر ہیں۔ اور جب یہ طبقہ اولیاء  
بفصلِ خدا روح و قلب سے بیماریاں دور کرنے پہ قادر ہے تو امراضِ بدن کی ان کے  
سامنے حیثیت ہی کیا ہے۔ اب سنئے! حضور مقلدِ اسلامِ قدس سرہ العوی کی چارہ گری کا حال:  
☆..... ڈاکٹر یاسر یونس صاحب (کالائچھی) بیان کرتے ہیں:

میری والدہ بیمار ہو گئیں اور ان کی بیماری عذت اختیار کر گئی۔ حضور نے رات  
خواب میں تشریف لا کر پھونک ماری، صبح اٹھیں تو بالکل صحیحیاب ہو چکی تھیں۔  
(۲۷-۰۷-۲۰۰۰)

☆..... راقم الحروف کا بیان ہے:

میں نے ہر ہفتے کی رات آستانہ عالیہ پر رہنا شروع کیا۔ ۲۷ فروری ۱۹۹۹ء  
بروز ہفتہ بعد نماز عصر حاضر ہوا تو حکم ہوا کہ بعد نماز عشاء تمہاری تقریر ہے، کیونکہ فوجی  
چھاؤنی (جو کہ قریب ہی تھی) سے چند فوجیوں نے فرمائش کی ہے۔ یہ عاجز پیٹ کے درد  
سے بے حال تھا۔ چنانچہ خود کو اس لائق نہ سمجھتے ہوئے پس و پیش کیا۔ فرمایا اب ہم زبان  
دے چکے، شرمندہ کرانا ہے کیا۔ پھر نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد تلاوت و نعت ہوئی اور  
تقیب محفل نے تقریر کے لیے نام پکارا۔ اب یہ عاجز مائیک کے سامنے جا کھڑا ہوا مگر  
صورتحال یہ تھی کہ پیٹ درد کے سبب دہرا ہوا جا رہا تھا۔ اسی حال میں تقریر شروع کی اور  
نحمدہ و تھمتی پڑھتے ہوئے لاچار نظروں سے اپنے چارہ ساز کی طرف دیکھا۔ آپ سر  
جھکائے براجمان تھے۔ ادھر اس حقیر نے آپ کی طرف دیکھا، عین اسی وقت آپ نے  
چہرہ مبارک بلند فرما کر ایک نظر ڈالی اور سر اقدس جھکا لیا۔ مگر یہ نظر اپنا کام دکھا چکی تھی،  
کوئی درد رہا نہ زبان کی ہٹلاہٹ۔ نہ جانے کہاں سے مضامین و ماغ پر اتر کر الفاظ کی



صورت میں ایک جوش اور تسلسل کے ساتھ ادا ہو رہے تھے۔ اس خطاب کو آپ کے تہذیب سے خاصی پذیرائی ملی۔ محفل کے اختتام پر مسجد سے نکلے تو آپ نے چلتے چلتے مسکرا کر فرمایا، 'پیٹ درد ٹھیک ہے نا اب؟' یہی چاہتے تھے نا تم۔' جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی، پوچھنے والے کو بہتر معلوم تھا۔

☆..... ڈاکٹر محمد یاسر یونس صاحب کا ایک اور بیان ملاحظہ کیجئے:

حضور اپنے شیخ کا عرس مقدس ہر سال ۲ ذوی الحجہ کو پھلواری شریف منعقد کرواتے تھے۔ نقش لائٹانی نگر سکونت کے بعد جب پہلا عرس مبارک یہاں ہوا، اس دن نماز مغرب کے بعد بخار نے مجھے آلیا۔ اگلی صبح فجر کے بعد آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ رات کدھر تھے نظر نہیں آئے، میرا خیال تھا کہ اپنے گھر چلے گئے ہو۔ عرض کیا، حضور رات بخار ہو گیا تھا۔ فرمایا، بتا ہی جاتے میں فکر مند رہا۔ کچھ دیر بعد آرام آ گیا تاہم نماز عصر کے بعد پھر وہی صورتحال۔ مغرب کی نماز سے تقریباً ۱۵ منٹ پہلے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ میں لیٹا ہوا تھا فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فرمایا، کیا ہوا ہے؟ عرض کیا، حضور دوبارہ بخار ہو گیا ہے۔ آپ نے وضو فرمایا اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس دوران لحوہ بہ لحوہ آپ کی طبیعت مبارک خراب ہوتی گئی جبکہ دوسری طرف میری صحت ٹھیک ہونا شروع ہو گئی، یہاں تک کہ بخار اتر گیا۔ اور میں نے محسوس کر لیا کہ میری بیماری آپ نے خود پر لے لی ہے (۲۰۰۱-۲۰۰۲) اس طرح کے صحت واقعات اور بھی ہیں۔

☆..... محمد رفیق صاحب (خانوال) کا ایکسٹنٹ ہو گیا، جس میں ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ٹانگ کی صورتحال دیکھ کر ڈاکٹروں نے تین آپریشن تجویز کیے۔ یہ کہتے

ہیں کہ میں نے سخت پریشان ہو کر اپنے شیخ کریم کی طرف توجہ کر کے فریاد کی۔ چنانچہ اللہ کے فضل و کرم اور آپ کی توجہ سے پہلے ہی آپریشن میں ایسی کامیابی ہوئی کہ مزید آپریشن کی ضرورت نہ رہی۔ نیز یہ کہ یہ آپریشن بہت طویل تھا جو بہت کم وقت میں مکمل ہو گیا۔ خود ڈاکٹر

حیران تھے کہ اتنی جلدی کیسے ہو گیا۔ پھر مختلف ٹیسٹ ہوئے اور رپورٹس بھی تسلی بخش آگئیں۔ میرا یقین ہے کہ یہ سب نسبت شیخ کی برکات تھیں۔

☆..... جناب حافظ محمد یٰسین صاحب سیالکوٹ کے رہائشی ہیں تاہم حضور سے بیعت ہونے کے بعد کچھ عرصہ نقشب لائٹانی اسلامک یونیورسٹی میں زیر تعلیم اور نقشب لائٹانی نگر میں قیام پذیر رہے۔ ان کی ناک میں شدید تکلیف تھی۔ ناک کی ہڈی بڑھنے کے سبب ایک مرتبہ پہلے آپریشن کروا چکے تھے اور اب درد نے پھر سے شدت اختیار کی تو خاصے فکر مند بلکہ لہر داشتہ تھے۔ حضور کی بارگاہ میں ساری صورتحال عرض کی تو آپ نے ڈاکٹر سے استفادہ کا حکم ارشاد فرمایا۔ یہ عرض گزار ہوئے کہ جناب ڈاکٹر تو آپریشن کہتے ہیں، اب آپ ہی میرے ڈاکٹر ہیں۔ حافظ صاحب بہت مایوس تھے اور ضد کرنے لگے کہ میں نے بس آپ سے ہی آرام لینا ہے۔ آپ نے اس عاجز کو تعویذ دینے کا حکم ارشاد فرمایا اور انہیں تسلی بھی دی۔ صبح حافظ صاحب نے بتایا کہ درد اب برائے نام ہے۔ اس سے مزید اگلے دن ان کی رپورٹ یہ تھی کہ درد کا تو اب نام و نشان بھی نہیں۔

### آفات و بلیات روکنا

اولیاء کرام پر ان کے رب کی یہ خاص عنایت ہوتی ہے کہ یہ اپنی نگاہ کرم اور  
تصرفِ دوچشمہ سے مصائب و آفات روک دیتے ہیں۔ یہاں حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ  
کی مشکل کشائی اور حاجت روائی (باذنِ خدا) کے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔  
☆..... غلام مرشد صاحب کا بیان ہے:

برادری کی ایک عورت بعض وجوہات کی بنا پر سخت خلاف ہو گئی اور علی الاعلان  
کہنے لگی کہ انہیں تباہ و برباد کر دوں گی۔ پھر اس نے رسوائی کے زمانہ کالے علم کے ماہر کو گھر  
بلوایا اور ہمارے خلاف چلنے کر دانے لگی۔ وہ کالے علم والا جمعہ دروز اس کے گھر رہ کر  
اپنے عملیات کرتا رہا۔ انہی دنوں میری ہمشیرہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ہمارے گھر کو  
آگ لگا دیتا ہے۔ پھر اچانک حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ تشریف لے آتے ہیں اور پھوٹک  
مارتے ہیں تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے۔ وہ شخص بار بار آگ لگاتا ہے اور حضور کے پھوٹک  
مارتے ہی ہر بار آگ بجھ جاتی ہے۔ اُدھر کئی روز اپنا پورا زور لگانے کے بعد وہ کالے علم  
والا یہ کہتے ہوئے اس عورت کے گھر سے چل دیا کہ یہاں میں بے بس ہوں کیونکہ ان  
کے سر پر کوئی نہایت ٹکڑے بزرگ ہیں جو میرا کوئی وار چلنے نہیں دیتے۔

دل جب سے گرفتار ہے اس زلفِ دونا کا

گر داب کا خطرہ ہے نہ ڈرموچ بلا کا

☆..... چودھری محمد عالم صاحب کی سننے:

ایک دفعہ میرے دوست ریاض گڈ ایڈوکیٹ کو خوبہ حسن دلی ایڈیشنل سیشن  
جج (شکر گڑھ) نے ایک مقدمہ میں جرمانہ کر دیا۔ ہم دونوں اپیل کے لیے عدالتِ عالیہ  
لاہور روانہ ہوئے۔ سخت سردی میں صبح سویرے ۴ بجے ہائی ایس کی اگلی نشستوں پر بیٹھ

گئے۔ فجر کی اذانیں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں، جب ہم قلعہ سو بھانگلہ سے کچھ ہی پیچھے پہنچ چکے تھے۔ اچانک تین موٹر سائیکل سوار کسی طرف سے نمودار ہوئے اور ان میں سے دو ہماری گاڑی کے عین سامنے اسلمہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ جبکہ ایک ہماری طرف کلاشکوف لیے آمو جوہ ہوا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ وہ ہمیں ابھی حکم دیں گے کہ جو کچھ پاس ہے ہمارے حوالے کر دو، مگر وہ بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ جب انتظار طویل ہوتا گیا تو ہمیں محسوس ہوا کہ گویا وہ پتھر کے بے جان بُت بن چکے ہیں۔ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ گاڑی ذرا پیچھے کر کے ایک جانب سے نکال لے۔ پہلے تو وہ ڈرتا رہا، تاہم بار بار کہنے پر اس نے ایسا ہی کیا اور ہم بخیر و عافیت وہاں سے نکل آئے۔ جبکہ وہ ڈاکو جوں کے توں رہے۔ لاہور پہنچ کر جسٹس خواجہ محمد شریف صاحب کی عدالت میں پیش ہوئے، انہوں نے جرمانہ معاف کر دیا۔ بعد ازاں لاہور میں اور پھر رات شکر گڑھ پہنچ کر اپنے دوستوں کو سارا ماجرا سنایا اور قدم قدم پہ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کی نوازشات کا تذکرہ کیا تو سبھی حیران تھے۔ رات دس بجے اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اہلیہ نے دروازہ کھولتے ہی کہا کہ حضور آسی صاحب پانچ مرتبہ آپ کی خبر لینے کسی نہ کسی کو بھیج چکے ہیں اور آپ کے لیے کافی فکر مند ہیں۔ اب مجھے اور یقین ہو گیا کہ یہ جو آپ میرے لیے فکر مند تھے، اسی نے مجھے ڈاکوؤں سے بھی بچایا اور عدالتِ عالیہ میں بھی کامیابی عطا کی ہے پھر جب صبح کی نماز کے بعد حاضر بارگاہ ہوا تو صوفی تنویر احمد صاحب بلڈ پریشر چیک کر رہے تھے۔ حضور نے دیکھتے ہی فرمایا، 'یا اللہ! تیرا شکر ہے، یا اللہ! تیرا شکر ہے، یا اللہ! تیرا شکر ہے'۔ آپ کے ان کلمات سے میرے خیال کی مزید توثیق ہو گئی کہ یہ آپ ہی تھے جن کی عنایات کے سبب میں بخیر و عافیت اور کامیاب لوٹا تھا۔

☆..... جناب محمد ارشاد صاحب (ڈسکوی) راوی ہیں:

شیخوپورہ میں حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز سے ایک لڑکی بیعت تھی اور نہایت عقیدت رکھتی تھی۔ اس کی شادی رشتہ داروں میں کر دی گئی۔ سسرال کے چند لوگ کسی سبب نا حق اس کے خلاف ہو گئے، یہاں تک کہ لڑکے کے بھائی نے اسے مارا پیٹا بھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اسے دوائی لانے کے بہانے ایک گھر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر کے کنڈی لگا دی۔ جب وہ لوگ اسے مارنے آئے، لڑکی نے حضرت صاحب کا تصور کر کے کہا کہ حضور اب آپ ہی ان لوگوں سے بچا سکتے ہیں۔ اچانک دروازہ کھلا، باہر حضرت صاحب کھڑے نظر آئے جو فرما رہے تھے، 'نکلو یہاں سے، جلدی نکلو یہاں سے'۔ چنانچہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ لڑکی وہاں سے بحفاظت نکل گئی۔ کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

☆..... صوفی محمد آصف صاحب (نقشِ لائانی نگر) جنہیں حضور کے پڑوس میں رہنے کا شرف حاصل ہے، اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سناتے ہیں:

۱۵ مئی ۲۰۰۰ء کی بات ہے، اس دن حضور اپنے آستانے پر موجود نہیں تھے، تیز آندھی آگئی۔ جس کی شدت کے سامنے لوگ بے بس اور کام کاج چھوڑنے پر مجبور تھے۔ ہم اہل خانہ بھی جو حویلی میں بھوسہ ذخیرہ کر رہے تھے، صورت حال سے پریشان تھے۔ تاہم ایک عجیب منظر ہمیں شاد کر گیا، اور وہ یہ کہ اس قدر آندھی میں جبکہ ہر کم وزن چیز اڑ رہی تھی، وہ بھوسہ جس کے لیے ہم پریشان تھے اس کا ایک ٹکڑا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل رہا تھا۔ یوں اپنے شیخ کی ہمسائیگی کی برکت سے ہم ایک خاطر خواہ نقصان سے بچ گئے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حدیث پاک سے بھی اس عقیدے (یعنی ولی کے قرب کی برکات کا حق ہونا) کی تائید ہوتی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سنا:

إِنَّ اللَّهَ لَيَنْفَعُ بِالْمُسْلِمِ الصَّالِحِ عَنْ مِائَةِ أَهْلِ النَّبْتِ مِنْ  
جِسْرَانِهِ الْبَلَاءِ (مجمع الزوائد باب ماجاء عن الجارجلد ۸ ص ۱۶۷۔ کنز العمال  
کتاب الصحیہ)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندے (ولی) کی برکت سے اس کے ارد گرد و گھروں سے بلائیں دور فرما دیتا ہے۔

☆..... صوفی تنویر احمد صاحب راوی ہیں کہ میرا کم عمر لڑکا عبید الرحمن جس پر حضور بہت شفقت فرماتے تھے، اپنے ننھیال میں گھر کی تیسری منزل (۲۴، ۲۵ فٹ) سے گر گیا۔ تاہم چند لمحوں بعد زمین پر پیچر و عافیت کھڑا نظر آیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ جب میں نیچے گر رہا تھا تو مجھے بابا جی (حضور مقرر اسلام) نے پکڑ لیا تھا اور پھر بڑے آرام سے زمین پر کھڑا کر دیا۔ مزید تسلی کے لیے ایک سرے کروانے لے گیا لیکن وہاں سے بھی اطمینان بخش رپورٹ آئی۔ یوں پیر کمال کی غلامی نے مجھے ایک بڑے نقصان سے بچالیا۔

☆..... محترم شمس الدین نقشبندی صاحب (لاہور) حضور کے پیر بھائی اور نہایت متقی انسان ہیں۔ حضور سے گہری عقیدت و الفت رکھتے ہیں۔ آپ نے بھی اپنی نگاہِ رحمت و شفقت سے ان کو خوب نوازا۔ فرماتے ہیں:

ہماری گلی میں پانی کے پرانے پائپ نکال کر نئے ڈالے جا رہے تھے۔ میں اپنے گھر کے سامنے سے پرانا پائپ نکال کر اوپر کی طرف کر رہا تھا، اور اس بات سے

غافل تھا کہ اوپر بجلی کی تاریں ہیں۔ (۱۱۰۰۰ ولٹ کرنٹ کی)۔ چنانچہ پائپ تاروں سے جا ٹکرایا۔ تار بھی ٹوٹ کر زمین پر گر گئی اور پائپ کا اوپر کا حصہ بھی ٹکھل گیا۔ جبکہ نیچلا حصہ میں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اب لوگ چلا رہے تھے کہ حاجی صاحب پائپ چھوڑ دو، لیکن میں نے نہیں چھوڑا کہ گرا تو گلی میں کھیلنے چھوٹے چھوٹے بچوں پہ جا گرے گا۔ تاہم پائپ کا اوپر کا حصہ پکھلنے کے باوجود مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ نیچے سے میں نے اسے تھاما ہوا تھا لیکن وہ حصہ معمولی گرم بھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیرت تھے۔ ان کے حساب سے تو مجھے زندہ ہی نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس واقعے سے دو دن قبل مجھے خواب میں حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کی زیارت ہوئی تھی۔ آپ نے ایک تبسمِ جانفزا کے ساتھ میرے کندھے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا اور مجھے ساتھ ساتھ چلا رہے تھے۔ میرے ذہن میں سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ آپ مجھے باور کرانا چاہتے تھے کہ ہر مشکل میں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ چنانچہ دو دن بعد پیش آنے والے مذکورہ واقعے نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ یہ بھی بتا دوں کہ پائپ کے بجلی کی تاروں کے ساتھ ٹکرانے کے بعد سارے علاقے کی لائٹ چلی گئی تھی۔ پورے بازار میں اس واقعے کی دھوم تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ آج ہمیں یقین آ گیا کہ حاجی صاحب کے پیر واقعی بڑے سنگڑے پیر ہیں۔ پھر واپڈ والوں کو تاروں کے ٹوٹنے اور لائٹ جانے کی اطلاع بھی میں خود دے کر آیا۔ ان کی ٹیم نے بھی جب آ کر صورتحال کا جائزہ لیا تو وہ بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔

نقشبندی صاحب نے یہ بھی کہا کہ میرا یہ اعتقاد ہے کہ جن کا حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز سے رشتہ عقیدت و اُلفت ہے، نہ دنیا میں کوئی دکھ اُن کو پہنچنے دیتے ہیں، نہ

آخرت میں پہنچنے دیں گے۔

☆..... یہ واقعہ بھی قبلہ شمس الدین نقشبندی صاحب نے سنایا اور انہی سے متعلق ہے:  
میرے اہل خانہ فیصل آباد گئے ہوئے تھے۔ رات آٹھ بجے واپس گھر پہنچے۔  
ابھی ان سے میری سلام دعا ہی ہوئی تھی اور وہ بیٹھ ہی رہے تھے کہ حضور آسی صاحب علیہ  
الرحمہ کا فون آ گیا۔ فرمانے لگے، گھر والے ٹھیک ٹھاک پہنچ گئے ہیں؟ میں حیران ہوا کہ  
آپ کو کیسے پتا چلا کہ میرے گھر والے کہیں گئے تھے اور ابھی ابھی گھر داخل ہوئے  
ہیں۔ بہر حال فون بند ہوا تو گھر والوں نے بتایا کہ ہم آ رہے تھے تو بس کاناٹی راڈ کھل  
گیا۔ بس بے قابو ہو گئی اور اُلٹنے ہی والی تھی کہ سامنے ایک بڑے درخت کے ساتھ جا کر  
اس کی ٹیک لگ گئی۔ الحمد للہ سب لوگ محفوظ رہے۔ گھر والوں کی زبانی یہ سب سننے کے  
بعد مجھے سمجھ آئی کہ حضور اس ساری کارروائی سے آگاہ تھے اور بفصل خدا بڑے حادثے  
سے بچانے والے بھی آپ ہی تھے۔

☆..... حضور کے آبائی گاؤں موضع پھلواری شریف میں ایک عمر رسیدہ عورت کا آپ  
کے دو لکڑے پر آنا جانا تھا۔ اس کی بیٹی نے خودکشی کر لی۔ چونکہ شرعی اعتبار سے یہ ایک  
غلط فعل تھا، آپ نے اس کے جنازے میں شرکت نہیں کی۔ پھر ایک دن جب آپ اپنے  
اس آبائی گھر تشریف لائے تو اس عورت کو بلوایا۔ وہ آکر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا، اس  
بات کا دکھ ہے کہ اس بچی نے غلط کام کیا، تاہم ہم تو اس کی مغفرت کے لیے دعا ہی کر  
سکتے ہیں۔ آپ نے دعا فرمادی۔ اس عورت کا بیان ہے کہ چند دن بعد اس کے خواب  
میں اس کی بیٹی آئی اور کہنے لگی کہ ماں! شروع میں تو بہت سختی ہوئی مجھ پر لیکن اب کسی کی  
دعا کی بدولت اچھی حالت میں ہوں۔



## حالات پہ مطلع ہونا

مردان باصفا اپنے مریدین کے حالات پر مطلع ہوتے ہیں اور کبھی بصورتِ ضرورت اس کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے! اس ضمن میں ہمارے حضور کا طرزِ عمل:

☆..... عالم باعمل علامہ نورالمصطفیٰ رضوی صاحب (مہتمم دارالعلوم چشتیہ رضویہ خانقاہ ڈوگرہاں ضلع شیخوپورہ) جو شیخ القرآن والحدیث ابوالفیض محمد عبدالکریم محدث ابد الوی ہلیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کے نہایت منظور نظر شاگرد و رشید ہیں، فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز اور پیر سید عابد حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شفقت فرمائی اور جامعہ میں تشریف لائے۔ دعا بھی کی اور گھنٹہ بھر قیام بھی فرمایا۔ اس قیام کے دوران حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز نے تین ایسی باتیں ارشاد فرمائیں کہ اللہ کی عزت کی قسم! ان کا میرے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ (وہ باتیں میری ذاتی تھیں)۔ اور پیر صاحب نے ان کی تشریح بیان فرمادی۔ میں حیران تھا کہ آپ دونوں کو کیسے خبر ہوگئی۔ اس دن مشاہدہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی نگاہِ دوربین سے کچھ بھی چھپا نہیں ہوتا۔

☆..... اس واقعہ کے راوی بھی علامہ نورالمصطفیٰ رضوی صاحب دام تبار ہیں فرماتے ہیں:

میں سیالکوٹ میں ایک صاحب کے ہاں محفل میں حاضر تھا۔ قیومِ زمانی حضور ﷺ لائٹانی قدس سرہ العزیز اور حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز بھی تشریف فرما تھے۔ بعد میں

جب دسترخوان بچھایا گیا اور کھانا رکھ دیا گیا تو دونوں مقدّس شخصیات نے کھانا تناول نہیں فرمایا، پہلے حضور مقلّب اسلام قدس سرہ العزیز اٹھ کر باہر تشریف لے گئے، معاً بعد حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ العزیز اور گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ پھر جب میں علی پور شریف حاضر ہوا تو حضور مقلّب اسلام قدس سرہ العزیز سے عرض گزار ہوا کہ جناب آپ تشریف لے آئے جبکہ اس محفل کا میزبان کہہ رہا تھا کہ میں نے اتنا انتظام کیا تھا، آپ کچھ تناول فرما لیتے۔ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ العزیز نے فرمایا، اسی صاحب! ایک لقمہ وی حلال دانئیں سی، اسیں کی کھاندے جا چھوں۔ میں تیراں رہ گیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ آج بھی ایسی شخصیات موجود ہیں جو اس انداز میں حلال و حرام کی تمیز کر لیتی ہیں۔

☆..... اس تیسرے واقعہ کے راوی بھی علامہ صاحب موصوف ہیں، فرماتے ہیں:

میں حضور مقلّب اسلام قدس سرہ العزیز کے ہمراہ ایک محفل میں گیا۔ جن صاحب نے بیان کرنا تھا، منہج پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضور کو آگے تشریف لا کر صدارتی نشست پر براجمان ہونے کے لیے بہت اصرار کیا مگر آپ وہاں تشریف نہیں لے کر گئے۔ بلکہ خود پہلے بیان فرما کر وہاں سے چلے آئے۔ بعد میں آپ نے اُن صاحب کے بارے میں ایک بات ارشاد فرمائی (جس کا اظہار یہاں مناسب نہیں) اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ملنے سے روحانیت کے مردہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مجلس میں بھی (حتی الامکان) نہیں بیٹھنا چاہئے۔ میں نے جب تحقیق کی تو حقیقت وہی نظر آئی جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی۔ یقیناً حضور مقلّب اسلام قدس سرہ العزیز ملنے والے ہر شخص کے ظاہر و باطن سے آگاہ اور حالات پر مطلع ہوتے تھے، یہ علیحدہ بات ہے کہ عموماً آپ زبان

سے اظہارِ شاذ و نادر ہی فرماتے تھے۔

☆..... جناب تنویر احمد صاحب کا بیان ہے کہ میں ۳ جولائی ۱۹۹۹ء کو موٹر سائیکل پر کہیں جا رہا تھا۔ اثنائے سفر میں ایک انتہائی خطرناک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ جب میں آپ کے

پاس حاضر ہوا تو (میرے سلام و دست بوسی کے بعد) آپ کے الفاظ یہ تھے، ”شکر اے بخت ہو گئی“۔

☆..... جناب محمد سجاد صاحب (پگالہ موڑ) کی روایت ہے:

بھائی نیامت صاحب کے پاس محمد اعجاز صاحب (سیکرے والی والے) بیٹھے تھے۔ بھائی محمد سرور صاحب کار میں وہاں آئے اور بھائی نیامت سے کہنے لگے کہ اعجاز اپنے پیر خانے (تھیں لائٹانی نگر) نہیں جاتا، اسے زبردستی لے جاتے ہیں۔ (تینوں آپس میں بے تکلف تھے)۔ اس طرح اعجاز صاحب پیر خانے لائے گئے۔ یہاں صاحبزادہ عطاء الحق صاحب نقشبندی (موجودہ سجادہ نشین) نے پوچھا کہ بھائی نیامت! آج اعجاز کو کس طرح لے آئے ہو؟ وہ بولے کہ اپنے مرشد کو اپنی مرضی سے ملنے آیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے تین مرتبہ استفسار کیا اور تینوں مرتبہ جب نیامت صاحب نے یہی جواب دیا تو حضور جو ہمارے پاس ہی چارپائی پر آرام فرما تھے فرمانے لگے، ’عطاء الحق! یہاں سے زبردستی کار میں بٹھا کر لے آئے ہیں۔ ہم سب حیران رہ گئے۔

☆..... حافظ محمد اشفاق صاحب (موضع ساؤلہ) ایک عرصہ جامع مسجد خاتونِ بخت (رضی اللہ عنہا) میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جولائی ۲۰۰۱ء میں اُن کے

ساتھ یہ صورتحال بنی کہ چند یہاں اپنی غیر اخلاقی حرکات کے سبب اُن کے لیے پریشانی کا باعث بننے لگیں جو کسی صورت باز نہ آتی تھیں۔ ایک روز یہ حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ آپ کو یاد ہوئے، حافظ صاحب! ابھی ہم نے آپ سے بہت سے کام لینے ہیں، ادھر ادھر نہ بھٹک جانا۔ حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں پہلے ہی محتاط تھا، اب آپ کے اس فرمان کے بعد میرے بھٹکنے کا احتمال بالکل ہی جاتا رہا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ

## مسئلہ

☆..... جناب رانا محمد نعیم صاحب (ڈسکہ) بیان کرتے ہیں:

میں نے اپنے دوست محمد اور لیس کو حضور سے بیعت کروایا۔ واپس آنے لگے تو آپ نے محمد سرد ڈرائیور سے ہمیں اڈے پر پہنچانے کا فرمایا۔ جبکہ ہم سے پوچھا کہ 'کیسے جاؤ گے؟'۔ عرض کیا، جناب یہاں سے سیالکوٹ اور وہاں سے فیصل آباد کی گاڑی پر شیخوپورہ (جہاں ہمیں جانا تھا)۔ ہم آستانہ عالیہ سے باہر نکلے تو ایک صاحب دوڑے آئے اور کہنے لگے، حضور فرما رہے ہیں کہ سیالکوٹ نہ اُترنا بلکہ وزیر آباد اُترنا۔ جب ہم سیالکوٹ پہنچے تو وہاں فیصل آباد کی گاڑی تیار تھی۔ لیکن اور لیس صاحب بولے کہ اب تو وزیر آباد ہی اتریں گے۔ وزیر آباد ایک ڈیڑھ بجے بس سے اُترے۔ ہر طرف اندھیرا اور جگہ سنسان تھی تاہم دل کو تسلی دی کہ جنہوں نے بھیجا ہے وہ خود ہی کوئی چارہ کریں گے۔ کچھ انتظار کے بعد کوہستان جانے والی گاڑی آگئی۔ ڈرائیور، میپلر اور کنڈکٹر کے علاوہ صرف ہم دو سوار تھے۔ خیال آیا کہ ابھی کسی اڈے پر جائے گی، وہاں بھرے گی تب روانہ ہوگی۔ خاصا وقت لگے گا، چنانچہ سو لیتے ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ اتنی بڑی گاڑی صرف

ہم دو کو لے کر ٹھیک ۳ بجے شیخوپورہ پہنچ گئی۔ گاڑی والوں نے آواز دے کر ہمیں جگایا اور اتارا۔ اویس صاحب بولے، واہ جی! حضرت صاحب نے تو پہلے ہی دن ایسے ٹھانڈے کے ساتھ اتنی بڑی گاڑی میں بھیجا ہے۔

☆..... محمد رضا صاحب (بہاولپور) کا بیان ہے:

ہمارا گاؤں چک باغ والا نجدیوں کا گڑھ تھا اور یہ بات ہمارے لیے تکلیف دہ تھی۔ والد محترم (جناب محمد رفیق صاحب) نے حضور سے دعا کے لیے درخواست کی۔ ارشاد ہوا، انشاء اللہ انقلاب آئے گا۔ پھر ایک روز خواب میں دیکھا کہ ہمارے علاقے کا ایک چوک ہے جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔ اچانک وہاں حضور قبلہ عالم قدس سرہ تشریف لے آئے۔ ہم احباب دوڑ کر دست بوسی کرتے ہیں۔ جونہی حضور گاڑی سے باہر تشریف لائے ہر طرف چاندنی ہو گئی، جیسے چودھویں کا چاند ہر سو اُجالا کر دیتا ہے۔ آپ نے اتنا فرمایا،

’پریشان مت ہوں، انقلاب آئے گا‘ ان بشارتوں کے بعد غیب سے ہماری امداد ہوئی۔ تھوڑے دنوں میں ہی وسائل و تیار ہو گئے اور اہل سنت کی مسجد تیار ہو گئی۔ یہ پہلی فتح تھی۔ اس کے بعد میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوس بھی نکلا اگرچہ مخالفین نے اس کی خوب مخالفت کی اور لڑائی جھگڑے کی صورت بھی پیدا کی، تاہم پیر و مرشد کی توجہ ہر جگہ شامل حال رہی۔ حضور کی اجازت سے ہم نے جمعہ و محافل بھی کرائیں، جن میں سے بعض میں حضور بنفس بنفیس شریک ہوئے۔ نتیجتاً مختصر سے عرصہ میں علاقے کی مذہبی فضا خوشگوار ہو گئی۔ اہل سنت و الجمال کی جانفزا صداؤں کے ساتھ اذانیں کو سننے لگیں اور حق نکھر کر سب کے سامنے آ گیا۔

☆..... جناب افتخار احمد ممنون صاحب بیان کرتے ہیں:

۲۶ فروری ۲۰۰۱ء کو حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ کا (ہجری کیلنڈر کے اعتبار سے) نقشب لائٹانی نگر میں عرس مبارک ہونا تھا۔ اخراجات کافی تھے اور رقم کم تھی۔ (اخراجات کے سلسلہ میں کچھ رقم ممنون صاحب کے سپرد تھی)۔ بالآخر گھر میں جس جگہ رقم رکھتا تھا وہ بالکل خالی ہو گئی۔ اب پریشانی اور بھی زیادہ لاحق تھی۔ لیکن اگلے ہی دن اس جگہ کو صفائی کے لیے دیکھا تو اس میں مبلغ دو ہزار روپے رکھے نظر آئے حالانکہ ایک روز قبل وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

☆..... محمد انصر صاحب (کسراج) کی سنیے:

مجھ غریب کی بایسکل چوری ہو گئی۔ اگلی صبح پھگواڑی شریف جا رہا تھا، وہاں سے لکڑیاں پیر خانے لانی تھیں۔ دل ہی دل میں اپنے پیر کا تھوڑا کر کے عرض کیا کہ جناب غریب آدمی ہوں، آنے جانے کے لیے سائیکل واحد ذریعہ تھی، اب کیا کروں۔ کام مکمل کر کے جب میں واپس اپنے گھر آیا تو سائیکل مل چکی تھی۔

☆..... محمد امین صاحب (نقشب لائٹانی نگر) کا ماجرا سنیے:

میری ہمشیرہ کی شادی تھی۔ بارات آنے والی تھی کہ ہماری گائے نے (جو کہ بہت اکڑ تھی) والد صاحب کو ٹکریں مار مار کے ادھ موا کر دیا۔ بچنے کی امید نظر نہیں آتی تھی۔ بھگم بھاگ آپ سے آ کے فریاد کی کہ جناب بارات سر پہ پہنچ چکی ہے اور گھر میں یہ صورتحال بن گئی ہے۔ حضور نے اسی وقت دعا کی اور تسلی دے کر رخصت کر دیا۔ گھر پہنچا تو وہی والد محترم جنہیں چار پائی پر چھوڑ کر گیا تھا، بخیر دعائیت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ اتنی دیر میں بارات بھی آ گئی اور وہ سب سے آگے بڑھ کر

استقبال کر رہے تھے۔

☆..... بھائی نیامت صاحب راوی ہیں:

محمد جمیل صاحب (ماجرا) غلط سوسائٹی کا شکار تھے۔ پھر ایک دن (۱۹۹۹ء میں) ہم ان کو حضور کی بارگاہ میں لائے۔ جب حضور نے ان کی طرف دیکھا تو نہ جانے اس نگاہ میں کیا تھا کہ یہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے اور پھر تادیر روتے رہے۔ بعد ازاں توبہ کی اور حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ پھر ایک روز یہ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے، 'بھائی میں مارا گیا، مجھ پر قتل کا جھوٹا مقدمہ کر دیا گیا ہے (مخالفین نے خرابی شہرت کی بنا پر ایسا کیا)، میرا کوئی چارہ کرو۔ میں نے کہا کہ اپنے پیر کے پاس جاؤ۔ میں صبح سات بجے پیر خانے پہنچا۔ حضور نے دیکھتے ہی فرمایا، 'بھائی نیامت! جمیل کا کیا کیس ہے؟' میں سمجھ گیا کہ حضور بفصل خدا سب جانتے ہیں۔ بہر حال تمہیں ارشاد کی اور ساری صورتحال کوش گذار کی۔ آپ نے فرمایا، "جب تاریخ پر جائے تو یا قبلہ عالم حضور تقی لانا فی ھینا اللہ پڑھتا جائے، اللہ کرم فرمائے گا۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس کی برکت سے جلد باعزت خلاصی ہوئی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے انہیں بھاگنے سے منع کر کے خود تھانے پیش ہونے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔ جمیل صاحب کا کہنا تھا کہ مزہ تب ہے جب پیر صاحب اصل قاتل پکڑا دیں۔ چنانچہ ۳۱ دین دن قاتل پکڑا گیا۔ پھر جب یہ بارگاہ شیخ میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا، 'راضی ہو؟' عرض کیا، 'مضور راضی ہوں۔'

☆..... محمد شاکر صاحب (ساکن افسلپور، دسمبر ۱۹۹۴ء میں بیعت ہوئے) کا بیان

ہے کہ میں بی ایڈ کا طالب علم تھا۔ سارا سال پڑھ نہ سکا۔ پھر امتحانات سے پہلے بیمار ہو گیا

اور محض چند دن مطالعہ کر سکا۔ آپ سے دعا کروائی۔ نتیجتاً جتنا پڑھا تھا اسی میں سے پڑھے آئے اور بہت اچھے ہوئے۔

☆..... حقیقت یہ ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ راقم کسی مسئلے کا شکار ہوا ہو اور پیر دستگیر نے مدد نہ فرمائی ہو۔ یہاں ایک اپنا واقعہ نظر قارئین ہے:

۱۹۹۹ء میں جبکہ یہ عاجز طالب علمی کے دور سے گذر رہا تھا، بی ایڈ کی غلط کتب ادارے کی طرف سے موصول ہو گئیں جبکہ اصل کتابوں کے لیے اسلام آباد جانا ضروری تھا۔ اس کام کے لیے بھاگ دوڑ کے علاوہ اخراجات بھی خاصے درکار تھے۔ چنانچہ پریشانی میں شیخ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سب کچھ عرض کیا، یہ بھی کہ اسلام آباد گئے بغیر بات نہیں بنے گی۔ ممنون صاحب نے لقمہ دیا، حضور یہ جانا نہیں چاہتا۔ فرمایا، 'کیوں نہیں جانا چاہتا؟' انہوں نے عرض کیا، جناب یہ سفر سے ڈرتا ہے۔ فرمایا، 'ٹھیک ہے، واقعی اللہ تعالیٰ سفر کی صعوبتوں سے بچا کر ہی رکھے'۔ اگلے دن پھر عرض کیا تو فرمایا، 'انشاء اللہ نہیں جانا پڑھتا، کام ہو جائے گا'۔ پھر وہی ہوا جو زبانِ ولی سے نکلا تھا۔ یعنی اسباب پیدا ہو گئے (ممنون صاحب کے والد مختار احمد صاحب ذریعہ بنے) اور گئے بغیر ہی کام بن گیا۔ یوں درست کتابیں مل گئیں۔ قَلْبُكَ الْحَمْدُ

☆..... عرفان صفدر صاحب (نارودال) کی روداد پڑھئے:

میں ایک روز ٹریکٹر پر اپنے کھیتوں سے گذر رہا تھا۔ میں ٹریکٹر چلانے میں ابھی ماہر نہیں تھا، لہذا ڈرائیور ایک اور صاحب تھے جبکہ میں ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک جگہ ڈرائیور نے ٹریکٹر روکا اور سگریٹ لینے چلا گیا۔ اب میں ڈرائیونگ نشست پر جا بیٹھا اور اسے چلانے لگا۔ پھر ڈرائیور آ گیا اور بیٹھنا چاہتا تھا کہ ٹریکٹر مجھ سے بے قابو ہو گیا اور



ڈرائیور اس سے بری طرح سے ٹکرا کر گر گیا۔ پھر میری بچانے کی بہتیری کوششوں کے باوجود وہ نیچے آ گیا اور ٹریلٹر اس کی ران پر سے گذر گیا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اور ظاہر ہے، سب کا خیال یہی تھا کہ وہ نہیں بچے گا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی جھاگ سے اس خیال کی مزید توثیق ہو رہی تھی۔ میرا بھائی اسے 'سہارا ہسپتال' لے گیا جبکہ میں ڈر کے مارے گھر میں چھپ گیا۔ حضور کو فون پہ سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے تسلی دی فون رکھا ہی تھا کہ یہ انہونی اطلاع آ گئی کہ ڈرائیور بالکل بخیریت ہے اور معمولی خراشیں آئی ہیں۔ ساتھ ہی حضرت صاحب کا حکم مل گیا کہ اب نکل بھی آؤ، اندر ہی بیٹھ رہنا ہے کیا؟۔ پھر چند دنوں کے بعد میں اپنی کار میں سلام کے لیے حاضر ہوا۔ آپ یونیورسٹی والی جگہ تشریف فرما تھے۔ میں نے داخلی راستے میں پہنچ کر تیزی سے کار کو موڑا تو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا، 'چا کا لٹھ گیا ناں بندہ تھلے دے کے'۔ اس سرزنش کے بعد میں ڈرائیونگ کے معاملے میں محتاط ہو گیا۔

☆..... محمد اسلام باجوہ صاحب (اسلام آباد) کے چچا زاد محمد اکرام صاحب جو کویت میں مقیم تھے، ۱۹۹۲ء میں وطن واپس آ گئے۔ پھر ان کا دوبارہ کویت جانے کا پروگرام بنا تو دیزے کے لیے کم از کم دو لاکھ روپیہ درکار تھا۔ جو اس وقت میرے پاس نہیں تھا۔ حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ جناب کویت جانا ہے، دو لاکھ روپے کی ضرورت ہے، لیکن اتنی رقم پاس نہیں۔ آپ نے صرف اتنا فرمایا، 'کوئی ضرورت نہیں پیسوں کی'۔ اس وقت تو آپ کی اس بات کی سمجھ نہیں آئی۔ لیکن یہ عقدہ ٹھیک تیسرے دن کھلا جب اللہ نے نگاہ شیخ کے طفیل ایسا اہتمام فرما دیا کہ ایک پیسہ بھی نہیں لگا اور دیزہ مفت مل گیا۔

## انا ج ا کھانے میں برکت

☆..... جناب یونس علی صاحب (آدھوانہ۔ شکر گڑھ) کا بیان ہے:

ایک دن میں (نقش لائٹانی نگر میں) حضور مقلد اسلام قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ درس کے طلباء نیز دیگر عقیدتمند جو زیارت کے لیے آئے تھے، لنگر شریف کھا رہے تھے۔ حضور خود بھی کچھڑی تناول فرما رہے تھے۔ مجھے بھی آپ نے کھانے کا کہا۔ میں نے عرض کیا، 'جناب گھر میں بچے بھوکے ہیں، کیسے کھاؤں۔' حکم ہوا، 'تم ٹھیکیدار ہو ان کے؟ جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے وہی ان کو کھلائے گا بھی، تم تو کھاؤ فی الحال۔' میں کھانے سے فارغ ہوا تو فرمایا، 'گھر سے (گندم کے) دانے لاؤ۔' عرض کی، 'جناب دانوں والا ڈرم خالی ہے۔' فرمایا، 'جو دانے بھی نکلیں لے آنا۔' میں نے گھر آ کر اچھی طرح صفائی کی تو ڈیڑھ پاؤ کے قریب دانے نکلے، جنہیں لے کر میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ چونکہ میں دیر سے پہنچا تھا، آپ نے صبح تک کے لیے مجھے روک لیا۔ صبح وہی دانے آپ نے مجھے عنایت فرمائے اور فرمایا، 'اسی ڈرم میں ڈال دینا۔' میں نے ایسا ہی کیا۔ خدا کی قدرت آپ کے عطا کردہ دانوں میں اتنی برکت ہوئی کہ ۹ یا ۱۰ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن آج تک دانے ختم نہیں ہوئے۔ (ان دنوں ۶۰/۷۰ روپے فی من گندم تھی)۔

☆..... جناب اسلام باجوہ صاحب سیالکوٹ کے رہائشی تھے، پھر بسلسلہ ملازمت راولپنڈی اسلام آباد رہائش اختیار کر لی۔ یہ ان کی اہلیہ اور ساری اولاد حضور سے بہت محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ حضور کی عنایات بھی اس گھرانے پر بہت زیادہ تھیں۔ جن

دنوں حضور سیالکوٹ قیام پذیر تھے، یہ دنوں میاں بیوی تقریباً ہر ماہ اسلام آباد سے  
حاضری کے لیے سیالکوٹ آتے اور بڑی محبت کے ساتھ کچھ کھانا تیار کر کے ساتھ  
لاتے۔ حضور خود بھی تناول فرماتے اور جتنے لوگ وہاں آئے ہوتے، سب کو عنایت  
فرماتے۔ بسا اوقات لوگ خاصی تعداد میں ہوتے اور بظاہر کھانا کافی لگتا لیکن وہ کھانا  
سب کو کفایت کر جاتا۔ یہ آپ کے مبارک ہاتھوں کے لمس کا اثر تھا۔

### ظہرِ رحمت برائے اولاد

☆..... محمد رضا صاحب (بہاولپور) بیان کرتے ہیں:

میری دو بیٹیاں تھیں۔ حضور مفکرِ اسلام تیس سرہ کے پاس دعا کے لیے حاضر ہوا  
کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، انشاء اللہ  
تعالیٰ، انشاء اللہ تعالیٰ۔ مجھے یقین تھا کہ آپ کے ایسا فرمانے کا مطلب ہے، مراد پوری  
ہوگی۔ چنانچہ میں نے بیٹے کا نام بھی پوچھ ڈالا۔ آپ مسکرا دیئے اور گویا ہوئے، جب اللہ  
دے گا، پھر سات دن بعد نام رکھنا چاہئے۔ بعد ازاں پیر و مرشد کی دعا سے اللہ نے بیٹا  
عطا فرمایا۔ فون پر حضور کو بتایا اور نام پوچھا۔ فرمایا، آقاسی اللہ علیہ السلام کو سب سے زیادہ  
پیارے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تھا۔ بیٹے کا نام محمد صدیق رکھو، محمد صدیق رکھو، محمد  
صدیق رکھو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

☆..... مولانا محمد عطا صاحب (بہاولپور) جو حضور کے لاڈلے مرید تھے، راوی ہیں:

میرے عزیز محمد نسیم صاحب کی تین بیٹیاں تھیں۔ ان کی اہلیہ امید سے تھیں اور  
میڈیکل رپورٹ کے مطابق اب کی بار بھی بیٹی کی پیدائش ہی متوقع تھی۔ یہ میاں بیوی

اولادِ زینہ کی شدید حسرت رکھتے تھے۔ نسیم صاحبہ کو رات خواب میں حضور کی زیارت نصیب ہوئی جو فرما رہے تھے، ”کس نے کہا بیٹی ہے؟ رب تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمانا ہے۔“ صبح انہوں نے سب کو یہ بشارت سنا دی۔ پھر جب وقت آیا تو اللہ کے فضل و کرم اور سچے کامل کی نگاہِ کرم سے بیٹا عطا ہوا۔ تقش لانا فی فکر حاضر ہو کر آپ کو بتایا تو آپ مسرور ہوئے۔ نام رکھنے کی گزارش کی تو حکم ہوا، ”عبید المصطیٰ عبید الرسول“۔ چنانچہ عبید المصطیٰ نام رکھا گیا۔ اس بیٹے سے ایک سال بعد (حسب اشارہ) ایک اور بیٹا عطا ہوا تو اس کا نام عبید الرسول رکھا گیا۔

☆..... محمد اسلام باجوہ صاحب (اسلام آباد) کی اہلیہ صاحبہ کی روایت دیکھئے:

باجوہ صاحب کے چچا زاد محمد اکرام صاحب جو کویت رہائش پذیر تھے، ایک مرتبہ ہمارے سیالکوٹ والے آبائی گھر میں آئے۔ انہوں نے کسی ولی کامل سے بیعت ہونے کی خواہش کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں رہنمائی کے طالب ہوئے۔ ہم نے حضور مقلدِ اسلام کے احوال سنائے تو فوراً بیعت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اگلی صبح نہادھو کر مٹھائی لے کر آگئے تو ہم انہیں لے کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے انہیں اپنے حلقہٴ ارادت میں داخل فرمایا۔ بیعت ہوتے ہی وہ عرض گزار ہوئے کہ جناب میری چھ بیٹیاں ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ اب تمہیں بیٹے کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ آپ نے فقط اتنا فرمایا،

”اچھا؟“۔ پھر ٹھیک نو ماہ بعد اللہ نے انہیں بیٹا عطا فرمایا۔ انہوں نے خوشی خوشی آپ کو خبر دی۔ پھر چند دن بعد اکرام صاحب دوبارہ حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ جناب اپنی دو بیٹیوں اور اس ایک بیٹے کا عقیدہ کرنا چاہتا ہوں۔ حکم ہوا، ”ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا بھی“

کر لو، اور ایک بیٹی اور دوسرے بیٹے کا اگلے سال کر لینا۔ یہ تیرا ان ہوئے کہ میرا تو ایک ہی بیٹا ہے، پھر یہ دوسرے بیٹے کا ذکر کیسے؟ اس سے سال بھر بعد یہ عقدہ کھلا، جب ان کے ہاں دوسرا بیٹا تو لہ ہوا۔

دراصل آپ نے اپنے مخصوص طرز عمل (اچھا؟) اور نگاہ سے یہی سمجھایا کہ لوگ کون ہوتے ہیں اپنے تئیں باتیں فرض کرنے والے۔ اللہ قادر مطلق کی رحمتوں سے کبھی

مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ہے وہ اسلوب جس سے ایک ولی کامل اپنے پیروکاروں کو اصل توحید کی روح سے آشنا کرتا ہے۔

### ناراضی کا وبال

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں اولیاء اللہ کی اطاعت و خدمت پہ اللہ کی طرف سے ڈھیروں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں، وہاں ان کی ناراضی خدائے بزرگ و برتر کی ناراضی کا موجب بھی بنتی ہے۔ ان کے ماتھے کی ایک شکن مرید کی محرومی کا سبب اور ان کے ہونٹوں کا ایک تہنم اس کے لیے باعثِ صد کامیابی ہے۔ لہذا بامراد ہوا وہ جو ان کے چہرے کی لکیریں دیکھ کر اپنے احوال کی اصلاح کرتا ہے۔ اور ہرگز اپنے پیر کی حکم عدولی کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔ جب مرید بمقتضائے بشریت لاپرواہی کر جاتا ہے تو درستگی احوال یا تنبیہ کے لیے اس لاپرواہی کے نقصانات اس پر وارد کیے جاتے ہیں۔ اگر وہ سنبھل جائے تو اس کی خوش بختی ہے، وگرنہ (حسب حال) محرومیاں اسے شکار کر لیتی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ طبقہ اولیا نہایت مہربان اور لچال ہوتا ہے اور لاپرواہی یا

بمقامِ بشریت ہونے والی خطاؤں سے آخری حد تک درگزر کرتا ہے تاہم اصلاح کے لیے کبھی دوسرا انداز بھی اختیار کیا جاتا ہے (اگرچہ اس انداز میں بھی شفقت و رحمت کا عنصر کارفرما ہوتا ہے)۔ ذیل میں ایسے ہی چند واقعات رقم کیے جاتے ہیں۔

☆..... ایک صاحب (جن کا نام یہاں درج کرنا مناسب نہیں۔ اس سے اگلے دو واقعات میں بھی یہی اہتمام ہے) کچھ عرصہ جامعہ انوار لائٹانی میں قیام پذیر رہے۔ پھر غلط صحبت کا شکار ہو گئے اور بعض خلافِ شرع حرکات بھی سرزد ہونے لگیں۔ حضور اس جوان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور ہر چند کہ بہتیرا سمجھایا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ رات کو بھی دیر سے آنے لگے۔ پوچھنے پر سو بہانے ان کے پاس ہوتے۔ ایک دن آپ سخت جلال میں آگئے اور فرمایا، اس کو صاف صاف بتا دو کہ تم نے بہت تنگ کر رکھا ہے، دھوکے باز ہو، رب کا قہر تم پر نازل ہوگا۔

انگلی ہی رات موصوف حسب معمول دیر سے واپس آرہے تھے کہ دو ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ انہوں نے چہرے کپڑوں سے چھپا رکھے تھے۔ ان ڈاکوؤں نے ان صاحب کو خوب مارا اور شدید زخمی کر دیا۔ یہاں تک کہ تشدد اور خوف و دہشت سے یہ بیمار ہو گئے اور ہسپتال جانا پڑا۔ یوں قدرت کے اس 'مُحْسِنِ اہتمام' سے ان کی کئی قبیح عادات ختم ہو گئیں۔

(۱)۔ جب حدیث پاک کے مطابق باپ کی رضا میں اللہ کی رضا اور باپ کی ناراضی میں اللہ کی ناراضی ہے تو کیا ہے جو وہ حالی باپ ہے، اس منصب سے محروم ہوگا؟

☆..... ایک اور صاحب موضع 'چک قاضیاں' ایک محفل میں جانا چاہتے تھے، جبکہ حضور کی مرضی نہیں تھی کہ وہ جائیں۔ انہوں نے ضد کی تو آپ خاموش ہو گئے، جسے

انہوں نے رضامندی پر مجبور کیا اور چلے گئے۔ اب ہوا یوں کہ وہاں انہوں نے کچھ ایسی وال کھائی کہ پیٹ خراب ہو گیا اور اگلے دن ہیضہ کی شکل بن گئی۔ تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، مگر اب پچھتائے کیا ہوتے ہیں جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

☆..... عارف عثمانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تقش لانا ثانی علیہ الرحمہ کی صاحبزادی صاحبہ علیہ الرحمہ کے وصال (۱۴ مئی ۱۹۹۹ء۔ بروز جمعہ المبارک) کے بعد حرم نقل کے موقع پر حضور علی پور شریف جا رہے تھے۔ آپ کے ہمراہ چند احباب اور صاحبزادہ عطاء الحق صاحب ایک کار میں آگے جا رہے تھے۔ پچھلی گاڑی (ڈالہ) میں ممنون صاحب، ان کے والد مختار احمد صاحب، اعجاز حسین صاحب، بھائی محمد سرور صاحب، بابا شریف دین صاحب اور یہ عاجز سوار تھے جبکہ ایک صاحب ڈرائیور کو بے دخل کر کے خود گاڑی چلانے لگے۔ ایک جگہ اگلی کارر کی اور صاحبزادہ صاحب نے آکر حضرت صاحب کا یہ پیغام دیا کہ آپ پیچھے بیٹھیں اور ڈرائیور کو گاڑی چلانے دیں۔ ان صاحب نے تعمیل ارشاد میں تساہل سے کام لیا اور جواباً عرض کیا کہ اچھا جناب نارو وال پہنچ کر اتر جاؤں گا۔ اس عاجز نے بھی ان صاحب سے یہ عرض کیا کہ جو حکم ملا ہے فوراً اس کی تعمیل ہونی چاہئے، تاہم وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ چند گز بھی گاڑی آگے نہیں گئی تھی کہ رُک گئی۔ ہر چند کہ اسے چلانے کے سوجھن کیے گئے مگر اس نے چلنے سے انکار کر دیا۔ خود ڈرائیور جو اچھا بھلا ملکینک بھی تھا، حیران تھا کہ آخر نقص کہاں ہے۔ اب یہاں سے ہم گاڑیاں بدل بدل کر علی پور شریف پہنچے۔ تب تک ان صاحب کو اپنی غلطی کا مکمل احساس ہو چکا تھا۔

☆..... اس واقعہ کے راوی جناب غلام مرشد صاحب ہیں:

۲۱ اپریل ۲۰۰۱ء بمطابق ۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ بروز ہفتہ بعد نماز عشاء بمقام کجروڑ (نارووال) شہادت کانفرنس تھی۔ جبکہ جامع مسجد خاتونِ جنت نقشب لائانی نگر میں بھی علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے یومِ وصال کے سلسلہ میں تقریب تھی۔ چند محترم شخصیات اس عاجز کو اپنے ساتھ کجروڑ لے جانے پر بضد تھیں۔ جبکہ حضور کی بھیجے کی مرضی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ تاہم میں اپنی بے ذوقی سے آپ کی منشاء کو یقینی طور پر بھانپ نہ سکا نیز ان حضرات کے اصرار پر اجازت لینے گیا (اور یہ میری غلطی تھی) اور عرض گزار ہوا کہ فلاں صاحب ساتھ چلنے کا کہہ رہے ہیں۔ ساتھ ہی دست بوسی کے لیے ہاتھ آگے کیے۔ حضور نے فرمایا، 'جاؤ'۔ تاہم میرے آگے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو نظر انداز کر دیا۔ کچھ دیر میں اسی کشمکش میں رہا کہ آپ کی مرضی کیا ہے، پھر اپنے تئیں 'جاؤ' کی تعمیل میں چل دیا اور گاڑی کے پاس آ کر سب سے کہہ دیا کہ حضور کی مرضی معلوم نہیں ہوتی۔ سب نے اسے میرا وہم قرار دیا، یوں ہم چل دیے۔ پورا راستہ طبیعت پریشان رہی۔ پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ اس کانفرنس کا نظم و ضبط نہایت ناقص تھا۔ پروگرام کافی تاخیر سے شروع ہوا۔ کسی بھی اور مقرر کو خطاب کا وقت نہ مل سکا، کیونکہ ایک مولوی صاحب نے مائیک جو سنبھالا تو رات کا زیادہ تر حصہ انہی کے خشک خطاب کی نذر ہو گیا۔ ہم نے بار بار میزبان سے جانے کی اجازت مانگی لیکن جانے بھی نہ دیا گیا۔ پونے تین گھنٹے کے خطاب کے بعد بھی جب ان صاحب کے مائیک چھوڑنے کے آثار نظر نہ آئے اور ہم میں سے کسی کی بھی باری آنے کی کوئی صورت نہ رہی (کیونکہ صبح ہونے والی تھی) تو واپسی کی ٹھانی اور بمشکل وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ یوں نہایت بد مزگی اور پریشانی میں جملہ وفد واپس آ گیا۔ اب سب کو یقین آچکا تھا کہ "نور اللہ" سے



دیکھنے والے ”بندۂ مومن“ کی مرضی کے تابع رہنے میں ہی سہولت و کامیابی ہے۔

☆..... محترم المقام حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکہ) بیان فرماتے ہیں:

ایک شخص نے حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کی گھڑی اٹھالی۔ پھر دس بارہ سال کے بعد اس حال میں ملا کہ اس کے گھر بارتک بک چکے تھے۔ معافی کا خواستگار ہوا اور گھڑی واپس کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، رکھ لو، یہ میں نے تمہیں دی، اب یہ تمہارے لیے حلال ہے۔ وہ شخص تا دیر منت و زاری کرتا رہا کہ جناب اپنے اس عمل کی وجہ سے میں آج یہاں تک پہنچا ہوں۔

## چند مزید کرامات و برکات

سرور کائنات ﷺ کی زیارت: جناب محمد اسلام باجوہ صاحب (اسلام آباد) کی

اہلیہ محترمہ ڈاکٹر زرینہ صاحبہ کا بیان ہے:

حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز سیالکوٹ میں رہتے ہوئے ہر سال ماہِ ربیع الاوّل شریف کے پہلے بارہ دن مسلسل میلاد شریف کی محافل سجاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہمارا گھر وقف تھا۔ یہ محافل نہایت ایمان افروز، روح پرور اور وجد آفریں ہوتیں۔ ایک مرتبہ عین عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُرسحیح کو یہ نورانی محفل جاری تھی، اور لاہور کے ایک بہترین نعت خوان اپنی آواز کا جادو جگا رہے تھے۔ مجھے اس سارے رُکیف منظر نے سرور و انبساط سے بھر دیا تھا۔ اور اس کے سحر نے میرے اندر مستی سی بھر کے بے خود کر رکھا تھا۔ پھر اسی بے خودی میں مجھے آسمان سے روئی کے گالے اترتے نظر آئے۔ پھر ایک آواز سنائی دی، کوئی پکار پکار کے کہہ رہا تھا، ”ہٹ جاؤ، ہٹ

جاؤ، سب راستہ چھوڑ دو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔“ پھر مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے مبارک سراپا کو دیکھنے سے میں قاصر رہی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لائے اور صوفے پر متمکن ہوئے۔ باجوبہ صاحب نے یہ واقعہ آپ سے عرض کیا تو فرمایا، ”یہی میں چاہتا تھا“۔ یوں عین حالتِ بیداری میں حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز نے مجھے زیارتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف کرایا۔

### حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کی خواب میں زیارت اور اس کی برکات

اسلام میں سچے خوابوں کی اہمیت مسلمہ ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے متصل پہلے چھ مہینے کا دورہ روایاً صادقاً (یعنی سچے خوابوں) کا زمانہ ہے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَوَّلُ مَا بَدَأَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا  
الصَّالِحَةُ النَّوْمُ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْهُ مِثْلَ  
فَلَقِيَ الصُّبْحَ..... (بخاری شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی۔ جو خواب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے، اس کی تعبیر صبحِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ مِيتَةٍ وَ

أَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النَّبُوَّةِ..... (بخاری شریف)

ترجمہ: نیک آدمی کا اچھا خواب بڑے بڑے چھیا لیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

صحیحہ صحابہ کرام علیہم السلام خواب کی رہنمائی سے دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں نمایاں ترین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اذان کی ابتدا بھی چند صحابہ کرام علیہم السلام کے منفقہ خوابوں ہی سے ہوئی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محبوبانِ خدا کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہیں اپنی مرضی سے کسی کے خواب میں تشریف لا کر اسے نوازیں۔ جواب یہ ہے کہ جب شیطان اپنی مرضی سے لوگوں کے خوابوں میں گمراہ کرنے کے لیے آسکتا ہے تو محبوبانِ خدا لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانے اور ان کے کام سنوارنے کے لیے ان کے خوابوں میں کیوں نہیں آسکتے۔ معترضین شیطانی طاقتوں اور اختیارات کے تو قائل ہیں، رحمانی قوتوں کے مظہر، اللہ کے ان مطہج و فرمانبردار بندوں کے اختیارات سے انکاری کیوں؟ حالانکہ شیطان ملعون کو ان پاک بندوں کی قوت و طاقت سے نسبت ہی کوئی نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ خواب میں کسی خوش نصیب کو اپنے شیخ کی زیارت ہو تو بغیر شک و شبہہ کے اسے شیخ ہی سمجھے۔ شیطان ہرگز ان نورانی شخصیات کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ محبوب سبحانی، غوثِ صمدانی، حضور شہنشاہِ اولیاء، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب مستطاب ”سُرِّ الاسرار فیما یحتاج الیہ الامرار“ میں تصریح فرماتے ہیں:

”(حدیثِ پاک کے مطابق) شیطان صرف حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا تمثیل اختیار کرنے ہی سے عاجز نہیں (صحابہ بخاری و مسلم) بلکہ شیخِ کامل کی شکل مبارک میں بھی نہیں آسکتا کیونکہ شیخِ کامل مظہرِ رحمت و شفقت و لطف و ہدایت ہے اور شیطان ظلمت و قہر۔ لہذا خواب میں اپنے مرہدِ عالی کی زیارت کرنے والا بھی بغیر کسی شک و شبہہ کے اسے مرہد

عالی ہی سمجھے۔ (بلکہ سیدنا غوثِ پاک کی تصریح کے مطابق ایسا اولیاء کے علاوہ ملائکہ، کعبہ، شمس و قمر، ابرسفید اور قرآن مجید کی شکل میں بھی نہیں آسکتا)۔

بہر حال اولیاءِ کرام علیہم السلام اپنے عظیم رسول، حضورِ ہادیؐ کو نبین سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث و مظہر ہوتے ہیں، اور اپنے پروردگار سے غلاموں کے خواب میں آتے ہیں اور انہیں طرح طرح سے نوازتے، ہدایات دیتے، تنبیہ فرماتے اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس کے ان گنت شواہد موجود ہیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا، اس کی مزید وضاحت کے لیے حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ اتھوی سے متعلق چند ایسے ہی واقعات ذیل میں بیان کیے جا رہے ہیں۔ (خیال رہے کہ اس مضمون کے کتنے ہی واقعات اور اوراقِ گذشتہ میں بیان ہو چکے ہیں)۔ انہیں بغور پڑھیے اور اندازہ کیجئے کہ اس ”دورِ بعادت“ میں اسلام کے ثور سے متور ہونے والے کیسی کیسی کرامات اور کیسے کیسے تعزّفات سے ممتاز کیے گئے۔

☆..... صوفی تنویر احمد صاحب کا بیان ہے:

اکثر دل میں یہ خیال آتا تھا کہ نقشِ لائٹانی نگر، کوئی پلاٹ خرید کر مکان تعمیر کروں تاکہ اپنے پیر کی زیادہ سے زیادہ قربت نصیب ہو۔ تاہم مالی مسائل اور کسی حد تک سستی کے سبب تاخیر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز حضورِ خواب میں تشریف لائے

اور جلالی انداز میں ارشاد فرمایا، 'توں ساڈے لاگے جگہ لیدا کیوں نہیں؟'۔ عرض کیا، حضور اتنی رقم نہیں ہے۔ فرمایا، 'دس ہزار روپی نہیں؟'۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ دل میں یہ یقین جاگزیں ہو چکا تھا کہ آپ کی مرضی ہے تو اب بات بن جائے گی۔ اور پھر ہوا بھی ایسا ہی، اسی دن دس ہزار روپے کی پیٹنگی ادا ہوئی پر آستانہ عالیہ کے قریب ایک پلاٹ کا سودا ہو گیا اور باقی رقم نہایت آسان اقساط میں دینی قرار پائی۔ پھر اللہ نے میرے حضرت کے طفیل تمام اسباب پیدا کر دیئے اور تھوڑے ہی عرصے میں بہترین مکان کھڑا ہو گیا۔

☆..... محمد فیصل صاحب (جموں - شکر گڑھ) نے ایک مرتبہ بیان کیا (۱۹۹۹ء):

میں کسی پیر کی تلاش میں تھا تا کہ اس کی بیعت کر سکوں۔ بہت سی جگہوں پر گیا مگر دل مطمئن نہ ہوتا تھا۔ ایک رات حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز خواب میں تشریف لائے اور فرمایا، 'ہمارے پاس آ کر تو دیکھو۔ چنانچہ آپ کے در اقدس پہ حاضری کا آغاز ہو گیا۔ اور بالآخر آپ کی شخصیت اور سیرت و کردار سے متاثر ہو کر ایک روز بیعت بھی کر لی۔

☆..... محمد زاہد صاحب (گلی ڈاکخانہ، شکر گڑھ) کا بیان ملاحظہ کیجئے:

مجھے ایک روز خواب میں آپ کی زیارت ہوئی۔ اس سے پہلے میں نے طاہری طور پر آپ کی زیارت نہیں کی تھی۔ آپ کے سراپائے اقدس کی نورانیت نے مجھے حیرت کدہ میں لاکھڑا کیا۔ خواب ہی میں مجھے آپ نے اپنے پاس حاضری کا حکم ارشاد فرمایا۔ اگلے ہی دن میں حسب حکم آپ کے بتائے ہوئے مقام پر حاضر ہوا تو حیرت بالائے حیرت کہ وہی نورانی سراپا میرے سامنے موجود تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دیا اور حلقہٴ ارادت میں داخل ہو گیا۔

☆..... فرزند علی صاحب (موضع ہریال) کی داستان سنئے:

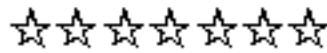
میں نے حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کی خواب میں زیارت کی جبکہ ظاہری طور پر زیارت سے ابھی مستفید نہیں ہوا تھا۔ میں نے جامع مسجد گلزار مدینہ میں آپ کو خطاب فرماتے دیکھا۔ پھر تقریباً چھ ماہ بعد مجھے ایک پیچیدہ دینی مسئلہ (۱۲ سالہ بچی کے نکاح کے حوالے سے) معلوم کرنا تھا، جس کے لیے میں مختلف علماء کے پاس گیا۔ جس کے پاس بھی گیا اس نے مجھے آپ کے پاس حاضری کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ کے پاس حاضر ہو کر چہرہ پُر نور کی زیارت کی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے آپ کو بعینہً مثل خواب پایا۔ قدرت کی اس کرشمہ سازی پر میں حیران تھا، پھر آپ نے مسئلہ بھی یوں سمجھایا کہ میری تسلی ہو گئی۔

☆..... محمد عاصم صاحب (شکر گڑھ) کا ایمان افروز ماجرا ملاحظہ کیجئے:

حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز سے بیعت ہونے کے جلد بعد ایک رات آپ خواب میں تشریف لائے۔ آپ چارپائی پر بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ پھر دوسرے منظر میں میں آپ کے ہمراہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر تھا۔ جی بھر کر قبر انور کی زیارت کی۔ پھر آپ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی بھی زیارت کروائی۔ اس بابرکت خواب کا سحر کئی دن مجھ پر طاری رہا۔

☆..... ضلع سیالکوٹ سے ایک بچی حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز کے حلقہ ارادت سے متعلق تھیں۔ ان کی آنکھ کے ڈیلے میں کوئی نقص پیدا ہو گیا۔ میوہ ہسپتال لاہور کے سرجن ڈاکٹر خالد صاحب سے چیک اپ کرایا تو انہوں نے اپریشن تجویز کر دیا۔ ساتھ ہی یہ ہسوسناک خبر سنائی کہ اپریشن کے بعد ہر چیز دود و نظر آئے گی۔ بچی کے والد نے آپ کو فون کر کے ساری صورتحال گوش گزار کی۔ آپ نے فرمایا، 'کر دو! اپریشن، دود و

نظر نہیں آئیں گے۔ تاہم بچی اپریشن کروانے پر کسی صورت متیار نہیں تھی۔ تب ایک رات اس کے خواب میں آپ تشریف لائے اور فرمایا، 'کرواؤ اپریشن، میں جو کہہ رہا کہ ایک کی بجائے دو نظر نہیں آئیں گے۔ اب بچی مان گئی۔ اپریشن کیا گیا اور اس وقت ڈاکٹروں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہیں معائنے کے بعد معلوم ہوا کہ بچی کو بالکل ٹھیک یعنی ایک چیز ایک ہی دکھائی دے رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس قدر کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔



باب تیرہواں

## وصال اور ما بعد وصال



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## موت کا اسلامی تصور

إِذَا الْمَيِّتَةُ أَنْشَبَتْ أَظْفَارَهَا  
الْفَيْتُ كُلُّ تَمِيمَةٍ لَا تَنْفَعُ

(یعنی جب موت اپنے ناخنوں کو پھیر دیتی ہے تو اس وقت ہر تعویذ  
بے سود اور ہر منتر بے کار ہو جاتا ہے۔ اور مر جانے کے سوا کوئی  
چارہ نہیں ہوتا)

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی

کیا چاہتا رہے، کیا مرغ و ماہی (اقبال)

اس جہان کی ہر شے فانی اور تغیر و تبدل کی زد میں ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ

وَإِلَّا كَرَامٍ..... (پ ۲۷۔ سورۃ زمر ص ۲۷)

ترجمہ: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے۔ اور باقی ہے تمہارے رب

کی ذات، عظمت اور بزرگی والا۔ (کنز الایمان)

وقت کی تند و تیز آمدھی نے مہکتے ہوئے گلزاروں کو آن کی آن میں سلگتے ہوئے ریگزاروں میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور کبھی یوں بھی ہوا کہ پتے ہوئے صحرا کے سینے سے آبِ رواں کے سوتے پھوٹے جو بیاباں کو رھک گستاں بنا گئے۔ آج جہاں شہر ہیں کبھی ویرانے تھے اور جہاں عیش و نشاط کی محفلیں گرم ہوتی تھیں وہاں سناٹا طاری ہے۔ یہ انسان جو چاند کے بعد مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے، جو مہر و ماہ کو شکار کر رہا ہے، فطرت کے مظاہر جس کے تابع فرمان ہیں، کوہ و کمر اور بحر و بر میں جس کی حکمرانی ہے، ”آنَا وَلَا غَيْرِي“ کا نعرہ لگانے والا یہ انسان موت کے سامنے آج بھی اتنا ہی عاجز ہے جتنا کل تھا۔

لَنَا مَلِكٌ، يُنَادِي كُلَّ يَوْمٍ

لِذُوِ النَّسُوتِ وَابْنُوِ النَّخْرَابِ

(یعنی روزانہ ہمیں ایک فرشتہ پکار پکار کر یہ اعلان سنانا ہے کہ دنیا

والو! سن لو! اس دنیا میں ہر چہ اسی لیے پیدا ہوتا ہے کہ اس کو ایک

دن مرجانا ہے اور ہر مکان اسی لیے بنتا ہے کہ اس کو ایک نہ ایک

دن گرجانا ہے)

الغرض آج سے چودہ سو سال قبل قرآن نے جو اعلان کیا تھا، آج بھی اپنی

صداقت کے ساتھ کائنات میں کونج رہا ہے اور کبھی اسے چیلنج نہیں کیا جاسکے گا کہ

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ  
مُشَيَّلَةٍ ط (النساء آیت ۷۸)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ لے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں  
میں ہو۔ (کنز الایمان)

دوسرے مقام پر ارشادِ ربّانی ہے:

فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝  
(الاحقاف آیت ۶۱)

ترجمہ: پھر جب ان کا وعدہ آئے گا، نہ ایک گھڑی پیچھے نہیں نہ آگے  
بڑھیں۔ (کنز الایمان)

لیکن اسلام بتاتا ہے کہ موت فنائنِ محض (یا مکمل فنا) نہیں، بلکہ زندگی کے ایک نئے سفر کا  
نقطہ آغاز ہے۔ یوں اس حیاتِ دنیوی کا انتقام دراصل حیاتِ برزخی کی ابتداء ہے۔ پھر  
ایک اور انقلاب آئے گا جب انسان پہلے کی طرح مکمل طور پر زندہ ہو کر اپنے خالق  
دوالکِ حقیقی کے حضور حاضر ہوگا:

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝..... (الطائفیس آیت ۶)

ترجمہ: جس (قیامت کے) دن سب لوگ ربِّ العالمین کے حضور  
کھڑے ہوں گے۔ (کنز الایمان)

یعنی وہ دن قریب ہے جب نہ کوئی بلندی ہوگی نہ پستی، نہ کوئی شہر ہوگا نہ کوئی  
بستی، نہ کوئی وجود ہوگا نہ ہستی، نہ خم ہوگا نہ مستی، نہ سوز ہوگا نہ ساز، نہ کوئی صبح کا سویرا ہوگا نہ  
رات کا اندھیرا، نہ کلیوں کا تیشم ہوگا نہ بلبلیں کا ترنم، نہ چاند کی چمک ہوگی نہ کہکشاں کی

دھمک، نہ سما ہوگا نہ سمک، نہ عرش ہوگا نہ فلک، نہ برگ و ثمر ہوں گے نہ شجر و حجر، نہ دریاؤں کی روانی ہوگی نہ نہروں کی جولانی، نہ تاج و تخت ہوگا نہ سلطوت و شوکتِ شاہی ہوگی غنظ رب العالمین کی بادشاہی ہوگی اور سب اس بادشاہِ حقیقی کے سامنے حاضر ہوں گے۔

پھر سب کے دنیاوی اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ نیک و بد اعمال میزانِ عمل پر تولے جائیں گے، بالآخر جزا یا سزا کے لیے جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اور یہ حیاتِ اُخروی غیر مختتم ہوگی۔ (وَإِنَّا لِلذَّارِ الْآخِرَةِ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۝)۔ یہ تمام حقائق قرآن میں جا بجا موجود ہیں۔ مثلاً:

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ  
إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝  
... (الجمعة آیت ۸)

ترجمہ: تم فرماؤ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمہیں ملتی ہے، پھر اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو تم نے کیا تھا۔ (کنز الایمان)

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۗ وَ  
كُلُّ شَيْءٍ بِأَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ ..... (اس آیت ۱۲)

ترجمہ: بے شک ہم مردوں کو جلائیں گے اور ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہر چیز ہم نے کئی رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔ (کنز الایمان)

كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝ ..... (الاعراف آیت ۲۹)

ترجمہ: جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے۔ (کنز الایمان)

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً

أُخْرَى ۝ (طہ آیت ۵۵)

ترجمہ: ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے

جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ (کنز الایمان)

یا در ہے! موت و حیات کا یہ تھوڑا سا اسلام کا معجزہ بھی ہے اور دنیا پر احسان

عظیم بھی کہ نیکی کی بقا اور فردغ کے لیے عقیدہ آخرت بنیاد ہے۔ یعنی اگر وہ موت اور ما

بعد الموت کا نقشہ ذہن میں رکھتے ہوئے زندگی کے دن گزارتا ہے تو اس کی زندگی کا

نقشہ بھی دوسروں سے مختلف اور بہتر ہوگا۔ اس کا لحو لحو نیکی دامن کا علمبردار اور رزواں

رُواں ذکر خدا سے سرشار ہوگا۔ وہ حرص و ہوا کے فریب میں آئے گا نہ عیش و طرب کا

طدادہ ہوگا۔ تخت و تاج میں اس کے لیے کوئی کشش ہوگی نہ تختہ دار میں خوف و

ہراس۔ موت کی یاد اسے ہر لذت سے بے نیاز کر دے گی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا ارشاد عالیشان ہے:

فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَذَكُّرًا..... (ترمذی شریف)

ترجمہ: لذتوں کو ختم کرنے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو۔

نیز اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے دریافت کیا کہ کیا شہداء کے مقام پر کوئی اور بھی ہوگا؟ فرمایا:

نَعَمْ مَنْ يَذْكُرُ الْمَوْتَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ عَشْرِينَ مَرَّةً (شرح الصدور ص ۸)

ترجمہ: ہاں جو دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔

اس فضیلت کا سبب یہی ہے کہ موت کے ذکر کے باعث انسان اس دنیائے فریب سے دور اور آخرت کی تیاری میں منہمک رہتا ہے جبکہ موت سے غفلت انسان کو شہواتِ دنیا میں مستغرق رہنے کی دعوت دیتی ہے۔

خیال رہے! کہ انسان کے اعمال کا احتساب روزِ حشر کے ساتھ ہی وابستہ نہیں بلکہ موت کے ساتھ ہی کچھ نہ کچھ شروع ہو جائے گا۔ اسلام نے نکیرین کے ساتھ سوال و جواب میں کامیابی و ناکامی کا تصور دے کر جہاں احساسِ ذمہ داری میں ہدایت پیدا کرنے کی سعی فرمائی ہے وہاں اس سے زندگی کا تسلسل بھی ثابت ہوتا ہے۔ اگر دیگر اقوام کی مانند انسان کے لیے 'قنائے محض' کو تسلیم کر لیا جائے تو نیکی و بدی کا امتیاز بے جان سا ہو جاتا ہے۔ تو نیکی کرنے کا کوئی فائدہ نظر آتا ہے، نہ بدی کرنے پر وبال معلوم ہوتا ہے، چنانچہ فرمائیے! کون سا فعل ایسا ہے جو اتباعِ نفس اور حرص و ہوا کے جذبات سے مغلوب ہو کر انسان نہ کرے گا، یوں پوری دنیا ظلم و تشدد و اور امتیاز و اضطراب سے بھر جائے گی۔

یہاں اس بات کو بھی اچھی طرح سے جان لیجئے کہ مومن اور کافر کی برزخی زندگی میں بھی فرق ہے۔ صرف ایک بات ایسی ہے جو مومن و کافر میں کسی حد تک مشترک ہے اور وہ ہے ان کی سماعت یعنی سننے کی قوت۔ یعنی برزخی زندگی میں مومن ہو یا کافر، بہر حال سنتا ہے۔ چنانچہ مومن کے متعلق فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے کہ دفن کرنے والے جب اسے قبر میں لٹا کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز بھی سنتا ہے۔ (اِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَوْلَ عِبَادِهِمْ۔ بخاری شریف)۔ جبکہ کافر کی سماعت بعد از موت کے متعلق جنگِ بدر کا واقعہ روشن دلیل ہے۔ ہوا یہ کہ جنگ کے بعد جب

مشرکین کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر انہیں مخاطب فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سننے پر تعجب ظاہر کیا تو فرمایا: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعٍ مِنْهُمْ (بخاری شریف)۔ یعنی تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔

یہ تو تھی قدرِ مشترک، جو محض نفسِ سماعت میں ہے (حقیقتاً کیفیت و قوتِ سماعت میں بھی بہت فرق ہے) جبکہ مجموعی طور پر مومن اور کافر کی برزخی زندگی میں زمین و آسمان سا بعد ہے۔ اس حدیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر غور کیجئے:

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ..... (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔

نیز فرمایا:

إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ "مَنْ رِيَا ضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ" مَنْ حُفْرَةُ النَّارِ. (ترمذی شریف)

ترجمہ: بے شک قبرِ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

یعنی مومن اپنی ایمانی و آئینی پابندیوں کی بنا پر گویا قید خانے میں ہے مگر جو خوبی جان نکلی، پابندیاں ختم ہوئیں۔ ارض و سما کی پہنائیاں اُس کی توانائیوں کی جولانگاہیں بن گئیں۔ اب وہ نفس کا پیچھی نہیں طاہر لاہوتی ہے، جہاں کی چاہے سیر کرے اور جو من چاہے کرے۔ اس کی قبر بھی جنت کا ایک باغ بن گئی۔ حضور شاہِ لائٹانی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ "مومنِ کامل دُنیا میں ایسی تلوار کی مانند ہے جو نیام میں ہو مگر وفات کے بعد وہ

اپنی غیر محدود قوتوں کے باعث گویا تیغ بے نیام بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس کافر خود کو ربانی ہدایت سے آزاد سمجھتا ہے۔ وہ اپنی من مانی کرتا ہے اور یہ زندگی اس کے لیے گویا جنت ہے۔ مگر جو نبی دنیا سے نکلا، لعنت و حریمت کا طوق اس کے گلے میں اور اس کی قبر دوزخ کا گڑھا بن گئی۔

پھر تمام مومنین بھی اپنی اپنی برزخی زندگی میں یکساں شان کے حامل نہیں۔ ان کی شان ان کے تقرب الی اللہ کے مراتب کے اعتبار سے ہے۔ ہم خطا کار مومن کہلانے کے باوجود چونکہ یقین محکم سے پوری طرح مستحضر نہیں ہوتے، اس لیے ہماری حیات و موت کو مومن کامل کی مثالی زندگی و موت کے رنگ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ہم خود ہی قبر و حشر میں محفوظ رہیں تو غنیمت ہے اور محض ان کا صدقہ، مگر وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی کامیابی کے ضامن ہیں۔

مومن کامل یا ولی اللہ کی اس شان کا اندازہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس طبقے کی وفات کو انتقال یا وصال سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انتقال کا تصور اس حدیث پاک سے ملا:

إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا يَمُوتُونَ بَلْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى

دَارٍ..... (تفسیر کبیر)

ترجمہ: بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

اور لفظ وصال کا ماخذ حضرت حبان بن الاسود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے:

أَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُؤْصِلُ الْعَبِيْبَ إِلَى الْعَبِيْبِ..... (شرح الصدور)



ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

چنانچہ جب سید العشاق، مؤذنِ رسول سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو وقتِ وصال

آیا، بقول مولائے روم:

چوں بلال از ضعف شد بچوں بلال

رنگ مرگ افتاد بر دئے بلال

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب کمزوری و نقاہت سے پہلی رات کے چاند

بلال کی طرح لاغر اور ڈبلے ہو گئے اور ان کے چہرے پہ موت کا رنگ اور وفات کے آثار

نمودار ہو گئے تو بقول مولائے روم:

گفت زوجه الْفِرَاقِ الْفِرَاقِ

گفت نئے نئے الْوِفَاقِ الْوِفَاقِ

(اُن کی) اہلیہ نے کہا ہائے ہائے مجھ والی پر گئی۔ آپ نے فرمایا، نہیں

یہ تو وصال (یا ملنے) کا وقت ہے۔

یونہی ملک الموت علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس روح قبض کرنے

حاضر ہوئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، کبھی تم نے ایک دوست کو دوسرے

دوست کی روح نکالتے دیکھا ہے۔ یہ سن کر ملک الموت بارگاہِ خداوندی میں حاضر

ہوئے اور آپ کا پیغام سنایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جاؤ ابراہیم علیہ السلام سے کہو:

هَلْ رَأَيْتَ خَلِيلًا يَكْرَهُ لِقَاءَ خَلِيلِهِ قَرَجَعَ قَالَ فَاقْبِضْ

رُوحِي السَّاعَةَ..... (شرح الصدور ص ۷)

ترجمہ: کیا تم نے ایک دوست کو دوسرے دوست کی ملاقات کو برا

جانے ہوئے دیکھا ہے۔ (پس ملک الموت لوٹے اور ابراہیم علیہ السلام کو جب قبضِ روح پر لٹائے خداوندی کی نوید سنائی تو) آپ نے فرمایا، میری روح ابھی قبض کر دو۔

مرزا غالب نے اسی کیفیت کی مصوڑی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ:

عشرت قتل کہ اہل تمنامت پوچھ

عبد نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

دور حاضر میں ایک ایسی ہی درخشندہ مثال ہمیں پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشبندی لائٹانی علیہ الرحمہ کی ملتی ہے۔ آپ اپنی عمر عزیز کے آخری چند ماہ صاحبِ فراش رہے۔ اگر کوئی صحت کی دعا کر بیٹھتا تو ناراض ہو کر فرماتے، ”کیا مرنا نہیں ہے، کیا دنیا سے جانا نہیں ہے“۔ آپ اس حدیثِ پاک کا مصداق تھے:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ ..... (بخاری شریف)

ترجمہ:- جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

دیکھا وہ موت جس کے آگے انسان بے بس نظر آتا ہے، انسانِ کامل نے خود اسے کتنا بے بس کر دیا۔ الغرض خدا کے نیک بندے موت سے گھبراتے نہیں بلکہ کمالِ اشتیاق کے ساتھ موت کی آمد آمد کا پر شوق انتظار کرتے ہیں کہ یہ موت دراصل وصلِ جاناں کا پیش خیمہ ہے۔ بقول اقبال:

نشانِ مردِ مومن با تو کویم

چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

یعنی مردِ مومن کی ایک خاص نشانی میں تجھ کو بتاتا ہوں کہ جب اس کو موت آتی

ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو جاتی ہے اور وہ ہستے ہوئے موت کا استقبال کرتا ہے۔

یہ ہے فیضانِ نبیِ نوعِ انسان کے اس عظیم سبب اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا جن کی اطاعت کا نور فنا کی ظلمتوں کا علاج اور جن کی الفت کی شیرینی موت کی تلخیوں کا تریاق ہے۔

یہ اہم ترین بات خوب ذہن نشین کر لیجیے کہ شُكْلُ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر نفس موت چکھنے والا ہے) سے دوامِ موت کا مفہوم نہیں نکلتا جیسا کہ بہت سے مردہ دلوں کو غلط فہمی ہے۔ اگر اس سے وہی فحائے محض مراد لی جائے تو شہداء کو زندہ ماننا محال ہے جبکہ حیاتِ شہداء نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ اور جب شہداء کی حیات برحق ہے تو صدیقین یعنی وہ اولیاء جنہوں نے نفس سے جہاد کیا کی زندگی تو بدرجہ کمال ثابت ہوئی۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام جن کے صدقے شہداء اور صدیقین کو زندگی ملی، کی حیات کا انکار کیونکر ممکن ہے۔ درحقیقت ان سب کے موت چکھنے کا اصل مفہوم وہی ہے جو حضرت اقبال نے بیان کیا ہے:

لحد میں بھی وہی کیف و حضور رہتا ہے اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے  
فرشتہ موت کا چھونا ہے کو بدن تیرا تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے  
المختصر! مردانِ کامل اپنی قبور میں حیات سے متصف اور دنیوی زندگی سے  
بڑھ کر خدا کے فضل و کرم سے متصف و مختار ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
نے فرمایا تھا کہ تُحَفَّةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ ..... (جامع صغیر) یعنی مومن کے لیے موت  
ایک تحفہ ہے۔

یہ مردانِ کامل بعد از وصال کرتے کیا ہیں؟ اس کے جوابات کسبِ احادیث و تفاسیر نیز عقائد و تاریخ کی کتابوں میں جا بجا ہیں۔ یہاں ان کو خود حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

1۔ اولیاءِ کرام اپنی قبروں میں نماز و تلاوت اور اوراد و وظائف میں مشغول ہوتے ہیں، حصولِ ثواب کے لیے نہیں بلکہ طبعی تقاضے کے طور پر۔

2۔ حسبِ ضرورت جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور غازیانِ اسلام کی پشت پناہی کرتے ہیں۔

3۔ زائرین و متوسلین کے لیے بارگاہِ ربِّ العزت میں دعائیں کرتے ہیں اور خداداد تصرف سے اُن کا کام بناتے ہیں۔

4۔ خواب میں آ کر اپنے غلاموں کو ہدایت و بشارت دیتے ہیں اور بعض اوقات حسبِ ضرورت سرزنش بھی کرتے ہیں۔

5۔ جن میں طلبِ صادق ہو، انہیں ظاہری آنکھوں سے اپنا جلوہ و جمال بھی دکھاتے ہیں

## حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ کا سانحہ وصال

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ مردانِ کامل جن کی نگاہ لوحِ محفوظ پر ہوتی ہے، اپنے وقتِ وصال سے باخبر ہوتے ہیں۔ لہذا ان کا اشتیاقِ انتظار کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور وہ بڑے اہتمام سے وصالِ یارِ کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔

حضور مفلکِ اسلام قدس سرہ العزیز نے اپنے وصال سے قبل ہی متعدد افراد کو اپنی حیر وصال اشارتاً دے دی تھی بلکہ ایک مرتبہ تو صراحتاً یوں بھی فرمایا کہ ۱۹۵۶ء میں میرے والد

گرامی کا وصال ہوا، ۱۹۸۶ء میں والدہ ماجدہ کا اور شاید ۲۰۰۶ء میں میرا انتقال ہو۔ آپ کے مخلص خادم خان عبدالرؤف خان صاحب کا بیان ہے کہ وصال سے پانچ چھ دن قبل ہم حضور کے کمرے میں حاضر بارگاہ تھے کہ یکا یک فرمانے لگے کہ اب چلنا چاہیے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور ابھی آپ کی بہت ضرورت ہے۔ فرمایا: ’نہیں اب چلنا چاہیے۔‘

علاوہ ازیں آپ وصال سے ایک مدت پہلے ہی اُن اہل محبت کو اپنی الوداعی ملاقات کا (اشارتاً) احساس دلا دیتے تھے جنہیں اس کے بعد ظاہری زیارت سے محروم رہنا تھا۔

مثال کے طور پر ۲۴ اگست ۲۰۰۶ء بروز جمعہ المبارک بعد نماز عصر آپ نے اس سگ بارگاہ کو پاس بٹھا کر طویل نصیحتیں کیں۔ پھر علامہ مفتی محمد شاہد صاحب بھی حاضر بارگاہ ہوئے اور سلسلہ سپند و نصائح جاری رہا۔ اس موقع پر جامعہ کے طلباء اور دیگر احباب کثیر تعداد میں موجود تھے۔ نماز مغرب تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد آپ اپنے مخصوص کمرے میں تشریف فرما تھے۔ جب یہ سگ بارگاہ اجازت لینے حاضر ہوا، آپ نے پھر بعض نصیحتیں کیں اور احکامات صادر فرمائے جو تبلیغ دین کے لیے تھے۔ کیا معلوم تھا کہ یہ سب دراصل وصیتیں ہیں۔ بہر حال آپ نے کچھ نہایت خاص باتیں ارشاد فرمائیں جنہوں نے رگ و پے میں بجلیاں سی بھر دیں۔ ان میں سے چند محترم المقام جناب حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) نے بھی سنیں۔ بہر حال یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ دراصل سفر آخرت کے لیے تیار شیخ کامل کے الوداعی کلمات تھے (کیونکہ علی الصبح ۱۵ اگست کو آپ راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے)۔

حضور اپنی حیاتِ مقدسہ کے آخری عرصہ میں ناسازیِ طبع کا شکار رہے۔ اس

کے باوجود آپ مکمل طور پر صاحبِ فراش نہیں ہوئے، البتہ محض سال بھر کہیں آنا جانا

محدود رہا۔ یا چند دن صاحبِ فراش رہے۔ ورنہ آپ کا ہر آنے والا سال، سال گذشتہ کی نسبت دینی مساعی اور تلقین و ارشاد کے معاملے میں مصروف تر تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے تبلیغ و اشاعتِ دین کا عظیم کام جو آپ کے ذمہ قدرت کی طرف سے لگایا گیا تھا اسے سمیٹ رہے ہیں۔ صحت روز بروز کمزور تر ہونے کے باوجود تہو اور ادو و طائف میں کوئی کمی آنے پائی اور نہ ہی دیگر مصروفیات میں کوئی حرج رونما ہوا۔

۵ اگست ۲۰۰۶ء بروز ہفتہ شمس العارفین، بدر الکاملین حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ

النورانی بغرض علاج راولپنڈی اسلام آباد پہنچے۔ تاہم مزاج شناس احباب کے مطابق یہ تشریف آوری برائے علاج کم اور تبلیغی مذہبی سرگرمیوں کو ملاحظہ فرمانے اور ان کی سرپرستی کے لیے زیادہ تھی۔ شفا ہسپتال سے تین روز علاج معالجہ ہوتا رہا، لیکن قیام جناب اسلام باجوہ صاحب کی رہائش گاہ پہ تھا۔ ان تین ایام میں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق آرہے ہیں اور علم و عرفان کے اس سرچشمہ شیریں سے سیراب ہو کر جا رہے ہیں۔ کالجوں یونیورسٹیوں کے طلباء کو چند نصاب، علماء سے قوم کی زیوں حالی پر مذاکرات ہوں، صوفیاء سے ملت کی فکری و اخلاقی آوارگی پر تبادلہ خیالات نیز امت مسلمہ کے مجموعی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی مسائل کے حل کی ضرورت پر زور دیا جا رہا ہے۔

کیسی ایمان افروز صورت حال ہے کہ ڈاکٹر حضرات آپ کی زندگی بچانے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور آپ خود قوم کو ایمانی و روحانی موت سے بچانے کے لیے مسلسل جتے ہوئے ہیں۔ بالخصوص نامور علمی و روحانی شخصیت پیر سید صابر حسین شاہ صاحب مدظلہ سے بروز پیر ملاقات نہایت قابل ذکر ہے جس میں انہیں تاریخ اسلام بالخصوص پاکستان کی صحیح و مستند تاریخ رقم کرنے کے حوالے سے کام کرنے کو کہا۔

پھر ۱۸ اگست ۲۰۰۶ء (بمطابق ۱۲ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ ۲۳ سادون، بروز منگل) کاسو کو اردن آگیا۔ یہ سچے عاشق رسول جنہوں نے ساری زندگی اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و عظمت کے لیے کام کیا تھا، جن کی تمام عمر اسلام کے خلاف رکیک حملوں کا جواب دیتے گزری تھی، جن کا جذبہ اتباع رسول اور جذبہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا ضرب المثل بن چکا تھا، اپنے پورے جاہ و جلال اور حسن و جمال کے ساتھ (با جوہ صاحب کی رہا نشکاہ کے) ایک کمرے میں موجود تھے۔ ان کے سراپا سے نکلنے والی نورانی کرنیں کمرے کو روشن کر رہی تھیں۔ ان کے بدن کی مہکتی خوشبو ماحول کو معطر کر رہی تھی۔ صاحبزادہ عطاء الحق صاحب نقشبندی، افتخار احمد ممنون صاحب، عبدالرشید صاحب، انیس خان صاحب اور متعدد احباب پاس موجود تھے کہ مشیت ایزدی آپہنچی اور خدائے وحدہ کی عظمتوں اور محبت و غیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتوں کے عمر بھر گیت گانے والے اس شیخ طریقت نے نہایت پرسکون انداز میں سر جھکا دیا اور حریم جاناں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاٰجِعُوْنَ۔ تمام حاضرین کے متفقہ قول کے مطابق بروقت وصال کسی قسم کی تکلیف کے آثار آپ پر نہ تھے۔ معمولی سا بھی نہیں تڑپے بلکہ محض سر اقدس جھکا دیا، گویا نیند آ گئی ہے۔

بزم فقر و درع کا روح رواں جانا رہا  
رہمائے شاہراہ ساکاں جانا رہا  
عالمِ علمِ لدنی، واقفِ بر نہاں  
روشناسِ عالمِ کون و مکان جانا رہا  
با بزمِ وقت و سلمانِ ثانی و زوالنویں عصر

وہ فریہ الدہر و جعد زماں جاتا رہا  
دھنگیر بیکساں ، خیر ہدائے ناکساں  
نقشبندی سلسلے کا پاساں جاتا رہا  
جس سے اہل معرفت کرتے رہے نور اقتباس  
حسرتا وہ قبلہ روحانیاں جاتا رہا  
جب یہ خیر جاں گداز ملی تو ایک لحو کو یوں محسوس ہوا جیسے ہوا نہیں رُک گئیں  
--- گردشِ وقت ٹھہر گئی --- درودِ یوار لرز اٹھے --- پہلے آنکھیں اشک بار  
ہوئیں --- پھر جگر گداز سکیاں سنائی دیں --- اور بالآخر زبانوں نے دل و جگر سے  
نکلنے والی آہوں کا شور بلند کیا۔

آہ! آج ہم اپنی جائے سکون بلکہ جائے اماں کھو بیٹھے --- شفقت و رحمت کے شجر  
سایہ دار سے محروم ہو گئے --- ہمیں تو بہ کرانے والے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے  
محبت کا درس دینے والے، ماں باپ سے بڑھ کر پیار دینے والے، ہماری فریادیں سننے  
والے غمگسار، شفیق، غریب پرور آقا دنیا سے پردہ فرما گئے۔

افسوس! آج ہم ان نگاہوں سے محروم ہو گئے جن سے عشاق معرفت و الفت کے جام  
پیا کرتے تھے --- وہ زبانِ حجاب میں چلی گئی جس کی تاثیر اور مٹھاس نے ہمارے قلب  
دنگاہ میں انقلاب برپا کر دیا تھا --- رحمت و شفقت بھرے ان ہاتھوں کا لمس جاتا رہا  
جس سے آپ ہمارے سردوں اور پشتوں کو نوازا کرتے تھے --- اور وہ چہرہ تاباں ہم  
سے روپوش ہو گیا جس کا نور ہمارے قلب و روح کو خیرہ کیا کرتا تھا۔



اس سے زیادہ آسان موت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وصال سے چند ہی روز پہلے کی بات ہے، اس عاجز نے آپ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضور! موت سے بہت ڈر لگتا ہے، دعا فرمائیے کہ آسان موت آئے۔ تب آپ نے فرمایا تھا کہ ”تم کیا سمجھتے ہو کہ نقشب لائانی (علیہ الرحمہ) کے غلاموں کو مشکل موت آئے گی؟“ اور آپ تو حضور نقشب لائانی علیہ الرحمہ کے محبوب و مراد اور خلیفہ اعظم تھے۔ چنانچہ اپنے شیخ پر آپ کا یہ اعتقاد رنگ لایا اور آپ کو وفات بھی ایسی نصیب ہوئی جو ایک مردِ حق، خدا کے مطیع، نبی کے محبت اور اولیاء کے محبوب نظر کی شایانِ شان ہے۔

یہاں سے آپ کے حیدر اطہر کو آستانہ عالیہ علی پور شریف لایا گیا۔ انیس خان صاحب کا بیان ہے کہ راستے میں آپ کے پائے اقدس کی طرف ہو کر نعت شریف پڑھنے لگا تو یوں محسوس ہوا کہ حضور مجھے دھکیل کر فرماتے ہیں کہ ”سر کی طرف ہو“۔ یہ کہتے ہیں کہ پہلے میں سمجھا کہ وہ ہم ہے۔ تاہم دوبارہ جب حضور نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ”تمہیں سمجھ نہیں آتی کہ نعت شریف پڑھنی ہے تو سر کی طرف ہو“، تب میں اس طرف ہوا۔ (آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے والے جانتے ہیں کہ آپ نعت شریف ہر آن پاک، سادات، علماء اور صوفیاء کا کس قدر احترام کرتے تھے)۔

ممنون صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب دربار شریف کی سڑک شروع ہوئی تو ایک واضح پیٹیم جانفزا آپ کے لب ہائے مبارکہ پہ رقص کر رہا تھا۔ دربار شریف بھی یہی کیفیت رہی۔ لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ یہ دیکھو! اللہ کے ولی کی نشانی، کسی قسم کے حزن و ملال کی بجائے دل موہ لینے والی مسکراہٹ چہرہ اقدس پہ تجی ہے۔ پھر غسل کا اہتمام کیا گیا۔ بعد ازاں پہلی نماز جنازہ ادا کی گئی جس کی امامت پیر سید سعادت علی

حسین شاہ صاحب مدظلہ نے فرمائی۔ اس نماز جنازہ میں صرف ساداتِ کرام اور مشائخِ عظام نے شرکت کی۔

دنیا بھر میں آپ کے سانحہ وصال کی خبر آنا فانا پھیل چکی تھی۔ آپ کے لاکھوں عقیدتمند شدتِ غم سے چور تھے۔ بالخصوص نقشب لائانی نگر میں تو قیامت کا سماں تھا جہاں سب سے پہلے یہ زلزلہ خیز اطلاع پہنچی تھی۔ یہاں کا ماحول انتہائی سوگوار تھا۔ بڑی بے چینی سے آپ کے حسدِ اطہر و مطہر کا انتظار ہو رہا تھا۔

کیوں ارادتمند ہیں آتے نظر سب بیقرار  
کیوں وہ دوڑے جاتے ہیں سب کے سب باحالی زار  
لب پہ مہرِ خامشی، آنکھوں سے جاری سیلِ اشک  
کس کی فرقت نے کیا ہے ان کی حالت کو نزار  
سرد آہیں بھر رہے ہیں، چہرہ ہے اترا ہوا  
پڑیاں ہونٹوں پہ ہیں، بھولے ہیں سارا کاروبار  
ہے خبر آئی، ہوا شاہِ ولایت کا وصال  
جن کے دم سے تھی جماعتِ شاد کام و کامگار  
رات کے دس بج چکے تھے، رات کی بھیا نک سیاہی ہر طرف پھیل چکی تھی۔

عقیدتمندوں کا ہجوم لب سڑک نہایت بے چینی کے ساتھ اپنے محبوبِ آقا کے حسدِ مبارک کا انتظار کر رہا تھا۔ جذبات کے سمندر میں طوفان کا تلاطم بڑھتا جاتا تھا۔ بالآخر وہ لمحہ آن پہنچا۔ دور سے ایبوینس کا چیخا سا رن اور گاڑیوں کا بے ہنگم شور سنائی دیا تو ایک ہلچل مچ گئی۔ جوں جوں یہ گاڑیاں قریب آتی گئیں، کیفیتِ اضطراب اور شدتِ غم

اپنے عروج کو پہنچتے گئے۔ اور جب ان کے سامنے گویا یہ تاراج قافلہ آکر رکا تو یوں محسوس ہوا کہ لحو بھر کو پوری کائنات دم بخورہ گئی۔ لوگوں کے صبر و کلیب کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ کلیجہ توڑ کر آہوں کا دھواں نکلا اور ساری فضا پہ چھا گیا۔ شورشِ غم کی قیامت ٹوٹ پڑی۔ آسمانوں میں بھی ہلچل مچ گئی ہوگی کہ اقوال بزرگانِ دین کے مطابق اللہ کا ولی وصال کر جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے، وہ جگہ بھی روتی ہے جہاں وہ ولی بیٹھا کرتا تھا اور وہ اشیاء بھی چیختی ہیں جو اس کا استعمال میں رہا کرتی تھیں۔

اٹھ گیا ساقی، ہے بے دل بزمِ عرفان و یقیں  
چشمِ تر ساغر کہیں ہے، سرنگوں مینا کہیں  
ہو گئے افسوس اب وہ راہی ملکِ بقا  
جن کی فرقت میں ہے اشک افشاں گروہِ مومنین  
مادرِ گیتی کا غم سے ہو گیا دل پاش پاش  
چھوڑ کر رخصت ہوا جب اس کا فرزندِ حسین  
کون پھونکے گا دلوں میں پھر سے روحِ زندگی  
چھیڑ کر اک گوشہٴ عزت میں سازِ دلشیں  
ایسا ہادی اور مرشد بن کے اب آئے گا کون؟  
سادگی سے برّ معنی ہم کو سمجھائے گا کون؟

اُف! یہ کالی گھٹاؤں میں چھپی ہوئی رات۔ ہر طرف خوفناک سیاہی اور زخمی دلوں کی سسکیاں۔ کوئی اس کونے میں پڑا آنسو بہا رہا ہے تو کوئی اس کونے میں اپنے دل پہ قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ رات کٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ اور کتنی بھی کیسے، ایسے مہربان

اور شفیق شیخ کی سفید کفن میں لپٹی میّت جو سامنے تھی۔ اضطراب تھا کہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ساری رات یونہی گزری۔

کبھی روئے ، کبھی تجھ کو پکارا

ہب فرقت بڑی مشکل سے گزری

بالآخر جذبات کے خون کی سرخیاں لیے لرزتی کانپتی صبح طلوع ہوئی، گھنے بادلوں کی اوٹ میں منہ چھپائے سورج نکلا۔ پہلے خواتین نے آپ کی آخری زیارت کی، پھر جسید نورانی نقشب لائٹانی اسلامک یونیورسٹی میں لایا گیا، جہاں عاشقین و معتقدین کا ایک سیلاب عظیم تھا جس نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اور علما و صوفیا کا ایک جم غفیر تھا جو وہاں جمع تھا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا:

آفتابِ معرفت روپوش ہو جانے کو ہے  
گویا صبحِ زندگی خاموش ہو جانے کو ہے  
جس کے قدموں میں میسر تھا سکونِ جان و دل  
اس کی فرقت کر رہی ہے آج سب کو مضحل  
جس کے جلووں سے سحر تھا شبستانِ کرم  
عازمِ خلدِ میں ہے آج وہ جانِ کرم  
جس کی خاکِ پا کا ذرہ رشکِ مہر و ماہ تھا  
ہے رواں ، وہ نور والا سوئے اقلیمِ بقا  
جس کا ہلکا سا تپسم ، چارۂ رنج و محن  
اپنی فرقت میں رُلائے ہے وہ جانِ انجمن

جس کا نظارہ فروغِ دیدہ بیدار ہے  
ہاں اسی محبوب کا یہ آخری دیدار ہے  
اپنے محبوب آقا کی میت دیکھ کر ایک مرتبہ پھر لوگ بے قابو ہو گئے اور دھاڑیں مار مار کر  
رونے لگے۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ متعدد عقیدتمند بے ہوش ہو گئے۔ جس  
کی طرف دیکھو آنکھیں اٹکبار۔۔۔ جسے دیکھو سینہ ڈگار۔۔۔ جسے دیکھو غم و اندوہ میں ڈوبا  
ہوا۔۔۔ جسے دیکھو حال سے بے حال:

کون ہے جس کو نہیں یاں ان کی فرقت کا ملال  
کون ہے جو ان کے احساں سے نہیں ہے زیر بار  
اس وقت کا دلگداز اور روح فرسا منظر احاطہ تحریر و بیان سے باہر ہے۔ قلم کو یا را نہیں کہ  
درد و الم کی وہ تصویر کھینچ سکے اور زبان کی کیا مجال کہ اس منظر کو بیان کر سکے۔ بالخصوص وہ  
منظر تو بھولتا ہی نہیں جب آپ کا جسدِ اطہر اٹھایا گیا اور جنازہ گاہ کی طرف لے جایا جا رہا  
تھا۔ بس اتنا سمجھ لیں کہ یوں لگتا تھا  
جیسے زندگی اپنی حرارت کھو چکی ہو  
جیسے آرزوؤں اور ارمانوں کی بستی لٹ گئی ہو  
جیسے عیش و آرام اپنی ساری لذت کھو چکا ہو  
یوں لگتا تھا کو یا:

علم و عرفان ماتم کتاں ہے۔۔۔ زہد و تقویٰ آنسو بہا رہا ہے۔۔۔ لطفِ حیات نے  
ہم سے منہ پھیر لیا ہے۔۔۔ مہر و معرفت کو نیندا آگئی ہے۔۔۔  
ایسے احساسات کیوں نہ ہوتے، رخصت ہونے والا یہ شخص کوئی عام انسان نہیں تھا:

اس نے تو نور عرفان سے ہزاروں دل سزا رکھے تھے۔۔۔ لاکھوں دلوں کو عشقِ نبی ﷺ کی جلالتِ عطا کی تھی۔۔۔ ساکانِ طریقت کو مقصود و مراد تک پہنچایا تھا۔۔۔ زہد و تقویٰ کی عملی تفسیر پیش کی تھی۔

آج بزمِ دنیا سے وہ رخصت ہو رہا ہے جو:

☆..... بے آسروں کا آسرا۔۔۔ ضعیفوں کا مددگار۔۔۔ غریبوں کا دالی۔۔۔ اور اسیرانِ غم کے لیے پیغامِ رستگاری تھا۔

☆..... وہ معرفتِ خداوندی کا دریا تھا اور ہزاروں تشنگانِ کام اس کی ایک ایک بوند سے سیراب ہوتے تھے

☆..... وہ رسولِ خدا ﷺ کا وارث و منظر تھا اور اس کی زندگی اپنے آقا و مولا ﷺ کی عظمت و شوکت کے سامنے لوگوں کے سر جھکانے کے لیے وقف تھی

☆..... وہ فقر کا شہسوار تھا جو زمانے کے بادشاہوں سے ہمیشہ بے نیاز رہا

☆..... وہ نگاہِ کامشاق تھا، جسے دیکھتا بدل کے رکھ دیتا تھا

☆..... وہ خدا آگاہ بھی تھا، خود آگاہ بھی اور جو خدا آگاہ تھے نہ خود آگاہ، انہیں اس نے خدا آگاہ بھی کیا اور خود آگاہ بھی

ہاں ہاں! ان رونے والوں سے پوچھو، اس کا دامنِ کرم کتنا وسیع اور اس کا اندازِ عطا کس کس کے لیے زندگی کا سرمایہ تھا

دیکھئے والو! دیکھو۔ خوب اچھی طرح دیکھ لو۔۔۔ ان کے چہرہ پر نور کے گردنورانی ہالے کو

دیکھو۔۔۔ اس محبوب کے رُخِ روشن سے دیدہ و دل کا دامن بھر لو۔۔۔ آج کے بعد یہ

موقع کہاں انصیب ہوگا۔

قصیدہ بُردہ شریف جو آپ کو نہایت پسند تھا، اس موقع پر مسلسل پڑھا جاتا رہا۔ دوسری نماز جنازہ وارث فیوضات حضور نقشب لاثانی پیر سید کرامت علی حسین شاہ مدظلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ علی پور شریف نے پڑھائی۔ امیر شیران اسلام شجاعت علی مجاہد صاحب کے بقول ایک لاکھ سے زائد افراد جنازے میں شریک تھے۔ جن میں بڑی تعداد میں علماء کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی۔ بعد ازاں نقشب لاثانی اسلامک یونیورسٹی کے سامنے کمر حصہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہاں قیوم زمانی، قطیب ربانی علیہم السلام پروفیسر محمد حسین آسی رضی اللہ عنہ کے جسد نورانی کی تدفین ہوئی۔ پھر تادیر سلسلہ سنت خوانی جاری رہا۔

میں کہتا ہوں جب ایک عالم کی موت کو عالم کی موت قرار دیا گیا ہے تو اس ذات کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو عالم برحق بھی ہے اور عارفِ مٹھانی بھی۔

وہ جو رُخ چھپا کے چلے گئے تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا

نہ وہ دل رہا نہ وہ ڈنڈا رہی زندگی سو وہ بار ہے

☆☆☆☆☆☆

## گہائے عقیدت

یہاں چند شعرائے کرام کا مدحیہ کلام پیش کیا جا رہا ہے جو حضور مفلح اسلام علیہ الرحمہ کے  
سانحہ وصال پر اظہار عقیدت کے طور پر لکھا گیا۔ (پورا پورا کلام نہیں، محض چند اشعار ہر  
نظم میں سے)

صاحبِ صدق و صفا سرچشمہ جو دوستِ سخا

حضرت آسیٰ حدیٰ خوانِ نظامِ مصطفیٰ

عشقِ حبیبِ خدا میں کیا گزاری زندگی

ہر زبانِ شوق پر ہے مرجبا صد مرجبا

آج بھی جلوہ نما ہیں میری بزمِ شوق میں

وہ نہیں مجھ سے جدا اور میں نہیں ان سے جدا

آج بھی ساقی کی چشمِ ناز میں برپا نشے

آج بھی آباد ہے رندانِ غم سے میکدا

اس غلامِ مصطفیٰ پر کیا نگاہِ لطف ہے

آج بھی لکھتا ہے خونِ دل سے جو حرفِ ثنا

(علامہ غلام مصطفیٰ مجتہدی)

خدا انجامِ بزمِ آبِ دگل سے      ہوا اک مردِ حق آگاہِ رخصت  
اچانک یہ خبرِ دلِ دوز سن کر      ہوئے دلِ ریشِ غم خوارانِ ملت



جن احوال زبوں سے ہم ہیں دوچار  
ہماری رہنما اس دور میں تھی  
خلوص نام سے دین نبی کی  
دلوں، ذہنوں پہ حاوی ہونے والی  
دلیری، حق پرستی کا وہ پیکر  
جہاد و جرات و غیرت کی تصویر  
وہ مخلص صاحبانِ معرفت کا  
تھییب کارروانِ عشق و مستی  
مکرم مہل صدق و صفا کا  
خدا کا برگزیدہ بندہ تھا وہ  
سین و صل "ادب دین النبی" سے

نہایت تھی ہمیں اس کی ضرورت  
اس عالی جاہ کی فکر و بصیرت  
زبان و خامہ سے کی اس نے خدمت  
رقم کی مرد حق نے شانِ وحدت  
دیا اس نے سدا درسِ شجاعت  
اولوالعزمی کا نقش خوبصورت  
وہ شیدائے بزرگانِ شریعت  
سراپا سوز وہ محمود فطرت  
عزیز مجلس سید جماعت  
ہوئی اس عارفِ دوراں کی رحلت  
وہ "خورشید جہان الحقیقت"

۱۸۳۹

+

۱۶۷

= ۲۰۰۶ء

خوشا ذوق اس کا تعمیر حرم کا زہے "شوقِ جہاد و استقامت"

(۱۴۲۷ھ)

(محمد عبدالقیوم سلطان پوری - جلع آبک)

رحم و کرم پہ غم کے ہے آہ زندگانی

ہاتھوں میں ہے قضا کے اپنی زمام، کہئے

نزدیک ہو رہا ہے ہر آن روز محشر  
دارقانی کی گاڑی ہے تیز گام، کہئے  
دنیا سے اٹھ گیا ہے یا رواد ب ملت  
برہم ہوا ہے بزمِ دیں کا نظام، کہئے  
پرغم ہیں اس کے غم میں یارانِ اہل سنت  
فرقت نے اس کی بخشے اشکوں کے جام، کہئے  
شائستگی سے ہر اک تحریر تھی عبارت  
مملو تھا عمدگی سے اس کا کلام، کہئے  
حمد و ثناء میں اس کو حاصل تھا ایسا بجز  
بخشتا ہے جس نے اس کو اعلیٰ مقام، کہئے  
میخانہ حسینی سے فیضیاب ہو کر  
فیضان باعنا تھا وہ صبح و شام، کہئے  
ترتیب پہ اس کی بر سے دن رات ابر رحمت  
بخشش کا ہو میسر بھر پور جام، کہئے

(سید عارف مجبور رضوی۔ کجرات)

جہاں سے اٹھا ایک مردِ مسلمان  
علوم و معارف کا تھا وہ سمندر  
محمد حسین اختر اہل ایمان  
محقق مفکر مورخ سخداں  
وہ حق و صداقت کا تھا ایک داعی  
خلوص و وفا اس کا وصف نمایاں

متاع اس کی تھی عشقِ محبوبِ داور  
رہا نہ کبھی مالِ دزر کا وہ خواہاں  
یگانہ تھا وہ مادِحِ شاہِ کوثر  
بجا گر کہیں اس کو حُتّانِ دوراں  
کبھی بھول پائے گی اس کو نہ دنیا  
رہے گا سد نام اس کا فروزاں  
رہے اس کی مرقدِ مٹور ہمیشہ  
طے اس کو فروس میں آپ یزاں  
کہا سالِ رحلتِ بدنِ فیضِ الّا میں نے  
”محمد حسین آہ ماہِ درخشاں“

(۱۳۲۷ھ)

(صاحبزادہ فیض الامین فاضلِ سیالوی۔ کجرات)

## مزارات کی زیارت و حاضری، طریقہ اسلاف

مزارات کی زیارت و حاضری، ابتدائے اسلام ہی سے جاری ہے۔ خود سرکارِ دو جہاں، حاصلِ کن فکان، پیغمبرِ انس و جاں سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال کے آغاز میں شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہی معمولِ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کا تھا۔

بیہقی نے واقدی سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی قبور کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے۔ جب گھائی پر پہنچتے تھے تو باواز بلند فرماتے: سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَبِعَمِّ عَقْبِي الدَّارِ (یعنی تم پر سلام ہو کہ تم نے مصائب پر صبر کیا اور دارِ آخرت انجامِ کار کے اعتبار سے بہتر ہے)۔ یہی معمول ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا اور حضرت سیدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا بھی تشریف لا کر

دعا کرتی تھیں۔ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آکر سلام کرتے اور اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ ان حضرات کو سلام کرو جو تمہارے سلام (اور سوال) کا جواب دیتے ہیں۔ (شرح الصدور)

ایک حدیث پاک میں ہے:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَرُزُّوْهَا فَإِنَّهَا تُرْهِدُ فِي  
الدُّنْيَا وَتَذَكِّرُ لِلْآخِرَةِ..... (ابن ماجہ۔ مکتوٰۃ)

ترجمہ: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ (عمل) دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد دلانے کا سبب ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے قبرستان کے پاس سے گزرے تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ وَأَنْتُمْ  
سَلَفْنَا وَنَحْنُ بِالْآثَرِ..... (ترمذی۔ مکتوٰۃ جلد اول۔ باب زیارۃ القبور)  
ترجمہ: اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔  
تم ہم پر سبقت کر گئے۔ ہم بعد میں آنے والوں میں سے ہیں۔

یونہی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیارتِ قبور کے وقت کیا کہوں تو فرمایا:

قَوْلِي السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الْكِبَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ

وَبَرَحَمِ اللّٰهِ الْمُسْتَفْلِحِينَ مِنَّا وَ الْمُسْتَخِيرِينَ وَ اِنَّا اِنشَاء  
اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِفْوْنَ..... (مسلم)

ترجمہ: (اے عائشہ) یوں کہا کرو کہ بستی کے مسلمان اور مومن رہنے  
والوں کو سلام۔ اللہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور (اے  
اہل قبور) ہم عنقریب تم سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

ماتعین زیارت قبور ایک حدیث کو دلیل بناتے ہیں کہ تین مسجدوں کے علاوہ  
کہیں سفر نہ کرو۔ مسجد حرام، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ۔ حالانکہ اس میں مزارات کے سفر  
کی مخالفت کہیں بھی نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ ان مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف  
زیادتی ثواب کی نیت سے سفر نہ کیجیے گا۔ اس کی مزید وضاحت ایک اور حدیث پاک  
میں یوں ہے:

کسی نمازی کو کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر نہیں کرنا چاہیے سوائے  
مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے۔ (مسند احمد)

غور فرمائیے! اگر منکرین زیارت کی یہ دلیل درست ہو تو طلب علم، وعظ و تبلیغ  
اور تجارت وغیرہ کے لیے سفر کرنا بھی ناجائز ہو جائے گا۔

کسب فیضان کے لیے اولیاء اللہ کا اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہونا بھی ان  
گنت روایات سے ثابت ہے۔ مثلاً حضرت امام شافعی حضرت امام اعظم کے مزار پر  
حضرت ابو الحسن خرقانی، حضرت بایزید بسطامی کے ہاں، حضرت خواجہ اتھیری وانا گنج  
پیش کے حضور، حضرت مجدد پاک کا خواجہ اتھیری کی تربت پر وغیرہم۔ ذرا سوچئے! زیارت  
قبور کو شرک یا بدعت قرار دے کر کس کس کی عظمت پر چھری چلائی جاتی ہے۔

رہ گیا ان سے مدد مانگنا تو اگر انہیں رب تعالیٰ کی امداد کا مظہر سمجھ کر مدد مانگی جائے تو بالکل جائز ہے۔ یہ بات جا بجا گزر چکی۔ مثلاً حدیث مقدسہ کے مطابق بندہ مقرب خدا کے نور سے بولتا، ہنستا، دیکھتا اور پکڑتا ہے (حدیث قدسی، مشکوٰۃ شریف)۔ پھر یہ طاقت چونکہ خدا کے نور پر منحصر ہوتی ہے اس لیے دنیا سے جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ حدیث پاک کی رو سے آزاد ہونے کی بنا پر اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس طرح ہم بزرگوں کے ہاں ان کی دعا، توجہ اور برکت کے لیے ان کی ظاہری زندگی میں درخواست کرتے ہیں ویسے ہی قبر پر حاضر ہو کر بھی عرض کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ زندہ اور مزید قوتوں سے آراستہ ہیں۔

فتاویٰ سیدی جمال مکی قدس سرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام شہاب رطبی علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ عوام جو مصیبتوں میں انبیاء و مرسلین اور اولیاء سے مدد مانگنے کے لیے پکارتے ہیں،

یا شیخ فلاں یہ جائز ہے کہ نہیں؟ تو انہوں نے جواب ارشاد فرمایا **الْإِسْتِغَاثَةُ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَوْلِيَاءِ الصَّالِحِينَ جَائِزَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ**۔ یعنی انبیاء و مرسلین اور اولیاء سے ان کے وصال کے بعد مدد مانگنا جائز ہے۔

بہر حال مزارات پہ جانا بھی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ چنانچہ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہی نہیں، ہر دور کے صالحین امت اس سنت مطہرہ پہ عامل رہے ہیں۔

ہمارے حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ نے برصغیر پاک و ہند کے اولیاء کبار کے مزارات کی زیارت کے لیے کئی سفر کیے اور روحانی برکات و فوائد حاصل کیے۔ مثلاً امام

ربانی قیومِ زمانی حضرت شیخ مجتہد الف ثانی قدس سرہ اہمدانی کے مزار پر انوار پر آپ ہر سال باقاعدگی سے حاضر ہوتے تھے۔ نیز ان کے پوتے اور قیوم ثالث خولجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ پر بھی حاضری ہوتی۔ وہاں سے اجمیر شریف روانہ ہوتے۔ راستے میں پانی پت ہے۔ یہاں حضرت بوعلی قلندر، وزیر خان مقرب، قاضی ثناء اللہ، حضرت سراج الحق، حضرت شمس الدین، حضرت جلال الدین، حضرت امام اکبر علی، بدرالدین شہید (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مزارات کی زیارت کی جاتی۔ حضرت بدرالدین شہید (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مزارات کی زیارت کی جاتی۔ حضرت بدرالدین شہید کے مزار پر ایک طویل مراقبہ کیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ اس مردِ خدا کا وجہ حضرت بوعلی قلندر سے بھی زیادہ عروج پر نظر آتا ہے۔

دہلی میں حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ (جو اودھ کے وزیر اور کامل درویش ہوئے ہیں) خولجہ قطب الدین بختیار کاکی، خولجہ نظام الدین اولیا، اور خواجہ خواجگان حضرت خولجہ باقی باللہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مزارات پر خصوصیت سے حاضری دی جاتی۔ دہلی سے اجمیر شریف کا قصد فرماتے۔ یہاں سلطان الہند خولجہ معین الدین چشتی اجمیری کے آستانے پر حاضری ہوتی۔ پھر واپسی پر دہلی سے گذرتے۔ شاہ ولی اللہ، ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز نیز دوسرے محدثین علیہم الرحمہ کے مزارات کی زیارت کی جاتی۔ ایک مرتبہ فرمایا:

”محدثین کے مزارات پر انوار کی بارش ہو رہی ہے۔“۔ دہلی میں ہی حضرت شیخ کلیم اللہ علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں بھی تشریف فرما ہوئے۔

ان کے علاوہ کلیر شریف میں خولجہ علاؤ الدین علی احمد صابر (جو حضرت خولجہ

فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ کے بھانجے اور خلیفہ تھے) کے مزار پر انوار نیز پاکستان کے دیگر بڑے مزارات پر حاضری بھی آپ کا ہے بگا ہے دیتے تھے۔

یونہی حضور نقش لائانی علیہ الرحمہ نے بھی سرہند شریف کے علاوہ حضرت خواجہ علاؤ الدین احمد صابر کلیری، خواجہ باقی باللہ، خواجہ بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیا، شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے دیگر محدثین، خواجہ سلیم چشتی، خواجہ غریب نواز جبکہ پاکستان میں بابا فرید الدین گنج شکر، خواجہ بہاؤ الحق زکریا، حضرت شاہ رکن عالم، حضرت موسیٰ پاک شہید قادری، حافظ جمال اللہ صاحب چشتی، حضرت سید بلھے شاہ، حضرت داتا گنج بخش، میاں میر قادری، شاہ حسین رنجانی، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات پر بارہا حاضری دی۔

اپنے اسلاف کی طرح حضور مقبرہ اسلام قدس سرہ اعزیز بھی مزارات اولیا پر حاضری کو ذریعہ حصول برکات و فیوضات گردانتے تھے۔ چنانچہ ملک عزیز کے متعدد مزارات پر آپ نے حاضری دی۔ بالخصوص سال میں ایک مرتبہ ملتان شریف، اُنچ شریف اور چورہ شریف کے مزارات پر جانا آپ کو محبوب تھا (جیسا کہ عنوان ”زیارت قبور“ میں بیان ہوا)۔ پاکپتن شریف کے ساتھ بھی گہرا انس تھا۔ زمانہ طالب علمی میں لاہور ہاسٹل میں قیام کے دوران داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے مزار (لاہور) پر روزانہ حاضری ہوتی رہی۔ پھر دورانِ ملازمت سالہا سال تک داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کے مزار پر ماہوار حاضری بالخصوص علی پور چٹھہ قیام کے دوران مزار داتا کی ہفتہ وار جمعرات کی حاضری کا التزام رہا۔ بالآخر جب شکر گڑھ میں رہائش اختیار کی تو جب بھی لاہور جانا ہوتا، وہاں حاضری کو ضرور جاتے۔ داتا صاحب کے ساتھ آپ کا ایک خاص



روحانی تعلق تھا اور انہوں نے آپ کو اپنے خصوصی فیضان سے نوازا۔

سیالکوٹ سکونت کے دوران اور بعد ازاں گا ہے بگا ہے سیالکوٹ آمد پر حضرت امام علی الحق رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضری بھی پُر سعادت سمجھتے تھے۔

آپ کا ایک اہم ترین سفر سرہند شریف کا بھی تھا۔ نومبر ۱۹۸۶ء میں اپنے شیخ کریم قدس سرہ کی معیت میں امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار پر انوار پر سالانہ عرس مقدس (۲۸ صفر) میں شمولیت کی غرض سے حاضر ہوئے۔ اس سفر میں حاجی مقبول احمد صاحب (وزیر اعظم دربار عالیہ)، صوفی محمد اور لیس، حاجی محمد یوسف، بابو احسان الہی، اعجاز حسین صاحبان بھی ہمراہ تھے۔ قریباً ڈیڑھ بجے دربار مجتہد دپاک پہنچے۔ اس قافلے کو دربار لاثانی کی نسبت سے تمام مزارات کی چابیاں دے دی گئیں اور انہیں دوسرے زائرین کے لیے کھلا رکھنے کی تلقین بھی ہوئی۔ اس وقت کے خلیفہ صاحب کے بھائی جناب امیر محمد صاحب علیہ الرحمہ حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ کے مرید صادق تھے۔ (ان کا مزار بھی دربار لاثانی میں مزار شاہ لاثانی کے قدموں کی طرف ہے)۔

شکر گڑھ میں دیگر مزارات کے علاوہ بابا قطب شاہ دلی علیہ الرحمہ کے مزار پر بھی بارہا آمد ہوئی۔ یہ سب بارگاہ چند روز لگا تا اس مزار پر حاضری دیتا رہا۔ ایک مرتبہ بوقت صبح وہاں سے باہر نکلا تھا کہ حضور پاس سے سڑک سے تشریف لے جا رہے تھے۔ خادم نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ مزار پر حاضری دے کر آیا ہے تو اس عمل کو پسند فرمایا اور فرمانے لگے: 'مصرف دو ماہ حاضری دو، پھر دیکھنا کیسی عنایات ہوتی ہیں'۔ یہاں محض چند مزارات کا ذکر ہوا مگر نہ آپ نے ملک کے طول و عرض میں لاتعداد مزارات کی زیارت اور استفادہ کیا۔

لیکن وہ حاضری جس کا آغاز اوائل عمر ہی میں ہو چکا تھا اور تا حیات جس پر مداومت رہی، اپنے شیوخ حضور نقشب لائانی اور حضور شاہ لائانی علیہ الرحمہ کے مزاراتِ بابرکات کی تھی۔ اس حاضری کا ذوق جداگانہ تھا اور جنون کی حد تک تھا۔ سیالکوٹ رہائش کے دوران بلا ناغہ علی پور سیداں شریف (۶۰ کلومیٹر تقریباً) حاضری ہوتی اور جب عمر عزیز کے آخری حصے میں شکر گڑھ تشریف لے آئے اور صحت کے مسائل نے جنم لیا تو ہفتہ وار حاضری (یہ فاصلہ بھی ۶۰ کلومیٹر بنتا تھا) پر استقامت رہی۔ متوسلین کو بھی کسی بھی مسئلے کی صورت میں علی پور شریف کی حاضری کی تلقین کی جاتی تھی۔ آپ کو علی پور شریف کی مقدس سر زمین سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ اسے دیوانگی کی حد تک کہا جائے تو بھی درست ہوگا۔ ہر پریشانی کا حل، ہر بیماری کی شفا اور ہر آذنت کا ٹلنا آپ کے نزدیک علی پور سیداں شریف کی حاضری تھی۔

ایک مرتبہ جبکہ پیر سید عابد حسین شاہ صاحب یعنی لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کسی وجہ سے مسجد کے ایک امام سے ناراض تھے اور ان کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ امام صاحب چاہتے تھے کہ آپ ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔ حضور نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ حضور نقشب لائانی علیہ الرحمہ کے روضہ پاک پر حاضر ہوں۔ چنانچہ امام صاحب نے نماز عصر کے بعد حاضری دی۔ معافی مانگی اور عرض احوال کی۔ پھر اس حاضری کی برکت یوں ظاہر ہوئی کہ نماز مغرب لالہ جی نے ان کے ساتھ پڑھی۔

یہ تو ایک چھوٹا سا واقعہ ہے ورنہ ایسے صد ہا واقعات ہیں کہ حضور نے حل مشکلات کے لیے علی پور شریف اپنے بادشاہوں کا رستہ دکھایا اور حاضری دینے والوں کی باذن اللہ مشکل کشائی ہوئی۔ حضور اپنے انہی بادشاہوں کے فیوض و برکات کے امین و

قاسم تھے اور از خود توسلین کے مسائل کے حل کے لیے نافع تھے۔ تاہم کبھی مزارات کی حاضری کی افادیت اجاگر کرنے، عاجزی و انکساری کا درس ازبر کرانے نیز مزارات پہ حاضری کے آداب سکھانے سمیت متعدد وجوہات کے سبب انہیں وہاں بھیجتے یا ساتھ لے کر جاتے تھے۔

خیال رہے کہ اپنے شیخ اور شیخ الشیخ کے مزارات کی حاضری کے دوران ان کی طرف پشت نہیں کرتے تھے۔ مزارات پر باواز بلند دادیلا کرنے، اوپر لیٹنے، ماتھا قبر سے لگانے سے آپ سختی سے روکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ محمد افضل (کالاچی - شکرگڑھ) کو مزار حضور نقیش لائانی پر سرٹکا کر باواز بلند روتے دیکھا تو مناسب انداز سے سمجھایا۔ پھر علیحدہ بلا کر بھی تہیہ فرمائی۔ درود شریف اور قرآن پاک کچھ پڑھ کر جاتے اور وہاں بیٹھ کر پھر سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، درود شریف وغیرہم پڑھ کر صاحب مزار کے سپرد (نذر) کر دیتے۔ آپ قبر کے پاس کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا سپرد (ملک) کرنا ضروری سمجھتے۔ فرماتے کہ یہ ان کے لیے تحفہ ہوتا ہے۔ پھر مراقب ہو جاتے نیز بغیر مراقبہ کے بھی کافی دیر بیٹھتے۔ اس اثنا میں مجھ جیسے معمولی عقل و فہم والے کو بھی واضحاً محسوس ہوتا کہ آپ صاحب مزار کے ساتھ باہم گفتگو میں محو ہیں۔ سالانہ عرس مقدس کے موقع پر مزار حضور نقیش لائانی کے قریب جس حجرے میں آپ قیام پذیر ہوتے (اور آپ عرس مقدس یکم اکتوبر سے ایک دروز پہلے آتے تھے)، وہاں بھی یہ التزام تھا کہ لیٹتے وقت پاؤں کا رخ یا پشت مزار کی طرف نہ ہو۔ جو آپ کی مجلس میں موجود ہوتے تھے انہیں بھی پشت اس طرف کرنے کی اجازت نہ تھی۔ نیز ان دنوں میں آپ پر محویت و وجدان کی ایک عجیب حالت طاری ہوتی تھی۔

جو لنگر شریف آپ کو اپنے پیر کے آستانے سے ملتا اسے کمالِ رغبت سے تناول فرماتے تھے۔ اس کا کوئی ذرہ زمین پر گرنے نہ دیتے۔ ایک مرتبہ یہ عاجز وہاں آپ کے پاس بیٹھا لنگر لائانی کے مزے اڑا رہا تھا۔ آپ کے پاس حاضری کے آغاز کا زمانہ تھا اور آدابِ بارگاہ سے یکسر غافل۔ ایک روٹی کچھ چلی ہوئی دیکھ کر ایک طرف کر کے نیچے والی اٹھانے لگا تو آپ نے فوراً اس چلی روٹی کو ہاتھ میں لے کر خود تناول فرمانا شروع کر دیا۔ ناپسندیدگی کے آثار چہرہ مبارک پر نمایاں تھے۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اس سبب بارگاہ کو ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۷ء میں کثرت کے ساتھ (اور بعد میں بھی بالعموم) علی پور شریف کی حاضری کا اعزاز ملا ہے۔ اور اسے یہ کہنے میں ہرگز کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ اپنے شیخ سے اس قدر محبت، ان کے مزار پر حاضری کا یہ ذوق اور دورانِ حاضری بیخودی کی کیفیتِ مجنونانہ ہمیں بھی بے خود سا کر دیتی تھی اور سفر کے دوران (جو عموماً طلوع فجر کے وقت شروع ہوتا تھا جب کہ خاصاً اندھیرا ہوتا تھا) بہت سی کرامات کا مشاہدہ کرنے کی دولت بھی نصیب ہوئی جو بذاتِ خود ایک علیحدہ مکمل موضوع ہے۔ کاش ربِّ کریم اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقِ حضور کے اس ذوقِ حاضری میں سے تھوڑا سا حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام

## بعد از وصال۔ زیارات و تصرفات

اس تصنیف میں جا بجا مذکور ہو چکا کہ اللہ والے اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے خدا داد کمالات و اختیارات میں ہر آن اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک نے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے **وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ** "لَاك مِنَ الْاُولٰى" (پارہ ۳، سورۃ النحل)۔ یعنی اور بے شک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے، کا اعلان کیا ہے اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ارع اطاعت شعرا اور با وفا غلام کو بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس انعامِ خداوندی سے اپنے مقام کے مطابق عطا ہوتا رہتا ہے۔ اور حدیث پاک کے اس جزو (جس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں) **اِنَّ اللّٰهَ لَيُرِيْ** **فَعُ الدَّرَجَاتِ لِلْعَبْدِ الصّٰلِحِ فِي الْجَنَّةِ** (تحقیق اللہ صالح بندے کا جنت میں درجہ بلند کرتا ہے) سے بھی ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے مومن بندوں کے وصال کے بعد ان کے درجات بلند اور یونہی اختیارات میں اضافہ فرماتا رہا ہے۔ اقبال نے اسی قرآنی و نبوی فکر کو اس انداز سے پیش کیا ہے:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان      گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان  
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن      قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن  
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت      یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

یہ خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ودیعت کردہ اختیارات و تصرفات ہی کا تو کمال ہے کہ اولیاء اللہ بعد وصال ایک نئی زندگی سے مٹھف کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ عین ظاہری حیات کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر زائرین کی نیت و غرض کو پہچانتے ہیں۔ ان کی فریاد و فغاں سنتے ہیں۔ اپنی دعا، کبھی اپنی توجہ یا تصرف سے ان کی امداد فرماتے ہیں۔ انہیں دنیا سے سدھارے صدیاں بھی بیت جائیں، ان کی قبریں زندہ بلکہ زندگی بخش رہتی ہیں۔ ایسے ہی تو خواجہ اجمیری نے داتا سید علی ہجویری علیہ الرحمہ کو گنج بخش اور فیض عالم نہیں کہہ دیا تھا۔ اور خود خواجہ اجمیری کی اپنی قبر مبارک کی یہ

صورتحال ہے کہ ایک انگریز مستشرق کو کہنا پڑا تھا کہ میں نے ہندوستان پر ایک قبر کو حکومت کرتے دیکھا ہے۔ مزاراتِ اولیاء پر خلقِ خدا (جس میں امیرِ غریب، پڑھے لکھے اور کم پڑھے، سیاستدان و ریڑھی بان غرضیکہ ہر طبقہ فکر کے لوگوں) کا اثر دہام اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ یہ لوگوں کی حاجات و مشکلات میں نافع ہیں۔ ورنہ کوئی فضول میں وقت اور پیسہ برباد نہیں کرتا۔ صلابت و لاکھبائے خیرات شریف جناب محمد بن سلیمان شاہ ذلی جزولی علیہ الرحمہ کو، جن کے چھ لاکھ بارہ ہزار پینسٹھ مرید تھے، کسی بد بخت نے زہر کھلا دیا اور آپ نے نماز فجر کی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں یا دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں وفات پائی۔ آپ کو شہر ”سوس“ کی مسجد میں دفن کر دیا گیا۔ پھر ستر برس کے بعد لوگ انہیں کسی سبب قبر سے نکال کر ”مراکش“ لائے تو آپ کا کفن بالکل صحیح و سلامت اور بدن زردوں کی طرح نرم اور تردنازہ تھا۔ لوگوں نے آپ کے رخسار پر انگلی رکھ کر دیا تو زردوں کی مانند خون کی سرخی رخسار پر نمودار ہو گئی اور آپ کے سر اور چہرے پر اس خط بنوانے کا نشان بھی باقی اور ظاہر تھا جو وفات سے قبل آپ نے بنوایا تھا۔ آج بھی آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ (مطالع المسرات۔ ص ۳)

اسی طرح ابوالحسن ذاغونی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کی وفات کے دو سو تیس برس کے بعد آپ کی قبر کے پہلو میں ابو جعفر بن ابوموسیٰ کے لیے قبر کھودی گئی تو اتفاق سے آپ کی قبر مبارک کھل گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ اتنی مدت دراز گذر جانے کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کا کفن صحیح و سالم اور آپ کا جسم تردنازہ تھا۔ (تہذیب احمدیہ و طبقات شیعریہ)

ایسے لاتعداد واقعات ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ تصرفات کی جھلک بھی

ملاحظہ کیجئے جو کہ اس دورِ آخر سے متعلق ہیں۔

شاہ محمد خان صاحب فیصل آبادی اپنی روداد سناتے ہیں:

”مجھے برص (پھلجھری) کی بیماری نے آلیا اور چہرے پر برص کے سفید داغ میرے لیے خاصی پریشانی کا سبب بن رہے تھے۔ آخر مزارِ حضور شاہِ لاٹانی پہ حاضری دی اور آپ کے توسل سے بارگاہِ ربِّ العزت میں دعا کی۔ کچھ دن بعد سرکارِ لاٹانی خواب میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کے ساتھ سیدی و مرشدی حضور نقشبِ لاٹانی (قدس سرہ اعزیز) بھی تھے۔ سرکارِ لاٹانی نے میری طرف اشارہ کر کے حضور نقشبِ لاٹانی سے فرمایا: ”علی حسین بیٹا! اس کا علاج کرو۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں داغ غائب ہو گئے۔“

یونہی خطیبِ پاکستان مولانا افتخار الحسن فیصل آبادی فرماتے ہیں:

”اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صوبائی اسمبلی نے ۱۹۶۳ء میں ایک غیر اسلامی بل پاس کیا۔ میں نے اس کے خلاف کلمہ حق بلند کرنے کی کوشش کی۔ حکومت نے میری تقریر کو باغیانہ قرار دے کر گرفتار کر لیا اور شاہی قلعہ لاہور میں بھیج دیا۔ تفتیش ہوتی رہی حتیٰ کہ رہائی کے تمام راستے مسدود نظر آنے لگے۔ امیدوں کا رشتہ کٹ گیا تو ایک دن، آدھی رات کے وقت قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی جگا رہا ہے۔ گھبرا کر اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں، میرے مرہدِ لاٹانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ عصا مبارک کی ٹیک لگائے سامنے تشریف فرما ہیں اور دائیں جانب آپ کے لُحْتِ جگر غوثِ زماں قطبِ جہاں سیدی و مولائی حضرت الحاج پیر سید علی حسین شاہ صاحب رونق افروز ہیں (یوں عین بیداری میں دونوں بادشاہوں کی زیارت نصیب ہوئی)۔ میں نے آدابِ غلامانہ کے ساتھ سلام عرض کیا تو حضرت والا نے رہائی کا مژدہ سنایا۔ چنانچہ اگلے روز گیارہ بجے

تک رہائی کا باقاعدہ آرڈر بھی مل گیا۔

ہمارے ولی نعمت، محسن و مرئی، آقا و مولا حضور قبلہ عالم مفکر اسلام قدس سرہ بھی ایسی ہی برکات اور کمالات سے ممتاز تھے اور اس دور میں اسلاف کے اوصاف کا حسین مرقع بھی۔ ان تمام برکات، تصرفات یا اوصاف کا بیان اس حقیر، فقیر، پر تقصیر کے لیے ناممکنات میں سے ہے۔ بلکہ کون ہے جو ان کی حیات و اختیارات کی دستوں کا ادراک حاصل کر سکے۔ جو کچھ ابھی رقم کیا جائے گا اسے بحرِ نا پیدا کنار سے محض ایک بوند سمجھے یا میر نیم روز کی محض ایک شعاع۔

وصال حضور مفکر اسلام کے تحت واقعہ گذر چکا کہ جب راولپنڈی سے آپ کے وصال کے بعد جسید اطہر لایا جا رہا تھا تو دورانِ سفر انیس خان صاحب آپ کے پائے اقدس کی طرف نعت شریف پڑھنے لگے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ حضور انہیں فرماتے ہیں کہ 'سر کی طرف ہو'۔ یہ وہم سمجھے۔ تاہم دوبارہ جب حضور نے واضح اور قدرے سخت الفاظ میں فرمایا کہ 'تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ نعت شریف پڑھنا ہے تو سر کی طرف ہو' تب یہ اس طرف ہوئے۔ یہ واقعہ آپ کی حیات بعد وصال کی پکار پکار کر کواہی دے رہا ہے۔ اب آگے کی سنئے!

### ایک نثر کا بیان:

جب حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی تدفین عمل میں لائی جا رہی تھی تو پیر علامہ خالد محمود صاحب (کوچر انوالہ) جو اکوئی میں ایک عظیم الشان مدرسے کے مہتمم بھی ہیں اور رب تعالیٰ نے ان کے قلب کو صفا، جیسی دولت سے بھی نوازا ہے، بے ساختہ بول اٹھے:



”میں پہلی دفعہ کسی زندہ کو قبر میں اتارتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔“

**ایک روحانی شخصیت کا اعترافِ عظمت:**۔ صوفی محمد نواز صاحب نارودال کی ایک ممتاز روحانی شخصیت ہیں۔ ان کی ان جیسی ہی ایک پاکباز شخصیت صوفی امجد صاحب (جو حضور نقیہ لائانی علیہ الرحمہ کے مرید صادق بھی ہیں) سے حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کے مقام کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ صوفی امجد صاحب کے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے قبلہ آسی صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت نہیں کی، تاہم جب میں یہاں سے (نارودال سے، ۳۰ کلومیٹر دور شکر گڑھ کی طرف) دیکھتا ہوں تو ان کے مزار پر انوار سے آسمان کی طرف نور ہی نور دیکھتا ہوں جس کی انتہا مجھے معلوم نہیں ہوتی۔ راقم کو یہ واقعہ قبلہ امجد صاحب نے سنایا تھا۔ بعد ازاں صوفی نواز صاحب سے ملاقات کر کے خود بھی سماعت کیا۔

### **جب دم توڑ گئیں سب تدبیریں:**

☆..... جناب محمد ارشاد صاحب (ڈسکہ) بیان کرتے ہیں: ”میں حضور کے مزار کے پاس کھڑا تھا کہ ڈاکٹر یلین صاحب نے لاہور سے فون پر بتایا کہ ان کا نواسہ سخت بیمار ہے اور ہنوز ڈاکٹر زاس کی صحت کی بحالی میں ناکام رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے حضور کے مزار پر انوار پر صورتِ حال عرض کرنے کا کہا۔ جب حضور کی طرف متوجہ ہوا تو آپ مسکراتے ہوئے نظر آئے اور فرمایا ’سب ٹھیک ہے، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ تھوڑی دیر بعد ہی ڈاکٹر صاحب نے اپنے نواسے کی صحت کی بحالی کی نوید سنائی۔“

### دوسرے دن:

☆..... مولانا محمد عطا صاحب (بہاولپور) بیان کرتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم قدس سرہ کے وصال کے بعد میرے والد گرامی (جناب محمد رفیق احمد صاحب) روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور بند آنکھوں سے زار و قطار روتے ہوئے عرض کیا کہ حضور! عطا کو یہاں آپ کے پاس چھوڑا تھا اور آپ چلے گئے۔ اسی لمحے حضور تشریف لے آئے اور آواز دی، 'کون کہتا ہے میں چلا گیا، میں تم لوگوں کے سامنے ہوں'۔

☆..... جناب ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب (لاہور) حضور کے وصال کے بعد قدرے تاخیر سے مزار شریف کی حاضری کے لیے آئے۔ آتے ہی کھڑے ہو کر رونے لگے تو حضور کی آواز آئی، 'بیٹھ جائیں'۔

☆..... یہی ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس حالت میں مدینہ شریف بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا کہ خاصا بیمار تھا۔ وہاں مقدس جالیوں کے سامنے ایک پیر صاحب حلقہ احباب میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کر رہے تھے۔ میرا دل مچلا اور یکا یک میں نے کھڑے ہو کر نہایت جوش و خروش کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی شروع کر دی۔ معاً میں پریشان ہو گیا کہ یہ تو ادب کی جگہ ہے اور میری آواز بلند ہو گئی ہے۔ پیچھے مڑا تو حضور مقلد اسلام قدس سرہ النورانی نظر آئے اور دل نے کواہی دی کہ آپ ہی یہ سب کہلوا رہے تھے۔ چنانچہ دل کو اطمینان ہوا اور ساتھ ہی شفا بھی مل گئی۔ (یہ واقعہ حضور کے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں قرب پر وال ہے)۔

☆..... غلام مرشد صاحب راوی ہیں کہ میں تھیں لائٹانی نگر میں جامع مسجد خاتونِ جنت (سلام اللہ علیہا وعلیہا) سے ملحقہ کمرے میں جناب ڈاکٹر لیلیٰ صاحب کے ساتھ موجود تھا اور اپنی ایک پریشانی کا تذکرہ ان سے کر رہا تھا۔ وہ فرمانے لگے کہ مزار شریف پہ حاضری دو اور عرض کرو۔ چنانچہ میں مزار حضور مقلد اسلام قدس سرہ پر حاضر ہو کر اپنی پریشانی بیان کی۔ واپس ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا، کیا جواب ملا؟ میں نے کہا، جناب مجھے تو کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئے کہ میں نے تو یہاں سے ان کا جواب سن لیا ہے، تم نے نہیں سنا؟ پھر انہوں نے بتایا کہ یہ جواب ملا ہے۔ یہ بھی فرمایا، جو بھی حضور کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر عرض گزار ہو، حضور اسے جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ سنتے صرف طیب دل والے ہی ہیں۔

☆..... صوفی تنویر احمد صاحب (شکر گڑھ) کا بیان ہے کہ جامع مسجد خاتونِ جنت (سلام اللہ علیہا وعلیہا) میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد سلام پڑھے بغیر میں مزار شریف پر حاضر ہوا۔ ابھی اندر داخل ہوا ہی تھا کہ آپ کی آواز مبارک آئی، 'متینوں سلام پڑھنا منع اے؟'

☆..... حضور سے عقیدت رکھنے والی ایک خاتون کا بیان ہے کہ نماز کے معاملے میں میں سستی کا شکار تھی۔ حضور کے وصال کے بعد میں مزار شریف حاضری دینے آئی۔ ابھی دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی کہ آپ کی آواز سنائی دی، "پہلے نماز کی پابندی کرو، پھر آنا"۔ (سبحان اللہ! قربان جاؤں ایسے پیر طریقت پر کہ اپنے مزار پر انوار کے اندر سے بھی لوگوں کو اپنے سونے رب کی عبادت کا درس دے رہے ہیں)۔

## باب چودھواں

ملفوظات وارشادات



یہ ایک عام تجربہ ہے کہ زیادہ کو حضرات اپنی گفتگو کا اثر ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: 'خاموشی جاہل کے لیے پردہ ہے اور عالم کے لیے زینت۔ نیز فرمایا: مَنْ سَكَرَ كَلَامُهُ سَكَرَ خَطَاؤُهُ یعنی جو زیادہ باتیں کرتا ہے وہ خطائیں بھی زیادہ کرتا ہے۔ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي اللِّسَانُ۔ یعنی امت کے بارے میں مجھے جس چیز کا زیادہ خدشہ ہے وہ زبان ہے۔ چنانچہ ایک صحابی کو ضروری باتیں ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: كُفَّ لِسَانَكَ (اپنی زبان بند رکھ)۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا: مَنْ صَمَّتْ نَجَا۔ (جو چپ ہوا، نجات پا گیا)۔ زیادہ باتیں کرنے والا لطافتِ احساس اور خشکی شعور سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

دل زپر گفتن میر دور بدن گر چہ گفتارش بود ز عدن!

یعنی دل زیادہ گفتگو سے مر جاتا ہے اگرچہ باتیں عدن کے موقعوں جیسی قیمتی ہوں۔ اولیاء اللہ زبانِ ظاہر کے بجائے زبانِ حال سے بولتے ہیں۔ حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ مختصر مگر جامع گفتگو کے حامی تھے۔ چنانچہ اکثر یہ بات دہراتے کہ کلام وہ ہے مَاقَدْلٌ وَ دَلٌّ جو قلیل مگر بہت سے مفہوم پر دلالت کرے۔ حضور جب کلام فرماتے تو وہ تبلیغی و اصلاحی مواد پر مبنی، تاہم بے جا طوالت سے پاک ہوتا تھا۔ جب آپ خاموش ہوتے تو محفل پر سکوت چھا جاتا تھا۔ حاضرین مہر بلب ہو جاتے۔ کبھی آپ محض اشارے سے کچھ فرماتے۔ حاضرین میں سے کوئی اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے بات کو طول دیتا تو خود ہی خلاصہ بیان کر کے جواب بھی ارشاد فرمادیتے۔ آپ کی مجلس میں بے جا اور بے وقت

گفتگو نا پسندیدہ امر تھی۔ فارغ نوجوانوں کو بے مقصد باتوں کی بجائے کوئی کتاب پڑھنے یا کسی کونے میں بیٹھ کر درود شریف پڑھنے کا حکم ہوتا۔ نہ خود بے مقصد بات کرتے، نہ کسی اور کو اجازت تھی۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت

جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

المختصر! اولیاء کے کلام کی تاثیر کا ایک سبب ان کی کم کوئی ہے۔

رضائے خدا و رسول کے تحت بولنا: ولی اس بھی اُمی سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی متابعت سے بنتا ہے جن کی ایک صفت ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی یہ نبی سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ اللہ کے حکم سے کہتے ہیں۔

ولی اپنے آقا و مولا، مولا و ماویٰ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفت 'رضائے حق کی خاطر بولنا' پر پوری طرح کار بند ہوتا ہے۔ تو جب اس کا کلام الہام ربانی اور رضائے الہی کے ماتحت ہے تو پھر اس میں اثر کیوں نہ ہو۔

یاد رہے کہ خاموشی ہمیشہ کلام سے افضل نہیں ہوتی ورنہ منہ میں زبان پیدا کرنے کی حکمت ہی فوت ہو جائے۔ بلکہ کبھی تو 'کلام' اتنا ضروری ہوتا ہے کہ آقائے دو جہاں سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اَلْسَانُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ ۝ اٰخِرُ س. یعنی حق بیانی سے اپنی زبان روکنے والا کوئی شیطان ہے۔ لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ایک ہے خدا کی رضا کے لیے بولنا، اور ایک ہے خدا کے حکم سے یعنی الہام ربانی سے بولنا۔ پہلی صورت انسان کے اپنے اختیار کی

طرف اور دوسری ترک اختیار اور فنا کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اولیاء اللہ پہلی منزل عبور کر کے دوسری پر فائز ہوتے ہیں۔

یہ دنیا فانی ہے اور اس کے 'اغراض' بھی فانی، لہذا ان کے لیے بولنے والا بھی فانی اور اس کی تاثیر بھی فانی۔ مگر خدا باقی ہے، اس کی رضا بھی 'باقی' ہے۔ اس لیے اس کا رضا جو بھی باقی ہے، جو کلام اس کی رضا کے لیے ہو گا وہ بھی 'باقی' اور اس کی تاثیر بھی 'باقی'۔

عنادل کا ترنم نغمہ ہائے رنگ و بو تک ہے  
مفتی کی حیاتِ صوت اثباتِ گلو تک ہے  
تو اے شوریدہ سر واعظ مقام گنگو تک ہے  
کلام عبیدہ لیکن نظام وحدہ تک ہے

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات میں بے پایاں اثر کیوں؟ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے وعظ کہنے کا باقاعدہ اور واضح حکم دیا تھا۔ نیز آپ کے خطبات رضائے خدا و مصطفیٰ کے لیے تھے۔ ایسا ہی معاملہ سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے مکتوبات کی ایک ایک سطر میں ہمیں نظر آتا ہے۔

حضور مقلد اسلام قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اپنے حضور نقیص لائے لائے کے ارشاد و اجازت سے وعظ شروع کیا تو ہمیشہ اس حکم و اجازت کی برکات کو بے پناہ پایا۔ بالخصوص جب وہ خود مجلس میں اپنے سامنے کھڑا کرتے تو دل و دماغ و زبان میں بجلی سی بھر دیتے تھے۔ نہ اجتماع خیالات کے لیے تکلف کرنا پڑتا اور نہ ہی زبان پر موزوں الفاظ لانے کا کوئی اہتمام کرنا پڑتا۔ ان کے حکم و اجازت کی برکت سے تمام معاملہ خود ہی انجام



پاتا اور تاثیر بھی کمال درجے کی ہوتی۔ یہ آغازِ خطابت کی باتیں ہیں وگرنہ بعد میں تو تا حیات یہ معاملہ ظاہر و غائب میں روز افزوں رہا۔

**حسینِ عمل:** اولیاءِ کرام کے کلام میں تاثیر کا ایک اہم سبب ان کا اپنا حسنِ عمل بھی ہے۔ دورِ حاضر کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ کہنے والا خود عمل سے لاتعلق ہے۔ جب وعظ و نصیحت کرنے والا خود جھوٹ بھی بولے گا اور اس کی دیگر حرکات اس کے مواعظ کی نفی بھی کریں گی تو کون اس کی مانے گا۔ ہم سب کو قابلِ اصلاح سمجھتے ہیں سوائے اپنے۔ مگر اولیاء اللہ میں یہ بات نہیں۔ یہ لوگ نیکرِ حسنِ عمل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خود بہت زیادہ کرتے ہیں جبکہ کہتے بہت کم ہیں۔ یعنی گفتار کے نہیں کردار کے غازی ہیں۔

میرے حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ اس دور میں اسلاف کی یادگار تھے۔ آپ سے کبھی ایسی بات نہیں سنی گئی جس پر خود عامل نہ تھے۔ کبھی جھوٹ آپ کی زبان سے ازراہ مزاح بھی نہیں سنا گیا۔ فی زمانہ، دورانِ گفتگو یا گپ شپ میں جھوٹ سچ کی پہچان جو کم ہوتی جا رہی ہے آپ اس پر گرفت فرماتے تھے۔ جلوت و خلوت میں آپ کا طرزِ عمل ایک سا ہوتا تھا۔ چنانچہ جسے نصیحت فرماتے، قبول کرتا تھا اور دل و جان سے اس پر کاربند رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہی تو وہ کردار کی عظمت ہے جو ہر چھوٹے بڑے اور خاص و عام سے اپنا لوہا منواتی ہے۔

**۲۔ کلام کی حمیت و واقعیت:** سائنسدانوں کو کسی بارے میں حتمی فیصلہ کرنے کے لیے تین مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

۱۔ مفروضہ ۲۔ مشاہدہ ۳۔ تصدیق

لیکن حکیم پوش صوفیاء جو اپنی آستیموں میں بد بیضالیے بیٹھے ہیں، ان کا اول کلام ہی تصدیق ہے۔ یہ جو کچھ مانتے، دیکھتے ہیں اور جو دیکھتے ہیں کہتے ہیں۔ انہی صوفیاء کے سرخیل جناب سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمہ کی سننے، فرما گئے ہیں:

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا

كَخَرُذَلِيَةٍ عَلَى حُكْمِ اتِّصَالِ

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھا، جس طرح ہاتھ پر رائی کے دانے رکھے ہوں۔

دنیا کے شہر نہیں فرمایا جو چھ بڑا عظیموں میں ہیں بلکہ اللہ کے شہر فرمایا جو کائنات کی دور دراز وسعتوں میں موجود ہیں۔

اولیاء اللہ کو حقائق اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ یہ اس خلافتِ الہیہ کی نمائندگی کرتے ہیں جس کا اولین تقاضا عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (اللہ نے آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے سب نام سکھا دیئے) سے ظاہر ہے۔ اولیاء کے علم کا دار و مدار قرآن حکیم پر ہے۔ بہت لوگ قرآن فہمی کے مدعی ہیں مگر اس کے لیے جو روحانی استعداد درکار ہے وہ اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ بقول اقبال:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشف

اللہ کی بارگاہ کے مقرب، قرآن کے آئینے میں اقوام کے عروج و زوال اور افراد کے ماضی و حال کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ زائرانِ حرمِ مغرب اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بہر حال اولیاء اللہ کے کلام کی دوسری خوبی اس کی حمیت و واقعیت ہے۔ اس

کی بہت سی مثالیں کرامات کے باب میں آچکی ہیں۔

۳۔ دستور العمل: اولیاء اللہ سے جن خوش نصیبوں کو محبت ہوتی ہے، وہ بھی انہی کے نقش قدم کو نشانِ راہ اور انہی کی خاک پا کو سرمہ چشم سمجھتے ہیں۔ فاسق و بدکار لوگ ان کی مجلس اختیار کر کے زاہد و متقی کیونکر بنتے ہیں؟ یہ سب محبت کے باعث ہے۔ اولیاء کے کلام کی تاثیر و صداقت اور مریدوں کی محبت و عقیدت ان کے ارشادات کو ایک دستور العمل کی حیثیت دے دیتی ہے۔ مولانا نور بخش صاحب تو کلی تذکرہ مشائخ نقشبندیہ کے دیباچے میں رقمطراز ہیں:

”امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ تفسیر وحدیث کے بعد صوفیاء کرام کے ارشادات بہترین کلام ہیں اور ان کا پڑھنا یا سنا صحبت معنوی کا حکم رکھتا ہے۔“

ان ارشادات کی روشنی میں جب مرید اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے تو اسے جا بجا نقائص اور خامیاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وہ غرور و تکبر کے جال سے نکل کر خود شناسی کی طرف بڑھتا ہے۔

اس قدر تحریر کے بعد اب حضور مفلکِ اسلام علیہ الرحمہ کے ملفوظات نقل کیے جا رہے ہیں۔ حضور کے بہت سے ارشادات پنجابی میں ہیں۔ ان روحانی والہامی شہ پاروں کو بھی اردو کا قالب دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ حضور کا کلام سادہ مگر آپ کے مختصر کلمات کی تہ میں معانی کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ ان کا مطالعہ کرنے والے یقیناً اس بات کا اپنے اپنے ذوق و استعداد کے مطابق ادراک حاصل کر لیں گے۔

## ملفوظات حضور مفکر اسلام

حضور کے بہت سے ملفوظات زیر نظر کتاب کے مختلف ابواب میں جا بجا موجود ہیں۔ یہاں انہی ارشادات کو قلمبند کیا جائے گا جو اس سے قبل احاطہ تحریر میں نہیں لائے گئے۔

**توحید:** فرمایا:

”توحید اللہ پر ایمان اور اس کے عرفان کا نام ہے۔ جوں جوں توحید مضبوط ہو گی، اللہ پر ایمان بھی مضبوط ہوگا اور اس کا عرفان بھی زیادہ ہوگا۔ اور جوں جوں یہ عرفان زیادہ ہوگا، اللہ کا خوف زیادہ ہوگا۔ اور جوں جوں یہ خوف زیادہ ہوگا، انسان کا فکر و عمل نکھرتا جائے گا۔ واضح رہے فکر سے مراد ہے عقیدہ اور عمل سے مراد ہے عمل صالح۔ یہ توحید ہی ہے جو انسان کے دل و دماغ کو روشن کرتی ہے۔ اسے خوفِ خدا سے آراستہ کر دیتی ہے۔ اور پھر یہی خوفِ خدا ہے جس سے انسان اتنا ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے کہ فرشتے بھی اس کی گراں درہا کو نہیں پہنچ پاتے۔ اسی خوفِ خدا کو حدیث پاک میں بہترین ’وانائی‘ فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ عالی ہے:

زَا سُّ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللَّهِ

ترجمہ: بہترین ’وانائی‘ اللہ کا خوف ہے۔

☆ ..... یہ توحید ہے جو انسان کو اللہ کا ایسا بندہ بنا دیتی ہے جو مہر و ماہ کا شکار کرتا ہے، دشت و جبل جس کو سلامی دیتے ہیں، کوہ و کمر جس کا حکم مانتے ہیں، حق و ملک جس کے نوکر چا کر بن جاتے ہیں، اسی توحید سے ناز و نمر و گلزار بنتی ہے، اسی سے لوہا موم ہوتا ہے

اور یہی مُردوں کو زندہ کرنے کا فارمولا ہے۔ اسی توحید کے زور سے مسلمانوں نے مشرق و مغرب سے ادہام کماندھیرے چھانٹے۔ بقول اقبال:

زندہ قوت یہی توحید تھی دنیا میں کبھی  
اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علمِ کلام

### رسالت:

☆..... حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلیل توحید و اصل ایمان ہیں۔ آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر خدا شناسی کا دعویٰ باطل و بے بنیاد ہے۔ خداوند کریم فرماتا ہے:

يَأْتِيهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَإِنَّا أَنْزَلْنَا  
إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝

ترجمہ: اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے

شامدار دلیل آئی ہے اور بے شک ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین اتارا۔

اس آیتِ کریمہ میں برہان (یا دلیل) سے مراد حضور امام الانبیاء سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستوہ صفات ہے..... جن کی ذات، ذاتِ خدا کی مظہر اور صفات، صفاتِ خدا کی مظہر ہیں..... جو جامع کمالاتِ نبوت ہیں..... اور جن کی اک اک ادا آئینہ حق نما ہے۔

☆..... حضور رحمتِ عالم سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت غیر مشروط اور غیر محدود ہے۔ حکم چاہے سیاسی امور سے متعلق ہو چاہے تکوینی امور سے، حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے۔

عظمت صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم: فرمایا:

☆..... اہل بیت کے بارے میں خدا اور رسول (جمل و علائقی اللہ علیہ والہ وسلم) کا یہی فیصلہ ہے کہ امت ان سے محبت کرے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے منافق، یہودی، چہنمی اور مغضوب علیہ ہے۔

☆..... جس کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت نہیں، اس کے دل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت نہیں اور جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتا ہے وہ دراصل محبوب خدا علیا تجیہ و انشاء سے بغض رکھتا ہے۔

**ذکرِ خدا: فرمایا:**

☆..... نگاہیں نیچی رکھو اور چلتے پھرتے اللہ اللہ کہو۔

☆..... چاہئے کہ رات کے کسی حصے میں بندہ تمام دنیا سے کٹ کر اپنے اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو کر تہ دل سے کہے، 'یا اللہ اب میں تیرا اور تو میرا'۔ (حضور قبلہ عالم اس مخصوص وقت میں خوب مناجات کیا کرتے تھے)

☆..... اصل کامیابی رضائے الہی کا حصول ہے، وہ تو ظاہر ہے کہ ذکرِ خدا پر ہی منحصر ہے۔ مگر اس کی برکات سے دنیوی امور میں بھی کشود کار ہو جاتی ہے۔

☆..... وہ لوگ جنہیں یہ شرفِ ذکرِ نصیب ہے، ان کے دل سخت نہیں ہوتے اور جوں جوں وہ ذکرِ حق میں محو ہوتے ہیں، سینہ زیادہ کھلتا جاتا ہے اور نورِ ہدایت اسے مزید ستار کرنا جاتا ہے۔

☆..... 'ذکرِ حق' ذاکر کے رگ دریشے میں یوں سما جائے کہ اسے ذکر کا بھی احساس نہ

☆..... خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے اس کا ذکر بہت بڑا ذریعہ ہے۔

**مراقبہ:** فرمایا:

☆..... ہر نماز کے بعد دعائے مانگنے سے پہلے مراقبہ کیا کرو (اور مراقبہ کا طریقہ یہ بتایا کہ بائیں طرف سر جھکا کر، دل کی طرف توجہ کر کے اسمِ ذات اللہ، اللہ، اللہ کا ورد کیا جائے، سانس کے ساتھ نہ کہ آواز کے ساتھ)۔

☆..... مراقبہ کے مختلف درجات ہیں اور جوں جوں طالب ترقی کرتا جائے شیخِ کامل کی رہنمائی میں سب منزلیں طے کرنا جاتا ہے۔

☆..... حضور شاہِ لاٹانی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ مراقبہ میں کم از کم اتنا وقت ضرور لگنا چاہئے جتنا پانی کا پیالہ پینے میں لگتا ہے۔

**درود شریف:** فرمایا:

☆..... درود ہزارہ نماز تہجد کے بعد کم از کم ایک سو گیارہ بار پڑھ لیا کرو۔

☆..... جو تمام دعاؤں اور وظیفوں کی جگہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے تو اسے بغیر مانگے سب کچھ ملے گا اور دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی۔

☆..... درود شریف قربِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ ہے، ہر غم کا علاج ہے، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، منافقت دور ہوتی ہے۔

☆..... جس طرح ہم درود و سلام کے ساتھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی وفا کا اظہار کرتے ہیں اور اس درود و سلام کا صدقہ وہ کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنی تو جہات فرماتا ہے تو جب ہم اس سلسلہ کو تیز کریں، درود و سلام کے ساتھ ساتھ جو نظامِ صلوات اس

محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا ہے اس کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں، پانچ وقت کی نماز ادا کریں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں تو پھر اس محبوب کو از صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیا رحمتیں میسر نہ ہوں گی۔

### اتباع شریعت: فرمایا:

☆..... جو شخص شریعت و سنت کے خلاف ہے وہ دُلی نہیں کچھ اور ہے۔

☆..... حدیث پاک میں نبی اسرائیل کی ایک بستی کا ذکر آیا ہے جس کے باشندے تین گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ خود بھی شرع کا پابند تھا اور دوسروں کو خدا کی نافرمانی سے روکتا بھی تھا۔ دوسرا خود تو عمل کرتا تھا مگر دوسروں کو نافرمانی سے روکتا ضروری نہیں سمجھتا تھا، تیسرا ڈٹ کر نافرمانی کرتا تھا۔ جب عذاب آیا تو صرف پہلا گروہ محفوظ رہا باقی دونوں گروہ اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ایک شرعی بے حسی کی بنا پر، دوسرا نافرمانی کی وجہ سے (یعنی خود بھی احکام شرع کی پابندی کر دے، اوروں کو بھی ترغیب دے ورنہ عتاب الہی کا شکار ہو جاؤ گے)۔

### آداب طریقت: فرمایا:

☆..... شیخ کے دربار میں غلامانہ حیثیت سے رہنا ہی مفید ہے۔ وہاں بیکار بیٹھنا تکبر کی علامت ہے۔ وہاں دنیوی خواہش لے کر جانا رحمت ارادت کی توہین ہے۔ نیز مرد کامل تو بہت کچھ دے سکتا ہے، پھر صرف دنیا پر اکتفا کیوں کی جائے۔

☆..... یہاں (بارگاہِ شیخ میں) اخلاص ہی کی قدر ہے۔ خداوند کریم اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے وہ ہر چیز جانتے ہیں، لہذا نفاق (سے بچو کہ اس)



سے الٹا نقصان ہی ہوگا۔

☆..... شیخ ایک ہی بہتر ہے۔ حضرت عبدالوہاب شعرانی نے اس سلسلے میں اس حدیث پاک سے استدلال کیا ہے مَنْ رَزِقَ فِي شَيْءٍ فَلْيَلْزِمَهُ (جو کسی شے سے رزق دیا جائے، اسے چاہئے کہ اسے لازم پکڑے)..... (میزان الشریعہ الکبریٰ)

☆..... شیخ کے پاس خالی ہاتھ جانا محرومی کی دلیل ہے۔

☆..... اگر معلوم ہو کہ فلاں سمت میرا شیخ ہے تو اس طرف پشت نہ کرے، نہ تھوکے اور نہ پیشاب وغیرہ کرے۔

☆..... مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ سے (تاحیات) وفا دار رہے۔

☆..... مرید کو فائدہ اس محبت سے ہوتا ہے جو اسے اپنے مرشد سے ہوتی ہے، جب کہ مرشد کی محبت مرید کو اتنا زیادہ (روحانی) فائدہ نہیں پہنچاتی۔

☆..... اپنے شیخ کی غیرت کا ہر موقع اظہار منزل کے حصول کا مختصر ترین راستہ ہے۔

☆..... جب بادشاہوں کے در پر آجائیں تو پریشان نہیں رہنا چاہئے، اور ہمارے بادشاہ تو بہت نوازنے والے اور جھولیاں بھرنے والے ہیں (۱۸ اکتوبر ۱۹۹۷ء)۔ (آپ اپنے ذر کو اپنا نہیں بلکہ حضور شاہ لائٹنی و تقس لائٹنی علیہ الرحمہ کا ذر سمجھتے تھے اور خود کو ان کا خادم)۔

☆..... مرید کا یقین پکا ہو کہ میرے شیخ میرے ساتھ ہیں تو پھر کوئی جادو، غم، پریشانی یا مصیبت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ (۷ نومبر ۱۹۹۹ء)

☆..... اگر مرید اپنے آپ کو شیخ کا محتاج سمجھتو پھر وہ ضرور مدد کرتا ہے۔ (۱۰ نومبر ۲۰۰۰ء)

☆..... جب (مرید نے) خود کو کسی (شیخ) کے سپرد جو کر دیا تو پھر اس کی مرضی ہے، جو

چاہے کرے، اب اس (مرید) کی فکر کیسی؟ (۲۵ نمبر ۲۰۰۱ء)

### فردرویشی:

☆..... اگر آج کوئی شخص غربت کی وجہ سے اسلام پہ قائم ہے (جیسا کہ بعض لوگ امیری میں خدا کو بھول جاتے ہیں) تو یہ غربتی لاکھوں امیریوں سے بڑھ کر ہے۔

☆..... اکثر درویشوں سے فرماتے، کھانا اور سونا جتنا بڑھانا چاہیں، بڑھ جاتے ہیں اور جتنا کم کرنا چاہیں کم ہو جاتے ہیں۔

☆..... ایک درویش کو گھڑی سے تا دیر چھیڑ چھاڑ کرتے اور اس میں الجھا ہوا دیکھ کر فرمایا، جو ایک گھڑی میں اس حد تک لگن (اور رب سے غافل) ہو، اس کی درویشی کیا ہوئی۔ (۲۰ نمبر ۱۹۹۷ء)

☆..... شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے مرشد نے انہیں دو نصیحتیں کیں:

۱۔ اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہ سمجھیں۔ ۲۔ کسی کو اپنے آپ سے حقیر نہ جانیں۔

☆..... ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر وقت دل پر پہرہ رکھا جائے اور خیالاتِ فاسدہ سے باز رکھتے ہوئے منزل کی طرف توجہ رہے۔ (۲۰ نمبر ۱۹۹۷ء)

☆..... فقیری بہت مشکل ہے، حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ کانوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ فقیری اس قدر مشکل ہے تو شاید میں ادھر رجوع نہ کرتا۔

☆..... (آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال وجہ متابعت اور غلامی کو فقیری قرار دیتے۔ اسی تناظر میں فرمایا) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں آئیں، پہاڑ آپ کا حکم مانیں گے، سمندر آپ کو رستے دیں گے، آسمانوں سے نورانی تاج آپ کے

سر پر رکھے جائیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت آپ کے مقابلے میں نہیں آسکے گی، لیکن وفا کر کے تو دیکھیں۔

**دنیا:**

☆..... اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا (کیا) کرو، رب تعالیٰ قلب سلیم عطا فرمائے۔ عقل بیدار بنجھے۔ دین کا ذوق و شوق ہمارے اندر پیدا کرے اور یہ جذبہ پیدا کرے کہ ہم نے اس دنیا میں نبی پاک سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی طرح رہنا ہے۔ ہم نے کسی تاراسنگھ کی طرح نہیں رہنا، کسی چہ چل والی زندگی بسر نہیں کرنی۔ ہم نے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے غلاموں والی زندگی بسر کرنی ہے، غوثِ پاک (رضی اللہ عنہ) کے ماننے والوں کی طرح، و اتا صاحب علی ہجویری (علیہ الرحمہ) کا نام لینے والوں کی طرح اس دنیا میں رہنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

باب پندرھواں

شیوخ و سلاسل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## نسبت کی برکات:

شنیدم کہ در روز امید و بیم

بداں را بہ نیکاں بہ نحمد کریم (شخصی)

(میں نے سنا ہے کہ امید و بیم کے دن، وہ کریم بروں کو نیکوں کے صدقے بخش دے گا) اولیاء اللہ کے ساتھ نسبت فلاح دنیوی و اخروی کا سبب اور ان کی محبت بہترین نیکی اور کمال ایمان کی دلیل ہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ملا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ نے ”تفحّات الانس“ میں درج کیا ہے کہ ”قیامت کے دن ایک شخص گنہگاری و بد کرداری کے سبب سے نا امید ہو جائے گا۔ حق سبحانہ فرمائے گا:

”اے میرے بندے! کیا تو فلاں محلے میں فلاں عارف کو پہچانتا تھا؟“

وہ جواب دے گا، ”ہاں میں پہچانتا تھا“۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ”جا

میں نے تجھے اس کے طفیل بخش دیا“۔

فرمائیے! یہ تو ادنیٰ درجے کی نسبت (عارف کی محض شناسائی) کا کمال ہے کہ

سامانِ نجات بن رہی ہے، تو جو لوگ ان پاکباز بندوں سے دنیا میں باقاعدہ میل ملاپ رکھتے ہیں اور پھر جنہیں شرفِ غلامی یا بیعت کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ وہ کیونکر محروم

رہ سکتے ہیں اور کیوں نہ وہ عظیم تر نفع سے سرفراز ہوں گے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے محبت و تعلق کو ”أَحَبُّ الْأَعْمَالِ“ اور ”أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ“ کا درجہ دیا ہے تو کہیں تکمیل ایمان کے لیے بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، یہ تین احادیث:

(۱) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

قَالَ اتَذَرُونَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ قَائِلٌ

بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَقَالَ قَائِلٌ بِنِ الْجِهَادِ. قَالَ النَّبِيُّ

ﷺ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَيَّ اللَّهُ تَعَالَى الْحُبُّ فِي اللَّهِ

وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ..... (احمد۔ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ وودوم باب الحب في الله ورسن الله)

ترجمہ: حضرت ابو ذر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ

والہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو اللہ

تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے؟ کسی نے کہا نماز

اور زکوٰۃ۔ کسی نے کہا جہاد۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا،

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل ہے، خدا ہی کے لیے کسی

سے محبت کرنا اور خدا ہی کے لیے کسی سے بیزار رہنا۔

(۲) أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ

ترجمہ: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اللہ کے لیے محبت ہو اور اللہ ہی

کے لیے بغض ہو۔

(۳) مَنْ أَحَبَّ اللَّهَ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَاعْتَصَمَ لِلَّهِ وَمَنَعَ

لِلَّهِ فَقَدْ اكْتَمَلَ الْإِيمَانَ.

ترجمہ: جس نے محبت رکھی تو اللہ کے لیے، اور بغض رکھا تو اللہ کے لیے اور کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور نہ دیا تو (بھی) اللہ کے لیے، اس نے ایمان مکمل کر لیا۔

گو یا اولیا، اللہ کے ساتھ ربط و تعلق، اللہ کے ساتھ محبت کا لازمی تقاضا ہے۔  
اب سمجھئے، ان نفوس قدسیہ سے وابستہ ہونے کا بہترین فائدہ کیا ہے۔ اس کا جواب بخاری و مسلم کی اس حدیث پاک سے ظاہر و مترشح ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَ لَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن کبھی اس سے ملا نہیں۔

فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہے۔

ایسی ہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک صحابی سے بھی ارشاد فرمائی تھی۔ تو انس فرماتے ہیں کہ

فَمَا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِينَ فَرِحُوا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرِحَهُمْ بِهَا.

میں نے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس قدر خوش نہیں دیکھا جس قدر یہ بات سن کر وہ خوش ہوئے۔

ایک اور حدیثِ بٹ پاک دیکھئے اور سر دھنئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
اِسْتَكْبِرُوا مِنِّ الْاِخْوَانِ فَاِنَّ لِكُلِّ مُؤْمِنٍ شَفَاعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔  
(رواہ البخاری فی تاریخہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اللہ کے بکثرت نیک بندوں سے تعلق و محبت کرو کہ قیامت میں ہر مسلمانِ کامل کو شفاعت دی جائے گی کہ اپنے تعلق والوں کی سفارش کرے۔

یہاں اعلیٰ حضرت ”نقاء السلافہ فی البیعت والخلافہ“ میں نہایت خوبصورت بات ارشاد فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ”بالفرض معاذ اللہ اور کچھ نہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اتصالِ سلسلہ کی برکت ہی کیا تھوڑی تھی جس کے لیے علمائے کرام آج تک حدیث کی سندیں لیتے ہیں۔“

ایسا ہی مضمون امام عبدالوہاب شعرانی سے بھی منقول ہے۔ ”میزان الشریعہ“ میں ارشاد فرمایا:

”انہر، فقہا اور صوفیاء سب اپنے تابعین کی شفاعت کریں گے۔ اور وہ انہیں قبضِ روح، سوالِ نکیرین، حشر و نشر، حساب و میزان اور پلِ صراط کے عبور کے وقت انہیں ملاحظہ فرماتے ہیں (اور فرمائیں گے) اور کسی مقام پر بھی ان سے غافل نہیں ہوتے۔“

اب سنئے! محبوبِ سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العرفانی کی نوازشات



کی کہانی، آپ کی اپنی زبانی، فرماتے ہیں:

”میرا ہاتھ میرے مرید پر ایسا ہے جیسے زمین پر آسمان“

فرمایا:

”اگر میرے مرید کا پاؤں پھسلے گا میں ہاتھ پکڑ لوں گا۔“

(تبھی آپ کو دستگیر یعنی ہاتھ پکڑنے والا کہتے ہیں)

نیز فرماتے ہیں:

”مجھے ایک دفتر دیا گیا حدنگاہ تک کہ اس میں میرے مریدوں کے

نام تھے، قیامت تک جو ہوں گا اور مجھ سے فرمایا گیا، وَهَبْتُهُمْ

لَكَ (یہ سب ہم نے تمہیں دے ڈالے)۔ (نور المؤمنین ص ۱۴)

اب آئیے! امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ انورانی کی برکات کی طرف

آپ فرماتے ہیں:

”یہ درویش ایک روز (تجدید کے بارہویں سال) اپنے یاروں

کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی اور یہ نظر یہاں

تک غالب تھی کہ اپنے تئیں اس طریق سے بالکل بے مناسبت پاتا

تھا۔ اسی اثنا میں بحکم حدیث مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ (یعنی

جس نے اللہ کے لیے تواضع کی، اللہ نے اسے بلند کیا) اس دور

افتادہ کو مذلت کی خاک سے اٹھایا گیا اور یہ بد اس کے باطن میں کی

گئی کہ میں نے بخش دیا تجھ کو اور ان کو جو بالواسطہ یا بلا واسطہ

قیامت تک میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے۔ بار بار یہ بشارت

دی گئی، حتیٰ کہ شک کی گنجائش نہ رہی۔ والحمد للہ سبحانہ علی  
ذلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کما یحب ربنا  
ویرضی والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد و آلہ  
کما یجری

بعد ازاں اس واقعے کا ظہار کا حکم دے دیا گیا۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

”زن و مرد جو بالواسطہ یا بلا واسطہ ہمارے طریقہ میں داخل ہوئے  
یا قیامت تک ہوں گے وہ سب ہمیں دکھائے گئے ہیں اور ہر ایک کا  
نام و نسب اور مولد و مسکن ہمیں بتایا گیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایک  
ایک کو بیان کر دیں۔“

اب تک نسبت و ارادت کی برکات تحریر کی گئی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ  
”حبّ درویشاں کلید جنت است“۔ یعنی اولیاء کی محبت اور ان سے نسبت انسان کے  
کردار کی اصلاح و تعمیر کر کے اسے جنت کا حقدار بنا دیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب مرید  
محسوس کر لیتا ہے کہ اسے اللہ کے پاکباز بندوں سے نسبتِ غلامی حاصل ہو گئی ہے تو اس  
احساس کا سرور ہی اس کے کردار کی بنیاد کو مضبوط بنا کر اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے  
۔ اور پھر جوں جوں اہل ارادت محبت کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں، خود بخود دعویٰ  
کامل کے اوصاف و اطوار کے سانچے میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ لباس، گفتار اور رفتار  
تک میں شیخ ہی کے انداز و اطوار کو اپناتے جاتے ہیں۔ کہنے سننے کی بھی بسا اوقات  
ضرورت پیش نہیں آتی۔ خود عشق ان کا استاد اور رب ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ امام اعظم

ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

أَحِبُّ الصَّالِحِينَ وَكُنْتُ مِنْهُمْ

لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صِلَاحًا

ترجمہ: میں صالح تو نہیں مگر مجھے صالحین سے محبت ضرور ہے

، شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی صالح بنا دے۔

شیخ کامل کو ناقصوں اور گنہگاروں کے حاضر دربار ہونے کی شرم ہے۔ وہ دعا و توجہ میں مصروف رہتا ہے، حتیٰ کہ بد بخت، نیک بخت بن جاتے ہیں۔

شجرہ شریف پڑھنے کا بھی ایک بہت بڑا فائدہ یہی ہے کہ دل اس خوبصورت اور خوشبودار احساس سے معطر ہو جاتا ہے کہ ایک مرد حق کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کا تعلق کن عظیم ہستیوں سے قائم ہوا ہے۔ وہ روحانی مسرتوں میں ڈوب کر پکارا ٹھکتا ہے:

”گرچہ من ناپاک ہستم، دل بہ پا کاں بستہ ام“

شیخ کامل سے تعلق قائم کر کے مرید کے ہاتھ میں نور کی ایک زنجیر آ جاتی ہے۔ وہ زنجیر جس کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں ہے تو آخری جناب سیدنا صدیق اکبر یا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے دست مبارک میں ہے۔ اگر مرید اپنے شیخ کے ساتھ صحیح رابطہ رکھے گا تو گویا بارگاہ صدیقی یا مرتضوی میں پہنچا کہ پہنچا۔ اور پھر دربار رسالت کب دور رہے گا۔ سو اس تعلق میں ”نور و حضور“ بھی ہے، ”کیف و سرور“ بھی۔

حضور قبلاً عالم مقلد اسلام قدس سرہ کے متعلق یہ صراحت ہو چکی ہے کہ آپ چاروں سلاسل (نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ نیز ذیلی سلاسل) میں صاحب اجازت تھے تاہم آپ نے سب سے زیادہ رواج سلسلہ نقشبندیہ ہی کو دیا جب کہ کسی حد

تک قادریہ کو بھی۔ یہاں دونوں سلسلوں کے شجرے درج کئے جا رہے ہیں۔ اور اردو و طائف سے فارغ ہو کر شجرہ شریف پڑھا جائے اور بزرگانِ سلسلہ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو ان کے فیض سے دعا کی قبولیت کا امکان بھی زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ حضور قدس سرہ کی حیاتِ اقدس کے ذریعہ آخر میں نماز جمعہ کے بعد عرسِ حضور تشریف لائے کی محفل اور لشکرِ شریف کے بعد جو حیم پاک پڑھا جاتا تھا، اس میں دعا سے قبل اولاً تحریر کردہ شجرہ شریف پڑھا جاتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ کے معمول کے بعد آخر میں تحریر کردہ شجرہ و سلام پڑھا جاتا رہا۔

### شجرہ شریف نقشبندیہ (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یا عمیم الفضل ذاتِ با بقا کے واسطے	رحم کرنا مجھ پہ ختم الانبیاء کے واسطے
اس شفیق المذمبین اور رحمۃ اللعلمین	صاحبِ عالی مناقب و انصافی کے واسطے
ہو عطا مسکین کو یارب ترکِ ماسوا	حضرت صدیق اکبر ذوالعطا کے واسطے
فارسی سلمان، قاسم، جعفر صادق امام	بایزید و بو الحسن ذوالاقتیا کے واسطے
تیش تفسیر سرکش بدکیش سے رکھنا مجھے	بوعلی اور یوسف صاحبِ صفا کے واسطے
اور خواجہ عبدالخالق خواجہ عارف بحق	خواجہ محمود عزیز الاقتیا کے واسطے
یعنی آں حضرت عزیزانِ علی رامیتنی	عالمِ اکمل شہ جو دودخا کے واسطے
حضرت بابا ساسی خواجہ امیر کلال	اور بہاؤ الدین امیر خواجہا کے واسطے
خواجہ اکبر بخاری یعنی شاہ نقشبند	نور چشم اس شہیدِ کربلا کے واسطے

عشق اپنے میں ترقی بخش مجھ کو رہتا خواجہ یعقوب چرخنی بے ریا کے واسطے  
دن بدن ہو یا الہی اتحاد و رابطہ پیر سے خواجہ عبید اللہ ہما کے واسطے  
خواجہ زاہد محمد خواجہ درویش ولی خواجہ امکنگئی محمد مقتدا کے واسطے  
حضرت باقی باللہ خواجہ ہمت بلند اور مجتد الف ثانی بادشاہ کے واسطے  
جو اولوالعزموں کے درجے پر ہوئے نائب مناب یعنی سرہندی ہے کشور کشا کے واسطے  
آتش حرص وہوا کو مرد کر دل سے میرے خواجہ معصوم تارک ماسوا کے واسطے  
جملہ دشواری و خواری حشر کی آسان ہو شیخ اللہ اور زبیر اولیاء کے واسطے  
شکر ہے لاکھوں کہ یہ ہر چار قیوم زماں پیر بخشے ہیں خدا نے بے نوا کے واسطے  
یعنی فاروقی سرہندی یہ چاروں غوث حق کان ہے فیضان کی خلق خدا کے واسطے  
دولتِ صبر و قناعت ہو عنایت قادرا خواجہ قطب الدین حیدر مقتدا کے واسطے  
اے خدا تیری رضا کی التجار کھتا ہوں میں شاہ جمال اللہ آں صاحب رضا کے واسطے  
یہ دل مردہ ہو زندہ یا ہیہ کون و مکاں سید عیسیٰ جو عیسیٰ فی السما کے واسطے  
بہر بابا جی ولی اللہ جو فیض اللہ تھے اور ہے نور محمد پارسا کے واسطے  
قبلہ عالم جناب اور کعبہ دنیا دیں والے تیراہ ذی نور و ضیا کے واسطے  
یعنی آنحضرت لجا طائے ہے عالی مقام شاہ باز ادرج عرفاں بادفا کے واسطے  
جن کا اصلی نام ہے نام فقیر محمدی اور حاجی گل بھی مروضا کے واسطے  
سرخروئی دو جہاں یارب ہووے میرے نصیب مالک ملک یقین داعی ہدا کے واسطے  
قبلہ دیں کعبہ ایمان ہیہ ثانی لقب حضرت شاہ جماعت مقتدا کے واسطے  
قطب عالم غوث اعظم دستگیر بیکساں قبلہ اہل یقین اس رہنما کے واسطے

یا الہی ہے مبارک نام جن کا علی حسین سید والا نسب نور خدا کے واسطے  
فاطمہ کے لعل گل ارگلمشین حضرت علی لخت جگر حسین نور مصطفیٰ کے واسطے  
فیض سے جن کے ہوئے سر سبز اور نازہ قلوب ہو خاتمہ بالخیر اس نجم ہدا کے واسطے  
پھر یہ عاصی پر معاصی بھی کریمائش لے حرمت حضرات شجرہ خواجہا کے واسطے  
دل میرا کر پاک یا رب القہر اغیار سے قبلہ و کعبہ دلہی با خدا کے واسطے  
اللہم اغفر حجج المؤمنین والمومنات انبیاء و اولیاء و اصفیاء کے واسطے

☆☆☆☆☆☆

### شجرہ شریف قادریہ (۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہے ثنا و حمد ذات کبریا کے واسطے  
اور ذات کبریا حمد و ثنا کے واسطے  
گرچہ ہوں عاصی مگر شاہِ رُسل کا ہوں غلام  
ہاتھ اٹھاتا ہوں میرے مولا دعا کے واسطے  
حشر میں رسوا نہ کیجو میری مشیتِ خاک کو  
یا رب اپنی رحمت بے انتہا کے واسطے  
دل عطا کر سوختہ عشقِ شہِ ابرار میں  
آنکھ روتی دے جمالِ مصطفیٰ کے واسطے  
شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار

حیدر و صدر علی مشکل کشا کے واسطے  
حضرت خاتونِ بختِ نُرّۃ العینِ رسول  
یعنی بی بی فاطمہ خیر النساء کے واسطے  
ہو گئے دونو محورِ نورِ سرورِ پاک سے  
مرتضیٰ اور فاطمہ اہلِ ہدا کے واسطے  
گلستانِ سیدِ عالم کے دو گلہائے تر  
کان ہیں فیضان کی خلقِ خدا کے واسطے  
کھتہ شمشیرِ تسلیم و رضا شاہِ حسن  
گنجِ نورِ معرفت بدرِ لَدَبِے کے واسطے  
مرتضیٰ خاتون سے ہو گئے محورِ شاہِ حسن  
صاحبِ اہلِ شفا ہیں ہر بلا کے واسطے  
کر کرم کی اک نظر اور دیکھ میرا حالِ زار  
یا خدا حسنِ مہلےِ محبتی کے واسطے  
محضِ عبداللہ کی برکت سے میرا دل شاد کر  
اور موسیٰ الجون سیدِ با خدا کے واسطے  
بیشِ مجھ کو شاہِ عبداللہ موارث کی طفیل  
اُسِ ہیہِ موسیٰ امامِ با صفا کے واسطے  
کر عطا اپنی محبت بہرِ داؤدِ ولی  
خواجہ شاہِ محمد مورثا کے واسطے

مشکلیں حل ہوں میری ہر غم سے ہو جائے نجات  
سید مکی کے زہد بے ریا کے واسطے  
دل میرے کو نور عرفاں سے مٹا رکھ سدا  
شاہ عبداللہ جبلی پیشوا کے واسطے  
پیش توفیق عبادت، دور ہوں دل کے حجاب  
سید یو صالح پیر ہدا کے واسطے  
قبلاً ارباب عرفاں، کعبہ اہل یقین  
خیر پیراں، غوث اعظم، پیشوا کے واسطے  
دشگیر بیکساں و پیشوائے انس و جاں  
شاہ محی الدین امام الاولیا کے واسطے  
کر عطا صدق مقال اور رزق دے مجھ کو حلال  
عبد رزاق ولی صاحب عطا کے واسطے  
از طفیل پاک خواجہ سید عبدالوہاب  
صاحب فیضانِ کامل ذوالعطا کے واسطے  
کر مشرف مجھ کو تو دیدار پر انوار سے  
شاہ شرف الدین امیت خواجہا کے واسطے  
حشر میں زیرِ لوائے حمد ہو میرا مقام  
خواجہ شاہ عقیل اہل ہدا کے واسطے  
بہر شمس الدین صحرائی میرا دل شاد کر



اور گدا رُمنِ اوّل با صفا کے واسطے  
کر عطا قلبِ سلیم از بہر شمس الدین ولی  
اور گدا رُمنِ ثانی با خدا کے واسطے  
ہادی و سلطانِ عالم عبورِ کامل شاہِ فضیل  
اور کمالِ کیتھلی صاحبِ حیا کے واسطے  
رحم کر مجھ پر طفیلِ شاہِ سکندر قادری  
اور مجذوب الف ثانی پادشاہ کے واسطے  
حضرتِ قیومِ ثانی خواجہ معصوم حق  
نچہ اللہ اور زہرِ اولیا کے واسطے  
از طفیلِ شاہِ اشرف یعنی قطب الدین ولی  
شاہِ جمال اللہ آں صاحبِ رضا  
وردِ دل کی تو دوا کر اے میرے مولا کریم  
خواجہ عیسیٰ ولی ذوالاقتا کے واسطے  
بیر فیض اللہ پیر و پیشوائے کمالاں  
اور ھبہ نور محمد پارسا کے واسطے  
قبلہ گاہِ جان و دل شاہِ فقیر محمدی  
یعنی حاجی گل ھبہ مشکل کشا کے واسطے  
بہر سلطانِ حقیقت ، سیدِ عالی مقام  
وارثِ تاج و سریرِ انبیاء کے واسطے

قبلہ دیں کعبہ ایماں وہِ ثانی لقب  
مالکِ اقلیمِ تسلیم ورضا کے واسطے  
سایہ حق و زمیں، فرزندِ ختم المرسلین ﷺ  
حضرتِ شاہِ جماعت مقتدا کے واسطے  
یا الہی ہے مبارک نام جن کا علی حسین  
سیدِ والا نسب نورِ خدا کے واسطے  
دین و دنیا میں ظفر کی ہو ظفر یا ربِّ کریم  
اہلبیتِ مصطفیٰ آلِ عبا کے واسطے  
بخندے حافظ گدا کو اور جو مومن تمام  
برکت پیرانِ شجرہ با بقا کے واسطے  
یا الہ العالمین یہ عرض ہو میری قبول  
رحمۃ اللعلمین خیر الوریٰ کے واسطے

☆☆☆☆☆☆

### شجرہ شریف نقشبندیہ (بصورتِ سلام) (۳)

مصطفیٰ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام	نورِ انوار وحدت پہ لاکھوں سلام
اصلِ تکوین و سرّ ظہورِ خدا	رازِ ایجاد و خلقت پہ لاکھوں سلام
وجہِ تخلیقِ ایمان و ایمانیاں	محورِ دین و ملت پہ لاکھوں سلام
سب کے مشکل کشا سب کے حاجت روا	مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

یار غار نبی شاہکار نبی  
جن کو صدیق فرمایا سرکار نے  
بالیقیں اونچا رتبہ ہے سلمان کا  
نور چشم حبیب خدا  
بھیر حق ادا صادق با خدا  
پیکر بندگی ، خواجہ بایزید  
خواجہ فزقاں ، حضرت بو الحسن  
سید فارمد ، خواجہ ابو علی  
نازش دو جہاں ، غوث و قطبِ زماں  
خواجہ صید خالق ، حبیبِ نجد واں  
وہ معارف پناہ عارف ریوگر  
حضرت خواجہ محمود ، شاہ ہدی  
پھر وہ خواجہ عزیزان رامیتنی  
خواجہ ستاسی و خواجہ میر کلال  
خواجہ خواجگاں ، خواجہ نقشبند  
خواجہ عطار ، یعقوب و احرار سب  
زاہد و خواجہ درویش امکنگی بھی  
باقی باللہ کی ہو بقا پہ درود  
شیخ احمد مجدد امام ہدی

ادرج صدق محبت پہ لاکھوں سلام  
تاجدارِ صداقت پہ لاکھوں سلام  
ساقیِ عشقِ حضرت پہ لاکھوں سلام  
قاسمِ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام  
فیضِ اصحابِ و عزت پہ لاکھوں سلام  
شاہبازِ ولایت پہ لاکھوں سلام  
رازِ حُسنِ اجابت پہ لاکھوں سلام  
شمعِ بزمِ طریقت پہ لاکھوں سلام  
یوسفِ مصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام  
رازدارِ فتوت پہ لاکھوں سلام  
شاہِ اہلِ حقیقت پہ لاکھوں سلام  
دافعِ دردِ غفلت پہ لاکھوں سلام  
ان کے نورِ بصیرت پہ لاکھوں سلام  
دونوں شاہوں کی عظمت پہ لاکھوں سلام  
منظرِ فضلِ رحمت پہ لاکھوں سلام  
پیکرانِ عزیمت پہ لاکھوں سلام  
تینوں اہلِ کرامت پہ لاکھوں سلام  
وصلِ مولا کی لذت پہ لاکھوں سلام  
الف ثانی کی عظمت پہ لاکھوں سلام

جن کے خادم جہانگیر و شاہ جہاں  
خولجہ معصوم قیوم ثانی لقب  
شیخہ اللہ خولجہ محمد زبیر  
اشرف مدنی و خولجہ سید جمال  
عیسیٰ یعنی مسیحائے قلب و نظر  
خولجہ نور محمد ہیں نور خدا  
ہر فقیر محمد شہنشاہ ہے  
شاہ لاثانی مخدوم اہل نظر  
سایہ مرتضیٰ بحر صدق و صفا  
تقدیس لاثانی حسنی حسینی کریم  
ان کی پاکیزہ سیرت پہ بے حد درود  
تقدیس لاثانی عابد حسین  
سب سلاسل پہ اللہ کی رحمتیں  
آسی بینوا، اولیاء کا گدا لے

ان کی اعلیٰ حکومت پہ لاکھوں سلام  
اولیاء کی امامت پہ لاکھوں سلام  
ہر دو قیوم ملت پہ لاکھوں سلام  
کاشفان حقیقت پہ لاکھوں سلام  
فیض بخش طہارت پہ لاکھوں سلام  
ان کے انوار طلعت پہ لاکھوں سلام  
بادشاہی کی امارت پہ لاکھوں سلام  
میرے شاہ جماعت پہ لاکھوں سلام  
میکر جو در رحمت پہ لاکھوں سلام  
ان کی دوہری سعادت پہ لاکھوں سلام  
ان کی لاثانی طینت پہ لاکھوں سلام  
چشمہ فیض و برکت پہ لاکھوں سلام  
بلکہ سب اہل سنت پہ لاکھوں سلام  
اس کی لاثانی نسبت پہ لاکھوں سلام

(لہ یوں بھی کہا جاسکتا، ”آسی خوشنوا، اولیاء پہ خدا“)

مرید کے لیے یہ امر بھی از حد نافع ہے کہ ان بزرگوں سے زیادہ سے زیادہ  
تعارف حاصل کرے جن کے اسماء گرامی شجرہ شریف کی زینت ہیں۔ کتاب کی گنجائش  
کے مطابق محض تبرکاً ان بزرگانِ نقشبند کے مختصر حالات رقم کیے جا رہے ہیں۔ یہ التزام  
بھی کیا گیا ہے ان کے چند ملفوظات بھی شامل کر دیئے جائیں تاکہ عمل کرنے والوں کے

لیے نشانِ راہ کا کام دیں۔

## سرخیل جملہ انبیاء، منظرِ شانِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام

محمد ﷺ جانِ عالم ، فخرِ آدم ، ہادیِ اکرم

امام الانبیاء ، خیر البشر ، مشیرِ اعظم

محمد ﷺ وہ جمالِ اولیں ، وہ میکہِ نوری

محمد ﷺ کا ہر دمِ ظہور و رمزِ مستوری

محمد ﷺ احمد و حامد جسے خالق نے فرمایا

ازل سے جس پہ قرباں ہے لواءِ الحمد کا سایہ

قبل اس سے کہ مشائخِ نقشبندیہ کے حالات نقل کیے جائیں، یہ حقیر پر تقصیر

، اس تاجدارِ ہدایت، رازدارِ ہدایت، سرِ اسرارِ نہایت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حضور نذرانہ

عقیدت پیش کرنے کے لیے زمینِ ادب چومتا ہے

جو اللہ کے حبیبِ مکرم، کائنات کی بنائے محکم، اقلیمِ ہستی کے سلطانِ معظم اور بزمِ کیمتی

کے صدرِ مختتم ہیں۔

جو عرصہٴ ایجاد کے شہسوارِ یکتا، اپنے لاشریک رب کے منظرِ بے ہمتا، جانِ جہانِ اجتباء

اور شاہِ اقلیمِ اصطفاء ہیں

جو نورِ علیٰ نور، اصلِ سرور، شافعِ یومِ العسور، مالکِ حور و قصور اور واقعِ شرور ہیں

جو جامع الکمالات، مستجع الصفات، مطلع تجلیات، مرجع ششحات اور سید السادات ہیں

اور جن کی ہر ادا محبوبِ خدا، ہر نگاہِ مرکبِ ہدیٰ، ہر عشوہِ جانِ وفاء، ہر جلوہِ جہانِ سخا، ہر تیورِ کائنِ حیا، ہر دمِ دلِ رُبا، ہر قدمِ دلکش، ہر سخنِ جانفزا بلکہ سارا بدنِ معجزہ نما ہے

یعنی خواجہ عرشِ آستاں، سرورِ کون و مکان، شہنشاہِ رسالت، تاجدارِ نبوت، امامِ المرسلین، خاتم النبیین **احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ**

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ و ازواجہ و ابناہ و امہاتہ و ذریاتہ و التباعہ و بارک وسلم) کون ہے جو اس وسیم و نسیم، مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کی عظمت بیان کر سکے جن کی تحسین و تزئین، تکمیل و تعمیر، تعلیم و تادیب اور حسنِ تخلیق میں مصوٰرِ حقیقی نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ جن کو خالقِ ہستی نے صورت و سیرت، حسن و جمال، جاہ و جلال، فضل و کمال اور جو دونوں ال کی جن عظمتوں اور بلند یوں پر فائز فرمایا، عالمِ ممکنات میں اس کی مثال ناممکن ہے۔ بقول امام ربانی مجددِ الف ثانی قدس سرہ العزیز ”در عالم امکان مثل او متصور نیست“

لَوْلَا كَلَّمَآ خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ كَابِي راز ہے کہ مخلوقات اسی شہنشاہِ لولاک کے قدمِ پاک کی خیرات ہے۔ آیت وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء) اسی امر کی نماز ہے کہ حسنِ کائنات اسی جانِ کائنات کے جمال کی زکوٰۃ ہے اور یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ شمس و قمر کی تابشوں کا ہر چہکارہ اور عرش و کرسی کی نازشوں کا ہر نظارہ اسی شاہدِ رعنا کے حسنِ تیسیم کی سوغات ہے۔۔۔۔ اللہ کریم نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا (اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي)۔ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ حدیث مرتبہ شرح مشکوٰۃ)۔۔۔۔ پھر اسی نور کو واسطہ خلقِ عالم ٹھہرایا۔ (اَنَا مِنْ نُورِ اللّٰهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُورِي)۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور

سے ہے۔ حدیث مبارک النبوة)۔۔۔۔۔ عالم ارواح ہی میں اُس نور کو خلعتِ بیوت سے سرفراز فرمایا۔ اسی عالم میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں سے عہد لیا گیا کہ اگر وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔ (وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ..... الخ پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران۔ کون ۹) یہی وجہ ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دیتے رہے۔ (وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط..... صف ۶)۔۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت، خلقتِ آدم سے بھی قبل کی ہے (وَكَانَ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ۔ اور میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کی حالت میں تھے۔۔۔۔۔ مکتوباتِ نبویوم)۔۔۔۔۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت میں رکھا جو کہ حضرت حوا علیہا السلام کے رحمِ پاک میں منتقل ہوا۔ پھر حضرت حوا سے حضرت شیث علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا۔ یوں یہ نور مقدس پاک پشتوں سے پاک ریحوں میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے گطن مبارک میں منتقل ہوا۔۔۔۔۔ یہی وہ نور ہے جس کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائک بنے۔ اور اسی نور کے وسیلے سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتشِ نمرود گلزار ہو گئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب ختم ہوئے اور اسی نور کی برکات سے حضراتِ انبیائے سابقین علیہم السلام پر عنایاتِ الہیہ بصورتِ کمال ہوئیں۔۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ کے گطن مبارک میں ہی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کریم حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

تولد شریف ۱۲ ربیع الاول شریف، عام الفیل، روز دوشنبہ (پیر) صبح صادق بر مطابق

۳۶۷۵

۱۔ زرقانی علی المواب جلد اول ص ۱۳۲۔ مدارج النبوة جلد دوم ص ۱۳۱۔ البیہار النہایہ جلد سوم ص ۱۰۹۔ تاریخ طبری جلد دوم ص ۱۲۵۔ تاریخ ابن خلدون جلد دوم ص ۱۰۷۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۱۷۱۔ اعلام النبوة ص ۱۹۲۔ دلائل النبوة، سیرت کی قدیم کاغذ جامع معجزات، مطبوعہ مصر ص ۲۷۳۔ سیرة الخلیفہ جلد اول ص ۹۳۔ ماثرت من السنہ ص ۹۸۔ فتح الربانی جلد ۲۰، ص ۱۸۹۔ المواب لروی القاری طبع مکہ، اکڑمہ ص ۹۶۔ حجة اللہ علی العالمین للبیہانی جلد اول ص ۲۳۱۔ (اور مشہد و کتب) ایک صحیح روایت جسے حافظ ابو کمرانی شیبہ (المتوفی ۲۳۵ھ) نے سند صحیح کے ساتھ روایت فرمایا، ملاحظہ ہو۔ جی ہاں صرف ایک روایت: عن عفان عن سعید بن مینا عن جابر و ابن عباس انہما قالوا ولد رسول اللہ عام الفیل الاثنین عشر من شہر ربیع الاول (یلوغ الالبانی شرح فتح الربانی جلد ۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ بیروت)۔ نیز: عن عفان سے روایت ہے، وہ سعید بن مینا سے ناوی کہ جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں سوموار کے روز ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ اس کی سند میں پہلے ناوی کے بارے میں محدثین نے فرمایا کہ عفان بلند پایہ امام ثقہ اور صاحب ضبط و اتقان ہیں (خلاصہ التہذیب ص ۲۶۸۔ طبع بیروت)۔ دوسرے ناوی سعید بن مینا بھی ثقہ ہیں (خلاصہ ص ۱۳۳ تقریب ص ۱۲۶)۔ اگے سیدنا جابر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ لہذا بعد کے کسی بھی مؤرخ کا کوئی بھی قول یا ظن و تخمین اس کے مقابلے میں لائق التفات یا قابل قبول ہرگز نہیں ہو سکتا۔

طوفانِ نوح، ۱۲۵۵۸ ہجری، ۸۸۲ سکندری، ۶۲۸ بکری شمسی، ۱۷۷ عیسوی میں ہوا۔ اصحابِ فیل کا قصہ بقول جمہور نصف ماہ محرم میں تولد شریف سے ۵۵ روز پہلے وقوع میں آیا۔ مقامِ ولادت امّ القرئی یعنی مکہ معظمہ ہے۔ تولد شریف کے وقت آپ کے ساتھ ایسا نور ظاہر ہوا کہ مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کو ملکِ شام کے قیصری محل نظر آ گئے اور لاتعداد خوارق و ارباصات وقوع میں آئے۔ مثلاً ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گر پڑنا (اس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد فارس مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے



گاہ، آتشِ فارس کا بجھ جانا بحیرہ سادہ (ہمدان قم کے درمیان چھ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا) کا خشک ہو جانا، وادیِ سادہ (شام و کوفہ کے درمیان) کی ندی کا لبالب بہنا، دنیا بھر کے بادشاہوں کے سروں سے تاج گر پڑنا، ان کے تختوں کا بادشاہوں سمیت کاپٹنے لگنا، اس روز دنیا بھر میں بیٹے ہی پیدا ہونا، تمام پھل وار درختوں کا پھلوں سے خوب جھک جانا، معطر ہوائیں چلنا وغیرہم۔ (مولدِ اعراسِ دویم کتبِ میلا)

اولاً آپ سنی اللہ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا نے کئی دن دودھ پلایا۔ پھر ابو لہب کی آزاد کردہ لونڈی ثویبہ نے چند روز یہ شرف حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اس خدمت کے لیے آپ سنی اللہ علیہ السلام کو اپنے قبیلے میں لے گئیں۔ وہیں پہلی بار حضور سنی اللہ علیہ السلام کا شق صدر ہوا۔ دوسرا شق صدر دس برس کی عمر شریف میں، تیسرا غارِ حراء میں بعثت کے وقت اور چوتھا شبِ معراج میں ہوا۔ آپ سنی اللہ علیہ السلام کی عمر مبارک چھ سال تھی جب مشہور روایت کے مطابق سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت سے واپس آ رہی تھیں تو راستے میں مقامِ ابواء میں انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ اس سفر میں اُمّ ایمن ساتھ تھیں۔ وہ آپ سنی اللہ علیہ السلام کو مکہ میں لائیں اور آپ سنی اللہ علیہ السلام کے دادا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا۔ آپ سنی اللہ علیہ السلام آٹھ برس کے تھے جب دادا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی۔ پھر حضور سنی اللہ علیہ السلام اپنے چچا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ ملکِ شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بحیرہ راہب نے زیارت کی اور بے اختیار پکارا اٹھا، ”یہ رسول ربِّ العالمین ہیں۔“ چودہ برس کی عمر میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حربِ فجار میں

شرکت فرمائی۔ ۲۵ سال کی عمر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بغرض تجارت شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں مسطورا راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی شہادت دی۔ اس سفر سے واپسی کے قریباً تین ماہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال ہوئی تو قریش نے عمارتِ کعبہ کو از سر نو بنایا۔ اس تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرِ اسود اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا۔

چالیس سال کی مبارک عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا۔ ابتداءً خفیہ طور پر بعض لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے لگے۔ اس دعوت پر کئی مردوزن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، لڑکوں میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، عورتوں میں حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، آزاد کردہ غلاموں میں حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

خفیہ دعوت کا سلسلہ تین سال چلتا رہا، پھر اعلانیہ دعوتِ اسلام دینے کا حکم آیا۔ اس پر قریش برا فرودختہ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو اذیتیں دینے اور مصائب کھڑے کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نبوت کے پانچویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو چاہیں ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ اس حکم پر سب سے پہلے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ نبوت کے چھٹے سال حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے

اور ان کے تین دن بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھ کر قریش مسلمانوں کو ہر ممکن طریقے سے ستاتے رہے۔ چنانچہ دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں نے ہجرت کی۔ قریش نے نجاشی کے پاس اپنی سفارت بھیجی کہ مہاجرین کو واپس کر دو۔ مگر نجاشی نے صاف جواب دے دیا۔ اب قریش نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علانیہ شہید کر دیا جائے۔ بنو ہاشم و بنو مطلب حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغرض حفاظت شعب بن طالب میں لے گئے۔ اس پر قریش نے ان سے مقاطعہ کر دیا اور ایک تحریری معاہدہ اس بارے میں لکھ کر خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکا دیا۔ تین سال کے بعد حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر دی کہ اس معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور سوائے اللہ کے نام کے کچھ نہیں چھوڑا۔ جب دیکھا گیا تو ارشاد عالی درست نکلا۔ ماہ رمضان ۱۰ نبوت میں ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تین دن بعد سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہو گیا۔ یہ سال عام الحزن کہلایا۔ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا سفر کیا مگر ثقیف والوں نے آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا مثبت جواب نہیں دیا بلکہ واپسی پر اسقدر پتھر برسائے کہ نعلین شریفین خون آلود ہو گئیں۔

آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور اس کے نواح میں موجود ہوتے، دعوت اسلام دیا کرتے تھے۔ دیگر عوامی اجتماعات میں بھی اسی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ نبوت کے گیارہویں سال آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے، قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان ہو

گئے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں اپنے بھائیوں کو دعوتِ اسلام دی۔ اس لیے آئندہ سال بارہ مرد ایامِ حج میں مکہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ اسی سال ماہِ رجب کی ستائیسویں شب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالتِ بیداری میں جسمِ طاہری کے ساتھ معراج ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ نبوت کے تیرھویں سال انصار میں سے ۷۳ مرد اور دو عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔

جب قریش کے مظالم انتہا کو پہنچے اور ختم ہونے کے امکان بھی نہ رہے تو مسلمانوں کا مکہ میں قیام دشوار ہو گیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ شریف ہجرت کرتے گئے۔ یہاں تک کے مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے۔

قریش نے جب دیکھا کہ اسلام مدینہ شریف میں بھی پھیلنے لگا ہے تو وہ ڈرے کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوج بنانے میں کامیاب ہو کر مکہ پر حملہ آور نہ ہوں۔ اس لیے انہوں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر شیخ نجد کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو لہجے میں اپنے بستر پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑا تا کہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے آئیں اور ایک مہلتِ خاک لے کر سورۃ اہل شریف کی شروع کی آیات پڑھ کر کفار پر پھینک دی۔ کفار اندھے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے نکلے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ تین رات غارِ ثور میں رہے۔

تقدیر کے قریب سراقہ بن جحشم تعاقب میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ معافی مانگ کر واپس چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا میں ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن پہنچے۔ یہی تاریخ اسلامی کی ابتداء ہے۔ یہاں مسجد قبا کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ مدینہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر اتنے خوش تھے کہ الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔ اسی سال مسجد نبوی، ازواج مطہرات کے لیے حجرے اور مہاجرین کے لیے مکانات تیار کئے گئے اور مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کی گئی۔

ہجرت کے دوسرے سال قبلہ نماز بیت المقدس کے بجائے کعبہ شریف قرار پایا۔ اذان کا طریقہ جاری ہوا۔ رمضان شریف کے روزے فرض ہو گئے۔ اور غزوات و سرایا کا آغاز ہوا۔ غزوات کی تعداد ۲۷ ہے جبکہ سرایا کی ۴۷۔ بڑے بڑے غزوات جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے، سات ہیں۔ بدر، احد، خندق، خیبر فتح مکہ، حنین، تبوک۔ جن غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتال فرمایا، وہ یہ ہیں۔ بدر، احد، خندق، مطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔ غزوات میں سب سے اخیر غزوہ تبوک ماہ رجب ۹ھ میں ہوا۔

ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف ملکوں کے بادشاہوں (قیصر و کسری، نجاشی وغیرہم) کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

۹ھ میں غزوہ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار جو منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ

ڈالنے کی غرض سے بنائی تھی، آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے جلادی گئی۔ اسی سال وفود عرب دربار رسالت میں اس کثرت سے حاضر ہوئے کہ اسے سال وفود کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمتِ ایمان سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ اسے وہ میں وفودِ عرب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے رہے۔ پوری دنیا میں اسلام پھیلتا گیا۔ پھر حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے تعلم و تلمذ نہ کیا اور نہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ مگر آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیمِ الہی اپنے اصحابِ کرام کو وہ تعلیمِ روحانی دی کہ وہ معارفِ ربانی کے عارف اور اسرارِ فرقیانی کے ماہر بن گئے۔ جو کوئی بھی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر کچھ وقت بھی خدمتِ اقدس میں رہا، وہی عالمِ ربانی اور عارفِ حقانی بن گیا۔ آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو نسبتِ خاصہ اور قوتِ قدسیہ مبداء فیاض سے عطا ہو گئی۔ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام و ایمان اور احسان سے مالا مال کر کے اور سچے دین کے ظاہری و باطنی علوم سکھا کر ماہِ ربیع الاول اللہ میں دوشنبہ کے دن الرقیق الاعلیٰ پکارتے ہوئے اعلیٰ علیین قرب العالمین میں جاسد ہارے۔ لیکن یاد رہے کہ آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں اور باذنِ الہی حیاتِ دائمی سے سرفراز بھی۔ بلکہ حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے رحمت ہیں۔ لہذا رحمتِ عالم ہونا بھی آپ سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پر وال ہے کہ رحمت کرنے کے لیے زندہ ہونا ضروری ہے۔

۱۔ احادیثِ شریفہ کی مراحت کے تحت تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قوم میں زندہ ہیں اور نازب سے ہیں۔ مثلاً فرملا:

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ. (شرح الصدور)۔ یعنی انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ نیز

فرما: اِنَّ اللّٰهَ حَرَمَ عَلٰى الْاَوْهَانِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاۗءِ (ابن ماجہ)۔ یعنی بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسم کو کھائے۔ اور ہمارے آباؤ اجداد صلی اللہ علیہم والہم وسلم تو جانی حیات اور مدد حیات ہیں۔

مقام فور ہے کہ قرآن کی رو سے شہید زندہ ہیں: وَلَا تَقْوُلُوْا لِمَنْ يَّقْتُلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۗ بَلْ اَحْيَاۗءٌ ۗ وَّلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۗ (البقرہ ۱۵۴)۔ اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں، ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں شعور نہیں۔ بلکہ فرما: وَلَا تَحْسَبَنَّ الْاَلْفِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۗ بَلْ اَحْيَاۗءٌ ۗ وَجُنُودٌ لَّهُمْ يُرَوِّدُوْنَ ۗ (اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہرگز یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دینے جاتے ہیں۔

جب شہداء کی زندگی قرآن کی نص سے ثابت ہے تو انبیاء اور صالحین کی زندگی میں کیونکر شبہ کیا جاسکتا ہے جو بالاتفاق درجہ مرتبہ میں شہداء سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ اب سنی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کی خبر، امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْ قُوِيَ فِيْهِ لَمْ اُوْلِ اَجْدَ اَلَمْ الطَّعَامُ الَّذِيْ اُكَلَّتْ بِخَيْرٍ لِّهٰذَا اَوْ اَنْ اِنْقَطَعَ اَنْبَهْرِيْ مِنْ ذٰلِكَ الشَّمِّ (انبیاء الاذکیا۔ ص ۱۳۹)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے مرضِ وفات میں فرماتے تھے کہ میں نے خیر میں جو زہر آموغزہ کھلا تھا (ایک بیہودی عورت نے کھانے میں ملا دیا تھا۔ اس زہر کا اثر کئی دفعہ ٹوٹ آتا اور تکلیف دیتا۔ پھر تین سال کے بعد اس سے وصال ہوا۔ ذرا بی بی ج ۸ ص ۳۱۳) میں اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں۔ پس اب وہ وقت آچکا ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جاں منقطع ہوتی جاتی ہے۔

اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شہادت ثابت ہوتی ہے اور قرآن شہید کو زندہ کہہ رہا ہے لہذا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بدرجہ اولیٰ زندگی کی صفات سے مستحق۔ انباء الاذکیا (از امام سیوطی) ص ۱۳۸ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کیجئے: امام احمد، ابو یعلیٰ طبرانی اور مستدرک میں حاکم نے اور ابوالخیر ایبویہ میں امام بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:

اب یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم زندہ ہیں تو قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت مرحومہ کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے وہی فیضان بواسطہ خواص امت، علماء کرام و صوفیاء عظام پہنچتا رہے گا جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ظاہری زندگی میں پہنچتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت میں وقتاً فوقتاً اولیاء و صلحاء پیدا ہوتے رہیں گے جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ظاہری و باطنی کے فیضان سے مالا مال کرتے رہیں گے۔ اور ان اولیاء کرام کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت

کی تصدیق ہوتی رہے گی۔ چنانچہ داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

”محققیت محمدیہ کا تعلق جس طرح ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حیات میں تھا بعینہ وہی تعلق اب بعد وصال بھی بدن مبارک کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ اور جس طرح حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں آپ کے تہمتِ قات جاری تھے، ویسے ہی اب بھی جاری ہیں۔ یہی معنی ہیں حیاتِ القسی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ اور اسی وجہ سے قطب، غوث، ابدال، اودا و

---

لَا اِخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ قَتْلِ اَحْبَبِ اِيْتِي مِنْ اَنْ اِخْتَلَفَ  
وَاجِدَةٌ اِنَّهُ لَمْ يُقْتَلْ وَذَلِكَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَتَّخَذَهُ نَبِيًّا وَاتَّخَذَهُ حَبِيْدًا.

ترجمہ: اگر میں نومرچہ جسم کھا کر یہ کہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کیے گئے ہیں، یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک مرچہ جسم کھا کر یہ کہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل نہیں کیے گئے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بھی ظاہر اور شہید بھی۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ”مَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“ کے عموم میں داخل ہیں۔ اس ظاہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے۔

وغیر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہوتے رہیں گے۔“ (ذکر شہد)

**ازواجِ مطہراتِ رضی اللہ عنہن:** ازواجِ مطہراتِ رضی اللہ عنہن کی تعداد میں اختلاف ہے  
- زیادہ مشہور تعداد گیارہ ہے۔



نمبر	نام زوج	زوجات ام المومنین	زوجات	مقبرہ	حضرت رضی اللہ عنہا کی	حضرت رضی اللہ عنہا کی
نمبر	طہرات	کی عمر			خدمتِ اقدس کی عمر	محلِ مدینہ کی مدت
	رضی اللہ عنہا	بوقت نکاح				بوقت نکاح

۱	سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ ۲۵ میلاد رضی اللہ عنہا النبی	۳۰ سال	۱۰ نبوت	مکہ معظمہ	تقریباً ۲۵ سال	۲۵ سال
۲	سیدہ سہوہ رضی اللہ عنہا ۱۰ نبوت عنہا	۵۰ سال	۱۹ ہجرت	مدینہ منورہ	۱۳ سال	۵۰ سال
۳	سیدہ عائشہ صدیقہؓ نکاح رضی اللہ عنہا نیت - رخصتی شوال	۹ سال	۷ ارمضان المہارک	مدینہ منورہ	۹ سال	۵۳ سال
۴	سیدہ زینبہ رضی اللہ عنہا شعبان ۳ھ	۲۲ سال	۲۱ھ بیت المقدس الاول	مدینہ منورہ	۸ سال	۵۵ سال
۵	سیدہ زینبہ بنت جحش تقریباً ۳ھ رضی اللہ عنہا	۳ھ	۳۰ھ سال	مدینہ منورہ	۱۳ھ	۵۵ سال
۶	سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۳ھ	۲۶ سال	۶۰ھ	مدینہ منورہ	۷ سال	۵۶ سال
۷	سیدہ زینبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ۵ھ	۲۶ سال	۲۰ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۷ سال
۸	سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا شعبان ۵ھ	۲۰ سال	ربیع الاول ۵۶ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۷ سال
۹	سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۶ھ	۲۶ سال	۲۳ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۸ سال

۱۰	سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا	جمادی	۷	اسرا	رمضان	مدینہ	سواتین سال	۵۹	سال
	عنها	الآخر	۷	س	المبارک	منورہ			
۱۱	سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا	ذی قعد	۳۶	سال	۵۷	س	پونے چار سال	۵۹	سال
	اللہ عنہا	۷				قرب			
						مکہ معظمہ			

ان کے علاوہ ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن سے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ تولد ہوئے۔

صاحبزادے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین صاحبزادے ہیں۔

۱۔ حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ: پہلے مولود ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ قبل بعثت پیدا ہونے اور پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ قبل بعثت ہی راہ گرائے عالم جاودانی ہوئے۔

۲۔ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ: مکہ معظمہ میں بعثت نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مبارک بطن سے تھے۔ انہی کا لقب طیب و طاہر ہے۔ مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ سورۃ کوثر آپ ہی کی وفات پر نازل ہوئی تھی۔

۳۔ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ: مدینہ منورہ میں ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے تھے۔ ابھی ایام رضاعت باقی تھے کہ خلد بریں جاسد ہارے۔ آپ کی وفات کے دن سورج میں گہن لگا تھا۔

صاحبزادیاں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں رضی اللہ عنہن ہیں۔ تمام سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے تھیں۔

۱۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا: جب آپ پیدا ہوئیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال تھی۔ آپ حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ سے چھوٹی اور دیگر اولاد انبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی ہیں۔ آپ کا انتقال ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔

۲۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری صاحبزادی صاحبہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۳۳ سالہ عمر مبارک میں پیدا ہوئیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں فتح کی خبر لے کر مدینہ میں آئے اسی روز سیدہ نے بیس سال کی عمر میں (۲ھ میں) مرض چچک میں وصال فرمایا۔

۳۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا: آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری صاحبزادی صاحبہ ہیں۔ ۳ھ میں (سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد) آپ کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۴۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی صاحبہ ہیں۔ ولادت غالباً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ آپ کا وصال شریف ۳۰ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ میں ہوا۔

### **چند ارشادات عالیہ**

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ قدسیہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں، جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ قدسیہ نہ ملتے ہوں۔ حصول برکت کے لیے محض چند احادیثِ مبارکہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک بندوں میں سے کون بندہ زیادہ فضیلت والا اور زیادہ بلند مرتبہ ہوگا؟ فرمایا کہ مرد و عورت جو خدا کا زیادہ ذکر کرنے والے ہیں۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا خدا کا زیادہ ذکر کرنے والے راہِ خدا میں غزا کرنے والے سے زیادہ فضیلت اور بلند مرتبے والے ہوں گے؟ فرمایا کہ غازی اگر اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں میں مارے، یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور وہ خون آلود ہو جائے، خدا کا ذکر کرنے والا دوجہ میں اس سے بڑھ کر ہوگا۔ (ترمذی امام احمد)

(۲)۔ افضل ذکر لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ ہے اور افضل دعا الحمد لِلّٰہ ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

(۳)۔ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ (مسلم)

(۴)۔ جب تو نماز مغرب سے لوٹے (سلام پھیرے) تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار کہہ لیا کر: اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ۔ کیونکہ اگر تو یہ کہہ لے اور پھر اُسی رات مر جائے تو تیرے واسطے آتشِ دوزخ سے گذر جانا (چھٹکارا) لکھا جاتا ہے اور جب تو نماز صبح ادا کرے تو ان ہی کلمات کو سات مرتبہ کہہ لیا کر۔ اگر تو اُسی دن مر جائے تو تیرے واسطے آتشِ دوزخ سے گذر جانا لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۵)۔ کسی نے کبھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی طعام نہیں کھایا۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ (بخاری)

(۶)۔ ہمارا پروردگار تبارک و تعالیٰ ہر رات جب رات کا اخیر تہائی حصہ باقی ہوتا ہے، پہلے آسمان کی طرف اترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: ”کون ہے جو مجھے پکارے تاکہ میں

اُس کی دعا قبول کر دوں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اُسے عطا کر دوں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں۔ (بخاری و مسلم)

(۷)۔ خوشی ہو اُس شخص کے لیے جس نے اپنے نامہ اعمال میں استغفار بہت پائی۔  
(ابن ماجہ سنائی)

(۸)۔ آم زاد کو ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں (یعنی قیامت کے دن ان چیزوں پر پرسش نہ ہوگی) مکان رہنے کے لیے، کپڑا ستر عورت کے لیے، پارہ نان اور پائی۔ (ترمذی)

(۹)۔ ہر ایک آدمی کو قیامت کے دن بارگاہِ الہی میں کھڑا رکھا جائے گا، یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کی بابت سوال کیا جائے۔ اس کی عمر کی بابت کہ کس کام میں بسر کی، اس کی جوانی کی بابت کہ کس کام میں بوسیدہ کی، اس کے مال کی بابت کہ کہاں سے کمایا اور کس چیز میں اسے خرچ کیا اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔ (ترمذی)

(۱۰)۔ فقراء تو نگرہوں (مالداروں) سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے جو نصف دن ہے (اُس دن سے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے)۔ (ترمذی)

☆☆☆☆☆☆

## ۲۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی عبد اللہ اور لقب صدیق و عقیق ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام ابو قحافہ عثمان تھا۔ آپ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد شریف سے دو سال اور کچھ مہینے بعد ہوئی۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت یعنی حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ

عز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے والد، آپ کی تمام اولاد اور پوتا ابو عقیق محمد بن عبدالرحمن سب صحابی ہیں۔ آپ کی تبلیغ سے سیدنا عثمان غنی، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم (عشرہ مبشرہ سے) اور بلال حبشی، عامر بن فہرہ سمیت متعدد جلیل القدر صحابی ایمان لائے۔ اپنا تمام مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سمجھتے تھے۔ سفر ہجرت بالخصوص غار ثور یونہی سفر و حضر میں ہمیشہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت با برکت میں رہنا آپ کے بہترین فضائل میں سے ہے۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے خلیفہ برحق، مبشر بالرحمہ اور افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ بے شمار آیات اور احادیث آپ کی شان میں وارد ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کی شان کیا ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ دے دیا ہے مگر ابو بکر کا احسان ایسا ہے کہ اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دے گا۔ اور فرمایا: میرے نزدیک ابو بکر مردوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ نیز فرمایا:

مَا صَبَّ اللَّهُ فِي صَدْرِي إِلَّا صَبَّتَهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ (مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ) یعنی حقائق و محارف میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے، وہی میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ تمام صحابہ سے زیادہ تھا۔ یہاں تک کہ فرماتے، ”جس امر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل کیا کرتے تھے، میں اسے کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال سے کسی امر کو چھوڑ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ سنت سے

مشرف ہو جاؤں گا“..... (نہیم الریاض بحالہ ابو داؤد بخاری)

آپ سے بہت سی کرامات کا صدور ہوا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی روایت کے مطابق جب حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے حسب استطاعت اصحاب صفہ کو اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلانے کا حکم دیا تو صدیق اکبر تین کو ساتھ لے گئے۔ کھانے میں اولاً آپ نے ایک لقمہ اٹھایا، بعد ازاں دیگر نے کھایا مگر کھانا بڑھتا گیا۔ پھر اس میں سے حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں بھیجا گیا اور پورے لشکر نے سیر ہو کر کھایا۔ یہ تکثیر طعام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت اور رسول سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ (بالاختصار)

(صحیح بخاری، کتاب الادب، کتاب المناقب، کتاب مواقیب اصلوۃ)

اسی طرح بر وقت وصال اپنی بیٹی کی ولادت کی قبل از وقت خیر دینا (مؤطا امام محمد، باب التحلی)، مزار رسول کے قریب تدفین کے لیے دروازہ کھلانا (لمحات الالس، خصائص کبریٰ)، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام حاضرین کو حضور سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار پر انوار کے قریب تدفین کے لیے غیبی حکم سنائی دینا (شہد ابوۃ از ملا جامی) اور لاتعداد افراد کو خرقہ خلافت عطا فرمانا (پہ الاسرار) آپ کی مشہور کرامات و خوارق میں سے ہیں۔

**وقات:** وفات کے وقت صحابہ عیادت کو آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم کسی طیب کو بلاتے ہیں جو آپ کو دیکھے۔ فرمایا کہ طیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اُس نے کیا کہا؟ فرمایا کہ اس نے یوں کہا: اِنِّیْ فَتَّالٌ ۝ لَمَّا اَرِنَدُ (میں کرنے والا ہوں جو چاہتا ہوں)۔ آپ نے سہ شنبہ کی رات مغرب و عشاء کے درمیان ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور صبح ہونے سے پہلے پوچھ کر سیدہ عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت دو سال تین مہینے اور آٹھ دن رہی۔ اس قلیل عرصہ میں یمامہ، اطراف عراق اور ملک شام کے بعض شہر فتح ہوئے۔ مسلمانوں کو کذاب مارا گیا اور قرآن مجید ایک مصحف میں جمع کیا گیا۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ ادراک کے حاصل کرنے سے عاجز آنا ادراک ہے۔

(۲)۔ ہم ایک حرام میں پڑنے کے خوف سے ستر حلال چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(۳)۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مرتدین کی طرف جہاد کرنے کے لیے بھیجا تو فرمایا: 'موت کا حریص بن، تجھے حیات عطا ہوگی۔'

(۴)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا: "اے پرندے! خوش رہو۔ اللہ کی قسم، کاش میں تیری مانند ہوتا کہ تو درخت پر بیٹھتا ہے، پھل کھاتا ہے پھر اڑ جاتا ہے اور تجھ پر کوئی حساب و عذاب نہیں۔ خدا کی قسم، کاش میں بجائے انسان ہونے کے راستے کی ایک طرف کا درخت ہوتا۔ کوئی اونٹ میرے پاس سے گزرتا، وہ پکڑ کر مجھے اپنے منہ میں ٹھونس لیتا، پھر چبا کر نگل جاتا، بعد ازاں بیگانوں کی شکل میں نکال دیتا۔"

(۵)۔ جس شخص میں یہ چار خصالتیں ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے۔ توبہ کرنے والے سے خوش ہو، گنہگار کے لیے مغفرت طلب کرے، مصیبت زدہ کے لیے دعا کرے، احسان کرنے والے کی مدد کرے۔

**۲۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ**



آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ فارسی الاصل ہیں۔ آپ کا والد آتش پرست تھا۔ والد کے دین سے آپ بیزار تھے۔ چنانچہ دین موسوی میں داخل ہو گئے۔ بعد ازاں دین نصاریٰ قبول کیا اور شام و روم میں رہبان نصاریٰ کی خدمت میں رہے۔ تقریباً دس مرتبہ فروخت ہوئے۔ اخیر راہب جس کے پاس آپ تھے، مرنے لگا تو اس نے آپ کو بشارت دی کہ مدینہ شریف میں ہی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ تو ان کا دین اختیار کرنا۔ اس راہب کے مرنے پر آپ نے مدینے کی راہ لی۔ راستے میں ایک شخص نے آپ کو غلامی کی تہمت میں گرفتار کر لیا اور آپ بنو قریظہ کے ایک یہودی عثمان بن سہل کے ہاتھ فروخت ہوئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں وارد ہوئے تو ہجرت کے پہلے ہی سال آپ نے دین اسلام قبول کر لیا۔ ۵ھ میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے یہودی کی غلامی سے بھی آزادی مل گئی۔

**فضائل:** ☆..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”سابقین چار ہیں۔ میں سابق عرب ہوں، صحیب سلیق روم ہیں، سلمان سلیق فرس اور بلال سلیق حبشہ۔“  
☆..... جب خندق کے موقع پر انصار و مہاجرین انہیں اپنے اپنے ٹولے میں گننے لگے تو صحیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”سَلَمَانٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَيْتِ“ یعنی سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

☆..... آپ نجائے صحابہ کرام اور اصحاب صفہ میں سے ہیں۔

☆..... آپ ان چار بزرگوں میں سے ہیں جن کی نسبت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ ان کے پاس علم تلاش کرنا۔

**زهد و معیشت:** خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا گورنر بنایا اور سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم مقرر کیا جسے آپ خیرات کر کے خود بوریابانی پر گزارہ کرتے۔ آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ دیواروں اور درختوں کے سایہ میں رہا کرتے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں آپ کی سکونت کے لیے گھر بنا دیتا ہوں۔ فرمایا: ”مجھے گھر کی ضرورت نہیں“۔ اس نے اصرار کیا اور کہا کہ جس قسم کا گھر آپ کی طبیعت کے موافق ہے، وہ مجھے معلوم ہے۔ فرمایا کہ بیان کر۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے لیے ایسا گھر بنا دیتا ہوں کہ جب آپ اس میں کھڑے ہوں تو سر مبارک اس کی چھت سے لگے اور جب پاؤں پھیلائیں تو پاؤں کی انگلیاں دیوار سے جا لگیں۔ فرمایا درست ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی گھر تیار کر دیا۔

آپ کے پاس ایک دھاری دار کملی تھی جس کا کچھ حصہ آپ اوڑھ لیتے اور کچھ نیچے بچھا لیتے۔ کورزی کی حالت میں بھی یہی کملی آپ کے پاس رہتی۔ بعض نادانوں نے آپ کی طاہری حالت دیکھ کر آپ سے بطور مزور اپنا اسباب اٹھواتے۔ جب راستے میں ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ امیر شہر ہیں تو عذر کرتے مگر آپ فرماتے کہ حسب وعدہ منزل تک پہنچا کر آؤں گا۔

**وفات:** جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنی بیوی سے فرمایا کہ کچھ کستوری جو تمہارے پاس ہے، اسے پانی میں گھول کر میرے سر کے گرد چھڑک دو کیونکہ اب ایک قوم آنے والی ہے جو نہ انسان ہیں نہ جن۔ آپ کی زوجہ کا بیان ہے کہ میں آپ کا ارشاد بجالائی۔ گھر سے باہر نکلی، آواز آئی السلام علیک یا ولی اللہ۔ السلام علیک یا صاحب رسول اللہ۔ جب میں اندر آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ کی روح مبارک

پرواز کر گئی ہے۔ بروقتِ وفات (۱۰ رجب ۳۳ھ - مدائن) عمر مبارک اڑھائی سو سال تھی۔

**کھماتِ قدسیہ:** (۱)۔ مومن کا حال دنیا میں مثل اس بیمار کے ہے جس کے ساتھ اس کا طبیب ہو۔ جو اس کی بیماری اور دوا کو جانتا ہے۔ جب مریض کسی مضر چیز کو چاہتا ہے تو وہ اسے منع کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ اگر تم اسے کھاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اسی طرح مومن بہت سی چیزوں کو چاہتا ہے۔ پس اللہ عزوجل اس کو ان سے روک دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے اور بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ تعجب ہے طالب دنیا پر جس کو موت طلب کر رہی ہے، اور تعجب ہے اس غافل پر جس کو فراموش نہیں کیا گیا اور تعجب ہے اس ہنسنے والے پر جو یہ نہیں جانتا کہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہے یا ناخوش۔

(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا کہ تمہارا روزینہ مثل توشہ سوار کے ہو۔

(۴)۔ آپ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیرے رب کا تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے اہل کا تجھ پر حق ہے۔ پس ہر ایک حقدار کو اس کا حق عطا کر۔ پھر وہ دونوں معتمر خداسی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور یہ سب ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا ہے۔ (جامع ترمذی)

(۵)۔ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہا، پیارے بھائی! ہم میں سے جو پہلے وفات پائے، وہ

دوسرے کو خواب میں دکھائی دے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ حضرت سلمان نے فرمایا کہ ہاں، مومن بندے کی روح آزاد ہوتی ہے۔ زمین میں جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ اور کافر کی روح قید خانے میں ہوتی ہے۔ پس حضرت سلمان نے پہلے وفات پائی۔ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت اپنی چارپائی پر قبولہ کر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سلمان آئے ہیں۔ انہوں نے کہا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے جواب میں کہا، وعلیک السلام ورحمۃ اللہ۔ اے ابو عبداللہ! تو نے اپنا مقام کیسا پایا؟ حضرت سلمان نے کہا کہ خوب ہے۔ پھر تین بار فرمایا، تو توکل اختیار کر کیونکہ توکل اچھا ہے۔

## ۴۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ باپ کے قتل ہونے پر اپنی پھوپھی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ آپ کا انتساب علم باطن میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے۔

**فضائل:** آپ کبار تابعین اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ زہد و اتقا سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم فقہ و حدیث میں اپنی مثال آپ تھے۔ یحییٰ بن سعید انصاری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ منورہ میں کسی کو ایسا نہ پایا کہ اُسے قاسم پر فضیلت دیں۔ ایوب سختیانی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو قاسم سے افضل نہ دیکھا۔ بقول امام بخاری آپ افضل اہل زمانہ تھے۔ ابوالزنا دکتے ہیں کہ میں نے کسی کو قاسم سے بڑھ کر سنت کا

عالم نہ پایا اور نہ کسی فقیرہ کو آپ سے اعلم دیکھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ اگر امیر خلافت میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کے سپرد کر دیتا۔

**وفات:** جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں کفنانا جن میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ یعنی قمیض و ازار و چادر۔ آپ کے صاحبزادے نے عرض کیا، اتنا جان! کیا ہم دو کپڑے اور زیادہ کر دیں۔ جواب دیا، جان پورا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کفن بھی تین ہی کپڑے تھے۔ مردے کی نسبت زندہ کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ نے ستر یا بہتر سال کی عمر میں مکہ و مدینہ کے درمیان مقام قدید میں وفات پائی اور مُشْتَل (قدید سے تین میل کے فاصلے پر۔ طبقات ابن سعد) میں دفن کئے گئے۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں ۱۰۸ھ جبکہ بقول ابن معین و ابن المدینی ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ ہے۔

## ۵۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

آپ ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں متولد ہوئے۔ حق کوئی کے سبب لوگ صادق کہتے تھے۔ آپ اہل بیت اطہار کے چھٹے امام ہیں اور آپ کی سیادت و امامت متفق علیہ ہے۔ آپ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت امام باقر کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ اُمّ فردہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم کی صاحبزادی ہیں۔ اور اُمّ فردہ کی والدہ اسماء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن کی صاحبزادی ہیں۔ اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے، "وَوَلَدَنِي أَبُو بَكْرٍ مَرَّتَيْنِ"۔ یعنی حضرت ابو بکر نے مجھے دو بار پیدا کیا۔ مگر حضرت محمد والہ ثانی قدس سرہ

فرماتے ہیں کہ حضرت امام کاظم صوری اور نمپ معنوی حضرت صدیق اکبر سے ہے۔ اس واسطے آپ نے ایسا فرمایا ہے (مکتوبات احمدیہ، ج ۱، مکتوب ۲۹)۔ علم باطن میں آپ کا احتساب اپنے نانا قاسم سے ہے۔

علم: آپ لطائف تفسیر اور اسرار تنزیل میں یکتا تھے۔ علامہ ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام اعظم کو آپ کی شاگردی پر ناز تھا۔ فرماتے تھے کہ میں نے امام جعفر بن محمد سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ امام مالک، شعبہ، ہر دو سفیان، حاتم بن اسماعیل، یحییٰ قطان، ابو عاصم نبیل وغیرہ نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

بقول داتا گنج بخش علیہ الرحمہ آپ کے اشارات جلیلہ تمام علوم میں مشہور ہیں۔ المختصر! آپ تمام علوم و اشارات میں کامل اور مشائخ کے پیشرو اور مقتدائے مطلق ہیں۔

اوصاف حسنہ: ہیاج بن بسطام فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما اوروں کو یہاں تک کھلاتے کہ اپنے عیال کے لیے کچھ باقی نہ رہتا۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے طلب نصیحت پر اصرار کیا تو فرمایا: یا ابا سلیمان! مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن میرے جد بزرگوار میرا دامن نہ چکڑیں اور یوں فرمادیں کہ میرا حق متابعت کیوں نہ ادا کیا۔ کیونکہ یہ کام نسب کی شرافت پر موقوف نہیں بلکہ درگاہ رب العزت میں عمل کی پسندیدگی معتبر ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد طائی بہت روئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ پروردگار! جس شخص کی سرشت نبوت کے آب و گل سے ہے اور جس کی طبیعت کی ترکیب آثار رسالت سے ہوئی ہے اور جس کے جد بزرگوار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ماں حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا ہیں، جب وہ ایسی حیرانی میں ہے تو داؤد کس شمار میں ہے کہ اپنے حال پر نازاں ہو۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا فرمان ہے کہ میں امام جعفر صادق کی زیارت کیا کرتا تھا۔ جلوت میں حسین خُلق کے سبب سے ان کے مزاج میں مزاج و تبسم زیادہ تھا۔ مگر جس وقت ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آتا، ان کا رنگ زرد ہو جاتا۔ میں نے ان کو حدیث شریف بیان کرتے وقت کبھی بے وضو نہیں دیکھا۔ ان کی خدمت میں میری آمد درنت دیر تک رہی مگر جب کبھی میں ان سے ملا، ان کو نماز پڑھتے یا خاموش یا قرآن مجید پڑھتے پایا۔ وہ فضول و لغو کلام نہ کیا کرتے تھے اور علوم شرعیہ کے عالم اور خداترس تھے۔ (شفا شریف، ماضی حاض علیہ الرحمہ)

**کرامات:** ایک دفعہ آپ کی دعا سے غیب سے بے موسم کے انگور اور دو چادریں آئیں۔ (یہ ذی الحجہ ۱۱۳ھ کا واقعہ ہے)۔ مکہ معظمہ میں ایک غریب بیوہ کی مردہ گائے (جس کا دودھ بیچ کر اس کا گزارہ تھا) آپ کی دعا سے زندہ ہوئی۔ اس وقت کے خلیفہ منصور نے آپ کو قتل کے ارادے سے بلوایا۔ مگر ایک دیوقامت اڑوہا جس کا ایک ہونٹ اس کے مکان کے نیچے اور دوسرا اوپر تھا، اس کے ارادے میں حائل رہا۔ (دیگر کرامات کے لیے تذکرۃ الاولیاء کا مطالعہ مفید ہے)۔

**وقات:** ۱۵ رجب المرجب ۱۳۸ھ کو ۶۸ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے قبہ اہل بیت میں مدفون ہوئے۔

**کھمات قدسیہ:** (۱)۔ چار چیزیں ہیں جن سے شریف آدمی کو عار نہ چاہیے۔ اپنے والد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جانا، اپنے مہمان کی خدمت کرنا، اپنے چوپایہ کی خبر لینا خواہ اس کے سونگلاں ہوں، اپنے استاد کی خدمت کرنا۔

(۲)۔ جس نے اللہ کو پہچانا اُس نے ماسوا سے منہ پھیر لیا۔

(۳)۔ عبادت تو بہ کے سوا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم کیا۔  
چنانچہ فرمایا: **التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ**۔

(۴)۔ جو شخص اپنے رزق میں تاخیر پائے، اسے طلبِ مغفرت زیادہ کرنی چاہئے۔

(۵)۔ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو چار میں مبتلا ہو، وہ چار سے کیسے غافل رہتا ہے۔

تعجب ہے اس پر جو غم میں مبتلا ہو، وہ یہ کیوں نہیں کہتا: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ** و  
**إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ**۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے: **فَمَا تَتَجَبَّنَا لَهُ وَ**

**نَجِّنَهُ مِنَ الْعَمِّ ط وَكَذَلِكَ نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ**۔ اور تعجب ہے اس پر جو کسی آفت  
سے ڈرتا ہو وہ یہ کیوں نہیں کہتا: **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ**۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

: **فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمَسَّسَهُمْ سُوءٌ**۔ اور تعجب ہے اس پر جو

لوگوں کے مکر سے ڈرتا ہو، وہ یہ کیوں نہیں کہتا: **وَاقْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ**

**بَصِيرٌ** <sup>۱</sup> **بِالْعِبَادِ**۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَوَقَّهَ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكَرُوا**۔ اور

تعجب ہے اس پر جو جنت میں رغبت کرتا ہے، وہ یہ کیوں نہیں کہتا: **مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ**

**إِلَّا بِاللَّهِ**۔ کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَقَعَسَى رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ**

**جَنَّتِكَ**۔

## ۶۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ

آپ کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم اور لقب سلطان العارفين ہے۔ آپ

کے دادا پہلے مجوسی تھے، پھر مسلمان ہو گئے تھے۔ جبکہ والد کا شمار بسطام کے بزرگوں میں

ہوتا ہے۔ آپ کے دو بھائی آدم اور علی بھی نہایت عابد و زاہد تھے۔ آپ کو علمِ باطن میں



حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے تربیت ہے کیونکہ ان کا وصال آپ کے زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔

بچپن ہی میں والدہ سے اجازت لے کر گھر سے نکلے اور مجاہدے شروع کیے جو پورے تین سال تک رہے۔ اس کے دوران آپ کا آسان ترین مجاہدہ سال بھر پیاسا رہنا ہے۔

حج کرنے گئے تو فارغ ہو کر گھر واپس آ گئے اور پھر اگلے سال مدینہ منورہ کی نیت سے احرام باندھ کر دربار رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضری دی۔ گویا آپ کے کمال ادب نے گوارا نہ کیا کہ زیارت مدینہ کو حج کے تابع رکھا جائے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ بایزید ہماری جماعت میں ایسے ہیں جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں۔ دیگر سالکین کے میدان کی نہایت بایزید کے میدان کی بدایت ہے۔

اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ سنت کی تحقیق نہ ہو سکنے کی بنا پر خربوزہ نہ کھایا۔ والدہ جو از حد عابدہ و زاہدہ تھیں، کے نہایت اطاعت گزار تھے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کی حکایات محیر العقول ہیں۔ آپ سے بے شمار کرامات منسوب ہیں۔ ایک دفعہ ملکِ روم میں لشکرِ اسلام کا کفار سے مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کو شکست ہونے والی تھی کہ کسی مسلمان نے آپ کو پکارا، بایزید دریاب یعنی اے بایزید خبر لیجو۔ آپ نے توجہ کی۔ اسی وقت خراسان کی طرف سے آگ نمودار ہوئی، جس کی ہیبت سے لشکرِ کفار میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

**وقات:** آپ نے ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ میں بسطام (عیثا پور کے راستے پر) میں انتقال

فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

**کھمات قدسیہ:** (۱)۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کس طرح حاصل

کی؟ جواب دیا کہ بھوکے پیٹ اور خشکے بدن سے۔

(۲)۔ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اے میرے پروردگار! میں

تجھے کس طرح پاؤں؟ فرمایا: اپنے نفس کو چھوڑا اور میری طرف آ۔

(۳)۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو لعنتیں دیں تاکہ ان کے سبب سے اللہ کی طرف رجوع

کریں مگر وہ ان کے سبب سے غافل ہو گئے۔

(۴)۔ اگر تم کسی شخص میں کرامات دیکھو، یہاں تک کہ ہوا میں اڑتا ہو تو اس پر فریفتہ نہ ہو

جاؤ، جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر ونہی، حفظ وحدود اور آداب شریعت میں کیسا ہے۔

(۵)۔ اپنے وصال کے وقت کہا: 'خدا یا میں نے تجھ کو یاد نہ کیا مگر غفلت سے اور تیری

عبادت نہ کی مگر سستی سے۔'

## ۷۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام نامی علی بن احمد اور کنیت ابوالحسن ہے۔ سلوک میں آپ کی تربیت

حضرت بایزید بسطامی کی روحانیت سے ہوئی کیونکہ آپ کی ولادت سلطان العارفین کی

وفات کے بعد کی ہے۔ آپ قدما مشائخ اور اجلہ صوفیا میں سے ہوئے ہیں اور اپنے دور

میں تمام اولیا باللہ کے مدوح تھے۔ آپ سلطان المشائخ اور اوتاد ابدال کے قطب تھے۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ ہر سال دیہستان میں قبور شہداء کی زیارت کے

لیے جلیا کرتے تھے۔ جب آپ موضع خرقان (بسطام) کے دیہات میں سے ایک

گاؤں۔ معجم البلدان) سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور کچھ سو گھنٹے۔ مریدوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: اس چوروں کے گاؤں سے ایک مرد خدا کی خوشبو آتی ہے جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے۔

عشاء کی نماز خرقان میں باجماعت ادا کر کے حضرت بایزید کے مزار پر حاضری دیتے اور نماز فجر اسی وضو سے خرقان میں آکر ادا کرتے۔ واپسی میں اہتمام یہ تھا کہ مزار بایزید کی طرف پیٹھ نہ ہو۔ بارہ برس بعد حضرت بایزید نے کامیابی کی خوشخبری دی تو تمام طاہری و باطنی علوم آپ پر منکشف ہو گئے۔ ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول اور حضور و مشاہدہ میں مستغرق رہتے تھے۔ استاد ابو القاسم قشیری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ جب میں خرقان کے علاقے میں آیا تو اس شیخ عصر کے دبدبے سے میری فصاحت جاتی رہی اور عبارت آرائی ختم ہو گئی، یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول ہو گیا ہوں۔

سلطان محمود غزنوی نے عین اس وقت جبکہ ہندوستان میں سومنات پر حملے میں شکست نظر آ رہی تھی، آپ کے عطا کردہ پیراہن کو ہاتھ میں لے کر اور پیشانی زمین پر رکھ کر یوں دعا کی: ”اللہمی بآبروے این خرقہ مرا بریں کفار ظفر دہ کہ ہر چہ ازینجا غنیمت بگیریم بدرویشان بدہم“۔

یعنی خدایا! اس خرقہ کی آمد کے صدقے مجھے ان کافروں پر فتح دے، میں یہاں سے جو غنیمت لوں گا درویشوں کو دے دوں گا۔ اچانک لشکر کفار میں ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ ایک دوسرے کو تہ تیغ کرنے لگے اور لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اسی رات محمود غزنوی کو خواب میں حضرت خرقانی قدس سرہ نے فرمایا: ”اے محمود! تو نے ہمارے خرقہ کی آمد

ضائع کر دی۔ اگر تو اس وقت خدا تعالیٰ سے دعا کرنا کہ تمام کفار مسلمان ہو جائیں تو سب مسلمان ہو جاتے۔“

**وقات:** قریب وصال وصیت کی کہ میری قبر میں گز گہری کھودی جائے تاکہ حضرت بایزید علیہ الرحمہ کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ چنانچہ ۱۰ محرم ۴۲۵ھ کو خرقان میں جب آپ کا وصال ہوا تو ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے فرمایا تھا: ”جو شخص میرے مزار کے پتھر پر ہاتھ رکھ کر دعائے گے گا، وہ قبول ہو جائے گی۔“

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ ایک دن آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ کون سی چیز بہتر ہے؟۔ انہوں نے عرض کی، اے شیخ! آپ ہی فرمائیے، فرمایا کہ وہ دل جس میں خدا کی یاد ہو۔

(۲)۔ جو کچھ تو خدا کے لیے کرنا ہے اخلاص ہے اور جو کچھ بندوں کے واسطے کرنا ہے ریا ہے۔

(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث وہ شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کی پیروی کرے، نہ وہ شخص جو کہ کاغذ کو سیاہ کرے۔

(۴)۔ مجھے تین چیزوں کی غایت معلوم نہ ہوئی۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات، نفس کا مکر، معرفت۔

(۵)۔ میں نے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز سنی، میرے بندے! اگر تو غم کے ساتھ میرے سامنے آئے گا تو تجھے خوش کروں گا، اور اگر حاجت و فقر کے ساتھ آئے گا تو تجھے تو نگر کروں گا۔ جب تو اپنے آپ سے بالکل دستبردار ہو جائے گا تو پانی اور ہوا کو تیرا مطیع کر دوں گا۔

## ۸۔ حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی فضل بن محمد بن علی جبکہ کنیت ابوعلی ہے۔ آپ طوس کے دیہات میں سے ایک گاؤں 'فارمد' میں ۳۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔

علم: آپ نے فقہ امام ابو حامد غزالی کبیر سے پڑھی۔ ابو عبد اللہ بن باکو شیرازی، ابو منصور تمیمی، امام ابو حامد غزالی کبیر، ابو عبد الرحمن نبلی اور ابو عثمان صابونی وغیرہم سے سماع حدیث کیا۔ عبد الغافر فارسی، عبد اللہ بن علی خرکوشی، عبد اللہ بن محمد علوی اور ابو الخیر جامع الشفاء وغیرہم نے آپ سے روایت کی ہے۔ وعظ و تذکیر میں آپ امام ابو القاسم قشیری صاحب رسالہ کے شاگرد ہیں۔ عبارت و تہذیب و حسن ادب و دلچ استعارہ و دقیق اشارہ و رقت الفاظ میں کوئی آپ سے سبقت نہیں لے گیا۔ آپ کا کلام پر تاثیر ہے۔ اپنے پر تاثیر کلام کے سبب امر بالخصوص نظام الملک کے ہاں بے حد قبولیت حاصل کی۔

علم باطن کا انتساب شیخ بزرگوار ابو القاسم گرگانی اور قطب وقت حضرت ابو الحسن خرقانی (علیہ الرحمہ) سے ہے۔ آپ اپنے اصحاب و مریدین کی تربیت میں طریقہ حسنہ رکھتے تھے۔ آپ کے وعظ کی مجلس کو یا ایک باغ تھا جس میں طرح طرح کے خوشنما شگوفے تھے۔

وقات: آپ نے ربیع الثانی ۷۷۴ھ میں وصال فرمایا اور مزار شریف طوس میں بنا۔

## ۹۔ حضرت یوسف بن ایوب ہمدانی علیہ الرحمہ

آپ کا اسم مبارک یوسف بن ایوب اور کنیت ابو یعقوب ہے۔ ہمدان کے

نواح میں موضع یوزنجرد میں قریباً ۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ علوم و معارف میں قدم راسخ، فتاویٰ دینیہ میں ید بیضاء اور احکام شرعیہ میں دستگاہ کامل اور خواطر قلبیہ سے واقفیت رکھتے تھے۔ آپ کی مجلس میں علماء، فقہاء، اور صلحاء کا بڑا مجمع رہا کرتا تھا۔

**علم ظاہری و باطنی:** اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد آ کر ابوالفتح شیرازی سے فقہ پڑھی۔ پھر مختلف محدثین سے سماع حدیث کیا۔ اس کے بعد سب کچھ ترک کر کے عبادت و ریاضت و مجاہدہ کی طرف راغب ہوئے۔ تصوف میں آپ کا انتساب شیخ ابوعلی فارسی علیہ الرحمہ سے ہے۔ شیخ عبداللہ جوینی نیشاپوری علیہ الرحمہ اور شیخ حسن سمنانی علیہ الرحمہ کی صحبت میں بھی رہے۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہما ابتدائے حال میں آپ سے اپنی ملاقات کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے آپ کی بہت تعریف فرماتے ہیں۔ آپ سے متعدد کرامات منسوب ہیں۔

**وقات:** دو شنبہ ۲۲ ربیع الاول ۵۳۵ھ آپ کی تاریخ وصال ہے۔ مزار پُر انوار 'مرود' میں ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم خدا تعالیٰ سے صحبت رکھو۔ اگر یہ میسر نہ آئے تو اس شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو خدا تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہے۔

## ۱۰۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سلسلہ نقشبندیہ کے سردار ہیں۔ بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر 'غجدوان' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت عبدالجلیل، امام مالک کی اولاد

سے بہت بڑے عالم اور ولی تھے۔ جبکہ والدہ ماجدہ روم کے شاہی خاندان سے تھیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت عبد الجلیل کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دے کر عبد الخالق نام رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ حوادثِ روزگار کے سبب والد ماجد مع متعلقین روم سے ماوراء النہر کی طرف نکلے اور بخارا کے گاؤں مُنجد دان میں سکونت پذیر ہوئے۔

حضرت خولجہ عجمی دانی ہمیشہ صدق و صفا اور متابعتِ شرع و سنتِ رسول اور مخالفتِ بدعت و ہوا میں کوشاں رہے اور اپنی اس روش کو آپ اغیار کی نظر سے پوشیدہ رکھنے کی سعی فرماتے رہے۔ طریقت میں آپ کی روش حجت ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنی فرزندگی میں لیا اور قوفِ عدوی کی تعلیم دی (قوفِ عدوی سے مراد ذکرِ نفی و اثبات میں عدو ذکر سے واقف رہنا ہے۔ یعنی ذکرِ اس ذکر میں سانس کو عدو طاق پر چھوڑے نہ کہ جفت پر)۔ بعد ازاں انہی کے ارشاد پر آپ حضرت یوسف ہمدانی علیہ الرحمہ کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اپنے شیخ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت آپ کی عمر بائیس سال تھی۔

ایک دفعہ ایامِ عاشورا میں لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے سامنے آپ معرفت پر کلام فرما رہے تھے۔ اچانک ایک جوان زاہدوں کی صورت میں خرقہ پہنے اور سجادہ کندھے پر ڈالے حاضر ہوا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ اے خولجہ! حضور ربی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے: اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ۔ مؤمن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس حدیث کا ستر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس حدیث کا ستر یہ ہے کہ تو زقار کو توڑ دے اور ایمان لائے۔ اس نے کہا کہ پناہ بخدا کہ میرے پاس زقار ہو۔ حضرت خولجہ نے خادم کی

طرف اشارہ کیا، اس نے اس جوان کا خرقہ اٹھا دیا۔ پس خرقہ کے نیچے سے زقار ظاہر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اس جوان نے اُسی وقت زقار توڑ دیا اور ایمان لایا۔ حضرت خولبہ نے فرمایا، یا ردا! ہم بھی اس نو مسلم کی طرح اپنے زقار توڑ ڈالیں اور ایمان لائیں۔ ہم اپنے زقار باطنی جس سے مراد خود پسندی ہے توڑ ڈالیں، تاکہ اس کی طرح ہم بھی بخشے جائیں۔ یہ سن کر حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔

**وقات:** آپ کی وفات ۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ میں ہوئی اور مزار نجد دان میں ہے۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ مشہور آٹھ کلمات جو خواجگان نقشبند کے طریق عمل کو ظاہر کرتے ہیں، حضرت خولبہ سے ہی چلے ہیں۔ وہ یہ ہیں: ہوش دردم۔ نظر بر قدم۔ سفر در وطن۔ خلوت در انجمن۔ یاد کردہ۔ بازگشت۔ نگہداشت۔ یادداشت۔

۱۔ اس کی تشریح خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دو۔ سانس کے خروج و دخول کے ساتھ بلکہ ان کے درمیانی وقفے میں بھی ذکر و حضور جاری رہنا چاہئے۔

۲۔ سانس چلتے ہوئے اور گئی نظر سے بچے ہوئے پاؤں کی پشت پر نظر رکھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سانس کا باطنی قدم اس کی باطنی نظر سے پیچھے نہ رہے یعنی سرعت سیر کی طرف اشارہ ہے۔

(۲)۔ حق تعالیٰ کی جلالت سے ڈرتے رہو، اور بھولومت کے ایک روز تم موقوف حساب میں کھڑے ہو گے۔

(۳)۔ تم پر لازم ہے کہ مذہب سنت و جماعت کے پابند رہو اور انمذہب سلف کے مسلک کو اختیار کرو کیونکہ جو نئی باتیں پیدا ہوئی ہیں وہ گمراہی ہیں۔



تعلیم

۳۔ سفر و وطن (سیرانفسی) سے مراد بری صفات چھوڑ کر اچھی صفات اختیار کرنا ہے۔ خواجگان نقشبندیہ نے، مقام بہا میں جو سیرانفسی سے تعلق رکھتا ہے، سیر آفاقی کی بجائے اسی کو اپنایا ہے اور سفر ظاہر اتنا ہی کرتے ہیں کہ سیر کامل تک پہنچی جائے۔ سیر آفاقی (یعنی مطلوب کو باہر ڈھونڈنے) کی بجائے سیرانفسی (یعنی مطلوب کی اندرونی تلاش) شروع کرنا سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔

۴۔ یعنی ظاہر میں مخلوق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ۔ سارے اگر باہر میں بھی جائے تو ذکر میں استغراق و انہماک کے سبب کوئی آواز نہ سنے۔

۵۔ یعنی ہر وقت ذکر قلبی یا زبانی میں مشغول رہے۔ یا یہ مراد کوشش کا بتایا ہوا ذکر جھکائے کرے یہاں تک کہ حضور حاصل ہو جائے۔

۶۔ جب ذکر کلامہ تو حید کا ذکر دل سے کرے تو ہر باکلامہ تو حید کے بعد زبان دل سے کہے، خدا یا میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا۔

۷۔ دل کو خطرات و دوسروں سے محفوظ رکھنے کی کوشش یا اس یقین کی محافظت کہ میرا مقصود خدا ہی ہے۔

۸۔ یا دوامت سے مراد ہے دوام آگاہی۔ اگر اس دوام آگاہی میں اپنے وجود کا شعور بھی نہ رہے تو اسے فنا کہتے ہیں اور اگر اس بے شعوری کا شعور بھی نہ رہے تو اسے فنا جمع الجمع یا عین الیقین بھی کہتے ہیں یا اس یادداشت سے مراد ہمہدائت میں چنگل ہے۔

## ۱۱۔ حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ عبدالحق عجد دانی کے چار خلفاء تھے۔ خواجہ احمد صدیق، خواجہ اولیائے کبیر، خواجہ سلیمان کرمنی اور خواجہ عارف ریوگری علیہم الرحمہ۔ حضرت خواجہ عارف ریوگری علیہم الرحمہ آپ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز

کی نسبت واردات بھی انہی تک پہنچتی ہے۔ حضرت ریوگری علیہ الرحمہ موضع ریوگر میں پیدا ہوئے جو بخارا کے نواح میں، بخارا سے چھ فرسنگ اور نجدوان سے ایک فرسنگ شرعی کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اپنے شیخ کے وصال پر سجادہ ارشاد پر بیٹھے۔ تاحیات عبادت و ریاضت اور ہدایت غلطی میں مشغول رہے۔ آپ یگانہ وقت اور نادر روزگار شخص تھے۔

**وقات:** آپ نے یکم شوال ۶۱۶ھ میں وصال فرمایا۔ مرقد مبارک ریوگر میں ہی ہے۔

## ۱۲۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا مقام ولادت موضع انجیر فغہ ہے جو شہر بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلے پر ایک قصبے دابکنہ کا ایک گاؤں ہے۔ آپ کی رہائش دابکنہ میں تھی۔ وجہ معاش گہل کاری تھی۔ آپ خواجہ عارف ریوگری کے خلیفہ تھے اور ان کے تمام اصحاب میں شرف و بزرگی والے تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ عارف قدس سرہ کے اشارے کے مطابق ذکر جہر شروع کیا۔ مولانا حافظ الدین بخاری نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ سوتوں کو جگانے اور غافلوں کو ہشیار کر کے راہ راست پر لانے اور توبہ و استقامت کی طرف رغبت دلانے کے لیے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ذکر جہر اس شخص کیلئے جائز ہے جس کی زبان جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو اور جس کا حلق حرام و حبیہہ اور دل ریا و سمعہ سے اور باطن توجہ بہما سوا سے پاک ہو۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خواجہ علی رامینی نے جناب حضرت علیہ السلام سے شیخ کامل کی نشاندہی کے لیے عرض کیا تو انہوں نے حضرت خواجہ محمود کا نام لیا (رحمۃ اللہ

علیہا۔

**وقات:** حضرات خواجہ محمود دہس سرہ کی تاریخ وفات بعضوں نے ۷ ربیع الاول ۷۱۷ھ تحریر کی ہے۔ دابکنہ میں ہی آپ کا مزار اقدس بنا۔

### ۱۳۔ حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت بخارا شہر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر موضع رامیتن میں ہوئی۔ آپ خواجہ محمود دہس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ سلسلہ خواجگان میں آپ کا لقب حضرت عزیزاں ہے۔ صنعت بافندگی کیا کرتے تھے۔ آپ رامیتن سے باورد میں تشریف لائے۔ ایک مدت تک یہاں کے لوگوں کو راہ خدا بتاتے رہے۔ بعد ازاں شہر خوارزم میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں بھی ریاضت و مجاہدہ اور ہدایتِ خلق میں مشغول رہے اور بہت سے لوگ آپ کے دامانِ کرم سے وابستہ ہوئے۔ آپ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔

مولانا جامی نے صحاح الانس میں لکھا ہے کہ میں نے بعض اکابر سے یوں سنا ہے کہ مولانا رومی کے شعر ذیل میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے:

گر نہ علمِ حال فوقِ قال بودے کے شدے

بندہ اعیانِ بخارا خواجہ نساج را

(یعنی علمِ حال اگر قال سے بہتر نہ ہوتا تو سردارانِ بخارا خواجہ نساج (بافندہ) کے کب غلام بنتے)

**وقات:** آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک خواجہ محمد جو خواجہ فرد کے نام سے مشہور تھے کیونکہ

حضرت عزیزاں کے اصحاب حضرت عزیزاں کو خواجہ بزرگ کہا کرتے تھے اور خواجہ محمد کو خواجہ خرد۔ دوسرے خواجہ ابراہیم تھے جو چھوٹے تھے۔ جب حضرت عزیزاں کا وقت وصال قریب آیا تو آپ نے خواجہ ابراہیم کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ بعض نے بڑے صاحبزادے کی موجودگی میں جو عالم و عارف تھے، چھوٹے کی خلافت پر حیرانی کا اظہار کیا۔ حضرت نے ان کی کیفیت قلبی پر مطلع ہو کر فرمایا کہ خواجہ خرد ہمارے بعد زیادہ نہ ٹھہریں گے بلکہ جلد ہمارے پاس پہنچیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ حضرت عزیزاں کے وصال کے انیس روز بعد خواجہ خرد نے بروز دو شنبہ وقت چاشت، ۷ ذی الحجہ ۱۵۷۷ھ میں وفات پائی جبکہ خواجہ ابراہیم نے ۹۳۷ھ میں۔ حضرت عزیزاں نے ۲۸ ذی قعدہ ۱۵۷۷ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک خوارزم میں بنا جو کہ مرجع خلائق ہے۔

**کلمات قدسیہ: (۱)**۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے اپنی صنعت (باہندگی) کی مناسبت سے جواب دیا کہ توڑنا اور جوڑنا، یعنی ماسوا سے توڑنا اور حق تعالیٰ سے ملانا۔

(۲)۔ آیه تُوْبُوْا اِلٰی اللّٰهِ (حَرِيْم) میں اشارت بھی ہے اور بشارت بھی۔ اشارت ہے توبہ کرنے کی اور بشارت ہے اُس کے قبول کی۔ کیونکہ اگر قبول نہ کرنا تو توبہ کا امر نہ کرنا۔ امر دلیل ہے قبول کی، تردید تصور کے ساتھ۔

(۳)۔ عمل کرنا چاہئے اور نا کردہ خیال کرنا چاہئے اور اپنے تئیں تصور وار کہنا چاہئے اور (بصورت نقصان) عمل کو از سر نو کرنا چاہئے۔

(۴)۔ دو وقت اپنے تئیں خوب نگاہ رکھنا چاہئے۔ بات کرتے وقت اور کوئی چیز کھانے کے وقت۔

(۵) آپ کی یہ باغی مشہور ہے۔

باہر کہ نشستی دہند جمع دلت      دوز تو زمید زہمت آب گلگت

از صحبت دے اگر تبر انکئی      ہرگز نکند روح عزیزاں نکلت

یعنی جس شخص کے پاس تو بیٹھا اور تیری دلجمعی نہ ہوئی اور تیری آب و گل کی کدورت تجھ سے دور نہ ہوئی، اگر تو اس کی صحبت سے بیزار نہ ہوگا تو عزیزاں کی روح تجھے کبھی معاف نہ کرے گی۔

### ۱۴۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہ العزیز

آپ کا مولد موضع سماسی ہے جو رامپن سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے (رشحات) یا مضافات مشہد سے ہے (شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے مطابق)۔ اسی کی طرف نسبت کے سبب آپ کو سماسی کہتے ہیں۔ (ایک قول کے مطابق موضع 'سماں' کی نسبت سے سماسی ہیں)۔

طریقت میں آپ کا انتساب حضرت عزیزاں سے ہے۔ جنہوں نے اپنے وصال سے قبل خواجہ سماسی کو اپنی خلافت و نیابت کے لیے منتخب کیا اور تمام اصحاب کو ان کی متابعت کا حکم دیا۔

آپ پر محویت و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ چنانچہ اپنے ایک چھوٹے سے باغ میں کبھی تشریف لے جاتے اور انگور کی شاخوں کی تراش خراش کرنے لگتے تو ایک شاخ ہی کاٹتے کہ غلبہ حال کی وجہ سے آری آپ کے دست مبارک سے گر پڑتی اور آپ بیخود ہو جاتے۔ یہ صورت حال دیر تک رہتی۔ ہوش میں آ کر پھر شاخ انگور کو کاٹنے لگتے تو پھر وہی

کیفیت طاری ہو جاتی۔

**وقات:** آپ کی تاریخ وصال ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۰۵۵ھ ملتی ہے۔ مزار مبارک موضع سماسی میں ہے۔

## ۱۵۔ حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی شمس الدین ہے۔ صحیح النسب سید تھے۔ مولد قریہ سوخار ہے جو سماسی سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ آپ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے۔ فارسی زبان میں کلال کوزہ گر کو کہتے ہیں۔

ایامِ حمل میں اگر آپ کی والدہ کوئی مشتبہ لقمہ کھا لیتی تھیں تو پیٹ میں درد شروع ہو جاتا، جب تک وہ لقمہ باہر نہ آ جاتا، آرام نہ آتا۔

آپ ابتدائے جوانی میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک روز خولبہ سماسی تیس سرہ کا گذرا کھاڑے پر ہوا۔ وہ ایک دیوار کے سائے میں ٹھہر کر حضرت امیر کے حالات میں محو ہو گئے۔ خدام نے پوچھا کہ اے مخدوم! آپ ان لوگوں میں جو بدعت میں مشغول ہیں، کس واسطے حیران ہیں۔ فرمایا کہ اس میدان میں ایک مرد ہے اور اس صید گاہ میں ایک ایسا شکار ہے کہ کاملین زمانہ اس کی صحبت سے فیضیاب ہوں گے۔ اسی اثنا میں حضرت امیر کی نظر خولبہ سماسی پر پڑی اور ان کے دل کا پرندہ خولبہ کی صحبت کے جال میں آ پھنسا۔ بے اختیار ان کے پیچھے پیچھے ان کے دو تھانہ پر پہنچے۔ اسی روز حضرت خولبہ نے ان کو طریقہ عالیہ کی تلقین کی اور اپنی فرزندگی میں قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت امیر کبھی کشتی کے دنگل اور بازار میں نہ دیکھے گئے۔ آپ بطریق خواجگان ریاضت میں مشغول

رہے یہاں تک کہ حضرت بابا کی تربیت کے سایہ میں درجہ تکمیل وارثا پر پہنچے۔  
جب امیر تیمور نے سمرقند میں قیام کیا تو ایک قاصد کو آپ کی خدمت میں بھیجا  
کہ آپ ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ نے انکار کیا۔ اس نے بخارا کی امارت آپ  
کے صاحبزادے امیر عمر کے ذریعے دینا چاہی، آپ نے نہیں لی۔ ایک اور موقع پر امیر  
تیمور دعا و نصیحت کا طلبگار ہوا۔ آپ نے اپنے ایک محرم شیخ منصور کے ذریعے پیغام بھیجا کہ  
مشائخ بخارا کی ارواح طیبہ نے مملکت خوارزم تمہیں عطا کر دی ہے۔ تم بے توقف سوار ہو  
کر وہاں پہنچو۔ امیر تیمور نے ایسا ہی کیا اور خوارزم سے مظفر و منصور واپس آیا۔

**وفات:** مرض اخیر میں حضرت امیر نے اپنے اصحاب کو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند  
رضی اللہ عنہ کی متابعت کا حکم دیا۔ سفیدۃ الاولیاء میں حضرت امیر قدس سرہ کا سن وفات روز  
پنجشنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۷۷۷ھ مذکور ہے۔ (جبکہ انوار لائٹانی میں ۱۵ جمادی الاولیٰ  
۷۷۷ھ رقم ہے)۔ مزارہ نوار سوار میں ہے۔ آپ کے ایک سو چودہ خلفاء تھے۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ فرمایا کہ ارادت کیا ہے؟ ارادت خدا کی طلب، ترک  
عادت، وفائے عہد، ادائے امانت، ترک خیانت اپنی تقصیر کی دید اور اپنے عمل کی ناید کا  
نام ہے۔

(۲)۔ چاہئے کہ تم علماء کی خدمت میں رہو اور ان کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ وہ اہمیت  
محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چراغ ہیں۔ جاہلوں اور ان کی صحبت سے دور رہو اور دنیا  
داروں سے صحبت نہ رکھو کیونکہ ان کی صحبت تم کو خدا سے دور رکھتی ہے۔

۱۶۔ امام الطریقہ حضرت خواجہ سید بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز

آپ کی ولادت ۳ محرم الحرام ۱۸۱۷ھ میں 'قصر عارفاں' میں ہوئی جو شہر بخارا سے محض ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ طریقہ نقشبندیہ آپ ہی سے منسوب ہے۔ پہلے اسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے صدیقہ، پھر حضرت بایزید علیہ الرحمہ کی وجہ سے طیفوریہ اور پھر حضرت خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمہ کی نسبت سے خواجگانہ کہتے تھے۔ خواجہ نقشبند کا شجرہ نسب پچیس واسطوں سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے جا ملتا ہے۔

حضرت بابا سماسی کو شک ہندواں سے گذرتے تو فرماتے 'ازیس خاک برونے مردے می آید زود باشد کہ کوشک ہندواں قصر عارفاں شد'۔ یعنی اس زمین سے ایک مرد کی خوشبو آتی ہے، جلد ہی کوشک ہندواں، قصر عارفاں بننے والا ہے۔ ایک روز بابا سماسی حضرت امیر کللال کے مکان سے کوشک ہندواں (قصر عارفاں) کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا، 'وہ خوشبو اب زیادہ ہو گئی ہے اور بے شک وہ مرد پیدا ہو گیا ہے'۔ اس دن آپ کی ولادت کو تین دن ہو چکے تھے۔ آپ کے جد امجد آپ کو حصول برکت و توجہ کے لیے خواجہ سماسی کی خدمت میں لائے۔ انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا، 'یہ وہی مرد ہے، جس کی ہم نے خوشبو سونگھی تھی، یہ اپنے وقت کا مقتدا ہوگا'۔ نیز اپنی فرزندگی میں قبول کر کے حضرت امیر کللال کو فرمایا، 'تم میرے فرزند بہاؤ الدین کے حق میں شفقت و تربیت سے دریغ نہ کرنا، اس سلسلے میں تمہاری کوتاہی معاف نہیں ہوگی'۔ حضرت امیر نے کھڑے ہو کر اور ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا، 'اگر کوتاہی کروں تو مرد نہیں'۔ مناسب وقت آیا تو حضرت امیر کللال نے آپ کی تربیت میں پوری ہمت صرف کر دی۔ پھر آپ کی بلندی استعداد کے پیش نظر دوسرے



چشمہ ہائے فیض سے بھی سیراب ہونے کی پر زور تلقین فرمائی۔ چنانچہ سات سال مولینا عارف دیک کرانی کی خدمت میں رہے۔ بعد ازاں حضرت مہم شیخ کی خدمت میں دو تین مہینے رہے۔ پھر بارہ سال حضرت عطا کے پاس رہے اور بہت کچھ حاصل کیا۔ (رحمۃ اللہ علیہم)۔ حضرت خواجہ عبدالخالق عجدوانی علیہ الرحمہ کی روحانیت بھی آپ کو دولتِ عرفان سے مالا مال کرتی رہی۔ چنانچہ آپ کی روحانیت کا جواب نہیں۔ اللہ کریم نے جو مقام رفیع آپ کو عطا کیا تھا، بڑے بڑے اولیاء اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ آپ سے لا تعداد کرامات کا ظہور ہوا۔ لہو بھر میں دشمن کی قید سے قیدی کو چھڑا لانا، چوری شدہ مال کی متاثرہ شخص کو خبر دینا، مردہ درویش کو زندہ کرنا، ماوراالنہر اور کئی علاقوں کی حکومت تبدیل کر دینا، حضرت درویش محمد زاہد کے بھاگے غلام کو واپس لے آنا، ایک ہی وقت میں متعدد جگہوں پر موجود ہونا، ندی کے بہنے کی سمت کو اشارہ سے تبدیل کر دینا، برف باری سے قبل اس کی اطلاع دے کر ایندھن جمع کروانا تاکہ حرارت حاصل ہو، ندی کے پانی پر سے خود بھی اور دیگر کو بھی چلتے ہوئے اس طرح پار کرانا کہ موزے تک نہ بھیگیں، قلیل طعام میں اس قدر برکت کہ لا تعداد کے لیے کافی ہو، سینکڑوں میل دور سے حضرت مولینا عارف کو آواز دے کر بلو الینا، اپنے درویش حضرت خواجہ محمد پارسا کی زبان سے کہلوا کر بارش کو روکنا، تنور میں دستِ مبارک کا داخل کرنا اور اس کا متاثر نہ ہونا وغیرہم تو مشہور کرامات ہیں، دیگر کا شمار بھی ناممکن ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص نے کسی روز ہمارا جوتا بھی سیدھا کیا ہے، ہم اُس کی شفاعت کریں گے۔

**وقات:** خواجہ علاؤ الدین عطار کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ کے انتقال کے وقت ہم سورۃ

اس پر پڑھ رہے تھے۔ جب سورت نصف ہوئی تو انوار ظاہر ہونے لگے۔ ہم کلمہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ کاسانس منقطع ہو گیا۔ حضرت کی عمر شریف پورے تہتر سال کی تھی اور چوتھریں سال میں دو شنبہ کی رات ۳ ربیع الاول ۹۱۷ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک قصر عارفاں میں ہے۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے، **الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ** (نماز مومنوں کی معراج ہے)۔ یہ نماز حقیقی کے درجات کی طرف اشارہ ہے۔

(۲)۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، روزہ میرے واسطے ہے۔ یہ صوم حقیقی کی طرف اشارہ ہے جو ماسوائے حق سے امساکِ کلی کا نام ہے۔

(۳)۔ جس شخص نے اللہ کو پہچان لیا، اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ حضرت خواجہ علاؤ الدین علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ اس کلمہ قدسیہ سے حضرت خواجہ کی مراد یہ ہے کہ عارف پر اشیاء کا ظاہر ہونا اس کی توجہ پر موقوف ہے۔

(۴)۔ مشائخ کہتے ہیں، مجاز حقیقت کا پُل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تمام عبادات ظاہری قبولی ہوں یا فعلی، مجاز ہیں۔ جب تک سالک ان سے نہ گذرے گا، حقیقت کو نہ پہنچے گا۔

(۵)۔ اولیاء کو اسرار پر آگاہی ہے اور آگاہی دی جاتی ہے۔ لیکن وہ بغیر اجازت کے ان کو ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ اسے چھپاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں وہ شور مچاتا ہے۔ اسرار کا چھپانا امر کا کام ہے۔

(۶)۔ ہم نے جو کچھ پایا، وہ تفصیل الہی قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے اور اس عمل سے، نتیجہ طلب کرنے سے اور تقویٰ وحدود شرعیہ کی رعایت ٹھوڑا رکھنے سے اور عزیمت پر اور طریقہ اہل سنت وجماعت پر چلنے سے اور بدعت سے پرہیز کرنے سے پایا۔

## ۱۴۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ

آپ کا ام گرامی محمد بن محمد بخاری ہے۔ صحیح النسب سید ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمہ کے خلیفہ اعظم اور نائب مطلق تھے۔ حضرت خواجہ نے بہت سے طالبوں کو اپنی زندگی میں ان کے سپرد کر دیا تھا۔ طالب علمی میں ہی آپ کا عقد حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی صاحبزادی سے ہو گیا۔ جب طریق حق کی طلب آپ کے دل میں پیدا ہوئی تو علوم رسمی کا مطالعہ چھوڑ کر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طریقہ اخذ کیا۔ حضرت خواجہ کی آپ پر نظر خاص تھی۔ مجالس میں آپ کو اپنے پاس بٹھاتے اور بار بار آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔ بعضوں کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں ان کو اپنے پاس بٹھاتا ہوں تاکہ ان کو بھڑیا نہ کھا جائے۔ ان کے نفس کا بھڑیا گھات میں ہے، اس لیے میں ہر لحظہ ان کا حال دریافت کرتا رہتا ہوں۔ یوں حضرت خواجہ کی توجہات عالیہ سے آپ بہت جلد درجہ کمال پر پہنچے۔

حضرت سید شریف جرجانی جو آپ کے اصحاب میں سے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں شیخ زین الدین کی صحبت میں نہ پہنچا، نفس سے رہائی نہ پائی اور جب تک خواجہ علاء الدین عطار کی صحبت سے مشرف نہ ہوا، میں نے خدا کو نہ پہچانا۔

آپ کا خاص طریقہ ہے جسے علائیہ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر امام ربانی سیدنا

مجید دالغ ثانی قدس سرہ العوی نے اپنے مکتوبات (دفتر اول، مکتوب ۲۹) میں بالتفصیل کیا ہے۔ بخارا میں علماء کی ایک جماعت کے درمیان رویت باری تعالیٰ میں مباحث ہوا۔ انہوں نے بالاتفاق خواجہ علاؤ الدین کو ثالث تسلیم کیا اور آپ کے پاس آ کر طالب فیصلہ ہوئے۔ آپ نے منکرین رویت سے جو مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے، فرمایا کہ تم تین دن چپ چاپ با وضو ہماری صحبت میں رہو، بعد ازاں ہم فیصلہ دیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز کے آخر میں ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر زمین پر لوٹنے لگے۔ جب ہوش میں آئے تو نہایت نیاز مندی سے عرض کرنے لگے کہ ہم روایت حق پر ایمان لائے۔ اس کے بعد وہ کبھی حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوئے۔

**وقات:** آپ مرض وصال میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند علیہ الرحمہ کو موجود دیکھتے اور ان سے گفتگو کرتے تھے۔

بروز و شب ۲ رجب ۸۰۲ھ میں آپ کی طبع مبارک ناساز ہو گئی اور چار شبہ کی رات ۱۸ رجب المرجب ۸۰۲ھ میں نماز عشا کے بعد وصال فرمایا۔ مزار مبارک قصبہ چغانیاں میں ہے۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ اہل اللہ کی صحبت سبب موعودہ ہے۔ اس سنت پر خصوصاً وعموماً ہمیشگی کرو۔

(۲)۔ اہل اللہ کی صحبت میں ہمیشہ رہنا عقل معاد کی زیادتی کا ذریعہ ہے۔

(۳)۔ اپنے آپ سے غیبت اور حق سبحانہ کے ساتھ حضور بقدر عشق کے ہوتا ہے اور

افراطِ محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عشق جس قدر زیادہ ہو، اُسی قدر عاشق کو اپنے آپ سے غیبت اور معشوق کے ساتھ حضور زیادہ ہوتا ہے۔

## ۱۸۔ حضرت مولانا یعقوب بن عثمان چرخنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمہ کے اجل اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کی سکونت موضع چرخ (علاقہ غزنی) میں تھی۔ ابتدائے احوال میں کچھ مدت جامع ہرات میں اور کچھ مدت دیار مصر میں تحصیل علم میں مشغول رہے ہیں۔ علومِ ظاہری سے فراغت پانے کے بعد سلوک کا خیال آیا تو حضرت خواجہ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ اور جب حضرت خواجہ نے آپ کو بخارا سے سفر کی اجازت دی تو اشارۃً حضرت علاء الدین قدس سرہ کی متابعت کا حکم دیا۔ آپ بخارا سے شہر 'کش' (یہ موضع دیہاتِ اصفہان میں سے ہے۔ بعض ماوراء النہر میں بتاتے ہیں) تشریف لائے، کچھ عرصہ یہاں مقیم رہے۔ یہیں آپ کو حضرت خواجہ کے وصال کی خبر ملی جس پر آپ نے شدید رنج و صدمہ محسوس کیا۔ پھر آپ اپنے شیخ کے حکم پر حضرت عطار قدس سرہ کی صحبت میں چغتایاں چند سال رہے۔ وہ آپ پر نہایت مہربان تھے۔ پھر آپ نے تاحیات خلقِ خدا کی اصلاحِ احوال کے لیے اپنی بہترین کاوشیں بروئے کار لائیں اور ایک زمانہ آپ سے مستفید ہوا۔ آپ نے قرآنِ پاک کے آخری دو پاروں کی تفسیر لکھی جس کے مطالعہ سے بڑا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ رسالہ اُنسیہ بھی آپ کی تصنیف ہے۔ جس میں آپ نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے حالات درج کیے ہیں۔

**وقات:** آپ نے ۵ صفر ۸۵۱ھ میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک 'محلّیّو' میں ہے جو حصار

واقعہ ماوراء النہر کے مضافات میں سے ہے۔

## ۱۹۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی عبید اللہ جبکہ لقب ناصر الدین اور خواجہ احرار ہے۔ آپ رمضان ۸۰۶ھ میں یاغستان جو تاتاریوں کا (واقعہ توران) کے مضافات سے ہے، میں پیدا ہوئے تو والد کے بعد چالیس دن تک آپ نے ماں کا دودھ نہ پیا۔ لڑکپن ہی سے رشد و سعادت کے آثار اور قبول و عنایت الہی کے انوار آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے۔ بچپن سے ہی مزارات مشائخ پر حاضری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ آپ کا علم لدنی بڑے بڑے علماء ظاہر کو درطہ حیرت میں ڈال دیتا تھا۔ متعدد بزرگوں سے کسب فیض کرنے کے بعد حضرت یعقوب چرخانی علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے۔ خواجہ چرخانی علیہ الرحمہ نے فرمایا، طالب کو کامل کی بارگاہ میں خواجہ عبید اللہ کی طرح آنا چاہئے کہ چراغ اور تیل ہی سب تیار ہے۔ اپنے شیخ سے رخصت پا کر پھر ہرات میں آئے اور کم و بیش ایک سال وہاں رہے۔ بعد ازاں اسی سال کی عمر میں وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہاں آ کر زراعت شروع کی، رب اکرم نے آپ کے مال و منال، گلہ مویشی اور اسباب و املاک میں بے اندازہ برکت دی مگر یہ سب کچھ درویشوں کے لیے تھا۔ آپ نے مولانا نظام الدین خلیفہ خواجہ عطار کی پیشگوئی کے مطابق کئی بادشاہوں کو سیدھا کیا۔

**وقات:** آپ کی تاریخ وصال شبِ شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ ہے۔ بروقت وصال دونوں امدائے مبارک کے درمیان سے ایک نور چمکتی بجلی کی طرح نمودار ہوا۔ حاضرین نے اس نور کا مشاہدہ کیا۔ مزار اقدس محوطہ ملایاں (محلہ خواجہ کنشیر) میں ہے۔ آپ کی

اولاد بزرگوار نے آپ کی مرقد مبارک پر عالیشان عمارت تعمیر کرائی اور قبر مبارک کو نہایت عمدہ وضع پر بنایا۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر تمام احوال (حال کی جمع۔ حال وہ ہے جو سالک کے دل پر بغیر اکتساب کے وارد ہوتا ہے۔ مثلاً خوشی یا غم یا قبض یا بصر وغیرہ۔ حال جب دائم ہو اور ملکہ بن جائے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ یعنی احوال مواہب ہیں اور مقامات مکاسب۔ احوال عین جود سے جبکہ مقامات مجہود سے حاصل ہوتے ہیں) اور مواجید (وجد کی جمع۔ وجد وہ ہے جو سالک کے دل پر بغیر تکلف و تصنع کے وارد ہو۔ یہ اور دو وظائف پر بفصل الہی مترتب ہوتے ہیں) ہمیں عطا کیے جائیں اور ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اسے بجز خرابی کچھ نہیں سمجھتے۔ اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کی جائیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد سے سرفراز فرمایا جائے تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔

(۲)۔ ہماری زبان دل کا آئینہ ہے۔ اور دل روح کا آئینہ ہے اور روح حقیقتِ انسانی کا آئینہ ہے اور حقیقتِ انسانی حق سبحانہ و تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ حقائقِ غیبیہ غیب ذات سے دور دراز فاصلے طے کر کے زبان پر آتے ہیں۔ اور یہاں صورتِ لفظی قبول کر کے مستعدانِ حقائق کے کانوں میں پہنچتے ہیں۔

(۳)۔ ظاہری و باطنی فائدہ جس جگہ پائے اسے اپنے پیر کی برکت سے سمجھے۔

(۴)۔ محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ موت کے بعد اولیاء اللہ ترقی کرتے ہیں

(۵)۔ شریعتِ طہریقت، حقیقتِ تین چیزیں ہیں۔ ظاہر پر احکام کا جاری کرنا شریعت

ہے، جمعیت باطن میں تعمیل و کلف طریقت ہے اور اس جمعیت میں رسوخ حقیقت ہے۔

## ۲۰۔ حضرت مولانا محمد زاہد و خوشی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ یعقوب چرخ علیہ الرحمہ کے نواسے ہیں۔ ذکر کی تلقین انہی کے کسی خلیفہ سے حاصل کی۔ آپ کا انتساب طریقہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ احرار علیہ الرحمہ سے ہے۔ خواجہ احرار کی شہرت سنی تو حصار سے سمرقند کو روانہ ہوئے اور یہاں آکر محلہ وانسرا میں ٹھہرے۔ خواجہ احرار نے جو یہاں تین کوس دور اپنی اقامت گاہ پر تھے، بذریعہ کشف معلوم کر لیا۔ عین بوقتِ دوپہر آپ نے فرمایا کہ سواری کا اونٹ لاؤ۔ آپ بمعہ مریدین استقبال کے لیے نکلے۔ اونٹ کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ جب حضرت مولانا کی قیام گاہ کے پاس پہنچے تو اونٹ خود بخود رک گیا اور حضرت اتر پڑے۔ حضرت مولانا سن کر دوڑے آئے اور قدمبوسی کی۔ پھر خلوت میں اپنے واردات و معاملات و مقامات حضرت کے آگے پیش کئے اور بیعت کی خواہش کی۔ حضرت نے آپ کو بیعت کر کے اسی مجلس میں درجہٴ تکمیل تک پہنچا دیا اور خلافت عطا کر کے وہیں سے رخصت کر دیا۔ یہ معاملہ حضرت خواجہ کے عظیم تصرف اور حضرت مولانا کے کمال استعداد و ولایت پر دلالت کرتا ہے۔

**وفات:** حضرت مولانا محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال موضع 'دُخْش' (نواح بلخ میں ختلان کا ایک شہر۔ مجمع البلدان) میں ربیع الاول ۹۳۶ھ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

## ۲۱۔ حضرت مولانا درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ



آپ حضرت خواجہ محمد زاہد علیہ الرحمہ کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ ابتدا میں پندرہ سال بحالتِ تجرید و تفرید بے خور و خواب بیابانوں میں سفر کیے۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام کی رہنمائی پر اپنے ماموں کی بارگاہ میں بیعت ہوئے۔ درجہٴ تکمیل کو پہنچے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے مستقل نائب ہو گئے۔ زہد و تقویٰ، عملِ عزیمت اور حفظِ نسبت میں آپ عظیم شان کے مالک تھے۔ اپنے حالات کو چھپانے کا خصوصی التزام تھا، چنانچہ بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ نور الدین خوانی علیہ الرحمہ نے علاقے کے لوگوں میں آپ کو محض ایک مُؤا کے طور پر متعارف دیکھا تو رنج کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں کے لوگ کیسے اندھے اور مردہ دل ہیں جو ایسے درویشِ کامل سے فائدہ و فیض حاصل نہیں کرتے، جب ان شیخ ہر دلعزیز کا یہ کلام مشہور ہوا تو ہر طرف سے طالبانِ طریقت آ کر آپ کے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔ تاہم آپ تا حیات کوشہ نشینی اور گمنامی کی لذت کو یاد کیا کرتے تھے۔

آپ کے دور میں شیخ حسین خوارزمی کر دی کا بھی خاصا شہرہ تھا۔ جو درویش ان کے پاس آتا، نسبت سلب کر لیتے۔ وہاں کے مشائخ ان کے سامنے گویا بے دست و پا تھے۔ ایک مرتبہ وہ حضرت مولانا درویش محمد علیہ الرحمہ کے شہر سے گذرے تو حضرت مولانا نے ان کی نسبت اپنے تصرف سے سلب کر لی۔ انہوں نے معلوم ہونے پر نہایت انکساری سے عرض کیا کہ مجھ کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اقلیم آپ کے زیرِ حکومت ہے، اب میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ حضرت مولانا کو ان شیخ پر رحم آیا اور سلب شدہ نسبت واپس دے دی۔

**وقات:** آپ کی تاریخ وصال روز پنجشنبہ ۱۹ محرم الحرام ۱۷۷۰ھ ہے۔ مزار شریف موضع استرا میں ہے جو شہر سبز واقع ماوراءالنہر کا مشہور موضع ہے۔

## ۲۲۔ حضرت مولانا خواجگی ملکنکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام مبارک خواجگی ہے، جس کے لفظی معنی منسوب بہ خواجہ ہیں۔ آپ بخارا کے موضع 'امکھ' میں رہتے تھے، اس گاؤں کی طرف منسوب کر کے آپ کو 'ملکنکی' کہا جاتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہ کے صاحبزادے اور خلیفہ برحق تھے۔ انہوں نے ہی آپ کی ظاہری و باطنی تربیت فرمائی اور درجہ تکمیل پر فائز کیا۔ آپ میں برس تک مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔ عمر ہونے کے باوجود مہمانوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے کھانا خود لاتے بلکہ بسا اوقات مہمانوں کے خدام اور سوار یوں کی بھی خود نگہداشت فرماتے تھے۔

آپ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز کے اصل طریقہ کے پابند تھے۔ آپ کا زہد و تقویٰ درجہ کمال کو پہنچا ہوا اور کرامات و خوارق کا کثرت سے ظہور ہوتا تھا۔ تاہم آپ کو اپنے احوال کا انخفا عزیز تھا۔ طالبانِ طریقت کے مرجع تھے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء اور امراء و فقراء آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور بامراد لوٹے۔ بلکہ بادشاہانِ وقت آپ کے در اقدس کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے۔

عبداللہ خان دلی توران نے خواب میں آپ کو دربار رسالت علی صاحبہا صلوٰۃ والسلام کی درباری کرتے دیکھا تو نیا زندانہ آپ کی خدمت میں ہر صبح حاضری دیتا رہا۔

**وقات:** آپ نے وصال سے چند روز قبل اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ دو شعر تحریر فرمائے:

زماں تا زماں مرگ یاد آیدم      مدائم کنوں تا چہ پیش آیدم

جدائی مبادا مرا از خدا      دگر ہر چہ پیش آیدم شایدم

ترجمہ: زماں تا زماں مرگ مجھے یاد آرہی ہے۔ کیا خبر کہ وہ کب پیش آئے گی۔

مجھے میرے خدا سے جدائی منظور نہیں، باقی جو کچھ بھی مجھے درپیش ہو، منظور ہے۔

اس خط کے پہنچنے ہی حضرت کی وفات کی خبر خواجہ مدوح کو پہنچی۔ اس وقت عمر

تو ۷۰ برس تھی۔ ۲۲ شعبان ۱۰۰۹ھ تاریخ وصال ہے۔ مزار اقدس امکانہ میں ہے۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ درویشوں نے جو کمالات حاصل کیے ہیں وہ صاحب شریعت علیہ

اصلوٰۃ والسلام کے اتباع سے کیے ہیں۔ لہذا ان سے کوئی کام خلاف شریعت صادر نہیں

ہوتا۔

(۲)۔ امر مباح (یہاں مراد طلب کرامت) کی نیت سے بھی درویشوں کے پاس نہیں

آنا چاہئے کیونکہ بسا اوقات وہ ایسے کاموں کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے اور آنے

والے بد اعتقاد ہو کر ان کی صحبت کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ فقراء کے ہاں

کرامتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کے پاس خالصتاً لوجہ اللہ آنا چاہئے تاکہ فیض باطنی کا

کچھ حصہ ملے۔

## ۲۳۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ العزیز

حضرت خواجہ محمد باقی المعروف بہ خواجہ باقی باللہ ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں کابل

میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد قاضی عبدالسلام خلیفی سمرقندی قریشی رحمۃ اللہ علیہ ارباب فضل و صفا سے بڑے بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ باقی قدس سرہ کو حضرت مولانا خواجگی ملکنکی سے خلافت ہے۔ بچپن ہی سے بزرگی و ہمت کے آثار آپ کی پیشانی مبارک سے نمایاں تھے۔ کوشی نشینی کا آغاز اسی دور سے ہو چکا تھا۔ علومِ ربی کی تعلیم مولانا صادق حلوانی سے حاصل کی جو اس زمانہ کے علماء کبار سے تھے۔ پھر مردانِ خدا کی تلاش میں ماوراء النہر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پھر دہلی اور لاہور کے سالکوں اور مجذوبوں سے ملاقات کی اور فیض پایا۔ ایک ایسے ہی سفر میں تھے (ماوراء النہر کے ایک شہر کی طرف) کہ حضرت خواجگی قدس سرہ نمودار ہوئے اور فرمایا اے فرزندِ چشم ماہِ شمس است (ہماری آنکھ تمہاری راہ پر لگی ہوئی ہے)۔ آپ نے کیفِ سرور کے عالم میں بے ساختہ جواب دیا:

مے گزشتہم زغم آسودہ کما کہ زکین

عالم آشوب نگا ہے سر را ہم بگرفت

یعنی میں غم سے آزاد پھر رہا تھا کہ اچانک ایک عالم آشوب نظر نے

گھات سے نکل کر سرِ راہ ہی مجھے گرفتار کر لیا۔

قصہ کوتاہ آپ نے مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عنایات و رعایات حاصل کیں۔ آپ کے احوال حاصل سن کر انہوں نے تین دن رات آپ کو اپنی صحبت میں رکھا۔ پھر فرمایا، تمہارا کام بتنا۔ بت الہی اس سلسلہ عالیہ کے اکابر کی روحانیت سے انجام کو پہنچا ہوا ہے، اب تم پھر ہندوستان جاؤ تا کہ تمہارے ذریعہ سے یہ سلسلہ عالیہ فروغ پائے۔ ان کے حکم پر استخارہ جو کیا تو وہ بھی اسی کے موافق پایا چنانچہ ہندوستان میں آگئے۔ سال بھر تک لاہور کو مستفید کرنے کے بعد دہلی کا رخ کیا۔ محض

تین چار سال میں ہندوستان میں روحانی و ایمانی انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ جسے دیکھتے  
ترپ کر رہ جاتا۔

تخلیل و مردباری کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ جاٹوں کی ایک فوج ہمراہ ہوتی، مگر  
کوئی سختی سے پیش آتا تو بھی نہایت مہربانی سے پیش آتے اور کسی جاٹ کو تلخ کلامی تک نہ  
کرنے دیتے۔ شفقت و رحمت کا یہ ماجرا تھا کہ ایک دفعہ لاہور میں قحط پڑا، آپ یہیں  
تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے کئی دن تک کھانا نہ کھایا۔ ماحضر کو بھوکوں کے لیے بھیج  
دیتے اور قوتِ روحانی پر گزارا کرتے۔

تواضع و انکساری اپنی آخری حدوں کو پہنچی ہوئی تھی۔ کوئی آپ کی بزرگی کا شہرہ  
سن کر حاضر خدمت ہوتا تو فرماتے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، مجھ میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔  
اگرچہ ابتدا سے انتہا تک بڑے بڑے عظیم الشان حالات آپ پر وارد ہوئے  
تاہم آپ کی بلند ہمت نے کسی ایک حال و کشف پر قناعت نہ کی۔ بلکہ باوجود کمال کے  
آپ ہمیشہ اپنی نایافت کا اظہار فرماتے تھے۔ اور عین بحر وصال میں خشک لب و تشنہ  
رہتے تھے جیسا کہ آپ کی اس رباعی سے معلوم ہوتا ہے:

در راہِ خدا جملہ ادب باید بود      تا جاں باقیست در طلب باید بود

دریا دریا اگر بکامت ریزند

گم باید کرد و خشک لب باید بود

ترجمہ:

خدا نے آپ کو مجسمہٴ ہیبت و رعب بنا رکھا تھا، لوگ چہرہ مبارک دیکھتے ہی  
مرعوب ہو جاتے تھے۔ شیخ تاج الدین جو آپ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں، کا

بیان ہے کہ ایک دن ہمارے خواجہ عجیب کیفیت کے ساتھ دریا کے ساحل کی طرف متوجہ ہوئے (دہلی میں قلعہ فیروزی میں آپ کی سکونت تھی جو نہایت دلکش اور ساحل سمندر پر واقع تھا۔ زمانِ وفات تک آپ یہیں سکونت پذیر رہے)۔ قبا کے بند کھلے، سینہ ننگا، عمامہ پریشان، چہرہ مبارک سے شکستگی اور قلعہ داندوہ کے آثار نمایاں۔ آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ جب آپ کو میری موجودگی کا احساس ہوا تو نہایت آہ و درد کے ساتھ فرمایا کہ تاج! اس قدر واردات اور احوال اور فیوضات اور انوار و اسرار مجھ پر دارن ہو رہے ہیں کہ اگر یہ دریا سیاہی ہو جائے تو ان کے لکھنے کے لیے ناکافی ہو، مگر مجھے ان سے کیا کام۔ میرا مطلوب دید و دانش سے دور ہے:

طلب بے چون و مطلب ہیچ کونہ

نہ آں را شبہ و زائیں را نمونہ

ترجمہ:

آپ محض دو تین سال درویشوں کی تربیت میں مشغول رہے۔ جب حضرت مجتہد الف ثانی قدس سرہ آپ کی عنایات سے درجہ کمال پر پہنچ گئے تو آپ اربابِ ارادت کی تعلیم و صحبت سے کنارہ کش ہو گئے اور ان کو حضرت مجدد کے حوالہ کر کے خود گوشہ نشینی اختیار کی۔ لیکن اس دو تین برس کے عرصہ میں لاتعداد بندگانِ خدا آپ کے خوانِ دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کے فیوض و برکات پورے ہندوستان اور باہر پھیل گئے۔ سلسلہ نقشبندیہ جو اس سے قبل مسافرانہ حالت میں تھا، آپ کے ذریعے پورے طور پر رائج ہو گیا۔ آج تک آپ کے آثار و برکات روز افزوں ہیں۔

**وقات:** آپ نے ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۲۰۱ھ میں وصال فرمایا جبکہ عمر عزیز چالیس برس تھی۔ مزارِ برافراوروتی میں ہے۔

**کلماتِ قدسیہ:** (۱)۔ ہمارے طریقے کا دارومدار تین باتوں پر ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا، دوام آگاہی اور عبادت۔ اگر کسی شخص کی ان تین چیزوں میں سے ایک میں خلل وفتور آجائے تو وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے۔ ہم عزت کے بعد ذات اور قبول کے بعد رُذ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۲) توکل یہ نہیں کہ ظاہری اسباب کو چھوڑ دیں اور بیٹھ رہیں۔ کیونکہ یہ تو بے ادبی ہے۔ بلکہ سبب شروع مثلاً کتابت وغیرہ کو اختیار کرنا چاہئے اور نظر سبب پر ہی نہ رکھنا چاہئے، کیونکہ سبب مثل دروازے کے ہے جو حق سبحانہ نے سبب پر پہنچنے کے لیے بنایا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص دروازے کو بند کر لے کہ خدا اوپر سے پھینک دے گا تو یہ اس کی بے ادبی ہے کیونکہ دروازہ خدایٰ کا بنایا ہوا ہے اور اس بات پر دلیل ہے کہ کھلا ہے۔ کھلے ہوئے کو بند نہ کرنا چاہئے۔ بعد ازاں اُسے اختیار ہے، چاہے دروازے سے بھیجے یا اوپر سے پھینک دے۔

☆☆☆☆☆☆

### ۱۳۔ امام ربانی حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہماقوی

آپ کی ولادت با سعادت شبِ جمعہ ۱۲ شوال ۹۷۱ھ کو شہر سرہند میں ہوئی۔ مکتب میں حفظِ قرآنِ پاک کے بعد اکثر علوم متداولہ اپنے والد ماجد سے حاصل کیے۔ اس کے بعد سیالکوٹ آ کر معقولات حضرت مولانا کمال کشمیری سے اور کتبِ حدیث

مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔ نیز کتب تفسیر و حدیث اور قصیدہ بُردہ وغیرہ کی اجازت حضرت قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

غرض سترہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم سے فارغ ہو کر اپنے والد بزرگوار کے ہاں مدرسہ میں مشغول ہوئے۔ اسی زمانہ میں رسالہ ہمدانیہ، اشباۃ النبوة اور رسالہ ردّ روافض جیسی مفید اور بلیغ کتابیں لکھیں۔ آگرے بھی تشریف لے گئے جہاں ابوالفضل اور فیضی جیسے لوگوں کو بھی آپ کی علمی برتری کا اعتراف کرنا پڑا۔

طریقت میں قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کے علاوہ دیگر سلاسل مثلاً شطاریہ، مداریہ، کبردیہ وغیرہ میں بھی اپنے والد ماجد سے خلافت حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی آ کر خواجہ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دامانِ رحمت سے (سلسلہ نقشبندیہ میں) وابستہ ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۰۰۸ھ کا ہے جبکہ آپ زیارتِ حرمین کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں دہلی میں ان کی زیارت ہوئی، چنانچہ تین ماہ رہ کر وہ کچھ حاصل کیا جو اور لوگ برسوں میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ حضرت خواجہ باقی کی ہندوستان میں تشریف آوری سے مقصود آپ ہی کی تکمیل تھی۔ آپ کی عظمتِ شان پر روشن گواہ آپ کے والد ماجد شیخ عبدالاحد سرہندی کا خواب، حضرت خواجگیِ ملکنگلی، حضرت احمد جام اور شاہ کمال کبھلی کی پیشگوئیاں نیز حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا کتبہ ہے جو آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کی اولاد میں بطور امانت پھرتا رہا، یہاں تک کہ حضرت شاہ سنندری کبھلی کے ذریعے حضرت مجدد تک پہنچا۔

**ہزار سال کے مجدد:** آپ ایک صدی کے بجائے پورے (دوسرے) ہزار سال کے



مجدد ہیں۔ قومیت کا خلعت بھی آپ کو پہنایا گیا۔ آپ کی انقلابی کاوشوں سے ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے 'جامع الجوامع' میں یہ حدیث نقل کی ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي أُمَّتِي  
رَجُلٌ يَقَالُ لَهُ صَلَّةٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهِ كَذَا وَكَذَا  
ترجمہ: میری امت میں ایک وہ شخص ہو گا جسے 'صلہ' کہا جائے  
گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اتنے خست میں داخل ہوں گے۔

تمام علماءِ ظاہر و باطن کے نزدیک اس کا مصداق حضرت مجدد ہیں۔ جو کہ خود فرماتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَنِي صَلَّةً بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ وَ مُصْلِحًا  
بَيْنَ الْفِئَتَيْنِ (کتبات - دفتر دوم - کتاب ۱)

ترجمہ: حمد اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے دو سمندروں (شریعت و  
طریقت) کو ملانے والا اور دو گروہوں (علماء و صوفیاء) میں اصلاح  
کرنے والا بنایا۔

طبقہ علماء میں سے مولانا عبدالکلیم سیالکوٹی جن کا تبحر علمی مشہور تھا، پہلے عالم ہیں جنہوں  
نے آپ کو 'مجدد الف ثانی' لکھا۔ (دلائل التجدد)

**نسب:** نیکو آپ فاروقی ہیں، دیکھیے:

شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن  
شیخ حبیب اللہ بن شیخ رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ

اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین علی  
ملقب بہ فرخ شاہ بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ  
عبداللہ الواعظ الاصر بن شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ  
ابراہیم بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہم اجمعین

**فضل وکمال:** آپ کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں جو  
فقہراتِ مدحیہ فرمائے ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ ایک روز فرمایا کہ، آپ کامل مردوں اور  
محبوبوں میں سے ہیں۔ دوسرے موقع پر فرمایا کہ آج آسمان کے نیچے صوفیاء کرام میں  
کوئی آپ جیسا نہیں، ایک مرتبہ فرمایا کہ صحابہ اور کامل تابعین و مجتہدین کے بعد اخص  
الخواص میں سے گنتی کے چند آپ جیسے نظر آتے ہیں، رب کریم کا خصوصی لطف و کرم جو  
آپ کے شامل حال تھا، اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے اور وہ بھی حضرت مجتہد کی  
اپنی زبانی:

”یہ درویش ایک روز (تجدید کے بارہویں سال) اپنے یاروں کے حلقہ میں  
بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی۔ اور یہ نظر یہاں تک غالب تھی کہ اپنے تئیں اس  
طریق سے بالکل بے مناسبت پاتا تھا۔ اس اثنا میں حکم حدیث **مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ**  
اللہ (جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی، اللہ نے اس کو بلند فرمایا) اس دور افتادہ کو  
مذلت کی خاک سے اٹھایا گیا اور یہ مذلت اس کے باطن میں کی گئی کہ میں نے بخش دیا تجھ کو  
اور ان کو جو بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے۔ بار بار یہ  
بشارت دی گئی۔ یہاں تک کہ شک کی گنجائش نہ رہی۔ **والحمد لله سبحانه علی**

ذالك حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه مباركاً عليه و كما يحب ربنا و  
يرضى و الصلوة و السلام على رسوله سيدنا محمد و آله كما  
يحرى۔ بعد ازاں اس واقعہ کے اظہار کا حکم دیا گیا۔

اگر پادشہ بر در پیر زن

بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن

(اگر بادشاہ پیر کے دروازے پر آئے ، تو آئے خواجہ سستی مت کر)

ان زَبَكَ وَ اِصْحَابِ الْمَغْفِرَةِ “ (رسالہ مہدایہ معاد)

مدارج عرفان کے اس عروج پر پہنچ گئے کہ آخر میں خود حضرت باقی باللہ علیہ الرحمہ آپ کے  
حلقہ میں بیٹھ کر توجہ پاتے۔

**حُبِّ وِاتِّبَاعِ رَسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ:** آپ پر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

محبت کا غالب اس قدر تھا کہ ایک روز درویشوں کی جماعت میں فرمایا:

”محبت آنسرو بہ نیجہ مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ و تعالیٰ را

بواسطہ آن دوست سے دارم کہ رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

است“۔ (رسالہ مہدایہ معاد)

ترجمہ: آنسرو علیہ اہللوۃ و السلام کی محبت اس طرح غالب آگئی

ہے کہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو اس لیے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لازمی نتیجہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہے، چنانچہ شیخ فرماتے ہیں:

”ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی روشن سنت کی خدمت میں قائم ہیں۔“ (حضرات اقدس ص ۱۷۰)

**تجدیدی کارنامے:** آپ کے تجدیدی کارناموں کا بیان از حد طوالت طلب ہے، یہاں

اتنا سمجھ لیں کہ مؤرخین کا اجماع ہے کہ اگر آپ کی ذاتِ مقدّسہ سر زمین ہند میں جلوہ

افروز نہ ہوتی تو اکبر کے سچے نام نہاد ”دین الہی“ کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ

جاتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہلیہ الرحمہ نے کیا خوب لکھا:

”آج جو مساجد میں اذانیں دی جا رہی ہیں، مدارس سے قال اللہ

تعالیٰ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنواڑ صدائیں بلند ہو

رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی

گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے۔ یا لا الہ الا اللہ کی ضربیں

لگائی جاتی ہیں، ان سب کی گروہوں پر حضرت مجتد و کا بار منت

ہے۔ اگر حضرت مجتد و اس الحاد و ارتداد کے کما کبریٰ دور میں اس کے

خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے

تو مساجد میں اذانیں نہ ہوتیں، نہ مدارس و دینیہ میں قرآن، حدیث

، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین

اللہ اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے لہذا ماشاء اللہ۔“

(سیرت مجتد و الفاضل فی تقدیم ص ۱۷۰)

آپ نے اپنے تربیت یافتہ خلفاء کے ذریعے بھی عظیم الشان تجدیدی کارنامے

سرا انجام دیئے۔ حضرت کے محض ایک سال (چودھویں) کے کارنامے ملاحظہ فرمائیے:

تجدید کے چودھویں سال حضرت نے اپنے خلیعے بغرض ہدایتِ خلق دنیا کے اطراف میں روانہ کیے۔ چنانچہ ستر اہل ارادت بسر کردگی مولانا یا محمد قدیم طالقانی ملک ترکستان و قباچاق کو بھیجے اور چالیس ارادتمند یمن، شام اور روم کی طرف بسر کردگی مولانا فرخ حسین روانہ فرمائے اور اپنے دس معتبر مولانا صادق کالمی کے تحت میں کاشغر کی طرف روانہ کیے۔ تین بڑے خلیعوں کو بسر کردگی مولانا شیخ احمد برکی توران، بدخشاں اور خراسان کی طرف رخصت کیا۔ ان خلفاء کی ہر جگہ بڑی عزت ہوئی اور ان ملکوں کے چھوٹے بڑے امیر وزیر بادشاہ تک حضرت کے خلفاء کے مرید بن گئے۔ خراسان، بدخشاں اور توران میں تو طریقہ عالیہ احمدیہ کا اس قدر رواج ہوا کہ وہاں کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلہ کے خلفاء نہ ہوں۔ یہاں تک کہ عبداللہ خان اوزبک جو وہاں کا بادشاہ تھا، حضرت کا ایسا معتقد ہو گیا کہ کوئی کام آپ کے خلفاء کے مشورے کے بغیر نہ کرنا۔

خلفاء کے علاوہ حضرت کے مکتوبات شریفہ کے ذریعہ سے بھی تبلیغ و اشاعت ظہور میں آئی۔ مکتوبات کی پہلی جلد ۱۰۲۵ھ میں تمام ہوئی۔ ان میں ان حقائق و اسرار کا ذکر ہے جو اس سے قبل ظاہر نہ ہوئے تھے۔ اہل حق کے ہاں ان کی ایک خاص اہمیت ہے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ، انداز و اطوار، روحانی مقام، خدمتِ اسلام اور شان و عظمت کے بیان کے لیے دفتر درکار ہیں۔

**وقات:** ۱۲ محرم الحرام ۱۰۳۲ھ کو آپ نے فرمایا، ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تجھے اس جہان سے اُس جہان میں جانا پڑے گا۔ اور میری قبر مجھے

دکھائی گئی۔

روزِ وصال کی شب کو آپ نے ان خادموں کو جو راتوں کو آپ کی خدمت کرتے رہے فرمایا، تم نے بہت محنت کی، صرف آج کی رات اور محنت ہے، کل تمہاری خلاصی ہو جائے گی۔ اس رات آپ بار بار یہ ہندی مصرع پڑھتے تھے:

اج ملاد اکنت سوں سکھی سب جگ دینواں دار

اے محرم! آج وصال یا رہے، میں تمام جہان شاکرنا ہوں۔

آخر، کائناتِ ارضی کے طول و عرض میں احسان و عرفان کی خوبکھیرنے کے

بعد نبی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سچا نائب ۲۸ صفر ۱۰۳۲ھ ہجر تریسٹھ برس، تریسٹھ دن

بیمار رہ کر اللہ اللہ کہتا ہوا اپنے اللہ کے پاس چلا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ اس قبہ منورہ میں دفن ہوئے جو خود آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد پر تعمیر فرمایا تھا۔

**کلمات قدسیہ:** (۱)۔ مکلفین کے لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدوں کو

علماء اہلسنت وجماعت کی رائے کے موافق درست کریں، کیونکہ نجاتِ اُخروی ان

بزرگوں کی صواب نمائے کی پیروی سے وابستہ ہے اور فرقہ ناجیہ یہی بزرگوار اور ان

کے پیرو ہیں اور یہی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریق

پر ہیں۔

(۲)۔ فقیر کا یقین ہے کہ طریقِ صوفیہ حقیقت میں علومِ شرعیہ کا خادم ہے نا کہ شریعت

کے خلاف کوئی امر۔

(۳)۔ مولانا حاجی محمد صاحب نے اشغال میں سستی اور ذوق و حلاوت میں کمی کی شکایت کی تو فرمایا، ”یا را! غم نہیں، اگر دو چیزوں میں خرابی نہ ہوئی ہو۔ ان دو چیزوں میں سے ایک صاحب شریعت علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلامات والتحیات کی متابعت ہے۔ دوسرے اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص۔ ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں تاریکیاں اور تیرگیاں طاری ہو جائیں تو کچھ خوف نہیں۔

(۴)۔ خدا جل و علا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے تئیں کافر فرنگ سے بہتر سمجھے، چہ جائیکہ کافر دین سے اپنے تئیں اچھا سمجھے۔

(۵)۔ لوگ ریاضت و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت و مجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں۔ نیز فرمایا کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں۔

## ۲۵۔ قیوم زمانی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کے فرزند سوم ہیں۔ تاریخ ولادت ۱۰ اشوال ۱۰۰۷ھ ہے۔ عروۃ الوثقیٰ کا لقب آپ کو عطا ہوا۔ آپ کی خداداد ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ ایک ماہ میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور سولہ برس کی عمر میں تمام علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہو گئے۔ مجددِ پاک فرماتے تھے کہ محمد معصوم کی آمد ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کیونکہ ان کی پیدائش سے چند ماہ بعد ہم حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی ملازمت سے مشرف ہوئے اور ان کی خدمت میں دیکھا جو دیکھا۔ مجدد

پاک کے وصال کے بعد کیم ربیع الاول ۱۹۳۲ء کو مسند ارشاد و قومیت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اسی روز پچاس ہزار اشخاص نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ ماوراءالنہر، خراسان، بدخشاں وغیرہم ممالک کے بادشاہوں نے اپنے نمائندے مع تحائف بھیج کر دوبارہ غائبانہ بیعت کی۔ شاہ جہاں بھی دوبارہ بیعت ہوا۔ روم، توران، خراسان، کاشغر، یمن اور شام کے بادشاہ بھی آپ کے مرید ہوئے۔ شاہ سلیمان بادشاہ ایران ہزاروں کے ساتھ رخصت سے تائب ہو کر آپ کا مرید ہوا۔ آپ نے اپنے خلیفہ ارغون کو خطا و چین میں بھیجا تو وہاں کا بادشاہ ملقب بہ قآن بھی مسلمان ہو گیا۔ تاریخ مرآت عالم اور جہاں نما میں جو عالمگیر کے حکم سے لکھی گئی ہیں، یوں لکھا ہے کہ مشیخت کی مسند پر کوئی ایسا شخص نہیں بیٹھا جیسا کہ شیخ محمد معصوم رضی اللہ عنہ، جہاں کے تمام اطراف و جوانب کے بادشاہ، علماء و مشائخ چھوٹے بڑے، وضع و شریف مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک، حضرت کے مرید ہوئے۔ یاد رہے کہ خانان توران و ترکستان، والیان و شہت قیچاق و بدخشاں، فرمانروایان خطا و خراسان، تخت تھینان کاشغر و طبرستان، حاکمان قہستان و کرختان سب کے سب آپ کی زیارت کے لیے سرہند شریف میں خیمہ زن ہوئے۔ ایسا اجتماع سرہند کی زمین میں پہلے ہوا تھا نہ بعد میں۔ کہتے ہیں کہ خلفا اور فرزندوں کی وساطت کے بغیر براہ راست نولاکھ افراد آپ کے مرید ہوئے (عالمگیر سمیت)۔ آپ کے خلفا کی تعداد سات ہزار تھی جو سب کے سب صاحب کمالات تھے۔

آپ کی کرامات لاتعداد ہیں۔ آپ کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق پیشاوری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت سے اجازت لے کر اپنے وطن کو روانہ ہوا۔ راستے میں سلطانپور کی ندی کے پل کے نیچے کپڑے دھو رہا تھا کہ میرا پاؤں پھسلا اور ندی میں گر



گیا۔ میں تیرا نہیں جانتا تھا، چنانچہ پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ پانی مجھ کو کبھی اوپر لاتا تھا، کبھی نیچے۔ زندگی کی امید باقی نہ رہی تھی۔ یکا یک حضرت نمودار ہوئے اور ہاتھ ڈال کر مجھے باہر نکال لیا اور پھر نظر سے غائب ہو گئے۔

ایک شخص نے آپ کے حضور میں ایک رافضی کا ذکر کیا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتا ہے۔ صحابہ سے کمال محبت کے سبب آپ سخت ناراض ہوئے۔ خربوزہ کھا رہے تھے۔ آپ نے چھری ہاتھ میں لے کر خربوزہ پر رکھ کر فرمایا، لو ہم رافضی کا سر کاٹتے ہیں، ساتھ ہی خربوزے کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اسی روز رافضی مرگ۔ مفاجات سے مر گیا۔ آپ نے اپنے خلفا کی مدد سے پوری روئے زمین پر عظیم الشان دینی فتوحات حاصل کیں۔ لاتعداد کو مسلمان کیا، بے شمار رافضی تائب ہوئے اور دین اسلام کی حقانیت کا جھنڈا ہر سولہرا نے لگا۔

**وقات:** ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ بروز شنبہ آپ نے وصال فرمایا۔ مزار مبارک سرہند

شریف ہی میں ہے۔ آپ کے چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ علیہم الرحمہ

**کلمات قدسیہ:** مکتوبات احمدیہ کی طرح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مکتوبات

شریفہ کی بھی تین جلدیں ہیں۔ بطور تبرک چند ارشادات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ جو شخص کہ شیخی کی مسند پر بیٹھا ہے اور اس کا عمل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

سنت کے موافق نہیں اور وہ زیور شریعت سے آراستہ نہیں، پناہ ہزار پناہ، اس سے دور رہ

۔ بلکہ اس شہر میں نہ رہ جہاں وہ رہتا ہے۔ مبادا کہ زمانہ گذرنے پر تیرے دل میں اس کی

طرف میلان پیدا ہو جائے اور وہ تیرے کارخانہ میں خلل ڈال دے۔ کیونکہ وہ مقتدا

بننے کے لائق نہیں۔ وہ پوشیدہ چور ہے اور شیطان کا جال ہے۔ اگرچہ تو اس سے طرح طرح کے خوارق دیکھے اور بظاہر دنیا سے بے تعلق پائے۔ تو اس کی صحبت سے اس سے بھی زیادہ بھاگ کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ (جلد ثانی۔ مکتوب ۱۱۰)

(۲)۔ بیچارہ مرید چونکہ عالمِ سفلی میں گرفتار ہے، اس سبب سے عالمِ علوی سے مناسبت نہیں رکھتا تا کہ حضرت باری تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے فیوض و برکات اخذ کرے۔ ایک واسطہ دو جہت والا درکار ہے جو عالمِ علوی سے بہرہ ور ہو کر مخلوق کی دعوت و ارشاد کے لیے عالمِ سفلی کی طرف متوجہ ہوا ہو۔ اور بوجہ مناسبت اولیٰ کے عالمِ غیب سے فیوض اخذ کر کے بوجہ مناسبتِ ثانیہ کے جو عالمِ سفلی سے رکھتا ہے ان فیوض کو لائق مریدوں تک پہنچائے۔ اس لیے طالبِ رشید شیخ کے ساتھ مناسبت کا وجود جس قدر زیادہ رکھتا ہو، اس کے باطن سے اسی قدر اخذِ فیوض زیادہ کرے گا۔

(۳)۔ اس دار فانی میں بڑا مطلب حق جل و علا کی معرفت کا حاصل کرنا ہے۔ اور معرفت دو قسم کی ہے۔ قسمِ اول وہ معرفت ہے جسے بڑے بڑے عالموں نے بیان کیا ہے۔ قسمِ دوم وہ معرفت ہے کہ جس کے ساتھ صوفیاء کرام ممتاز ہیں۔ قسمِ اول نظر و استدلال سے وابستہ ہے اور قسمِ دوم کشف و شہود سے۔ قسمِ اول دائرہ علم میں داخل ہے جو تہم و رد و تعقل کی جنس سے ہے اور قسمِ دوم دائرہ حال میں داخل ہے اور جنس تحقیق سے ہے۔ قسمِ اول عارف کے وجود کے فانی کرنے والی نہیں اور قسمِ دوم سالک کے وجود کے فانی کرنے والی ہے۔

۲۶۔ قیوم ثالث حضرت خواجہ حجۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا لقب نقشبند ثانی ہے۔ بروز جمعہ ۷ رمضان ۱۰۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علم ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل کیا۔ آپ بلند استعداد کے مالک تھے۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ میں آپ پر وہ اسرار منکشف ہوئے جن کی نسبت حضرت عروۃ الوثقی فرماتے تھے کہ یہ جیٹہ درک عقل اور تصویر خیال سے باہر ہیں۔

حضرت عروۃ الوثقی نے اپنی قومیت کے اکتالیسویں سال ۱۰۷۲ھ میں آپ کو قطب الاقطابی اور قومیت کی بشارت دی۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو مستند ارشاد پر بیٹھے۔ آپ کی قومیت کے پچیسویں سال ہر روز چار پانچ سو آدمی بلکہ اس سے بھی زائد حاضر ہو کر بیعت ہوتے۔ بڑے بڑے مشائخ اور علماء اپنی اپنی مشیخت اور درس و تدریس چھوڑ کر آپ کے مرید ہوئے۔ مجلس میں ہوتے تو آپ کے رعب کا یہ عالم ہوتا کہ بادشاہ اور امراء کو جرأت نہ تھی کہ بات کریں۔ وہ وقت بھی آیا کہ اس قدر عوام و خواص کا ہجوم رہنے لگا کہ کابل میں گنجائش نہ رہی۔

**وقات:** آپ کا وصال شب جمعہ ۲۹ محرم الحرام ۱۱۱۲ھ میں سرہند میں ہوا۔ آپ کی اولاد چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

## ۱۷۔ قیوم رابع حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ قیوم ثالث حضرت حجۃ اللہ علیہ الرحمہ کے پوتے ہیں۔ والد محترم کا اسم گرامی حضرت ابو العلی ہے جو ۱۰۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب کشف و کرامات

تھے (۱۱۰۷ھ میں وفات پائے)۔ حضرت خواجہ محمد زبیر علیہ الرحمہ حضرت ابو العلیٰ کے فرزند اکبر تھے۔ بروز دوشنبہ ۵ ذیقعد ۱۰۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت حجۃ اللہ نے ان کی قومیت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ آپ ان کے وصال کے بعد یومِ شنبہ یکم صفر ۱۱۱۴ھ میں مسندِ قومیت دارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ بادشاہ وقت نیز تمام امراء و وزراء آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھے۔

آپ نصف شب کو تہجد کے لیے اٹھتے اور کبھی چالیس بار کبھی ساٹھ بار سورۃ یٰسین پڑھتے تھے۔ نمازِ ادا بین کے بعد ذکرِ نفی و اثبات کرتے۔ پھر مردوں کا حلقہ فرماتے اور انہیں توجہ دیتے۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ بادشاہی محلوں میں تشریف لا کر عورتوں کا حلقہ فرماتے۔ آپ کے حلقہٴ ذکر میں ہزار ہزار مرد اور دو تین تین سو عورتیں ہوا کرتی تھیں۔ فجر سے چاشت تک مراقبہ میں مشغول رہتے، پھر مردوں کو حلقہ میں توجہ دیتے۔ دم کے ساتھ دن میں چوبیس ہزار بار ذکرِ نفی و اثبات اور پندرہ ہزار بار ذکرِ اسمِ ذات کرتے۔

**وقات:** آپ نے اڑتیس سال مسندِ قومیت پر جلوس فرما کر ۴ ذیقعد ۱۱۵۲ھ میں دہلی میں وصال فرمایا۔ دہلی سے جسم مبارک سرہند لے جا کر دفن کیا گیا۔

## ۲۸۔ حضرت خواجہ محمد اشرف مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی قطب الدین بخاری جبکہ لقب سید حسین تھا۔ ولادت ایک روایت کے مطابق ۱۰۴۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا اصلی وطن ماوراء النہر تھا۔ ظاہری و باطنی

علوم میں کمال دسترس حاصل تھی۔ سرہند شریف میں آ کر روحانی استفادہ حضرت خواجہ محمد زبیر علیہ الرحمہ سے کیا۔ ان کے وصال شریف کے بعد مستند ارشاد پر متمکن ہوئے اور کچھ مدت تک سرہند شریف ہی میں قیام فرمایا۔ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد سے اختلاف ہوا تو بارہویں صدی کے آغاز میں ہجرت کر کے مدینہ شریف کو چلے گئے۔ آپ کی ناراضی سے چھ سال تک سرہند شریف میں سخت تباہی مچی، تبھی آپ کو خالی سرہند کہتے ہیں۔

**وقات:** آپ کی وفات ۱۱۵۰ھ میں ہوئی۔ مزار اقدس بخت البقیع (مدینہ منورہ) میں حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے روضہ نور سے متصل بنایا گیا۔

## ۲۹۔ حضرت خواجہ سید جمال اللہ رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ صحیح النسب سید، قرآن پاک کے حافظ اور زبردست عالم دین ہیں۔ بخارا سے مجذوبی کی حالت میں سرہند شریف میں آئے اور حضرت خواجہ شاہ محمد اشرف کی بیعت کی۔ علو استعداد کے سبب ان سے فیوض و برکات کے خزانے سیٹے۔ سرہند شریف ویران ہو جانے کے بعد آپ رامپور تشریف لے آئے اور تاحیات وہیں سکونت پذیر رہے۔ یہاں تک کہ مزار شریف بھی وہیں بنا۔ آپ کے خلفا میں سید محمد عیسیٰ، مولانا شیر خان تیراہی، سید ملاں امان تیراہی، شاہ درگاہی غزنوی، وارث خاں بنارس اور سید محی الدین تیراہی ہیں۔ آپ تمام عمر مجرور رہے۔

روایت ہے کہ جب حضرت شاہ جمال اللہ نے خواجہ محمد فیض اللہ علیہ الرحمہ کو افغانستان جانے کا حکم دیا تو بطور وصیت یہ دو باعیاں سنائیں:

۱۔ مایہ دین را بد دنیا دادن از بے ہمتی است  
زانکہ دنیا جملگی رنج است و دین آسائش است  
نعمتِ فانی ستانی ، دولتِ باقی وہی  
اندریں سودا خرد داند کہ غبنِ فاحش است

۲۔ بکوش تا دل صاحبِ نظر بدست آری  
کہ نیست در دو جہاں دولتے ازین بہتر  
مکن عمارتِ دنیا ، مکن عمارتِ دل  
کہ عرشِ اعظم است ایں دل بقولِ پیغمبر مایہ املوہ و اسلام

ترجمہ: سرمایہ دین کو دنیا کے بدلے لٹانا بے ہمتی ہے۔ اس لیے کہ دنیا سراسر رنج ہے اور  
دین راحت ہے۔ نعمتِ فانی تو نے لے لی، دولتِ باقی تو نے دے دی۔ اس سودے  
میں تیری عقل ماری گئی اور تو نے بہت بڑی خطا کھائی۔

ترجمہ: دنیا کی عمارت مت بنا، دل کی عمارت بنا۔ کیونکہ قولِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ  
یہ دل عرشِ اعظم ہے (رب کی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے)۔

## ۳۰۔ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد عیسیٰ علیہ الرحمہ کا شجرہ نسب مولائے کائنات حضرت سیدنا

میر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے جا ملتا ہے۔ آپ 'مچوڑہ' ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔ خواجہ جمال اللہ علیہ الرحمہ سے باطنی استفادہ فرمایا اور خلافت حاصل کی۔ بعد ازاں کوئٹہ پور ضلع بنوں میں قیام فرمایا۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ ۱۔ خواجہ پیر محمد ۲۔ خواجہ جان محمد ۳۔ خواجہ علی محمد (علیہم الرحمہ)

**وقات:** آپ کا یومِ وصال ۷ ذی الحجہ ۱۲۲۰ھ ہے اور مزار شریف کوئٹہ پور میں ہے۔ آپ کے بعد خواجہ جان محمد مسندِ خلافت پر بیٹھے۔

### ۳۱۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ فاروقی النسب ہیں۔ ولادت تیراہ (کابل) میں ہوئی۔ والد محترم کا نام قاضی خان محمد تھا۔ چند واسطوں سے شجرہ نسب امام رفیع الدین سے جا ملتا ہے۔ ابتدا ہی سے فقرا اور درویشوں سے قلبی لگاؤ تھا۔ آپ رامپور میں بملازمت سپہ سالاری متعین تھے اور احمد شاہ (بادشاہ) کے قلعے کی دیوار پر کھڑے ڈیوٹی دے رہے تھے کہ حضرت سید جمال اللہ اپنے ساتھیوں سمیت سیر کی غرض سے ادھر آئے۔ خواجہ صاحب، ان کو دیکھتے ہی دیوار سے اترے اور سیدھے آپ کے قدموں میں گر گئے۔ دو تین گھنٹوں کی اضطرابی حالت کے بعد ہوش آیا تو سلسلہ میں داخل کرنے کی گزارش کی۔ حضرت سید جمال اللہ صاحب آپ کو کمالِ محبت سے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ ملازمت کو اسی روز سے خیر باد کہہ چکے تھے۔ ایک مدت کے بعد وصال سے کچھ پہلے شیخ نے حضرت خواجہ محمد عیسیٰ کے ہاتھ میں خواجہ محمد فیض اللہ کا ہاتھ دے کر ان سے فرمایا کہ ان کی بیعت اگرچہ تھقیق مجھ سے ہے مگر تکمیل آپ کے ذمہ ہے۔ چنانچہ آپ ان کے حلقہ بگوش ہو

گئے اور ایک عرصہ بعد واپس گئے۔

آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ہزار ہا لوگ آپ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔

**وقات:** آپ کی وفات شریف ۸ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع تیزی شریف (تیراہ) میں ہے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے بابا جی نور محمد سجادہ نشین ہوئے۔

## ۳۲۔ حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت نے ۱۱۷۹ھ میں اس جہان کو رونق بخشی۔ آپ حضرت خواجہ بابا فیض اللہ تیراہی کے فرزند ارجمند تھے۔ تحصیل علوم کے بعد اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ شریعت کے سخت پابند طریقت کے شہسوار اور معرفت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ سجادہ نشین ہوئے تو سب سے پہلے فقیر اللہ نور اور عجب نور دو بھائی آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ چند دنوں میں منتهی ہو کر مجاز طریقتہ ہو گئے۔ واپس گئے تو افغانستان کے طول و عرض میں ان کے ذریعے عرفان کا نور پھیل گیا۔

حضرت اسی سال تک تیراہ شریف میں مقیم رہے۔ پھر پنجاب کے دوستوں کی تکلیف دیکھ کر، جو انہیں پہاڑی راستوں میں پٹھانوں سے پہنچتی تھی، تیراہ سے ہجرت فرما کر موضع چورہ ضلع انک میں تشریف لائے۔ یہاں ڈیڑھ سال قیام فرمایا اور خلق خدا کی روحانی تربیت فرمائی۔

آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ (۱)۔ خواجہ احمد گل صاحب جو تیراہ شریف



میں رہے۔ (۲)۔ خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ (۳)۔ خواجہ دین محمد رحمۃ اللہ علیہ  
(۴)۔ خواجہ شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ

**وقات:** ۱۲ شعبان شریف ۱۲۸۶ھ کو ۱۰۶ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ مزار مبارک یہیں چورہ شریف میں ہے۔ آپ کے بعد خواجہ فقیر محمد اور خواجہ دین محمد علیہما الرحمہ مسجد خلافت پر متمکن ہوئے۔

### ۳۳۔ حضرت خواجہ بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نسب: غوثِ زماں خواجہ فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ جنہیں دنیا با واجی صاحب کے نام سے یاد کرتی ہے، شیخ المشائخ خواجہ نور محمد تیراہی علیہ الرحمہ کے دوسرے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے ہوتا ہوا خلیفۃ الرسول جناب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔

**ولادت با سعادت:** ہمارے آقائے مجدد ح ۱۲۱۳ھ کو موضع تیزی شریف (تیراہ) میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے دن اپنی والدہ کریمہ کا دودھ نہ پیتے تھے۔ آپ کے جد امجد نازش المل اللہ خواجہ محمد فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو بر جستہ فرمایا:  
”یہ تو ابھی سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے“

پھر انہوں نے اپنی زبان مبارک حضرت با واجی علیہ الرحمہ کے منہ میں ڈالی جسے آپ تا دیر چوستے رہے۔ تب وہ فرمانے لگے:

”یہ بچہ بہت نیک بخت ہے۔ اس کے وجود مسعود سے  
کثیر خلق خدا فیض یاب ہوگی“

کسب علم: قبلہ باداجی رحمۃ اللہ علیہ جس اوج کمال کی طرف گامزن تھے، اس کا تقاضا تھا کہ زندگی کا سارا سفر قرآن و سنت کی روشنی میں طے ہو۔ قدرت نے آپ کے گھر میں ہی اس کا اہتمام کر دیا تھا۔ آپ کے والد ماجد شیخ ازہد خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ علوم قرآنیہ، تفسیر، حدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ علم باطن میں بھی وسیع دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ باداجی سرکار علیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصہ ان سے مستفید و مستعیر ہوتے رہے تا آنکہ فقہی مسائل میں مہارت یہاں تک حاصل کی کہ کوئی مسئلہ بھی دریافت کیا جاتا تو مسئلہ کی بابت مسلک آئمہ اربعہ بیان کر دیتے۔ البتہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی پابندی کو لازم قرار دیتے۔

**بیعت و خلافت:** اوپر بیان ہوا کہ علوم ظاہر کی طرح علوم باطن کا سرچشمہ بھی آپ کے والد ماجد علیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس تھی۔ چنانچہ آپ سلسلہ نقشبند یہ میں ان سے بیعت ہوئے اور دس سال کے قلیل عرصہ میں ولایت کے اس عظیم دار فہم مقام کو چھولیا اور حقیقت و طریقت کے ان اسرار و رموز سے آشنا ہو گئے، جن سے آشنائی کے لیے بڑے بڑوں کی ہمتیں اور حوصلے جواب دے جاتے ہیں۔ جذبہ و سلوک کی تکمیل پر آپ کو خرقہ خلافت سے نوازا گیا اور اشاعت سلسلہ کافر یضہ سونپا گیا۔ آپ کو چہار سلاسل طریقت اور چودہ خانوادوں میں بیعت کی اجازت تھی، لیکن سلسلہ نقشبند یہ کے امتیازی اوصاف کی بنا پر عموماً اسی کی ترویج و ترقی میں کوشاں رہے۔

**تبلیغ دین و اشاعت طریقت:** تکمیل علوم ظاہر و باطن کے بعد آپ باقاعدہ تبلیغ کے میدان میں جلوہ گر ہوئے۔ آپ کے مؤثر انداز نے خلق خدا میں خوفِ خدا، عشقِ رسول

ﷺ اور خدمتِ خلق کی شمعیں جلائیں۔ آپ کی نگاہِ کیمیا اثر نے بڑے بڑے علما و فضلاء تیار کیے جنہوں نے اسلام کے اجالے پھیلانے اور ایک زمانہ ان سے مستفید ہوا۔ اکثر طالبانِ حق ایک ہی توجہ میں صاحبِ ارشاد و اجازت ہو جاتے تھے۔ عرفان کے اس آفتابِ عالمیاب سے مستفیض برصغیر کے گوشے گوشے میں پہنچ کر انوارِ نقشبندیہ سے جہاں والوں کو مستنیر کرتے رہے ہیں۔

**اخلاق با واجبی علیہ الرحمۃ:** اسلام میں شائستگی، اخلاق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خواجہ خواجگاں خولجہ فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ حسن اخلاق کے جس مقامِ عالی پر فائز تھے، ہم کم ظرف اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تاہم مسالاً بیدرک کلاہ لا ینرک کلاہ کے مصداق کچھ نمایاں تر پہلو پیش کئے جاتے ہیں۔

۱..... آپ نہایت خوش خلق اور شیریں لب و لہجہ کے مالک تھے۔ لوگ اپنی مصیبتیں آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے اور آپ محبت و شفقت سے ان سے پیش آتے۔ ان کی تکالیف رفع کرتے۔ کبھی مالی امداد کی صورت میں اور کبھی نظرِ توجہ سے۔ آپ تعویذِ نویسی کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے۔

۲..... کسی کے خلاف شکایت نہ سنتے اور اس بات کو سخت ناپسند رکھتے تھے۔

۳..... خاموشی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اسے بہت اہمیت حاصل ہے۔ احباب و متوسلین کو بھی خاموشی اختیار کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ خصوصاً آپ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر سے غروب آفتاب تک خاموشی کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

۴..... اپنی تکالیف اور امراض کسی کے سامنے بیان نہ کرتے بلکہ پوشیدہ رکھتے۔

۵..... کسی کی غلطی و لغزش پر گرفت نہ کرتے بلکہ غفور و درگزر سے کام لیتے تھے۔

۶..... تحمل و بردباری، تسلیم و رضا، توکل علی اللہ، صبر و استقلال، جو دو سخا، انفاق فی سبیل

اللہ، فقر و استغناء، شفقت و رحمت، احترام آدمیت، زہد و اتقا، غرضیکہ اتنے اعلیٰ اوصاف

کے آپ حامل تھے جن کو بیان کرنے کے لیے خاصا وقت درکار ہے۔

۷..... امراء سے متاثر نہ ہوتے اور ان سے قطع تعلق بھی نہ کرتے تاکہ ان کی بھی اصلاح

ہو سکے۔

۸..... آپ کی طبیعت مبارکہ ریاض و تصنع، عجب و غرور، فخر و خود پسندی اور تکلف سے بیزار

تھی۔ اور حلم و وقار، جمال صدیقی، جلال فاروقی، اور مسکنت و تمکنت آپ کی طبیعت مبارکہ کا خاصہ تھی۔

۹..... غصہ سے پرہیز فرماتے، سالہا سال تک غصہ کے آثار آپ کے چہرہ انور پر نظر نہ آ

تے تھے۔

۱۰..... آپ کو جو کچھ میسر آ جانا بخوشی تناول فرما لیتے۔ مرغن کھانے ناپسند تھے۔ آپ کی

اصل غذا تو ذکر و فکر تھی۔

لباس: سادہ اور نیلگوں لباس آپ کو پسند تھا۔ کبھی کبھی سیاہ رنگ کی چادر اور عمامہ

شریف بھی استعمال فرماتے، شرعی سفید پاجامہ، سر پر کلاہ اور اس پر خط دارنگی یا سبز دستار

پہنتے تھے۔ پونھو ہاری یا پوش پہنتے اور ہاتھ میں ہمیشہ عصا دیکھا گیا۔ کبھی کبھار نیلگوں لنگی یا

چادر اوڑھتے تھے۔ لباس پر بے جا خرچ سے پرہیز برتتے اور درج ذیل آیت پیش نظر

رہتی۔

﴿إِنَّ الْمُبْتَدِرِينَ كَانُوا اِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾ ..... (بنی اسرائیل)

ترجمہ: بے شک اڑانے والے (یعنی فضول خرچ) شیطانوں کے بھائی ہیں۔

**معمولات مبارکہ:** معرفت کے بحرِ ناپیدا کنار جنابِ باو اجی سرکار رحمۃ اللہ علیہ نماز تہجد اور مراقبہ دو دیگر اذکار سے فارغ ہو کر کبھی کبھی فجر کی سنت سے قبل سنت خیر الامام (ﷺ) کی اتباع میں دائیں پہلو پر استراحت فرماتے۔ فجر کی سنتوں اور فرائض کے مابین سورہ فاتحہ ۳۱ دفعہ پڑھ کر سبحان اللہ وبحمده سبحان اللہ العظیم وبحمده استغفر اللہ کی تسبیح کرتے (کیونکہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دو کلمے ہیں جو زبان پر بگے پھلکے، میزان میں بھاری اور رحمن کو پیارے ہیں، سبحان اللہ و بحمده..... بخاری و مسلم) فرائض فجر باجماعت ادا کر کے طلوع آفتاب تک مراقبہ کرنا آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ پھر بروقت اشراق، دوادز کبھی چار رکعت نوافل ادا کرتے اور دو نفل برائے استخارہ بھی ادا فرماتے۔ ازاں بعد دو سے اڑھائی سید پارے تلاوت کرنا معمول تھا۔ نماز چاشت کے بعد انتہائی قلیل و سادہ ناشتہ تناول فرماتے۔ پھر زائرین و متوسلین کی فریادرسی فرماتے۔ ان امور سے فراغت کے بعد متابعت سنت میں کھانا تناول فرما کر (سنت) قیلو لہ ادا کی جاتی۔

اذان ظہر کے ساتھ ہی اٹھ جاتے۔ نماز باجماعت کے بعد قرآن پاک بھی پڑھتے۔ بعد ازاں حاجتمندوں کی طرف نگاہ التفات فرماتے، کسی کے لیے پانی دم کیا جاتا، کبھی کبھار تعویذ بھی دیتے اور عموماً دعا دینے پر ہی اکتفا کرتے۔

نماز عصر کی چار سنتیں کبھی ترک نہ فرمائیں اور نماز باجماعت کے بعد عروۃ

الوٹھی خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کا ختم شریف پڑھتے نیز خواص کو بھی پڑھنے کی ترغیب و اجازت دیتے۔ باجماعت نماز مغرب کے بعد نماز ادا بین ادا کرنا بھی آپ کا معمول تھا۔ پھر زائین و مریدین کے لیے طعام کے انتظام کے بعد خود بھی قلیل مقدار میں تناول فرماتے۔ نماز عشاء کے بعد مراقبہ بھی آپ کے معمولات میں شامل تھا، تبلیغی دوروں پر جاتے تو ہمیشہ مسجد میں قیام ہوتا۔ اکثر فرماتے کہ ”میں اللہ کا مہمان ہوں لہذا اللہ کے گھر میں ہی قیام کروں گا۔“

المختصر آپ کے شب و روز کے معمولات ہر قسم کے گناہوں اور نفسانی آلائشوں سے پاک اور ذکر و فکر اور تبلیغ و تذکیر سے معمور تھے۔

### قیوم زمانی حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر حاضری:

صوفیائے نقشبند خصوصیت سے حضور مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے گہری دوالبانہ عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لیے سعادت گردانتے ہیں۔ خواجہ خواجگان خواجہ فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمۃ بھی اسی قسم کے جذبات سے لبریز تھے اور ہر سال قافلے کی صورت میں مجدد پاک کے سالانہ عرس مبارک (سرہند شریف) میں حاضری دیتے تھے۔ سرہند شریف پہنچ کر عموماً آپ کے مرقد انور کے سامنے قدیم شریفین کی جانب بیٹھا کرتے اور حضور امام ربانی کی بارگاہ کے خادموں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کو لازم جانتے تھے۔ یعنی آپ کا مجدد پاک سے تعلق نہایت نیاز مندانہ و عاجزانہ تھا۔

باوا جی علیہ الرحمۃ کے خلفائے عظام:

قبلہ باوا جی سرکار علیہ الرحمۃ کا شمار ان اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جن کی نسبت

اور توجہ خاص بڑی بڑی منازل کو آن واحد میں طے کرا سکتی تھی اور آپ کے خلفا اس حقیقت کے آئینہ دار تھے۔ خصوصاً آپ کے مرید و مراد محبوب سبحانی، قیوم دورانی حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لائانی (علی پور شریف) آپ کی فیض نگاہ سے روشن وہ عظیم ماہتاب ہیں جنہوں نے اپنے 'انوار لائانی' سے ایک جہاں کو منور کیا اور کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ چند مزید خلفاء کے اسمائے گرامی حصول برکت کے لیے تحریر کئے جاتے ہیں۔

۱..... امیر ملت حافظ جماعت علی شاہ علی پوری

۲..... خواجہ محمد خان عالم باؤلی شریف

۳..... خواجہ غلام محی الدین باؤلی شریف

۴..... حافظ عبدالکریم صاحب عید گاہ راولپنڈی

۵..... مولوی غلام محمد بگوی شم لاہوری

۶..... مولوی غلام نبی قریشی چک قریشیاں

۷..... مولوی محمد حسن کجرات

۸..... مولوی غلام یوسف

۹..... راجہ شیر باز خاں موضع بڑی ضلع کوجرخان (علیہم الرحمہ)

**سانچہ وصال:**

حضرت با داعی علیہ الرحمہ کا وصال ۲۹۔ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ بمطابق یکم جولائی

۱۸۹۷ء بروز جمعرات ظہر و عصر کے مابین ہوا۔ آپ نے سو برس سے زیادہ عمر پائی۔ آپ

کا مزار پر انوار چہرہ شریف ضلع انک میں مرجع خلائق ہے تہی دامن آپ کے در اقدس پر  
حاضری دیتے ہیں اور اپنا دامن کو ہر مراد سے بھر کر لوٹتے ہیں۔

### ۳۲۔ حضور قبلہ عالم پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی قدس سرہ النورانی

ولایت و طریقت کا یہ ”لا ثانی“ آفتاب اگست ۱۸۶۰ء (بر مطابق ۶ ۱۶ ۱۲ھ ۲۱  
ساون ۱۹۱۶) روز جمعہ المبارک بوقت صبح طلوع ہوا۔ جائے ولادت علی پور سیداں  
شریف ضلع نارووال ہے۔ والد گرامی کا اسم شریف سید سید علی شاہ تھا۔ شجرہ نسب حضرت  
سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے مولوی عبدالرشید صاحب سے علوم  
دینیہ حاصل کیے۔

آپ کی بیعت خواجہ خواجگان اعلیٰ حضرت خواجه فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ سے تھی  
چہرہ شریف کے اس درویش خدا مست کی نظر کرم نے حقیقت و معرفت کی ان بلند ترین  
منزلوں پہ فائز کر دیا کہ جہاں تک بڑے بڑوں کی قوت تحصیل بھی نہیں پہنچ سکتی۔ بلاشبہ  
آپ اپنے دور میں اتباع شہنشاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کمالات سیرت میں لاثانی  
تھے۔ آپ کے دور میں انگریزوں اور ہندوؤں کی ریشہ دوانیاں اپنے عروج پر تھیں۔  
آپ کی سیرت اقدس ان کی زہرنا کیوں کا تریاق تھی۔ اگرچہ آپ نے کھلم کھلا سیاست  
میں حصہ تو نہیں لیا تاہم لاکھوں نفوس جو بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ سے وابستہ تھے،  
خاموش تبلیغ سے ان کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ اغیار کے ہر حربے سے ان کو آگاہی دے کر  
چوکنہ کر دیا تھا۔ تحریک خلافت اور تحریک موات میں آپ کا نقطہ نظر وہی تھا جو مجددین  
دولت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا تھا۔ کتنے ہی مسلمان ایسے تھے کہ



جو گاندھی اور کانگریس کے حوالے سے نرم گوشہ دل میں رکھتے تھے مگر آپ نے جب ان کی اسلام دشمنی کو ظاہر کیا تو انہوں نے اپنا زاویہ فکر درست کر لیا، یہ وجوہات تھیں جن کے سبب علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جو ملت اسلامیہ کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے مالا مال کرنا چاہتے تھے آپ کے مداح و مدوح تھے۔

آپ کا فیض عام محض اہل اسلام کے لیے ہی مخصوص و محدود نہ تھا (اگرچہ فیض خاص صرف اہل ایمان کے لیے ہے) ہندو، سکھ، عیسائی سب حل مشکلات کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے اور دولتِ اطمینان لے لے کر جاتے تھے۔ ان میں بعض، بعض اسلامی شعائر کی بھی پاسداری کرتے تھے اور اس طرح اپنے عمل و کردار سے اسلام کی حقانیت کا اعلان بن جاتے تھے۔

یہ تو تھا اسلام کا خارجی محاذ، داخلی محاذ پر بھی مختصر آپ کی فتوحات کا حال سنئے:

جو لوگ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و عظمت اور معجزات و کمالات کا انکار کرتے تھے، حضور شاہ لا ثانی قدس سرہ النورانی نے ہر جگہ اور ہر موقع پر ان کا رد کیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات و کمالات کے منکر جب آپ کے تصرفات و اختیارات دیکھ لیتے تو راہِ راست پر آجاتے (کہ جب اس غلام کی یہ شان ہے تو یقیناً آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس سے بے حد و بے حساب درجہ بلند شان و اختیار کے مالک ہوں گے)۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کتاب و سنت کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنایا اور اپنے کردار سے تو حید، صبر، توکل، تنویض اور تسلیم و رضا کا منہوم پیش کیا۔ آپ کی مجلسوں میں بیٹھنے والا بد عقیدہ رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ فیضانِ سماوی سے مخمور نگاہ پر نور اس کی بد عقیدگی

کے بت پاش پاش کر دیتی تھی اور یوں اس کے دین و دنیا بلکہ زیارت ہی ہزاروں مسائل کا حل تھی۔

آپ سفر کی نسبت حضرت کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ طالبانِ رشد و ہدایت خود ہی کشاں کشاں چلے آتے تھے اور انوار و تجلیات سے جھولیاں بھر کر لے جاتے تھے۔ آپ کے شیخ نے آپ کو لاثانی کہا تھا۔ آپ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی عملی تصویر اور قرین ادلی کے بزرگوں کے اخلاق کا مجموعہ تھے۔ آپ ایک گوشہ نشین اور زبردست تصوفات پر باذنِ الہی قادر بزرگ تھے۔ آپ کی زیادہ تر توجہ تزکیۂ نفس اور ذکر و اذکار پر مبذول رہی۔ لباس و طعام اور دیگر معمولات میں سادگی کے عدیم المثال پیکر تھے۔

**وصال:** حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء (شعبان ۱۳۵۸ء) میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی دولت ایمان بچا کر دنیا سے پردہ فرما گئے۔ مزار مقدس علی پور سیداں شریف ہی میں مرجعِ خلافت ہے۔

### ۳۵۔ حضور قبلہ عالم پیر سید علی حسین شاہ نقش لاثانی قدس سرہ العزیز

حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ کے تینوں فرزند (پیر سید فدا حسین شاہ صاحب، پیر سید خادم حسین شاہ صاحب اور پیر سید غلام رسول شاہ صاحب علیہم الرحمہ) آپ کی حیاتِ ظاہری ہی میں وصال فرما چکے تھے (جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا)۔ چنانچہ حضور شاہ لاثانی کے سانحہ وصال کے بعد آپ کے نبیرہ مقدس، شبلی زمانہ، شیخ یگانہ، قوم زبانی، قطب ربانی، شہنشاہ ولایت حضور پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقش لاثانی علیہ الرحمہ مستد آرائے خلافت ہوئے۔ (ولادت: ۱۸ رجب الآخر ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۷ء)۔ آپ

نے بائیس سال کی عمر مبارک میں سجادہ لاٹانی کو زینت بخشنے کے بعد اپنے عمل و کردار کی عظمتوں کا لوہا منوایا، حضور شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ کے سینکڑوں خلفاء اور لاکھوں مریدین نے آپ کو اپنا ملجا و ماویٰ تسلیم کیا، اپنے جد امجد، اپنے مرشد گرامی کے ہر ہر نقش قدم کو قبلاً عمل بنایا اور اس سے سرمو انحراف نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شاہ لاٹانی علیہ الرحمہ تھے تو انہیں بھی اہل نظر نے نقش لاٹانی مانا:

بفصل مصطفیٰ ﷺ ہے نقش لاٹانی مرا مرشد

خدا شاہد یہی ہے روث گلزار لاٹانی

وہ ان کے جد امجد ہیں تو یہ نور نظر ان کے

وہ ہیں سرکار لاٹانی، یہ ہیں شہکار لاٹانی

حضور نقش لاٹانی قدس سرہ العزیز اس دور میں اپنے آقا و مولا، اپنے جد کریم نبی عظیم علیہ اسلوٰۃ والسلام کی بے پایاں رحمتوں کے مظہر کامل تھے۔ لاکھوں وہ ہیں جو آپ کی بدولت ایمان و یقین سے وابستہ رہے، ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جنہیں آپ کی غلامی نے ضلالت و شقاوت سے بچالیا، سینکڑوں خوش نصیبوں نے آپ کی برکت سے روحانی درجات طے کئے اور جو دنیوی تکالیف و مصائب سے رہا ہوئے، وہ لاتعداد ہیں۔ سجادہ لاٹانی کو زینت بخشے ابھی پچھ ماہ بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ قرار داد پاکستان پاس ہوئی۔ پھر انتخابات کا اعلان بھی ہو گیا، چنانچہ دیگر مشائخ اہلسنت کے شانہ بشانہ آپ بھی خانقاہ سے نکل کر رسم شمیری (رضی اللہ عنہ) ادا کرنے کے لیے میدان عمل میں اتر آئے، ہر محاذ پر آپ نے مسلم لیگ کی حمایت کی اور ان کے امیدواروں کو کامیاب کرایا۔ تحریک پاکستان میں آپ کی عملی جدوجہد اور بالخصوص قیام پاکستان کے

وقت مہاجرین کی آباد کاری اور ہندوؤں اور سکھوں کے عتاب سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے آپ کی عسکری کاوشیں تاریخ کے اوراق کا حصہ ہیں جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

جب سکون ہوا تو وہی تبلیغ و تذکیر، وہی تزکیہ و تصفیہ، وہی اسلوب تربیت، طالبان محبت دور دور سے آرہے ہیں اور مردوں سے دامن بھر بھر کر لوٹ رہے ہیں کبھی دور دراز مقامات پر خود شریف لے جا رہے ہیں اور ابر عنایات بن کر فکر و عمل کی کھیتوں کو سیراب کر رہے ہیں۔ جو آجاتا ہے، آہی جاتا ہے، جو دیکھ لیتا ہے شکار ہو جاتا ہے۔ جسے دیکھ لیتے ہیں، جانے نہیں دیتے، جو دامن گیر ہوا اس کے دستگیر بن گئے۔

محفل میں تیری سب کے ارمان نکل رہے ہیں

سالک اچھل رہے ہیں، مجذوب اہل رہے ہیں

کبھی ایسا ہوا نہیں کہ کسی نے کوئی تمنا کی اور بر نہ آئی ہو، کسی نے کچھ مانگا اور

عطائے ہوا ہوا اور کسی نے کوئی الجھن پیش کی اور سلجھائی نہ گئی ہو۔

کافی ہے اس کو ساقی تیرے میکدے کی بوند

اس دور میں جو طالب عرفان ذات ہے

دیکھیں تو اک اشارہ نقدیر گرتا!

وہ لوگ شاخ آہو پہ جنگلی رات ہے

حسن ازل نے تیری جبیں پر رقم کیا

آل رسول روشنی ششجہات ہے

(حضور مقرر اسلام)

حضور نقشب لائٹانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ كَيْمِ ذُو الْحِجَّةِ ۱۴۰۷ھ (بمطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء) کو پیر کی صبح وصال فرما گئے۔

۳۶۔ حضور قبلہ عالم مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ القوی

آپ حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ ان کے جلال و جمال، فضل و کمال، اخلاق و کردار، انداز و اطوار، طرز فکر اور انداز نظر کا منظر اتم تھے۔ آپ نے اپنی کل متاع حیات مرہد کامل کی نذر کر دی تھی۔ اور شیخ کامل نے بھی آپ کو ولایت کے بلند ترین درجات طے کروا کے طریقت و حقیقت کا عظیم شہکار بنا دیا تھا اور پیر و مرید کا یہ عمیق ترین ربط اہل نظر سے مخفی نہیں تھا۔

آپ کا اپنے پیر سے یہ لائٹانی ربط پیر و مرید میں باہمی رشتہ محبت و الفت کی نادر ترین مثالوں میں سے ایک تھا۔ چنانچہ حضور نقشب لائٹانی علیہ الرحمہ نے خدایا بقا کی منازل طے کرا کے جہاں خلافتِ عظمیٰ سے نوازا تھا وہاں حضور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ کا خلیفہ مبارک، شاہ لائٹانی کا کرتہ مبارک نیز دیگر مقدس تبرکات بھی آپ ہی کو عطا فرمائے تھے۔

آپ نے اوراقِ گزشتہ میں مشائخ نقشبند علیہم الرحمہ کے مختصر سے احوال کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی مقدس تعلیمات سے حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی سیرت کو منطبق کرتے چلے جائے، آپ کو کہیں بھی خلایا اختلاف محسوس نہ ہوگا۔ آپ کو یہ تسلیم کرنے میں ہرگز بھی تاثر نہیں ہوگا کہ وہی انداز مجاہدہ و ریاضت، وہی صحبت مکاشفہ و بصیرت، وہی تواضع اور عجز و انکسار، وہی جلالت و صداقتِ گفتار، وہی خدمتِ خلق و احساس

مساوات، وہی سترِ احوال و مردوج مقامات، وہی رنگِ بے رنگی و سادگی، وہی ترکِ اختیار و خود سپردگی، وہی شانِ توکل و استغناء، وہی اسلوبِ زہد بے ریا، وہی جذبہٴ اطاعتِ رسول و خدائے وہی بے مثلِ اخلاص و لٹہریتِ غرض جس پہلو سے بھی دیکھئے، حضورِ مقلدِ اسلام کی شخصیتِ عہدِ حاضر میں اسلاف کی سیرت و صورت کا دلکش نمونہ نظر آتی ہے تو پھر کوئی آپ کی رفعتِ پرواز کیا جانے اور کمالِ عظمت کا اندازہ کیونکر کر پائے۔

باب سولہواں

علمی و ادبی کارنامے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پاسبانِ شریعت و طریقت، واقفِ اسرارِ حقیقت، حضورِ مقلِّدِ اسلامِ قدسِ سرہ، علم و فضل کے اعتبار سے اپنے دور کی بے مثل شخصیت تھے۔ آپ کے مقالات میں تحقیق و تہذیب کے خوبصورت پھول دیدہ و دل کو دعوتِ نظارہ فراہم کرتے ہیں تو آپ کے اشعار بلند فکری، صحتِ لفظی اور محاسنِ شعری کا حسین امتزاج معلوم ہوتے ہیں۔ جناب مولانا محمد عدیل صاحب بھیرہ شریف کی عظیم درسگاہ سے فاضل، عزت مآب جناب پیر کرم شاہ صاحب الازہری کے مرید اور رحمۃ اللعلمین مدرسہ سیالکوٹ میں مدرس ہیں، بیان کرتے ہیں کہ جب پیر کرم شاہ صاحب نے رسالہ 'ضیائے حرم' شروع کیا تو ان کی خواہش پر حضورِ مقلِّدِ اسلامِ قدسِ سرہ نے ایک مضمون لکھ کر بھیجا۔ پیر صاحب مطالعہ کرنے کے بعد فرمانے لگے:

”میں مصر سے علم حاصل کر کے آیا ہوں، لیکن مجھے اتنا علم حاصل

نہیں ہو سکا جتنا علم یہ رکھتے ہیں۔“

یہ تو تھی آپ کے کمالِ علم کی ایک جھلک، اب شاعری میں آپ کی سخن گوئی اور بلندی پر داز کو ملاحظہ کیجئے۔ پروفیسر تجمل سلیمی صاحب جو جناح اسلامیہ سیالکوٹ میں اردو ڈیپارٹمنٹ کے صدر اور بہترین شاعر بھی ہیں، کا قول ہے، ”آپ امیر مینائی اور (آفتابِ چشت) پیر مر علی شاہ صاحب کلڑوی علیا رحمہ کے پائے کے شاعر ہیں۔“



آپ زمرۃ لاسخنوں میں داخل اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کسی کی پروا نہ کرنے والے تھے۔ آپ کے دلائل کے سامنے مخالفین حق کا دیا نہیں جمل سکتا۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا، کمال اٹھایا۔ تاثیر میں آپ کی تحاریر لا جواب ہیں۔ آئیے! حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ کی تصانیف کا مختصر تعارف حاصل کرتے ہیں:

**۱۔ انوارِ لائٹانی:** یہ صحیفہ وفاقِ قطب العارفین حضور قبلہ عالم پیر سید جماعت علی شاہ صاحب لائٹانی قدس سرہ العزیز (علی پور سیداں شریف) کے تہ کارِ جمیلہ پر مشتمل ہے۔ جسے آپ نے اپنے شیخِ کامل کے حکم پر قلمبند کیا۔ اس کتابِ مستطاب میں جہاں بھی حتمِ زُسل، مولائے کمال حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ اقیۃ و اللہا کا ذکر خیر آیا ہے، پڑھ کر قاری جھوم اٹھتا ہے۔ بالخصوص شیوخ و سلاسل کے باب میں جہاں ایک مستقل عنوان اسی سے مختص ہے، عجب ایمان افروز انداز ہے۔ اس تصنیفِ لطیف میں دورِ حاضر کے چیدہ چیدہ مسائل جو ایک مدت سے وجہِ نزاع بنے ہوئے تھے، آپ نے نہایت مثبت، مختصر اور مدلل طریقے سے انہیں حل کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ عموماً کسی مردِ کامل کی سیرت لکھتے ہوئے فصاحت و بلاغت اور صنایع و بدائع کا چنداں خیال نہیں رکھا جاتا، یونہی جوشِ بیان اور حُسنِ بیان کے تقاضوں کو عموماً فراموش کر دیا جاتا ہے مگر انوارِ لائٹانی پڑھ کر اہل علم و ادب حیرت کا شکار ہو جاتے ہیں کہ آپ نے اسے معنوی خصائص ہی سے مزین نہیں کیا، ظاہری محاسن سے بھی آراستہ کیا ہے۔

المختصر! یہ کتاب مجموعی طور پر دینی ادب میں ایک حسین و جمیل اضافہ بھی ہے اور طریقت و تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے مشعلِ راہ بھی۔ ایک مرتبہ آپ نے

مریدین کو کشف المحجوب کے علاوہ انوارِ لائانی کے بھی کم از کم ایک دو صفحے روزانہ رات کو پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

حضورِ نقشب لائانی قدس سرہ نے جنوری ۱۹۷۷ء میں کتاب لہذا کے لیے اذن تحریر دیا۔ انہی کے حکم پر اپنے برادرِ طریقت صوفی ظفر اقبال صاحب کے ہاں لاہور قیام کر کے لکھنے کا آغاز کیا۔ صوفی صاحب مصطفیٰ آباد (سابق دھرم پورہ) میں دربارِ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے بیرونی گیٹ کے بالکل قریب سکونت پذیر تھے۔ سید محمد صدیق شاہ صاحب (اندرونِ بھائی گیٹ) کے قیمتی مشورے بھی میسر رہے۔ یکم جون ۱۹۷۷ء تک یہیں قیام رہا، پھر یہ معاملہ بعض مصروفیات کے سبب تعطل کی نظر ہو گیا۔ البتہ وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ تحریر کیا جاتا رہا۔ بہر حال ایک مدت کے بعد ماہِ رمضان المبارک میں اس کی تکمیل ہوئی۔ ستمبر ۱۹۸۲ء میں اس مبارک تصنیف کی اشاعتِ اول ہوئی، جو اہل محبت نے ہاتھوں ہاتھ لی۔ پھر اس کی مقبولیت کے سبب اگست ۱۹۸۳ء میں اشاعتِ دوم، ۱۹۸۵ء میں اشاعتِ سوم، ستمبر ۱۹۹۰ء میں اشاعتِ چہارم، ستمبر ۱۹۹۶ء میں اشاعتِ پنجم ہوئی۔ یہ ۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

## ۲۔ سیرتِ حضورِ نقشب لائانی رحمۃ اللہ علیہ..... (برکات و

کرامات): محبوبانِ خدا کے تذکرے جو ان کے وصال کے بعد شائع ہوتے ہیں  
ہَٰذَا شُكْرُ وِنِي اِذْ شُكْرْتُمْ (پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چہرہ چاکروں گا) کے قرآنی  
وعدے ہی کی کو یا تفسیر ہوتے ہیں۔ ”سیرتِ حضورِ نقشب لائانی قدس سرہ“ بھی اسی سلسلہ  
زریں کی ایک کڑی ہے۔ اس میں سندِ اتقیا، سیدِ الاصفیا، قیومِ زمانی، غوثِ دورانی

حضور قبلہ عالم پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشب لائٹانی قدس سرہ کی برکات و کرامات کا ذکر جمیل ہے۔ یاد رہے کہ یہ کتاب اصل کتاب 'سیرت حضور نقشب لائٹانی' کا صرف ایک باب (برکات و کرامات) ہے، جو مستقل کتاب کی حیثیت سے (ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ میں) الگ شائع ہوا۔

حضور مقلد اسلام قدس سرہ اپنے شیخ کامل کا عکس جمیل تھے۔ آپ کو اپنے شیخ کے ساتھ جو عشق تھا، اس دور میں اس کی مثال ملنا محال ہے۔ عقیدت و ادب کی صورت حال کے بیان سے زبان و قلم عاجز ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کی سطر سطر بلکہ لفظ لفظ سے صدق عقیدت عیاں ہے اور نقطے نقطے سے نکتے نکالے گئے ہیں۔ اہل علم جن کی نظر سے بزرگان دین کے تذکرے گذرتے رہتے ہیں، انشاء اللہ کو ابھی دیں گے کہ لائٹانی و نقشب لائٹانی (علیہ الرحمہ) کے فیض سے دربار لائٹانی کے اس 'مستانے' کا اندازہ بیاں بھی لائٹانی ہے۔

یہ بات بھی خوب ہے کہ بظاہر آپ اپنے مرشد کامل علیہ الرحمہ کی کرامات بیان کر رہے ہیں مگر باطن توحید و رسالت، اسلام و ایمان اور مسلک سلف صالحین کے خلاف ابھرنے والے ذہنی دوسوں کے جواب بھی دیتے جاتے ہیں (کہ یہی آپ کا مقصد حیات تھا)۔ سوانح نگاری میں یہ اسلوب نگارش بالکل نیا ہے۔ جزئیات و تفصیلات کا ایک بحر یکنا رہے جو آپ نے ۳۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں بند کر دیا ہے۔ آپ نے کتاب میں ادبیت کا دامن خوب مضبوطی سے تھامے رکھا ہے چنانچہ ادبی چاشنی کے باعث اسے اگر اعلیٰ درجے کا ادبی مرقع کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔

### ۳۔ موجودہ فرقہ واریت اور حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ کا مذہبی

**تعال:** کے معلوم نہیں کہ فرقہ واریت دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اس کتاب میں حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ نے فرقہ واریت کے اسباب و محرکات، تاریخ، اس ضمن میں اسلام دشمنوں کی سازشیں، بالخصوص برصغیر میں نئی فرقہ واریت اور فرقہ پرست جماعتوں پر مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔ قرآن و حدیث سے دلائل دے کر سنت و جماعت کو معیارِ حق گردانا ہے۔ آپ نے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرقہ واریت کا علاج قرار دیا ہے۔ یعنی سب کے سب اسی ایک نکتے پر آجائیں تو اصلاح ممکن ہے۔

یہ تحریر بھی درحقیقت سیرتِ حضور نقشب لائٹانی قدس سرہ کا ایک باب ہے، جسے اس کی افادیت کے پیش نظر علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔ پہلے نصف حصے میں مذہبی تعامل پر روشنی ڈالنے کے بعد اس کے آخری نصف حصے میں آپ نے اپنے شیخِ کریم کا مذہبی تعامل بیان کیا ہے۔ یعنی ان کا عقیدہ و مذہب اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا انداز۔ ۶۷ صفحات پر مشتمل یہ مختصر کتاب کشفِ حقیقت کے لیے نہایت مؤثر و نافع تحریر ہے جو مارچ ۱۹۹۸ء میں منظرِ عام پہ آئی۔ بعد ازاں اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا۔

### ۴۔ سورج اُلٹے پاؤں پکھے:- 'سپاہ صحابہ' کے ترجمان ماہنامہ 'خلافتِ راشدہ'

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں شہرہ آفاق حدیثِ ردّ الفتنس (جس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنابِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے سورج لوٹایا تھا) کو موضوع قرار دے کر انصاف کا خون کیا گیا۔ مذکورہ شمارے کے محض ساڑھے تین صفحات میں بڑا زور لگا کر حضورِ نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم معجزے کے انکار پر خامہ فرسائی کی گئی۔ حضور

مفکرِ اسلام قدس سرہ نے ۳۰ صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر نہایت جامع اور مدلل جواب دیا۔ حدیث کی اسناد پر بھی بہترین بحث کی۔ اسی مقالے کو پھر کتابی شکل میں عوام و خواص کے استفادے کے لیے (رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ میں) پیش کیا گیا۔ جسے علمی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔

## ۵۔ شاہِ ابرار۔ زعمہ و مختار۔ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کے ذور میں طرح طرح

کے فتنے سراٹھارے تھے۔ ان میں ایک بڑا فتنہ تھا، حضور سیدِ ابرار رضی اللہ علیہ والہ وسلم کے زعمہ و مختار ہونے کا انکار۔ حالانکہ عہد رسالت سے اب تک حضور رضی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس نمایاں وصف کے انکار کی کسی کو جرأت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کا قلم حرکت میں آیا اور ”شاہِ ابرار۔ زعمہ و مختار“ رقم ہوئی۔ ۱۰۳ صفحات کی اس کتاب میں عقلی و نقلی دلائل کے انبار نے عقیدہ حق کو خوب بیان کیا ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد ایک منصف مزاج شخص پر حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے اور اس کے ذہن میں پیدا کیے گئے شکوک و ادہام کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (برمطابق ۱۹۹۵ء) کو کتاب لہذا کی اشاعت ہوئی۔

## ۶۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی حقانیت۔ اہل بیت مسلمہ کی تاریخ میں مسلمہ

حیثیت کا کوئی ایک بزرگ بھی نہیں گذرا جس نے خانوادہ رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فضائل سے انکار کیا ہو۔ جو شخص جب بھی ان سے باغی ہوا قوم نے اسے مردود و ملعون اور خارجی و جہنمی سمجھا۔ ذور حاضر کے ان سیاہ بختوں کی سیاہ بختی دیکھئے جو شانِ اہل بیت پر حملہ آور ہوئے، اور بالخصوص شہزادہ رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام کی حقانیت پر

معرض ہوئے۔ روئے ارض پر شاید ان سے بدتر اور کوئی نہیں۔ ان کی نظر و فکر میں یزید جنتی ہے اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا سفرِ کربلا حصولِ مال و جاہ کے لیے تھا (نعوذ باللہ)۔ ایسی صورت حال میں حضور مقلدِ اسلامِ قدس سرہ نے ”امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی حقانیت“ کے نام سے ایک عظیم تحقیقی مقالہ پیش کیا جو محبتِ اہل بیت کی خوشبو سے مہکتا ہوا ایک پیغام ہے۔ اس میں امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی حقانیت اور یزید کے جہنمی ہونے پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مضمون کے آخر میں خوبصورت اور محبت افروز نظمیوں بھی شامل اشاعت ہیں جن میں اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں نذرانہ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ یہ عظیم الشان مقالہ کتابی شکل میں ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے ماہِ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ میں تصنیف کیا گیا اور متعدد جرائد و رسائل میں چھپا۔

**۷۔ میلا دشریف اور بعض روایات:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلا د مبارک کی روایات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہورِ نور کے اکرام و اجلال پہ شاہدِ عادل ہیں۔ ان روایات کو ہر دور کے جید محدثین اور مقتدر علماء نے اپنی کتب مولود میں درج کیا ہے۔ لہذا یہ اس قدر قابلِ قدر ہیں کہ اپنی صحت و حقانیت کے لیے اسناد کی بھی محتاج نہیں۔ (اگرچہ ان کی مضبوط اسناد موجود ہیں)

مولانا ابوالکلام آزاد وہ بد قسمت شخص ہے جس نے مخصوص طبقہ فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے اسلام کی دیگر تعلیمات کی طرح حضورِ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلا د مبارک کی بعض روایات کو بھی اپنے منہ زور قلم کا نشانہ بنایا اور اپنی ژولیدہ فکری، کج

نہی، نا عاقبت اندیشی اور جہالت فردشی کی بدولت موضوع قرار دیا۔ کاش وہ اصول حدیث کو جانتا، یا جان کر بے اعتنائی نہ برتا تو دیکھتا کہ امت کے حدیث شناسوں نے بھی اکرم نوز محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعاتِ میلاد اور معجزات دار ہا صات کو قبول کرنے کے لیے کس حد تک اہتمام کیا ہے۔

روایاتِ میلاد کی ثقاہت و صراحت کے سلسلہ میں ابوالکلام آزاد نے اگر آزادانہ کلام کیا ہے تو حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ نے اپنے آقا و مولانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا حق ادا کرتے ہوئے اس کی زہریلی تحریر کا خوب تعاقب فرمایا ہے۔ اس تحریر میں دلائل کی بجلیاں کو مدتی محسوس ہوتی ہیں۔ جن کی چمک سے اپنوں کے دل چمکتے جبکہ بیگانوں کے دم سلگھتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاعتِ اول کی تاریخ یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء ہے۔ دوسری مرتبہ بھی چھپی۔

## ۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

۱۹۹۹ء میں یہ خبر عام ہوئی کہ سعودی عرب کی نجدی حکومت نے اپنے مفسد و شرپسند علماء کے کہنے پر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ، کریمہ، طیبہ، طاہرہ کے مزارِ اقدس کو ابواء شریف میں شہید کر دیا ہے اور بلڈ وزر کے ساتھ ساری زمین کی جیت کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ اس وحشت ناک خبر نے تمام عالمِ اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ بالخصوص حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ اس سانحہ پر ٹرپ اٹھے، بے اختیار رو دیئے۔ پھر قلم اٹھایا اور ”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما“ لکھ کر اپنے جذبات و احساسات کو علمی و عقلی دلائل کے ساتھ مزین کر کے کتابی صورت میں شائع فرما دیا۔ آپ فرماتے

تھے، یہ مقالہ میں اپنی نجات کے لیے لکھ رہا ہوں۔ آپ نے موضوع کے ساتھ خوب انصاف کیا ہے اور رہتی دنیا تک یہ علمی دستاویز مخالفین رسول کے چہرے پر نازیانے کا کام کرے گی۔ یہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاعتِ اول کیم اکتوبر ۱۹۹۹ء (۱۴۲۰ھ) کو ہوئی، بعد میں دوسری مرتبہ بھی شائع کی گئی۔

## ۹۔ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہِ القوی کی مجددیت و قومیت:

امام ربانی سیدنا مجدد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ کی مجددیت و قومیت پر کس صاحبِ عقل کو اعتراض ہو سکتا ہے؟ چار صدیوں سے سب ان کو مجدد الفِ ثانی اور قومِ اول قرار دے رہے ہیں۔ مگر اب چند ”مفتیانِ خام“ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جنہیں امام صاحب کی یہ مخصوص شان و عظمت کو ارا نہیں۔ مقصد محض اتحاد و اتفاق کی فضا کو خراب کرنا اور قوم کو اپنے بزرگوں سے بدظن کر کے ان کے فیضانِ کرم سے محروم کرنا ہے۔ یہ اتنا بڑا نقصان ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کی مجددیت و قومیت پر سب سے پہلے ہندوستان کے دو مفت ای حملہ آور ہوئے۔ یہاں تک کہ کفر کا فتویٰ بھی صادر کر دیا۔ ہندوستان کے علماء حق تڑپ اٹھے اور انہوں نے جا بجا آستانوں اور اہل علم حضرات کو خطوط لکھ کر ایسے مفتیوں کی علمی کوشالی کی درخواست کی۔ دربارِ لائٹانی (علی پور سیداں شریف) کے وارث پیر سید عابد حسین شاہ صاحب تقیہ نقیہ لائٹانی علیہ الرحمہ کو بھی ایک خط موصول ہوا۔ انہوں نے فوری جواب کے لیے ہمارے حضور مقلد اسلام قدس سرہ سے کہا۔ آپ سیدنا مجدد الفِ ثانی قدس سرہ القوی کے بہت بڑے محب اور عاشق صادق تھے۔ چنانچہ آپ نے مجدد پاک کی مجددیت و قومیت پر اعتراضات کے جواب میں علمی



مجا کے، مجا رہے اور مجا ہے کا آغاز فرمایا، یوں ”حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی مجددیت و قومیت“ مرتب ہوئی۔ تاریخی حقائق اور فکری مسائل بیان کرتے ہوئے آپ نے کہیں بھی علمی عظمت، تحقیقی رنگت، ذہنی متانت اور قلمی حرمت کو فراموش نہیں کیا۔ المختصر! اپنے موضوع پر یہ ایک نہایت مدلل، مسکت، بے مثال اور لا جواب تصنیف ہے۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی تاریخ اشاعت ۲۱ مارچ ۱۹۹۹ء ہے۔

### ۱۰۔ تبرکاتِ حرمین : دنیائے آب و گل کی عظیم ترین سعادت یہ ہے کہ انسان

مسلمان ہو اور اسے خداوند کریم جل جلالہ اور رسول عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس بارگاہوں کی حاضری نصیب ہو جائے۔ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ اتوی کو اپنی حیاتِ طاہری میں دو مرتبہ یہ سعادت ملی۔ آپ کے ذوقِ عشق، شوقِ نظر، جذبِ دل اور سوزِ جگر کو بارگاہِ خدا و رسول میں خاص پذیرائی ملی اور وہاں سے ”تبرکاتِ حرمین“ کے عنوان سے تبرکات و کیفیات کا حسین مجموعہ لے کر آئے۔ اس گلستانِ حمد و نعت میں عشق و مستی کا جوش، حزم و ادب کا ہوش، فکر و نظر کی روشنی، شعر و سخن کی چاشنی غرضیکہ انواع و اقسام کے گلہائے معطر لہکتے اور مہکتے نظر آئیں گے۔

رحمتِ بندہ نواز پر ناز، جمالِ جہاں آرا، پہ فدا ہونے کا انداز، دیا ر صیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محبتِ صادق کا کمالِ ادب، بارگاہِ نصیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک سائل بے نوا کا حسین طلب، فصاحت و بلاغت، حسنِ تعزُّل، رعنائیِ خیال غرضیکہ سبھی کچھ تو ہے اس گھنٹہ مہر و وفا میں۔ پھر سلطانِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کی لامحدود تاشیں اور نوازشات کی بے پناہ بارشیں بھی برستی محسوس ہوتی ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ

ہو کہ عین سایہ کعبہ میں، کبھی مدینہ شریف کی روحانی و نورانی فضاؤں میں اور کبھی مواجہہ شریف حاضری کے دوران درود ہونے والے کلام کو اس کتاب بے مثال میں مرتب کیا گیا ہے۔

سفر حج و زیارت کی پہلی مرتبہ توفیق ۱۹۷۶ء میں ملی۔ آپ کو اپنے شیخ کریم اور ان کے دونوں صاحبزادوں کی سنگت میں دربار ربّ کریم اور دربار شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضری کی سعادت ملی۔ پھر چوبیس برس بعد ۲۰۰۰ء (برطانیق ۱۴۲۰ھ) میں دوسری مرتبہ حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ شہر سیالکوٹ کے ایک معزز خانوادہ سادات کے متمول فرد جناب سید محمد یونس صاحب کو سفری اخراجات برداشت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ حاضری ۶ فروری ۲۰۰۰ء برطانیق ۲۹ شوال ۱۴۲۰ھ تا ۲۶ مارچ ۲۰۰۰ء برطانیق ۲۰ ذی الحج ۱۴۲۰ء میسر رہی۔

یاد رہے کہ آپ کا سفرِ اڈل میں لکھا گیا سارا کلام جس ڈائری پہ تھا، وہ کھو گئی تھی، جس کی وجہ سے ایک دو حمد و مناجات اور دو تین نعتوں کے سوا تمام کلام سے ہم محروم ہو گئے۔ لہذا سفرِ ثانی میں لکھا گیا تمام کلام محفوظ ہے۔ بہر حال دونوں مقدس سفروں کا دستیاب کلام ”تبرکاتِ حرمین“ کے نام سے ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ (۲۰۰۰ء) کو منظرِ عام پہ آیا۔ صفحات کی تعداد ۲۵۴ ہے۔

## ۱۱۔ توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات: معجزات کا انکار پہلے دور میں

جنہوں نے کیا وہ تو مر مٹ گئے، آج ان کا انکار کھلے کافروں کے علاوہ زیادہ تر نام نہاد اہل قرآن کرتے ہیں جو وہابیوں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ غور کریں تو ان کے انکار کی

وجہ خدا کی ذات پر ان کے ایمان کا پختہ نہ ہونا ہے۔ قرآن پاک میں جو معجزات انبیاء علیہم السلام بیان ہوئے ہیں یہ ان کی تاویل میں کرتے ہیں۔ یعنی کھلم کھلا قرآن پاک کا انکار تو کسی مصلحت سے نہیں کر سکتے، آخر اہل قرآن جو کہلاتے ہیں، البتہ لفظوں کے ہیر پھیر سے یہ واقعہ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں، اور حقیقت یہی ہے کہ خدا کو قادر مطلق نہیں مانتے۔

اسی طرح جو لوگ کرامت اولیاء کا انکار کرتے ہیں وہ بھی دراصل خدا کی قدرت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے نبیوں اور ولیوں کے ذریعے اپنی قدرتوں کا اظہار کرتا ہے اور عرفان کے دروازے کھولتا ہے۔ اب جن کو ان محبوبانِ خدا سے بغض ہو، وہ نہ تو خدا کی قدرت پر پورا ایمان رکھ سکتے ہیں اور نہ عرفان سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ تو حید کے نام پر محبوبانِ خدا کے کمالات کا انکار ان کی الٹی سوچ اور مفسدانہ ذہنیت کا آئینہ دار ہے اور دورِ حاضر میں اس سوچ اور ذہنیت کو بڑے پیمانے پر عام کیا جا رہا ہے۔ مزاراتِ انبیاء و اولیاء پہ حاضری، خدا کے مقرب بندے جانتے ہوئے ان سے امداد و توسل، ان کی تفصیلِ خدا مشکل کشائی و حاجت روائی جیسے عقیدے ان کے خصوصی ہدفِ تنقید ہیں۔ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ عصرِ حاضر کے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے میدان میں آئے اور ”توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات“ کے عنوانِ جلی سے ایک شہکار تصنیف کو ضابطہ تحریر میں لانا شروع کر دیا۔ تحقیق و جستجو کا یہ پُر نور سفر جنوری ۲۰۰۱ء تا اگست ۲۰۰۲ء جاری و ساری رہا۔ یہ مؤثر تحریر مجلہ ”الحقیقہ“ کے نورانی صفحات کی زینت بنتی رہی۔ لاتعداد لوگ اسے پڑھ کر حقیقت آشنا ہوتے رہے۔ پھر قارئین نے پُر زور تقاضا کیا کہ اس نادر اور شہرت یافتہ مضمون کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے تاکہ اس کی افادیت اور بھی بڑھ جائے۔ چنانچہ نہایت محنت و لگن کے بعد یہ ایمان افروز تحقیق اور

ایقان انگیز تحریر کتابی صورت میں شائع ہو گئی۔ اس کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی جلد جنوری ۲۰۰۴ء میں منظر عام پہ آئی جو ۷۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد (غالباً اکتوبر نومبر ۲۰۰۶ء میں ۲۹۶ صفحات پر مشتمل جبکہ تیسری جلد اگست ۲۰۰۷ء (شعبان ۱۴۲۸ھ) میں جو کہ ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ملک بھر سے بڑے بڑے مذہبی سکالروں اور ممتاز آستانوں کے پیرانِ عظام نے اسے نہایت سراہا اور اپنے موضوع پر لا جواب تصنیف قرار دیا۔

## ۱۲۔ اسلام کا پہلا عقیدہ۔۔۔ توحید: فی زمانہ ایسے نام نہاد محقق پیدا ہو

چکے ہیں جنہوں نے توحید کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ بات بات پہ اہل اسلام پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں۔ ان کے وہم میں وہ خود توحیدی اور باقی ساری اُمتِ مسلمہ شرک ہے (نعوذ باللہ)۔ یہ فکر نہایت مکروہ اور قابلِ مواخذہ ہے۔ حضور مقلدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی ہی فکر کے رد اور اس کے حاملین کے احتساب کے لیے ”اسلام کا پہلا عقیدہ۔۔۔ توحید“ رقم فرمائی۔ آپ کے پیر زادے زُبدۃ المخلصین، منظر نقوش لائٹانی پیر سید محمد السعید شاہ صاحب (علی پور سیداں شریف) نے یہ تحریر لکھنے اور کتابی صورت دینے کی تحریک دلائی تھی۔ زیور طباعت سے آراستہ پیراستہ ہونے کے بعد ۲۸ صفحات پر مشتمل یہ تصنیف قارئین کے ہاتھوں میں پہنچی اور محمد اللہ تعالیٰ ان کے ایمان و ایقان کی دولت کو محفوظ و مستحکم کر رہی ہے۔

## ۱۳۔ عقیدہ توحید و رسالت: ”یہ توحید ہے جو انسان کو اللہ کا ایسا بندہ بنا دیتی

ہے جو ہر ماہ کا شکار کرتا ہے، دشت و جبل جس کو سلامی دیتے ہیں، کوہ و کمر جس کا حکم

مانتے ہیں۔ حق و ملک جس کے نوکر چا کر بن جاتے ہیں۔ اسی توحید سے نارنرد و گلزار  
نبتی ہے، اسی سے لوہا موم ہو جاتا ہے اور یہی مردوں کو زندہ کرنے کا فارمولا ہے۔ اسی  
توحید کے زور سے مسلمانوں نے مشرق و مغرب سے ادہام کے اندھیرے  
چھانٹے۔ بقول اقبال:

زندہ قوت یہی توحید تھی دنیا میں کبھی اب کیا ہے فقط اک مسئلہ عالم کلام  
مگر یاد رہے، یہ قوت توحید عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لازم و ملزوم  
ہے۔ اگر کوئی شخص عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے محروم ہے تو لاکھ دعووں کے باوجود  
وہ 'توحید' کے نور سے خالی ہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے شرک میں گرفتار ہے، کیونکہ اللہ اپنے  
حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق کو فرض کر رہا ہے اور یہ بد بخت شیطانی اکثر فوں سے  
خود بھی اس کا مخالف ہے اور دوسروں کو بھی اس سے محروم کرنا چاہتا ہے۔

مذکورہ اقتباس کتاب "عقیدہ توحید و رسالت" سے لیا گیا ہے جو دراصل اس کتاب کا  
خلاصہ بھی ہے اور تصنیف لطیف کا مقصد و حید بھی بیان کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید  
و رسالت کے عنوان پر اس سے بہتر کتاب کی کوئی مثال اس دور میں ملنا محال ہے۔ یہ  
۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ نائل نہایت خوبصورت ہے۔

۱۴۔ کالج میگزینز: حضور مقلد اسلام قدس سرہ العوی جہاں بھی گئے محبت رسول صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو پھیلاتے اور علم و ادب کے چمنستان کی آبیاری کرتے گئے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ تعلیمی اداروں کے جو سالانہ میگزین شائع ہوتے ہیں  
ان میں کہانیوں، بے مقصد شاعری اور لطیفوں وغیرہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے

حضور نے یہاں ایک نئی طرح ڈالی اور کالج میگزینز کے سیرت نمبر، قرآن نمبر اور اسلام نمبر چھپوائے جو علم و ادب کا مرقع اور نوجوان نسل کی تعمیر کردار کے سلسلہ میں بے مثال تحفہ ہیں۔ مثلاً کورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں 'کاوش' کے نام سے سالانہ میگزین چھپتا تھا۔ آپ نے ۱۹۸۶ء میں اس کا 'سیرت نمبر' شائع کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد ازاں کورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ ضلع نارووال جہاں میگزین 'عزم نو' کے نام سے چھپتا تھا، تین عظیم اور ضخیم نمبر نکالے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

**۱۵۔ عزم نو۔ سیرت نمبر:** اکتوبر ۱۹۹۰ء میں جب آپ کا تبادلہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے کورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ میں ہوا تو اس ادارے کے سربراہ محترم پیر دلاور علی شاہ صاحب تھے۔ انہوں نے ابتدائی ملاقات ہی میں آپ کی شخصیت اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متاثر ہو کر کالج میگزین 'عزم نو' سنبھالنے کا کہا۔ آپ نے اس شرط پر حامی بھری کہ اس کا پہلا شمارہ 'سیرت رسول نمبر' ہونا چاہئے۔ جسے تسلیم کر لیا گیا۔ پھر تقریباً اڑھائی مہینے کی جانفشانی کے بعد یہ نمبر (۱۹۹۱ء میں) شائع ہوا۔ کالج حدود کے باہر بھی جہاں جہاں یہ پہنچا، اہل ادب و ذوق نے اس کی ستائش کی اور کئی سربراہان آدرہ مصنفین و مؤلفین نے اپنی تالیفات میں اس کے حوالے دیئے۔ مثلاً ملک کے ممتاز محقق و مصنف متین خالد صاحب نے اپنی کتاب 'جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے' میں 'سیرت نمبر' کا اقتباس لے کر اس نمبر کا بھی ذکر کیا۔ یہ نمبر ۲۲۰ صفحات میں سما یا ہے جس میں بیالیس مقالات شامل ہیں۔

اس دور کے وزیر اعلیٰ پنجاب جناب غلام حیدر وائیس، محترم مذہبی و سیاسی

رہنما جناب عبدالستار خان نیازی صاحب (وفاقی وزیرِ بلدیات و دیہی ترقی و خصوصی تعلیم و سماجی بہبود)، جناب سید محمد یعقوب شاہ صاحب (مشیر وزیرِ اعلیٰ پنجاب)، ممتاز مذہبی و سیاسی شخصیت جناب حاجی محمد حنیف طیب صاحب (امیر نظامِ مصطفیٰ پارٹی) کے تہنیتی پیغامات بھی آغازِ کتاب میں درج ہیں۔ جبکہ پیغامات کی فراہمی کے سلسلہ میں عالمِ بے بدل جناب صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ رضوی صاحب (خانقاہ ڈوگرہاں) اور مولانا صوفی محمد صدیق ضیا صاحب (انجینئر تریپلا ڈیم) نے خوب تعاون کیا۔ ملک ناظر حسین صاحب (شعبہ اسلامیات) نے پروف ریڈر کی ذمہ داریاں نبھائیں۔

## ۱۶۔ عزمِ نو۔ قرآنِ نمبر: سیرت نمبر ۱۹۹۱ء کی عظیم الشان کامیابی کے بعد

ہمارے حضور نے کورنمنٹ ڈگری کالج شکر گڑھ کے پرنسپل سید دلاور علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو قرآنِ پاک نمبر کے لیے آمادہ کیا۔ قبلہ شاہ صاحب انہی دنوں ریٹائرمنٹ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ حضور چاہتے تھے کہ ان کے موجود ہوتے ہوئے جلد سے جلد یہ نمبر آ جائے۔ چنانچہ اس نمبر کی ترتیب و تدوین میں مختصر وقت میں ریکارڈ کام ہوا۔ آپ کے دو شاگردوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ آپ کی معاونت کی۔ جناب پروفیسر محمد محبوب عارف صاحب جو اسی کالج میں انگریزی کے استاد تھے (آجکل مرے کالج سیالکوٹ میں ہوتے ہیں)، اور ممتاز سکالر مولانا غلام مصطفیٰ مجددی صاحب۔ یوں ۱۹۹۵ء میں ۹۰۳ صفحات پر مشتمل عظیم و ضخیم ”قرآنِ پاک نمبر ۹۶-۹۵“ منظرِ عام پہ آیا۔ جو قرآنیات میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

اس میں دس ابواب ہیں۔ اور مابینہ ناز سکالرز کے اٹھاون مقالات، ۱۳ انگریزی

مقالات (۲۸ صفحات میں) اور عظیم شعراء کے ۷ محامد و منظومات پر مشتمل ہے۔ اس کی طباعت و اشاعت میں مبلغ چار لاکھ روپے کی خطیر رقم خرچ ہوئی۔ علمی حلقوں میں اسے بے پناہ سراہا گیا۔ اور لاہور سے چند باذوق اہل علم افراد نے اسے اجازت لے کر دوبارہ شائع کیا۔

۱۷۔ **عزمِ نو - اسلام نمبر** : 'سیرت نمبر' اور 'قرآن پاک نمبر' کی اشاعت اور

زبردست پذیرائی کے بعد 'اسلام نمبر' نکالنے کی ٹھانی گئی۔ فنڈز کی دستیابی ایک دشوار امر تھی۔ ان دنوں کالج کے پرنسپل غلام سرور خان ابدالی تھے۔ حضور نے انہیں 'اسلام نمبر' کے لیے قائل کیا اور یوں طویل عرصہ محنت کے بعد ۱۰۸۵ صفحات (جن میں ۲۷ صفحات انگریزی مضامین کے تھے)، ۱۱ ابواب، ۵۸ مقالات اور دو مقالات انگریزی پر مشتمل 'عزمِ نو' کا 'اسلام نمبر' رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ (برطانیق دسمبر ۱۹۹۹ء) منظرِ عام پہ آیا۔ اس نمبر کی ترتیب و تدوین میں بھی پروفیسر محبوب عارف صاحب، مولانا صدیق ضیا صاحب (انجینئر تریلا ڈیم)، محمد طفیل خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ آف کلیریکل سٹاف، بشیر و سیم صاحب، راولپنڈی اسلام آباد سے حمزہ مصطفائی صاحب، محترم محمد خلیل صاحب، محمد افتخار صاحب اور محمد عاطف صاحب کا تعاون کسی نہ کسی شکل میں دستیاب رہا۔

اس مبارک کتاب کے آغاز میں صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ صاحب، وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد جناب انوار حسین صدیقی صاحب، چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان ڈاکٹر شیر محمد زمان صاحب، مایہ ناز ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب، صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام



آبا و جناب ڈاکٹر حسن محمود الشافعی صاحب، چیف ایڈیٹورسٹ روزہ ہلال راولپنڈی جناب لیفٹیننٹ کرنل اے۔ کے چشتی، ممتاز ایٹمی سائنسدان اور سیاستدان ڈاکٹر نعمت علی جاوید (ستارہ امتیاز) کے پیغامات اور تعریفی کلمات بھی موجود ہیں۔

حضور مقلد اسلام قدس سرہ کا ریٹائرمنٹ (یکم جنوری ۱۹۸۰ء) پر گویا یہ قوم کو تحفہ تھا۔ ملک بھر میں اس نمبر کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور علماء و مشائخ نے اسے خوب سراہا۔

### ۱۸۔ سیرت نبوی کا پیغام --- عصر حاضر کے نام: ۲/۳ جنوری

۱۹۸۶ء میں گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں قومی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضور مقلد اسلام قدس سرہ نے 'سیرت نبوی کا پیغام' --- عصر حاضر کے نام کے عنوان سے نہایت شاندار مقالہ پیش کیا۔ اس انتہائی جاندار مقالہ میں آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ہمہ گیر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز اس نکتے کی وضاحت بھی خوبصورت انداز سے کی ہے کہ دورِ حاضر بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے فیضانِ ابدی کا محتاج ہے۔ کثیر آیات و احادیث کے اندراج، غیر مسلم سکالرز اور مغربی مستشرقین کے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتراف میں انگریزی بیانات، تعلیماتِ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی ہمہ گیری، گہرائی اور زیبائی کے منفرد بیان اور پرتا شیر اشعار کے بر محل استعمال نے اس مقالے کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس بات کا بھی مختصر مگر جامع تذکرہ موجود ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف، معجزات اور تعلیمات (جو دراصل آپ کی سیرت ہی کے تین پہلو ہیں) کس طرح سائنس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل اس مقالہ کو مرکزی بزمِ نعت

سیالکوٹ نے کتابچے کی شکل میں کانفرنس کے موقع پر ہی شرکاء کو پیش کیا۔

## ۱۹۔ مردانِ حق اور راہِ حق: مردانِ حق کے تذکرے بھی راہِ حق کی طرف

بلاتے ہیں اور طالبانِ حق کو منزل مقصود کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔ بندگانِ خدا کی داستانیں ذکر و فکر، کیف و مستی، عشق و محبت، صبر و استقامت، زہد و عبادت، تسلیم و رضا، جو کمال و تقویٰ اور اخلاص و مرآت کی داستانیں ہیں، لہذا انہیں پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انہی جذبات کے تحت حضور نے ”مردانِ حق اور راہِ حق“ کے عنوان سے ایک مدلل اور محققانہ مقالہ لکھا جو صفحات کے کتابچے کی شکل میں شائع ہوا۔

## ۲۰۔ ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ، وصال: ) کی ایک شہرہ آفاق نعت کا مطلع ہے: سب سے اولیٰ داعی ہمارا نبی سب سے بالا و بالا ہمارا نبی سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس نعت کی ردیف اور بحر میں متعدد شعرائے کرام نے خامہ فرسائی کی ہے لیکن جب ہمارے حضور قدس سرہ اس جانب متوجہ ہوئے تو اس نعت شریف کی ردیف، زمین اور بحر میں لکھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ستائیس نعتیں لکھ ڈالیں۔ نعتوں کے اس مجموعے ’ہمارا نبی سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘ میں یہ تمام نعتیں حروفِ تہجی کی ترتیب سے موجود ہیں۔ اسے پڑھتے ہوئے طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔

## ۲۱۔ منظوم ترجمہ قصیدۃ العجمان: امام الامامہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ

رضی اللہ عنہ (نعمان بن ثابت) کا تحریر کردہ با برکت ”قصیدۃ العجمان“ بہت مشہور

ہے۔ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ نے اس قصیدے کا نہایت خوبصورت انداز میں منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ جسے پڑھ کر روح جھوم اٹھتی ہے۔ متعدد دافرا کو دیکھا گیا کہ اس قصیدے کو فریم میں سجا کر اپنے گھروں اور دکانوں میں آویزاں کرتے اور موجب خیر و برکت پاتے ہیں۔

## ۲۲۔ شرک اور بدعت:

کسے معلوم نہیں کہ شرک اور بدعت جیسی اصطلاحات کا ناجائز استعمال عام ہو چکا ہے اور ایک مخصوص ٹولہ مسلمانوں کی اکثریت کو شرک اور بدعتی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا رہتا ہے۔ ایسی صورتحال میں ان الفاظ کے اصل مصداق اور اہل کی پہچان ضروری ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ نے شرک اور بدعت تحریر فرما کر حقیقت کو خوب واضح کر دیا۔ ۳۰ صفحات کی اس مختصر کتاب میں آپ نے توحید کی صحیح وضاحت، توحید اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شرک و بدعت کی حقیقت، قرآن پاک کی تدوین اور بدعات، حدیث و فقہ کی تدوین اور بدعات، اصل بدعتی کون جیسے موضوعات پر قرآن و حدیث کی اصل تعلیمات اور تعامل ائمہ و علماء پیش فرمایا ہے۔ طرزِ تحریر کی تاثیر سے قاری متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ آپ کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں یہ مضمون متعدد رسائل میں چھپا، تاہم علیحدہ کتابچے کی شکل میں استفادہ خاص و عام کے لیے مئی ۲۰۰۸ء میں پیش کیا گیا۔

## ۲۳۔ یا غوث:

علیحضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے حضور شہنشاہِ بغداد سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے سوا شعار پر مشتمل ایک منقبت لکھی ہے، جس کا مطلع ہے:

رضا کا خاتمہ بالآخر ہوگا تری رحمت اگر شامل ہے یا غوث

حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العوی نے دوسرے مصرعے کو بدل کر یوں بنا دیا: 'اگر شامل تیری رحمت ہے یا غوث اور یوں قافیہ بدل کر اسی ردیف میں 'یا غوث' کے نام سے ۹۶ اشعار پر مشتمل منقبت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عزت میں پیش کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی منقبت ۱۰۰ اشعار پر مشتمل تھی۔ آپ سے سنا گیا کہ میں نے اپنی منقبت اعلیٰ حضرت کے احرام میں ۹۶ اشعار تک محدود رکھی، وگرنہ جی تو چاہتا تھا کہ اور لکھا جائے۔ یہ خوبصورت منقبت کیم اکتوبر ۱۹۹۶ء کو کتابچے کی شکل میں شائع ہوئی۔

**۲۲۔ مرزا قادیانی کا مختصر تعارف:** قادیانی اربوں روپے خرچ کر کے اپنا

کفر دارتد اور پنی لشریچ پوری دنیا میں تقسیم کر رہے ہیں۔ مسلم وغیر مسلم ممالک میں قرآن پاک کے غلط ترجمہ اور اسلام کا معاذ اللہ قادیانی ایڈیشن عام کر رہے ہیں۔ خود ہمارا وطن پاکستان ان کے مکروہ منصوبوں کی زد میں ہے۔ یہ ملعون قادیانی قرآن پاک، احادیث مقدسہ، انبیاء کرام علیہم السلام، اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی و گستاخی میں نہایت سرگرم ہیں بلکہ تمام حدیں عبور کر چکے ہیں۔

اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ذاتِ باقی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یعنی حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا فوراً اسلام کی سچائی کا معترف ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مرزا قادیانی کی اپنی ذات، قادیانیت کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ یعنی مرزا کی زندگی کے احوال پڑھنے والا اس کی منافقت، مکاریوں، بد کرداریوں، مخرب اخلاق سرگرمیوں، گستاخ دنا پاک فطرت

دیگرہ کو دیکھ کر قادیانیت کو جھوٹا اور فضول مذہب قرار دینے میں لحو بھر بھی توقف نہیں کرتا۔ چنانچہ حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العزیز نے قادیانیت کے مواخذے کے لیے ”مرزا قادیانی کا مختصر تعارف“ کے نام سے ایک مضمون تحریر فرمایا۔ جس میں نہایت آسان اور عام فہم طرزِ تحریر سے مرزا کے کردار، خاندانی پس منظر، بڑے کمپن و جوانی کی آوارگیوں، جھوٹے الہامات، مختلف دعویوں، مناظروں میں پٹائی، اس کی بیماریوں، بدحواسیوں، جھوٹی پیشگوئیوں اور لالچوں کو بیان کر کے مرزا قادیانی اور اس کے مذہب کا رد فرمایا۔ یہ مضمون الحقیقہ بابت ماہِ ستمبر ۲۰۰۱ء سمیت مختلف جراند میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ۲۰۱۰ء میں ۲۳ صفحات پر محیط کتابچے کی شکل میں چھپا اور ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم ہوا۔

## ۲۵۔ مدح و ثنائے اہل بیت (رضی اللہ عنہم) : حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ حُبِّ

خدا و رسول (صلی و علا علیہ وسلم) کے ساتھ ساتھ حُبِّ اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کی دولتِ لازوال سے بھی مالا مال تھے۔ آپ کے نظم و نثر اس پر گواہ ہیں۔ آپ کی اہل بیت رسول علیہم الرضوان سے محبت و الفت میں وارثی کا اندازہ اُس انداز سے ہوتا ہے جو آپ نے اپنی ایک منقبت بعنوان ”دونوں شہزادے“ میں اختیار کیا ہے: (چند اشعار)

آلِ اطہار کا میں گدا ہوں ، میرے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے  
اس گدائی پہ قربان سب کچھ ، یہ گدائی بہت بڑی ہے  
مجھ کو ان کے کرم کا سہارا ، میرا ان کی عطا پر گزارا !!  
ان کے مانا کی پھر ان کی رحمت ، زندگی کی متاع تمہیں ہے

دونوں شہزادے خیرالورکی کے، دونوں فرزند خیر النساء کے  
سب کو ملتی ہے خیرات ان سے، ان کی خیرات خیر آفریں ہے  
کیوں نہ گن گاؤں آل نبی کے، کیوں نہ لوٹوں مزے بندگی کے  
میرا مرشد ہے حسنی حسینی، آسی کیا اور ایسا حسین ہے  
شانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں آپ کا کلام بہت زیادہ ہے۔ چند محققوں کو  
”مدح وثنائے اہل بیت رضی اللہ عنہم“ کے نام سے دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع کیا گیا۔ صفحات کی  
تعداد ۲۸ ہے۔

**۲۶۔ نعماتِ میلااد:** ربیع الاول ۱۴۲۵ھ میں بسلسلہ میلااد جو کلام آپ کی زبان  
قدس پر صادر ہوا، وہ ”نعماتِ میلااد“ کے نام سے شائع ہوا۔ یوں تو آپ کا سارا کلام ہی  
بے مثال ہے لیکن جہاں حضور ربی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر میلااد آجائے، طبیعت و قلم کی مستی و  
ردانی کا عالم ہی نرالا ہوتا ہے۔ عشاقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام کے لیے یہ کتاب ذریعہ فردوغ  
ایمان ہے۔

**۲۷۔ اسلام کے اصول:** آپ نے مبلغِ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم  
صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی انگریزی کتاب کا عام فہم اور آسان اردو ترجمہ کیا ہے۔ آپ  
کے قیامِ سیالکوٹ کے دوران یہ ترجمہ ”اسلام کے اصول“ کے نام سے کئی بار شائع ہوا۔

**۲۸۔ انسانی مسائل کا حل:** یہ کتاب بھی مبلغِ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم  
صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی انگریزی کتاب کا اردو میں ترجمہ ہے۔ اندازِ تحریر نہایت دلنشین

-۶-

**۲۹۔ آؤ میلاد منائیں:** اس مقالہ میں حضور نے بارہ ربیع الاول شریف کو تاریخ کائنات کا سب سے بڑا دن قرار دیتے ہوئے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احسن انداز میں منانے کی ترغیب دلائی ہے۔ کوثر و تسنیم میں ڈوبی زبان میں لکھا گیا یہ مقالہ نثرنا شیر ہے۔

**۳۰۔ تفسیر سورہ اخلاص:** حکیم الامت علامہ محمد اقبال علیا رحمہ کی مشہور رموز بیخودی کا ہمارے حضور نے عارفانہ و صوفیانہ انداز میں منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو کہ سورہ اخلاص کی بہترین منظوم تفسیر ہے۔ باذوق افراد نے اسے بہت پسند کیا۔

**۳۱۔ الحقیقہ..... تحفظ ختم نبوت نمبر:** عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے اور کثیر آیات کریمہ متعدد و حادثہ شریفہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ جبکہ فتنہ قادیانیت اس صدی کا وہ خوفناک فتنہ ہے جس نے اس مسئلہ عقیدے پر شب خون مارنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ اس فتنے کو بے نقاب کرنا وقت کی آواز ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان کی مذموم سازشوں سے آگاہ کرنا باشعور اور اہل علم افراد کی اولین ذمہ داری۔

ہمارے حضور، ہمارے ولی نعمت، ہمارے محسن و مربی، شمس العرفاء، بدر الاولیاء حضور مقلد اسلام قدس سرہ النورانی اس فتنے کی ہولناکیوں سے پوری طرح باخبر تھے اور اہل ایمان کی متاع ایمان بچانے کے جذبے سے سرشار بھی۔ چنانچہ آپ نے تا

حیات اس ضمن میں ناقابل فراموش اور گراں قدر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس شیر کی لکار اور قلم کے وار سے قادیانیت لرزہ برآمد تھی۔ قادیانی پیشوا آپ کو اپنے دشمنوں کی فہرست میں نمایاں مقام پر گردان رہے تھے۔ ادھر ”نقش لائانی نگر“ کی سر زمین سے اس مر قتلند کی آواز کونج رہی تھی:

خدا کا شکر ادا کرتا ہوں آسی اس سعادت پر

رسول اللہ ﷺ کے دشمن مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں

حضور علیہ الرحمہ اپنے وصال (۸ اگست ۲۰۰۶ء) سے چند روز قبل (۵ اگست ۲۰۰۶ء کو) راولپنڈی اسلام آباد درونق افروز ہوئے۔ (۷ اگست ۲۰۰۶ء کو ضلع انک کی ایک نامور مذہبی شخصیت، علم و ادب کی دنیا کے ایک عظیم فرد پیر سید صابر حسین شاہ صاحب دام اقبال عیادت و زیارت کے لیے آئے۔ یہاں ملت کی زیوں حالی کے تذکرے ہوئے اور اپنوں کی غفلت بھی زیر بحث آئی۔ پھر حضور نے فتنہ انکارِ حتم نبوت کی کوشالی اور اس سلسلہ میں ماہنامہ الحقہ کے ضخیم حتم نبوت نمبر کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی۔ (آپ ۲۰۰۴ء سے اس نمبر کی اشاعت کے خواہاں تھے)۔ اگلے ہی دن حضور کا سانحہ ارتحال وقوع پذیر ہو گیا۔ تاہم قبلہ پیر صاحب پوری تندہی و لگن کے ساتھ اس عظیم کام کے لیے جت گئے اور حضور مقلد اسلام قدس سرہ النورانی کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لیے چھ سال صرف کر دیئے۔ مایہ ناز سکا لرز سے مضامین لکھوائے۔ نہ صرف یہ کہ عقیدہ حتم نبوت کو قرآن و حدیث اور اجماع امت کی روشنی میں خوب بیان کیا بلکہ اس عقیدہ کے منکر ہر گروہ بالخصوص قادیانیت کو بے نقاب کیا بلکہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ نیز اسی قبیل کے دوسرے گروہوں مثلاً بانی دہبائی وغیرہ کی خفیہ سرگرمیوں سے بھی پردہ اٹھایا۔



ماہنامہ الحقیقہ کا ”تحفظِ حتمِ نبوت نمبر (جلد اول)“ ۹۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ سن اشاعت ۲۰۱۳ء (۱۴۳۲ھ) ہے۔ یادگار اسلاف پیرسید کرامت علی حسین شاہ صاحبِ ندب سجادہ علی پور سیداں شریف، امیر شیران اسلام صاحبزادہ خواجہ محمد ناصر رحمانی صاحب، سیکرٹری جنرل سٹی اتحاد کونسل و سرپرستِ اعلیٰ المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ / نظامِ مصطفیٰ پارٹی اور سابق وفاقی وزیر جناب حاجی محمد حنیف طیب صاحب (جن کی حضور مقلدِ اسلام علیہ الرحمہ کے ساتھ گہری باہمی محبت تھی)، چیف آرگنائزر شیران اسلام پاکستان خواجہ حکیم غلام رسول وانی چشتی صاحب خلیفہ مجاز امیر شریف ہمدرد شاہ سٹی تحریک پاکستان محمد ثروت اعجاز قادری صاحب، مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ معارفِ رضا کراچی و صدر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی پاکستان سید و جاہت رسول قادری، محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ناظمِ تعلیمات و استاذ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی جناب جمیل احمد صاحب کے ستائشی کلمات و پیغامات کا اضافہ نہایت عمدہ ہے۔ شیران اسلام کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے اس تحفظِ حتمِ نبوت نمبر میں مقلدِ اسلام ویلفیئر ٹرسٹ سیالکوٹ کے مرکزی عہدیدار جناب حافظ محمد اظہر نعیم صاحب کی معاونت لائقِ صد تحسین ہے۔ اس کا ناسل بہت خوبصورت اور کاغذ اعلیٰ معیار کا ہے۔ علمی حلقوں میں اسے بے پناہ پذیرائی ملی ہے۔

## وہ مبارک تصانیف جو اشاعت طلب ہیں

۳۲۔ سیرتِ حضور نقشِ لائٹانی رحمۃ اللہ علیہ : حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ

اعزیز نے اپنے شیخ کریم قیوم زمانی، قطبِ ربانی پیرسید علی حسین شاہ صاحب نقشِ لائٹانی

علیہ الرحمہ کی حیاتِ مقدّسہ کے حالات و واقعات کو قلمبند کرنا تا حیات جاری رکھا۔ ایک مرتبہ علی پور شریف کی ہفتہ وار حاضری کے لیے آپ روانہ ہوئے تو دیگر افراد کے علاوہ اس سبک بارگاہ کو بھی ساتھ لے جانے کا شرف بخشا۔ راستے میں نارووال میں ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب (جو ان دنوں نارووال رہائش پذیر تھے) کے گھر مختصر قیام کیا۔ یہاں ”سیرتِ حضورِ نقشب“ لائٹانی علیہ الرحمہ“ کی بابت بھی گفتگو ہوئی۔ اس عاجز نے عرض کیا کہ حضور اس کتاب کی تکمیل کب ہوگی؟ ارشاد ہوا، ”جب یہ کتاب مکمل ہونی ہے، میں نے فوت ہو جانا ہے، قدرت کو کچھ ایسا منظور ہے“۔ (یا قدرت نے کچھ ایسا اہتمام کیا ہوا ہے۔ کو یا عمر بھراپنے شیخ کی سیرت پر لکھنے کا آپ تہیہ کیے ہوئے تھے۔ حضور کے اس ارشادِ عالیشان میں کئی اسرار تھے)۔ چنانچہ جب حضور کا وصال ہوا، یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے دو ابواب برکات و کرامات اور مذہبی تعامل دو علیحدہ علیحدہ کتب کی شکل میں شائع ہو چکی تھیں۔ اس عاجز نے باقی ابواب کا بھی مطالعہ کیا ہے اور خدا اور رسول (صلی و علیہ وسلم) کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے کہ اس کی نظر سے آج تک ایسی کتاب نہیں گذری جس میں اپنے شیخ کی حیاتِ مقدّسہ اس قدر گہرائی، باریک بینی، عشق و محبت کی وارفتگی اور عزم و ادب کی شگفتگی کے ساتھ لکھی گئی ہو۔ بلکہ اس گنہگار کی تو اوقات ہی کیا ہے، ساری دنیا کے اہل علم و ادب یا پھر اہل نظر و عشق لے آؤ، خدا کی قسم وہ کو ابی دیں گے کہ اپنے شیوخ کی سیرت پر اوروں نے بھی لکھا ہے مگر اس عاشقِ صادق کا انداز ہی جداگانہ ہے۔ بہر حال یہ مبارک تصنیف جلد قارئین کے ہاتھوں میں ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز

### ۳۳۔ اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت :- اس بات میں کسے شک ہو سکتا

ہے کہ وقت کی سب سے اہم ضرورت اتحادِ امت ہے۔ یہ بھی جانتے ہیں لیکن اس کی صورت کیا ہو عموماً اسے بیان نہیں کیا جاتا، نہ یہ اتنا سہل ہے۔ حضور نے اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت کے نام سے الحقیقہ (جنوری ۲۰۰۳ء) میں لکھنا شروع کیا اور پھر لکھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۴۲ اقساط لکھ ڈالیں (اگست ۲۰۰۶ء تک)۔ اس میں جہاں اتحادِ امت کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے وہاں اس کے لیے عملی صورتیں بھی صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ اگر ملت کے یہی خواہ واقعتاً اس کا بھلا چاہتے ہیں تو یہ کتاب ان کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ عنقریب اسے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے (انشاء اللہ)۔

### ۳۴۔ اسلام اور شیطان کے سپوت :- حضور کی یہ مایہ ناز تحریر بھی الحقیقہ

(ستمبر ۲۰۰۴ء) کے صفحات کی زینت بنی اور شمارہ ماہ اگست ۲۰۰۶ء تک بنتی ہی رہی۔ اس کی بائیس اقساط چھپیں۔ حضور کے وصال کے بعد تو حید اور محبوبانِ خدا کے کمالات (۶۵ اقساط) اور اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت (۴۲ اقساط) کی طرح اس تحریر 'اسلام اور شیطان کے سپوت' (۱۲۲ اقساط) کا بھی اختتام ہو گیا۔

وہ بد طینت لوگ جو یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام بھی معاذ اللہ تفریقِ انسانی کا علمبردار ہے اور یہ بھی اتحاد کی بجائے افتراق و انتشار کی راہیں ہموار کرتا ہے، آپ کے نزدیک 'شیطان کے سپوت' ہیں۔ آپ نے اپنی اس تصنیفِ لطیف میں بتایا ہے کہ 'شیطان کے سپوت' وحدت و مساواتِ انسانی کے نعرے میں خود کس حد تک

مخلص ہیں اور سہل انسانی پران کی اپنی 'نوازشات' کا کیا عالم ہے۔ نیز اسلام نے نوع انسانی کے لیے کیا کیا اور اس کے انقلابی پیغام نے انسانیت کی تقدیر بدلنے میں کس حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ باذوق اور حقیقت کے متلاشی افراد کے لیے یہ کتاب ایک بے مثال نعمت ہے۔

### ۳۵۔ خطبات حضرت آسی علیہ الرحمہ : حضور مفلک اسلام قدس سرہ النورانی کے

نورانی خطابات میں سوز و گداز، کیف و مستی، محبت و غیرت، جزم و ادب، تاثیر و تذکیر، علم و ایمان، اسرار و رموز غرضیکہ سبھی کچھ تو ہوتا تھا جو ایک دل کی کامل کے خطابات میں ہونا چاہئے۔ آستانہ عالیہ کی طرف سے ان خطابات کو تحریری شکل میں لا کر استفادہ عام کے لیے پیش کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں کافی کام ہو چکا ہے اور کچھ ہونا باقی ہے۔ اسباب کی دستیابی کے بعد اسے بصورت کتاب شائع کر دیا جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

### ۳۶۔ مقالات حضرت آسی علیہ الرحمہ : حضور نے عرصہ تدریس کے

دوران اور اس کے بعد تاحیات لاتعداد مقالات لکھے۔ جن میں سے بعض تو کتابچوں کی صورت میں شائع کر دیئے گئے تاہم ان کی بڑی تعداد محض رسائل و جرائد میں تو چھپتے رہے، کتابی صورت میں لائے نہ جاسکے۔ اب ان مقالات کو مرحلہ وار کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام ترتیب دیا جا چکا ہے۔ یاد رہے کہ یہ مقالات ایک سے بڑھ کر ایک نادر ہیں۔ اگر انہیں محفوظ نہ کیا گیا تو قوم ایک بڑے علمی سرمایے سے محروم ہو جائے گی۔ انہی خدشات کے پیش نظر تصنیف "مقالات حضرت آسی علیہ الرحمہ" مرتب کی جا

رہی ہے۔

### ۳۷۔ کلیاتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور کے بلند پایہ شاعر

ہونے کا اعتراف بڑے بڑے شعراء نے کیا۔ حمد و نعت کا حسین امتزاج آپ کی خصوصیت ہے۔ اس سے پہلے اس منفرد انداز میں کثرت کے ساتھ حمد و نعت یکجا کرنے کا اسلوب ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار علیہم الرضوان اور اولیائے کرام علیہم الرحمہ کے مناقب آپ کے کلام میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ ملکی حالات کی درستی اور ملی و قومی احوال کی اصلاح کے لیے آپ نے بہت خوبصورت نظمیں لکھیں۔ جس شخصیت نے گیارہ سال کی عمر عزیز میں اشعار کہنا شروع کیے ہوں اور سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر مبارک تک (یعنی چھپن سال) گلہائے عقیدت و محبت نچھاور کیے ہوں، ان کے کلام کی وسعت و ضخامت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس آپ کے لکھے گئے کلام کا ایک بڑا حصہ حوادثِ زمانہ کی نظر ہو گیا اور جو باقی ہے وہ بھی ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ بہر حال دستیاب کلام کو ”کلیاتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ“ کے عنوان سے شائع کرنا آئندہ پروگرامز میں شامل ہے۔

### ۳۸۔ اداریاتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور مقلدِ اسلام قدس سرہ العالی

اسلام کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔ آپ محض خدا سے ڈرنے والے جبکہ خلقِ خدا سے بے خوف تھے۔ اس کی دلیل مجلہ الحقیقہ کے اداریوں میں دیکھی جاسکتی ہے، ان اداریوں نے ایک عرصہ علمی حلقوں میں تہلکہ مچائے رکھا۔ یہ ادارے کیا تھے، شیر کی گرج تھی جس

نے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ طاری کر دیا تھا۔ ان میں ملک و ملت کے دشمنوں کی پکڑ بھی کی جاتی تھی اور اپنوں کو متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی ترغیب بھی دی جاتی تھی۔ اب آستانہ عالیہ حضور مقلد اسلام ان اداروں کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ آج بھی اتنے ہی اہم اور مؤثر ہیں جتنے اس دور میں تھے۔

### ۳۹۔ ملفوظات حضرت آسی علیہ الرحمہ: آپ کی حیاتِ مقدّسہ کا ایک ایک

لحوظ بنا کر تھا۔ اہل ایمان آپ کی سیرت و کردار کو دیکھ کر اپنے ایمان مضبوط کرتے تھے اور غیر مسلم آپ کے اخلاق و اطوار دیکھ کر اسلام سے مرعوب ہوئے بنا نہیں رہ سکتے تھے۔ لوگ آپ کی زبانِ اقدس سے نکلنے والے ایک ایک حرف کو دلیلِ آخر سمجھتے تھے۔ آپ کے اقوال اپنوں اور بیگانوں کو قائل و مائل کر لیتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ارشادات کی اثر آفرینی کے سبب انہیں اکٹھا کرنا از حد ضروری ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ملفوظات حضرت آسی علیہ الرحمہ کی اشاعت کا پروگرام تکمیل دیا گیا ہے۔

### ۴۰۔ مکاتیب حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور علیہ الرحمہ نے وقتاً فوقتاً مکاتیب

کو بھی ذریعہ تبلیغ بنایا تھا۔ مثلاً صدر اور وزراءِ اعظم کو اصلاح کے لیے مختلف وزراء کو تنبیہ کے لیے، رسائل و جرائد کے ایڈیٹرز کو مختلف ایڈیٹرز پر، مذہبی رہنماؤں بالخصوص پیرانِ عظام کو اصلاح قوم کے لیے، اخبارات کے ایڈیٹرز کو فاشی کے خلاف نیز مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مختلف افراد کو خطوط لکھ کر اصلاح احوال کی کوشش فرمائی۔ یہ حضور سیدنا مجدد و الف ثانی قدس سرہ النورانی کی سنت بھی ہے۔ تمام مکاتیب کو محفوظ نہیں رکھا جاسکتا ہم آپ کے غلاموں نے جن مکاتیب کو حرز جاں بنا کر رکھا، انہیں سبجا کر

کے ”مکاسبِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ“ کے نام سے انشاء اللہ العزیز شائع کیا جائے گا۔

### ۴۱۔ انتساباتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ : حضور مقلدِ اسلامِ قدس سرہ نے اپنی

ہر تصنیف اور الحقیقہ کے خاص نمبر کے آغاز میں مختلف عظیم شخصیات (زیادہ تر حضور نقوشِ لائٹانی

علیہ الرحمہ) کے نام جو انتساب کے الفاظ رقم فرمائے ہیں، وہ اردو ادب میں عظیم شہ پارے اور عقیدت و محبت کے مظہر شاہکار جو اہر پارے ہیں۔ قبلہ پیر سید صابر حسین شاہ صاحب مدظلہ نے تمام انتسابات کو کتابی صورت میں جمع کرنے کا ذمہ اٹھایا ہے۔ ہر کتاب اور جس کے نام انتساب ہے، کا مختصر تعارف بھی دیا جائے گا۔

### ۴۲۔ تقدیماتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ : حضور نے اپنی دیگر کتب پر جو

تقدیمات رقم فرمائی ہیں، ان کو اس کتاب ’تقدیماتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ‘ میں یکجا کرنے کا پروگرام ہے۔ تقدیم کے ساتھ ہر کتاب اور مصنف کا مختصر تعارف بھی درج ہوگا۔ یہ کام بھی قبلہ پیر سید صابر حسین شاہ صاحب مدظلہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔

### ۴۳۔ مناقبِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ : حضور کا وہ کلام جو آپ نے

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، اہل بیت اطہار علیہم الرضوان اور مشائخ عظام علیہم الرحمہ کی شان میں لکھا، اسے ’مناقبِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ‘ کے عنوان سے مراحلِ طباعت سے گزارنے کا پروگرام بھی ترتیب پا چکا ہے۔

### ۴۴۔ مقالاتِ میلاؤ : میلاؤ شریف کے موضوع پر آپ کے گراں قدر مقالات

کو ایک خوبصورت گلدستہ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ میلا دپر آپ کے مقالات بہترین مقالات ہیں۔

**۴۵۔ حق بیانی:** نعتیہ کلام اور مناقب کے علاوہ آپ نے اصلاح معاشرہ اور

ارباب

سیاست کی اصلاح کے لیے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اس متفرق کلام میں ایسے پیر کی ایسی تمیمی اور اے ہمارے بادشاہ، وزیر، حاکم کو کافی شہرت ملی۔ ان عنوانات پر دیگر نظمیں بھی بہت خوبصورت ہیں۔ انہیں 'حق بیانی' کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

**۴۶۔ نعت رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:** اس ایمان

افروز مقالہ میں عہد نبوی میں نعت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نعتیہ کلام عنوانات اور تراجم کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اصحاب رسول کے عقائد و نظریات کا بھی پتا چلتا ہے۔

**۴۷۔ لائٹانی لغات القرآن:** ۱۱ اگست ۲۰۰۶ء کو قبلہ پیر سید صابر حسین شاہ

صاحب مدظلہ آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے تو حضور مقلد اسلام قدس سرہ کی 'لائٹانی لاہیری' میں آپ کے قلمی مخلوطات کی زیارت بھی کی۔ انہی میں 'لائٹانی لغات القرآن' بھی تھی۔ یہ آپ کے قلم سے صاف اور شفاف صورت میں موجود ہے۔ قرآنیات میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس کی اشاعت بھی از حد نافع ثابت ہوگی۔



۴۸۔ لاٹانی دروس القرآن: نقیض لاٹانی اسلامک یونیورسٹی میں حضور مقلد

اسلام رحمۃ اللہ علیہ جو دروس قرآن دیتے رہے، ان کو لاٹانی دروس قرآن میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ تاہم اس کی طباعت پر ڈگرامز میں شامل ہے۔ (انشاء اللہ)

۴۹۔ تجلیاتِ احادیث: حضور ہر سال ماہ رمضان میں عصر تا افطار دروس

حدیث دیا کرتے تھے۔ (افطاری کا وسیع بندوبست بھی ہوتا تھا)۔ جامع مسجد خاتون جنت شکر گڑھ میں جو دروس دیتے، ان کو تجلیاتِ احادیث کے نام سے کتابی صورت میں شائع کرنا مقصود ہے۔

۵۰۔ تضمین ”واہ کیا جو دو کرم ہے شہِ بطحا تیرا“: علیحضرت امام احمد

رضاء یلوی ہلیہ الرحمہ کی مشہور نعت کا مطلع ہے:

واہ کیا جو دو کرم ہے شہِ بطحا تیرا  
’نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا  
اس پر حضور نے تضمین لکھی ہے اور خوب لکھی ہے۔ مطلع ملاحظہ کیجئے:

رب کی ہر دولت و نعمت پہ ہے قبضہ تیرا نام یونہی تو نہیں قاسمِ نعمتا تیرا

تو غنی اور ہے محتاج زمانہ تیرا واہ کیا جو دو کرم ہے شہِ بطحا تیرا

’نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ تضمین الحقیقہ میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم اب اسے علیحدہ شائع کرانے کا بھی منصوبہ

ہے۔

۵۱۔ میوہ ہسپتال لاہور میں چند روز: حضور مقلد اسلام قدس سرہ نے دوران

علاقت دس روز میو ہسپتال لاہور میں گزارے۔ ان ایام میں آپ نے مختلف احوال کا بے لاگ تجزیہ کیا۔ مختلف افراد کی سیرت و کردار پر مخلصانہ تبصرہ فرمایا۔ ایمان و اسلام کے بنیادی تقاضے، تبلیغ و تذکیر کے ظاہری و باطنی مظاہر کی تطہیر فرما کر اپنی حیات کے ایک باب کو داکیا۔ یہ آپ بیٹی نہایت دلچسپ اور دلنشین پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ الحقیقہ (مئی ۲۰۰۳ء) میں شائع ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ جلد یا بدیر کتابی صورت میں بھی شائع ہو جائے گی۔

یاد رہے! ماہنامہ انوار لائٹانی، ماہنامہ الحقیقہ کے علاوہ بے شمار رسائل و جرائد میں چھپنے والے لاتعداد مضامین ان کے علاوہ ہیں۔ جن کو اگر سبجا کیا جائے تو بیسیوں کتابوں پر محیط ہوں۔